

# خطبات حرم مکی



فَضِيلَةُ الشَّيْخِ  
جَسْتَسْ  
أَبِي سَعْدٍ بِنِ ابْنِ إِبرَاهِيمَ الشُّتَيْبِيِّ حَفِظَهُ اللهُ

منبر حرم پر دیئے گئے ۹ سالہ خطبات جمعہ کا اردو ترجمہ

اپریل 2012ء تا مئی 2021ء

ترجمہ و تخریج: ریسرچ ڈیپارٹمنٹ، پیغاٹی وی



[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان



## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [library@mohaddis.com](mailto:library@mohaddis.com)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

خطبات حرم کی

کتاب:

فضیلۃ الشیخ جسٹس ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریعہ

خطیب:

ریسرچ ڈیپارٹمنٹ، پیغام ٹی وی

ترجمہ:

حافظ عمر وزیر

کیپوزنگ:

پیغام ٹی وی

ناشر:

2021ء

سال اشاعت:

کتاب سرائے، لاہور

مطبع:

## فہرست عناوین

3	* فہرست عناوین
9	* ابتدائیہ
15	* ثقافتِ اسلام اور معاصر عالمی ثقافت
27	* مذاکرات کی اہمیت اور اثرات
43	* مسلمانوں کی زندگی میں استحکام اور اس کی اہمیت
53	* اے امتِ اسلام! قرآن کا اہتمام کرو
69	* حق اور عدل کا معیار
85	* حج کے اسباق اور عبرتیں
99	* ہوا میں اللہ کی نشانیاں ہیں
113	* اللہ پر یقین کیجیے
127	* اللہ سے عافیت مانگا کرو
139	* رضا کارانہ کام اور ان کی فضیلت و اہمیت

- 149 \* زندہ ضمیر: معنی و مفہوم اور اہمیت
- 161 \* زلزلے... نشانیاں، عبرتیں اور احکام
- 175 \* دھوکا اور فراڈ کی سنگینی
- 185 \* شام اور بیداری امت
- 197 \* رمضان کے بعد کیا ہو؟
- 205 \* حسن کردار اور ہوش مندی
- 215 \* انتقام حج پر حاجیوں کو چند نصیحتیں
- 225 \* طعنہ زنی اور نصیحت میں فرق
- 237 \* نیک شگوننی اور بدفالی میں سے بہتر راستہ
- 247 \* افواہ اور من گھڑت خبروں کے نقصانات
- 259 \* خود غرضی کی تباہ کاریاں
- 271 \* دور اندیشی اور بیدار مغزی
- 283 \* غمخواری کی صفت

293

\* مسلمانوں پر زیادتی، ایک سنگین گناہ

305

\* رمضان کے گزرنے سے پہلے ایک لمحہ فکریہ

317

\* عرفات کے دن کے احکام و مسائل

325

\* نکتہ چینی کی مذمت

335

\* امن معاشرہ کی پاسبانی

345

\* توکل اور شن آسانی میں فرق

361

\* نبی رحمت ﷺ کی رحم دلی اور بردباری

375

\* یمن، رافضی اور ہدم کعبہ

385

\* مسلمانوں کی حالت اور بہتری کی راہ

397

\* ماورِ رمضان اور نیکیوں میں سبقت

409

\* عفو دور گزر بہترین عادت ہے

421

\* خالص اللہ کیلئے احرام باندھنا

433

\* نعمتِ اسلام کی تکمیل

- 445 \* لا پرواہی اور امت پر اس کے اثرات
- 455 \* دانش مندی اور احتیاط
- 465 \* عجلت پسندی اور جلد بازی سے اجتناب
- 475 \* سرکشی اور تکبر سے بچاؤ
- 487 \* لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی فضیلت
- 499 \* رمضان ماہ قرآن
- 509 \* مسجد حرام اور اس میں موجود واضح نشانیاں
- 523 \* گھریلو تشدد کی صورتیں اسباب اور علاج
- 533 \* رفائی کاموں کے معاشرے پر اثرات
- 545 \* ذرائع ابلاغ ایک نعمت!
- 559 \* تکلیف سے بچو اور بچاؤ
- 573 \* رمضان... عبادت کا مہینہ
- 583 \* اتحاد میں برکت ہے

- 597 \* خوف بے چینی پھیلانے کے نقصانات
- 609 \* چیزوں کو قیمت کے مطابق اہمیت دیکھئے
- 621 \* مسلمانوں میں اختلافات پھیلانے کا نقصان
- 637 \* اے خیر کار! ارادہ رکھنے والے! آگے بڑھ
- 649 \* حج کے فوائد
- 659 \* بچت اور سرمائے کا حسن انتظام
- 673 \* لفظوں کی اہمیت
- 685 \* عربی زبان کی اہمیت
- 695 \* نفرت انگیز انداز گفتگو
- 707 \* تکبر و غرور کا مفہوم اور اس کے اثرات
- 719 \* تکلف کی ہولناکیاں اور اس کے برے نتائج
- 731 \* رمضان کے بعد نیکیوں پر استقامت
- 741 \* حجاج اور معتمرین کے لیے چند ضروری نصیحتیں



- 751 \* سکینٹ میں امن و اطمینان ہے
- 763 \* بلیک میٹنگ کا مفہوم اور نقصانات
- 773 \* تعصب کے نقصانات اور اس کا علاج
- 787 \* حسد کی بیماری اور اس کا علاج
- 799 \* امتیازی مقام، مفہوم اور اثرات
- 809 \* استقبالِ رمضان
- 823 \* دنیا کی حقیقت
- 837 \* انفرادیت پسندی، مفہوم، اسباب اور نقصانات
- 849 \* ازیت رسانی سے اجتناب
- 861 \* مالی اور انتظامی کرپشن
- 872 \* زندگی گزارنے کے چند اہم اصول
- 887 \* ہراسانی کا جرم
- 901 \* رمضان کے الوداعی لمحات اور قبولیت کی امید

## ابتدائیہ

مسجد حرام کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے مرکز ہدایت قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کا کوئی شمار ممکن نہیں جن کے دل کی دنیا اس مقدس مقام کی برکت سے ہمیشہ کے لیے بدل گئی۔ ہر روز یہاں ہزاروں زائرین آتے ہیں اور قلب و روح کی سیرابی کا سامان لے کر لوٹتے ہیں۔ ایسے بابرکت مقام پر اللہ تعالیٰ نے جن علماء کرام کو امامت و خطابت اور وعظ و تذکیر کا منصب سونپا ہے، ان کے بخت کی یاقوتی پریں ہر مسلمان رشک کر سکتا ہے۔ کتنے ہی ابلیس کے مقتول ایسے ہوں گے جن کے تن مردہ میں ان کے وعظ و تذکیر سے جان پڑ گئی ہوگی اور کتنے ہی سرگشتگان راہِ ضلالت ایسے ہوں گے، جنہیں ان کے چند جملوں سے راہِ ہدایت کا پتہ مل گیا ہوگا۔

جو علماء کرام اس بابرکت جگہ پر خطابت کے منصب جلیل پر فائز ہیں، ان کے خطبات میں اجتہادی بصیرت اور سوز و دردوں کے ساتھ ساتھ امت کے لیے درد دل اور مسلم حکمرانوں کے لیے نصیحت و خیر خواہی کے جذبات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ ان خطبات میں وعظ و تذکیر کے علاوہ امتِ اسلامیہ کو درپیش مسائل کا حل بتایا جاتا ہے، حالات و واقعات کی مناسبت سے قرآن و سنت کی روشنی میں امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا جاتا ہے، مسلمانوں میں پیدا ہونے والی نئی بدعات اور فتنوں سے آگاہ کیا جاتا ہے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں جادۂ سنت کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے کیونکہ سنت ہی وہ مستقیم شاہراہ ہے جس پر گامزن ہو کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے سرفرازی پائی تھی اور اسی شاہراہ پر چل کر آج کے مسلمان اوجِ عظمت پر متمکن ہو سکتے ہیں۔ حرمین شریفین کے خطبات کی یہ خوبیاں محض برائے وزن بیت یا عقیدت کی راہ سے نہیں کہی گئیں بلکہ یہ

خیالات بر اور است مشاہدے پر مبنی ہیں۔ شنیدہ کے بودمانند دیدہ۔

جن اہل علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مقدس گھر میں لوگوں کی امامت و رہنمائی کے لیے چنا ہے، انہی میں ایک نمایاں نام شیخ سعود بن ابراہیم الشریع رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ سعود عربی زبان میں بے حد سعادت مند شخص کو کہا جاتا ہے۔ جانے وہ کون سی قبولیت کی گھڑی تھی جس میں ان کے والدین نے نیک فالی کے طور پر اپنے بیٹے کے لیے یہ نام تجویز کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حسن ظن کی لاج رکھتے ہوئے بیٹے کو تمام مدارج ترقی سے گزار کر حقیقی معنوں میں ارجمند بنا دیا۔

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ (سورۃ آل

عمران: 37)

”آخر کار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول فرمایا، اُسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر

اٹھایا“

شیخ سعود بن ابراہیم نے 1386ھ بمطابق 13 جنوری 1966ء کو سعودی عرب کے ایک خوشحال اور ثروت مند گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ان کے دادا محمد بن ابراہیم الشریع تقریباً تین سال تک سعودی عرب کے علاقہ شعراء کے گورنر رہے۔ خاندانی وجاہت اور ثروت مندی کے اعتبار سے ان کے لیے یہ موقع موجود تھا کہ طلب علم کی مشقتیں برداشت کرنے اور مدارج کمال کی کٹھنائیاں عبور کرنے کے بجائے راحت کے ساتھ امیرانہ زندگی گزارتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں دنیوی عیش و عشرت کے بجائے دعوت و ارشاد اور خدمت دین کی عزت لکھی ہوئی تھی چنانچہ انہیں ابتداء ہی سے اس راستے پر چلنے کی توفیق ارزاں فرمائی گئی۔

شیخ سعود بن ابراہیم نے میٹرک تک سعودی عرب کی رسمی تعلیم مکمل کرنے کے بعد

1404ھ میں ریاض کی مشہور یونیورسٹی جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ کے شعبہ ”عقیدہ“ اور معاصر مذاہب“ میں داخلہ لیا۔ یہاں تقریباً پانچ سال زیر تعلیم رہنے کے بعد 1410ھ میں المعهد العالی للقتضاء میں داخل ہوئے اور 1413ھ میں یہاں سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔

شیخ سعود بن ابراہیم نے حصول علم کے لیے صرف رسمی حکومتی ڈگریوں پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ طلب علم کے لیے اپنے وقت کے بڑے بڑے اہل فضل و کمال کے حلقوں کو بھی لازم پکڑا، ان کے علمی حلقوں میں بلا ناغہ حاضر ہوتے اور دامن طلب کو گوہر مراد سے بھرتے۔ چنانچہ انہیں جن باکمال اہل علم کے سامنے زانوئے تلمذ بچھانے کا موقع ملا، ان میں شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ، شیخ عبداللہ بن جبرین رحمہ اللہ، شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن عقیل رحمہ اللہ، شیخ عبدالرحمن البراک رحمہ اللہ، شیخ عبدالعزیز الراجمی رحمہ اللہ، شیخ عبداللہ الغدیان رحمہ اللہ اور شیخ صالح بن فوزان الفوزان رحمہ اللہ جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

1416ھ میں انہوں نے ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے اپنے پی ایچ ڈی مقالہ کے لیے دسویں صدی ہجری کے مشہور حنفی عالم ابو منصور انکرمانی رحمہ اللہ کی کتاب المسالک فی المناسک کو منتخب کیا اور اس کی تحقیق کی جواب گوشہ خمول سے نکل کر طباعت پذیر ہو چکی ہے۔

انہوں نے 1410ھ یعنی طالب علمی ہی کے زمانے میں عملی زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔ چنانچہ 1410ھ میں انہیں المعهد العالی للقتضاء میں تدریس کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس کے بعد 1412ھ میں انہیں شاہی حکم پر بیت اللہ کی امامت و خطابت کا منصب سونپا گیا۔ 1413ھ میں انہیں مکہ مکرمہ کی سب سے بڑی عدالت کالج متعین کیا گیا لیکن کچھ ہی عرصے بعد انہوں نے اس ذمہ داری سے معذرت کر لی۔ 1414ھ میں انہیں شاہی حکم کے

ذریعے مسجد حرام میں مدرس بھی مقرر کیا گیا جہاں انہوں نے طالبان علوم نبوت کو عقیدہ، حدیث، فقہ، اور اصول فقہ وغیرہ سے متعلق مختلف کتابیں پڑھائیں۔ ان ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مکہ مکرمہ کی مشہور یونیورسٹی اور اپنی مادر علمی جامعہ ام القری میں بھی بطور پروفیسر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اسی جامعہ میں انہوں نے 1432ھ میں فیکلٹی شریعہ اینڈ لاء کی بنیاد رکھی اور اس کے ڈین مقرر ہوئے۔ اس وقت وہ مسجد حرام میں امامت و خطابت کے ساتھ ساتھ ام القری یونیورسٹی میں بھی اپنی خدمات جاری رکھے ہوئے ہیں۔

شیخ سعود الشریح کا شمار اس زمانے کے نہایت خوش الحان قراء کرام میں کیا جاتا ہے۔ ان کے اسلوب تلاوت میں تکلف اور تصنع کا کوئی شائبہ نہیں۔ ان کے سادہ اور بے ساختہ لہجے میں بھی ایسی دلکشی اور حلاوت ہے کہ سننے والوں کو کلام الہی دلوں کی گہرائیوں میں اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

اس وقت مسجد حرام میں دیے ہوئے ان کے خطبات جمعہ کا مجموعہ آپ کے پیش نظر ہے۔ ان کے خطبات میں آپ کو نصوص قرآن و سنت پر گہری نظر، اجتہادی بصیرت، بالغ نظری، دوراندیشی اور ایمانی فہم و فراست کے ساتھ ساتھ اخلاص اور امت کے لیے خیر خواہی کے جذبات بھی نظر آئیں گے۔ قرآن مجید کے ساتھ اپنے شب و روز گزارنے کی برکت ہے یا فطری انعام کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے میں ایک رقیق اور اخلاص سے معمور دل رکھا ہے۔ ان کی یہ رقت قلبی اور ان کا یہ سوزدروں ان کی تلاوت میں بھی نمایاں ہے اور ان کے خطبات کے ایک ایک جملے سے بھی چھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فصاحت و بلاغت کی خوبی سے بھی نوازا ہے۔ ان کے دل کا اخلاص اور گداز جب ان کے فصیح و بلیغ اور مختصر جملوں کی صورت میں ان کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو سننے والوں کے دل پر بے حد اثر کرتا ہے۔

یہ بات روز اول سے ہی پیغام ٹی وی کے منتظمین کے پیش نظر رہی ہے کہ حریم شریفین کے خطبات جمعہ کو اردو سمجھنے والوں تک پہنچایا جائے۔ اسی جذبے کے ساتھ حریم شریفین کے ہر خطبہ جمعہ کا ترجمہ اہل علم سے کروایا جاتا ہے اور پیغام ٹی وی کے ناظرین تک پہنچایا جاتا ہے۔ چونکہ برقی ذرائع ابلاغ کے اس دور میں بھی کتاب کی اہمیت، افادیت اور نفع رسانی اپنی جگہ مسلم ہے، اس لیے گاہے بگاہے ان خطبات کو کتابی صورت میں چھپوانے کی سعی بھی کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس بار شیخ سعود الشریح رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ و نصیحت اور فہم و فراست سے لبریز یہ خطبات آپ کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے نفع مند بنائے اور اس کار خیر میں مالی، علمی یا بدنی کسی بھی اعتبار سے حصہ ڈالنے والے ہر فرد کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

اس کتاب کو آپ تک پہنچانے میں پیغام ٹی وی کی مینجمنٹ اور اس کی مکمل ٹیم کی محنت شامل ہے۔ خصوصاً پیغام ٹی وی کے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ نے اہم کردار ادا کیا ہے، جو میڈیا میں علم و تحقیق کی ایک دلکش مثال ہے۔ اس شعبہ کو ملک کے نامور شیوخ الحدیث والتفسیر، جید علمائے کرام اور عصری شعور کے حامل ممتاز دانشمندان کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس شعبہ تحقیق میں عالم اسلام کی نامور یونیورسٹیز سے فاضل ریسرچ سکالرز خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان خطبات کے ترجمہ کا اہم اور مبارک کام بھی یہی شعبہ سرانجام دیتا ہے۔ ان خطبات کا اردو زبان میں ترجمہ کرنے والے پیغام ٹی وی کے شعبہ تحقیق و تخریج میں موجود ریسرچ سکالرز کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

\* مولانا محمد اجمل بھٹی رحمۃ اللہ علیہ (ہیڈ شعبہ تحقیق و تخریج پیغام ٹی وی، فاضل مدینہ

یونیورسٹی و پی ایچ ڈی سکالر)

\* مولانا محمد عاطف الیاس رحمۃ اللہ علیہ (فاضل ام القری یونیورسٹی و ایم فل)

\* مولانا محمد ہاشم یزمانی ﷺ (فاضل مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب)

\* مولانا عبدالقیوم ﷺ (ایم فل و فاضل مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب)

\* قاری نصیر احمد ناصر ﷺ (فاضل مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب)

\* میاں عتیق الرحمن ﷺ (پی ایچ ڈی سکالر)

ان خطبات کی کمپوزنگ اور آیات و احادیث کی تخریج میں محترم حافظ عمر وزیر ﷺ کی کاوشیں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ پیغام نبی کی تمیم کے ہر فرد کی کی کاوشوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کتاب کو ہر فرد کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین





## پہلا خطبہ

حمد و ثنا کے بعد!

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو جلوت میں بھی اور خلوت میں بھی۔ غم و غصے میں بھی اور خوشی و سرور میں بھی، جان لو کہ اچھا انجام اہل تقویٰ ہی کے لیے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴾ (سورۃ

یوسف: 90)

”جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکو کار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“

اللہ کے بندو! ایک دن رسول مکرم ﷺ صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا فَقَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنِي وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ فَالْتَّجَاءُ فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهِ فَأَذْلَجُوا فَأَنْظَلَقُوا عَلَى مَهْلِهِمْ فَتَجَوَّأُوا وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَنَحَهُمْ فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِي فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهِ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ» (صحیح بخاری: 7283)

”میری اور جو مجھے دے کر بھیجا گیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے، جس نے اپنی قوم کو آ کے خبردار کیا، لوگو! میں تمہارے خلاف آتا ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اور میں تمہیں اس سے واضح طور پر خبردار کر رہا ہوں کہ بچنے کی تدبیر کر لو، لوگوں میں سے ایک گروہ نے اس کی بات مان لی اور وہ رات ہی کو چل پڑے اور بچ نکلے۔ دوسرے گروہ نے اسے جھوٹا کہا اور وہیں پڑے رہے، چنانچہ صبح دم

لشکر حملہ آور ہوا اور اس نے انھیں تہس نہس کر دیا۔ یہ مثال ہے مجھے اور میری تعلیمات ماننے والوں کی اور ان کی جنہوں نے مجھے نہ مانا اور میرے لائے ہوئے حق کو جھٹلایا۔“

مشکوٰۃ نبوت کی برحق ضیا پاشیوں میں سے یہ ایک صحیح اور صریح حدیث ہے، جس شخص نے خلوص دل اور عقل سلیم کے ساتھ اس پر منصفانہ غور و خوض کیا، اسے یقین ہو جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذکر کردہ علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ ایک ایسے زمانے میں کہ جب دین اور علم حقیقی کو باعثِ اعزاز و افتخار سمجھنے کا جذبہ ماند پڑ چکا ہے اور ایسے دور میں کہ جب معلومات، انکشافات اور ثقافتی یلغار نے غیر معمولی چھلانگ لگائی ہے، آج کی ثقافت کو ایک ہی سانچے میں ڈھالا جا رہا ہے یعنی پوری دنیا کو بلا امتیاز ایک ہی بلاک میں ڈھالنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

ان کوششوں میں سادہ لوح مسلمانوں کا بھی برابر کا حصہ ہے۔ ان کوششوں کا ہدف یہ ہے کہ اسلام کا شعور نہ رکھنے والے بعض سادہ لوح مسلمانوں کی مدد سے اسلام و شریعت اور اس کی ثقافت و آداب سے مسلمانوں کا تعلق کمزور کیا جائے اور ان کا یہ اعتمار متزلزل کیا جائے کہ دین اسلام دین و دنیا کو ایک ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت پر مشتمل کامل دین کی بجائے اس کی جزوی تعلیمات پر اکتفا کر کے بیٹھ جائیں۔

دشمنانِ اسلام کی طرف سے کوششیں جاری ہیں دراصل وہ مسلمانوں کو ایک ناکمل، ٹوٹی ہوئی کڑیوں والے اور ادھوری قسم کے اسلام پر عمل پیرا دیکھنا چاہتے ہیں کہ جو کمل قانون سازی میں دخل اندازی نہ کرے۔ وہ عام زندگی کو اعلیٰ اقدار سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے مثالی کردار کو ختم کر کے چاہتے ہیں کہ اسلام کا صرف نام باقی رہے یا کم از کم ایسی

شکل میں باقی رہے جو مرورِ ایام سے خود بخود ذرا نکل ہو جائے یا ان کے معانی یکسر تبدیل ہو کر رہ جائیں اور آئندہ نسلیں اسلام کی اسی مسخ شدہ صورت قبول کرنے کو پہلے ہی سے تیار ہوں۔ ان میں سے کچھ نسلیں تو انصاف سے ویسے ہی دور ہو چکی ہوں اور وہ مُسَلِّمات سے آنکھیں چرائیں اور نقل صحیح اور عقل صریح کو تسلیم ہی نہ کریں۔

ان کی کوشش یہ بھی ہے کہ انصاف سے عاری بعض ایسے حملے تسلیم کر لیے جائیں جو شریعت صحیح اور عقل سلیم کی رو سے واضح کامیابی سے دور ہیں۔ معاصر عالمی ثقافت نے عصر حاضر میں ایک ہمہ گیر غلبہ حاصل کر لیا ہے، میڈیا اور انٹرنیٹ کے طوفان نے جسے اور زیادہ تقویت دی ہے۔ یہ کئی راستوں سے ہمارے اندر گھس آئی ہے اور ہر اس جگہ پہنچ گئی ہے جہاں سورج کی روشنی پہنچتی ہے۔

اس ثقافت نے زندگی کے مظاہر اور اسالیب کو یوں بدل کے رکھ دیا ہے کہ بہت سوں کے نزدیک تو اب اس سے چھٹکارہ پانا ممکن ہی نہیں۔ اگرچہ اس کے نتیجے میں اپنے دین حنیف اور اعلیٰ اقدار سے ہی ہاتھ دھونا پڑیں۔ ہم انکار نہیں کرتے کہ موجودہ ثقافت میں کچھ مفید اور عقلی طور پر نفع بخش اشیاء بھی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ہمیں اللہ کی مقرر کردہ شریعت کو ایک طرف نہ رکھنا پڑے یا ہمیں اس پر عمل کرتے ہوئے کسی قسم کا کھٹکایا خجالت طاری نہ ہونے لگے۔ اس لیے کہ اہل اسلام کی بدترین کیفیت یہی ہو سکتی ہے کہ ان کا اپنی شریعت و ثقافت پر اعتماد نہ رہے، یا ان کے اس اعتماد کو ٹھیس لگ چکی ہو اور ان سے کوئی بھی وہ بات نہ کہہ سکے جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہی تھی:

"نَحْنُ قَوْمٌ أَعَزَّنَا اللَّهُ بِالْإِسْلَامِ وَمَهْمَا ابْتَغَيْنَا الْعِزَّةَ فِي غَيْرِهِ أَدَلَّنَا

اللَّهُ"

"ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعے سے عزت عطا کی ہے، اگر ہم نے

اس کے علاوہ کہیں سے عزت کی جستجو کی تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا۔“  
اس پر تعجب نہیں کہ آج ہم عالمی ثقافت پر مائل لوگوں کے تصورات دیکھ رہے ہیں، جن میں مسلمان بھی شامل ہیں۔ وہ اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں، اگرچہ یہ ثقافت شریعت اور ثقافت اسلامیہ کے ساتھ کتنا ہی تعارض و تضاد رکھتی ہے۔  
اس کشش کے دو اسباب ہیں:

پہلی وجہ یہ کہ آج مادی اور معنوی دونوں قوتیں غیر مسلموں کے پاس ہیں، جس کا اثر زندگی کے تمام شعبوں پر پڑا ہے۔ عسکری، اقتصادی اور سیاسی تینوں قوتوں کا تھیلیشی مجموعہ ان کے ہاتھ میں ہے۔

اور دوسری وجہ اعتماد میں کمی اور اصل اسلامی ثقافت کے سمجھنے میں کمزوری اور اسے کمائنہ صحیح طریقے سے اجاگر نہ کر سکتا ہے۔

پھر اس کے محاسن کائنات اور عام زندگی میں اس کے تعمیری اثرات بیان کرنے میں اعتماد جرات اور پختگی کا فقدان اور یہ بیان کرنے میں کمزوری و ناکامی کہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کارنگ ہے اور اللہ کے عطا کردہ رنگ سے اچھا رنگ کون سا ہے۔

اگر ایسی بعض چیزوں پر تقابلی نگاہ ڈالیں جن پر عالمی ثقافت والے تکیے کیے بیٹھے ہیں اور جن کے مسلم وغیر مسلم دونوں دلدادہ ہیں تو ہم صحیح اسلامی ثقافت اور معاصر عالمی ثقافت میں کئی اعتبار سے تفاوت پاتے ہیں، جس کی ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔

پہلا نکتہ: اسلام اللہ کی طرف سے برحق ہے، اس کے قوانین ہر زمانے اور ہر عہد کے لیے موزوں ہیں۔ جس میں کسی تبدیلی و تحریف کے امکانات نہیں۔ اس کے اصول اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے محفوظ اور ثابت ہیں۔ ایک مسلمان اپنے نبی کے متعلق دقیق تفصیلات سے بخوبی آگاہ ہے کہ اس کے باوجود اس مدت کو چودہ صدیوں سے زائد زمانہ بیت چکا ہے۔

مسلمان تو اپنے ہمسائے، اپنے چچا اور چچا زاد سے بھی زیادہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق جانتے ہوتے ہیں۔

اسلام کے برعکس دوسرے ادیان میں یہ ناممکن ہے، کیوں کہ یا تو وہ ایسے مذاہب ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان ہی نہیں رکھتے یا اگر ایمان رکھتے بھی ہیں تو اس کی بنیاد کسی واضح تسلی بخش دلیل پر نہیں۔ بلکہ انسانی صنعت کے اثرات ان پر نمایاں ہیں۔ سچ فرمایا اللہ رب العالمین نے:

﴿وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (سورۃ

النساء: 82)

”اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف

پاتے۔“

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے سوا دیگر اقوام و مذاہب کے پاس اصلی آسمانی نسخہ موجود نہیں، جو موجود ہے اس میں انسانی تحریفات اور اوہام و خیالات جگہ جگہ پاگئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ جو ان کے پاس ہے وہ اللہ کی جانب سے نہیں۔ اس کے برعکس اسلام میں کتاب اللہ کا ایسا اصلی نسخہ موجود ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی جو عصری حالات اور انسانی فہم کے عین مطابق ہے، کسی بھی تعارض سے پاک!

ابوالقاسم اصہبہانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث رسول کے متعلق کہہ چکے ہیں کہ اگر روایان حدیث کے ہجوم میں کوئی ایسا شخص داخل ہو جائے جس کے متعلق حدیث میں غلطی کرنے کی نشان دہی کی گئی ہے تو وہ کبار محدثین اور سرکردہ علماء کے ہاں مروج نہیں ہو سکتا۔ محدثین تو راویوں کی حدیث کے متن اور سند میں کی گئی غلطیاں بھی گن چکے ہیں بلکہ وہ تو یہ بھی گن چکے

ہیں کہ کس راوی نے کتنی احادیث میں کتنی غلطیاں کی ہیں، کتنے حروف انھوں نے بدلے ہیں یا کیا دیگر غلطیاں کی ہیں اور کتنوں میں وہ صحیح ہیں!

اللہ کے بندو!

اگر کوئی صاحب انصاف ان قوانین بنانے والوں کے قوانین میں سے ان کے اپنے تراشے ہوئے تضادات اور تنازعات ملاحظہ کرے تو یہ بھی ایک مکمل دلیل ہے، جو ثابت کرتی ہے انسانی عقل محدود ہے، فرمایا:

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾

”وہ جانتا ہے جو اس کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔“ (سورۃ البقرۃ: 255)

جبکہ اصلی ثقافتِ اسلامیہ والے کسی معاملے میں اختلاف ہو جانے پر اللہ کے اس فرمان کی طرف لوٹتے ہیں:

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (سورۃ النساء: 59)

”پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔“

اللہ تم پر نظر عنایت فرمائے! رہا دوسرا نکتہ تو وہ نقطہ عدل ہے، جو خیرہ کن چمک رکھتی عالمی ثقافت میں دوسری اخلاقی اقدار کی طرح محدود اور دہرے معیار کا حامل ہے۔ حسبِ مصلحت اس کے الگ الگ پیمانے ہیں۔ جب مسلمان فریق نہ ہوں تو ان کا پیمانہ عدل مختلف

ہوتا ہے اور جب مسلمان فریق ہوں تو تب وہ اپنا معیار عدل ان پر لاگو نہ کرنے پر متفق ہو جاتے ہیں جیسا کہ انھوں نے ہم مسلمانوں سے ڈرتے ہوئے شام میں ہمارے بھائیوں کے ساتھ کیا اور اگر ہم اسلام کی اصلی ثقافت اور اسلحہ سے لیس عالمی ثقافت کا عسکری میدان میں موازنہ کریں تو ہمیں اسلام میں ظاہر و باہر عدل کار فرما نظر آتا ہے۔ اہل اسلام کے لشکر روانہ ہوتے تو ان پر یہ فرض ہوتا کہ وہ درخت نہ کاٹیں، بوزھوں، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کریں اور لشکر یا ان اسلام نے ایک بھی دن ان احکامات کی خلاف ورزی نہیں کی۔

معاصر عالمی ثقافت کے بڑے بڑے غیر مسلم مورخین نے گواہی دی ہے کہ تاریخ نے مسلمان فاتحین سے زیادہ رحم دل لوگ نہیں دیکھے۔ اس صدی اور پچھلی صدی میں کسی عربی یا اسلامی ملک نے کسی ملک پر چڑھائی نہیں کی بلکہ سامراجی طاقتوں ہی نے اپنی پیادہ اور سوار فوجوں کے ذریعے سے زیادتی کی ہے۔ بلکہ ہمارے زمانے کے ثقافت و تہذیب کے بعض علمبرداروں نے پچھلے سو سال میں دوسرے ممالک پر سو کے قریب حملے کیے اور اس دوران لاکھوں انسانوں کو قتل کر دیا ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو یہ سب سے زیادہ مظلوم اور ستم رسیدہ قوم ہیں، انہی کو انہی نے نہیں، انہی کے ملک اور انہی کی جائیدادیں انہی کی ہیں کہ وہاں گدھ بھی شاہین بن جاتا ہے۔ معاصر عالمی ثقافت کے ادارے آج اصلی مالک کو دہشت گرد قرار دے کر کہتے ہیں کہ اگر کا بھی کوئی حق نہیں۔ یہ ثقافت مقدس مقامات اور ٹکڑوں پر غالب آ جانے والے چور کو گھر کا باعزت مالک قرار دے دیتی ہے۔

کیا خوب فرماتے ہیں، بین الاقوامی تعلقات کے ماہرین، جب وہ کہتے ہیں کہ اس طرح کے تصرفات ممالک اور تنظیموں کے مفادات کی روشنی میں جانچے جاتے ہیں۔ یہ تو بالکل ویسا ہی جواز ہے جو راہزن رکھتے ہیں یا جیسے جنگل کے درندے چیر پھاڑ کے لیے جواز رکھتے ہیں۔

موجودہ عالمی ثقافت کو اس حوالے سے جاننے والا ضرور دیکھے گا کہ یہاں صحرا میں لوٹنے والا ایک ڈاکو تو مجرم اور دہشت گرد ہے مگر دوسری جگہ پر جب شہروں کی اینٹ سے اینٹ بھادی جاتی ہے اور شہریوں کو قیدی بنا لیا جاتا ہے تو وحشیانہ جرم کے خلاف کوئی بات کرنے والا نہیں ہوتا کیوں کہ اس کام کے اور اس کام کے کرنیوالوں میں فرق ہے، سو پہلے فعل کام تکب انتہا پسند، اجڈ اور گمراہ ہے جبکہ دوسرے فعل کام تکب مہذب، تمدن اور ترقی یافتہ ہے۔

یہ وہ عدل و انصاف ہے جو معاصر عالمی تہذیب و ثقافت کے پاس ہے اور اس کے مقابلے میں یہ وہ عدل ہے جو ہم مسلمانوں کے پاس ہے۔ سو فیصلہ کر لو:

﴿ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ \* الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴾ (سورة الأنعام: 81-82)

”ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے؟ اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، انہوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر چل رہے ہیں۔“



## دوسرا خطبہ

حمد و ثناء کے بعد!

اسلام کے تمام مشکلات کے حل پر مشتمل دین حق کے اور موجودہ عالمی ثقافت کے درمیان فرق کرنے والے نکات میں تیسرے نکتے کا تعلق عالمی معیشت سے ہے۔ ہمارے زمانے کی عالمی ثقافت نے جو ڈھیروں برکات دنیا کو عطا کی ہیں، ان میں سے ایک، موجودہ بینکاری نظام کے تباہ کن اثرات ہیں، جن کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی اور عالمی اقتصادی بحران ہم سے کوئی دور کی بات بھی نہیں۔

اس پر فریب، خیرہ کن تہذیب کی طرف خود کو منسوب کرنے والے بھی یہ گواہی دینے پر مجبور ہیں کہ موجودہ نظام معیشت نے، جسے بین الاقوامی اقتصادیات کا نام دیا جاتا ہے۔ عالمی معیشت کو تباہ کن نقصانات پہنچائے ہیں۔ اس کے نتیجے میں تہ در تہ قرضوں کے پہاڑ کھڑے ہو گئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بہت سے اقتصادی منصوبے شطرنج کی بساط کی مانند ہو کر رہ گئے ہیں، جن میں اصلی منصوبوں کی نسبت ایک فیصد بھی نہیں ہے۔

اس کے برخلاف اسلامی معیشت تین بڑے کامیاب اصولوں پر مبنی ہے۔ ان میں سے پہلا یہ ہے کہ مال سب لوگوں کے قیام کا ذریعہ ہے۔ دوسرا: غریبوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مال و دولت کی گردش صرف امراء کے درمیان محدود و محصور نہیں کی جاسکتی۔ تیسرا: باہمی معاملات میں حقیقی عدل و انصاف کا قیام۔

یہی وجہ ہے کہ عالمی اقتصادی ماہرین اس وقت دہشت زدہ ہو کر رہ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ اشتراکی نظام معیشت ستر سال کے تجربے کے بعد دھڑام سے نیچے آگرا، سرمایہ دارانہ نظام کا مستقبل بھی اس سے مختلف نہیں، کیونکہ یہ شخصی اور انفرادی مفادات کے گرد گھومتا ہے اور بے مقصد دائروں میں سفر کے دوران مسلسل اقتصادی ارتکاز پر قابض

بھیڑیے اسے نوج رہے ہیں۔ اس لیے کہ یہ نظام ان حقیقی بنیادوں پر استوار نہیں۔

چنانچہ اس کے نزدیک مال تمام لوگوں کے قیام کا ذریعہ نہیں بلکہ چند لوگوں کی ملکیت ہے۔ دوسرے یہ نظام عدل و انصاف سے بالکل عاری ہے۔ تیسرے اس کے نتیجے میں دولت امراء کے گھر کی باندی بن کر رہ گئی ہے جبکہ اسلام کا یہ فیصلہ ہے: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الزَّيْبَاءَ وَيُزِيهِنَّ الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾ (سورۃ البقرہ: 276)

”اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے صدقہ کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور

گنہگار سے محبت نہیں کرتا۔“

تو کیا خیال ہے؟ حق ان آندھیوں کے نتیجے میں ضائع ہو کر رہ جائے گا؟ مسلمانوں کا مستقبل اپنے وطنوں سے بے دخلی، اپنی دولت سے محرومی ہی سے عبارت رہے گا؟ اور اس نام نہاد تہذیب کے ٹکڑوں پر پلنے والے اور ان کے سامنے پیشہ ور گداگروں کی طرح ہاتھ پھیلانے والے ہی پھلتے پھولتے رہیں گے؟ یا اس غفلت کے بعد بیداری بھی آئے گی۔ ان زنجیروں سے آزادی کا بھی کوئی لمحہ میسر آئے گا! اور اس غلامی سے نجات پانے کا جذبہ انگڑائی لے گا؟ جس کا سایہ اہل اسلام کی عقلوں تک دراز ہو چکا ہے۔

اچھے مستقبل کی امید ہماری منزل اور یقین محکم، حقانیتِ اسلام پر غیر متزلزل ایمان اس تک پہنچنے کا زینہ ہے اور یہی اسلام پر کامل اعتماد ہے اور بغیر کسی تردد کے امکانات کی حفاظت ہے۔

اور ہاں درود پڑھو، مخلوق میں سب سے بہتر اور انسانوں میں سے سب سے پاک ذات پر جو کہ محمد ﷺ ہیں جو صاحبِ حوضِ کوثر اور صاحبِ شفاعت ہیں۔

سو اللہ نے تمہیں وہ حکم دیا ہے جس کا آغاز خود کیا اور اس کی پاکی کی تسبیح کرنے والے فرشتوں نے لیا۔

اے مومنو! خصوصی طور پر تمہیں کہا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ زیادہ سے زیادہ درود و سلام اور برکتیں نازل فرما اپنے بندے اور رسول جناب محمد ﷺ پر جو روشن چہرے والے، چمکتی پیشانی والے ہیں۔ اے اللہ! خلفائے اربعہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا اور اپنے نبی کے تمام صحابہ سے اور تابعین سے اور جو بھی قیامت تک احسان سے ان کی پیروی کرتے رہیں اور ان کے ساتھ ہم سے بھی اپنے جو دو کرم اور درگزر کرتے ہوئے راضی ہو جا اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔



②

مذاکرات کی اہمیت اور اثرات

4 رجب 1433ھ بمطابق 25 مئی 2012ء

## پہلا خطبہ

تمام تعریف اس اللہ کی ہے جو بہت بلند اور بڑا عزت اور زبردست قوت والا ہے جس نے ہم پہ ایسی روشن کتاب نازل کی جس میں مثالیں بیان کیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، جنہیں جو امع الکلم اور خوبیوں سے نوازا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر بہت زیادہ اور ان کے صحابہ اور ان کی آل پر درود و سلام بھیجے۔

اما بعد! بلاشبہ بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور بہترین سیرت سیرت مصطفیٰ ہے۔ دین میں بدترین کام نو ایجاد شدہ امور ہیں۔ اسلام میں ہر ایجاد کردہ عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہو کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو کیونکہ یہی ہدایت اور روشنی ہے اور شر اور انحراف سے روکنے کا قلعہ ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْقَائِمُونَ﴾ (سورۃ النور: 52)

”اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔“

اے مسلمانو! اندھیری رات میں چاند کی قدر معلوم ہوتی ہے اور تپتی دوپہر میں سایہ تلاش کیا جاتا ہے اور شیریں چشمہ ڈھونڈا جاتا ہے، سمندر کی لہروں کی طرح بے کراں اختلافات میں اور جب صاحب رائے اپنی ہی رائے کو اہم جانے اور ابلاغی، ثقافتی، علمی اور فکری انحطاط عروج پر ہو تو ایسے میں ہر عاقل روشنی کی کرن کا متمنی ہے جو اسے راہِ راست پر گامزن کرے اور یوں وہ لوگوں کے درمیان چل سکے۔ اسے ایسی حفاظتی جیکٹ کی تلاش

ہوتی ہے جو اسے گہرے سمندر کی موجوں سے اور پریشان کن حالات سے بچا سکے۔ ہم زمانے کے ایسے دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں معلومات کے ذرائع بہت ہیں اور وہ تیزی کی اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ آدمی کو صبح و شام پوری دنیا کی تازہ ترین معلومات ملتی ہیں۔

بلاشبہ یہ معلومات کا انقلاب ہے، ثقافتوں، مقالات اور بحث مباحثوں کا ایسا آتش فشاں ہے جس میں اچھائی برائی سے، حق باطل سے، قناعت پسندی مجبوری سے خلط ملط ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ حق تلاش کرنے والے کی مثال ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کوئی گھاس پھوس کے ڈھیر میں سوئی کی تلاش کر رہا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ہماری ذمہ داری انتہائی مشکل اور بوجھ بہت زیادہ ہے۔

آج کے دور میں چونکہ لالچ حد سے بڑھ گئی ہے اور برائی کے راستے میں حاصل ہونے والی رکاوٹیں کمزور پڑ گئی ہیں، اس لیے کل کا اسلوب آج کام نہیں آ رہا۔ چنانچہ اس دور کے لیے موزوں ترین اسلوب مذاکرات اور اچھے طریقے سے بحث مباحثہ کا ہے۔ بالخصوص تعلیم و تربیت، نئی نسل کی تیاری، نصیحت، رہنمائی، تنقید اور جھگڑوں میں یہ اسلوب بہت کارگر ثابت ہوتا ہے۔ ہر زمانے میں مقصد حاصل کرنے کے ذرائع مختلف اور اسالیب الگ الگ ہوتے ہیں۔ جس مقصد کو کل کسی اور اسلوب سے حاصل کیا جاتا تھا، آج اسی مقصد کے لیے دوسرا اسلوب اپنانا پڑتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلا اسلوب غلط تھا یا حالیہ اسلوب ہی بہترین ہے۔ مگر ہر بات کا موقع محل ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

”إِذَا عَرِفَ الْحَقَّ سَلِكَ أَقْرَبَ الطَّرِيقِ فِي الْوَصُولِ إِلَيْهِ“

”جب حق کا پتہ چل جائے تو اس تک پہنچنے کے لیے مختصر ترین راستہ اختیار کرنا

چاہیے۔“

کبھی یہ طریقہ بھی رائج تھا کہ بحث مباحثے یا ضرورت اور اسباب بتائے بغیر ہی احکام صادر کر دیے جاتے تھے اور دوسروں کو ان کا پابند بنا دیا جاتا تھا۔ یہ اسلوب خاندانوں، سکولوں اور علمی، فکری اور میڈیائی مراکز میں بھی رائج رہا۔ شاید یہ کسی حد تک مقبول بھی تھا، کیونکہ یہ اس دور کے لوگوں کی طبیعت اور اخلاقی، معاشی، تربیتی اور علمی معیار سے مناسبت رکھتا تھا اس لیے کہ ان میں باہمی اعتماد کی فضا موجود تھی۔ اس زمانے میں اس اسلوب نے ناقابل فراموش کردار بھی ادا کیا۔ تب تلقین اگر کسی بڑے کی طرف سے ہوتی تو اسے حکم تصور کیا جاتا، جب کسی چھوٹے کی طرف سے ہوتی تو اسے فریاد یا مطالبہ سمجھا جاتا اور جب ہم پلہ شخص کی طرف سے ہوتی تو اسے التماس جانا جاتا۔

جبکہ ہمارے زمانے میں انداز بدل گئے ہیں اور مقصود تک پہنچانے والے راستے متعدد ہو گئے ہیں۔ کچھ تو مقصود تک پہنچا دیتے ہیں، کچھ دور بھٹکا دیتے ہیں اور کچھ دشوار گزر گاہ اور کھوکھلی زمین کی طرف لیجاتے ہیں۔ اسی چیز کو رسول مکرم ﷺ نے بڑی عمدہ عبارت اور جامع کلمات سے واضح کیا ہے۔

حَظَّ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَظًّا ثُمَّ قَالَ: هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ، ثُمَّ حَظَّ حُظُوظًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ قَالَ: هَذِهِ سُبُلٌ مُتَفَرِّقَةٌ، عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ. ثُمَّ قَرَأَ:

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں لکیر کھینچ کر سمجھاتے ہوئے فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کی دائیں اور بائیں جانب اور لکیریں کھینچ کر فرمایا: یہ مختلف راستے ہیں۔ ہر

راستے پر ایک شیطان ہے جو اس کی طرف بلا رہا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: ”اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور راستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے۔“ (سورۃ الانعام: 153) یعنی دائیں، بائیں جو لکیریں تھیں، ان سے بچنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ (مسند احمد: 4225)

اللہ کے بندو! ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں سمجھ آتی ہے کہ مذاکرات اور بحث و مباحثے کی اہمیت کتنی زیادہ ہے، جس کی طرف ہمارے دین حنیف نے دعوت دی ہے۔ کتاب اللہ اور نبی ﷺ کی سنت تو اس معاملے میں ہمارے رہبر ہیں۔ مذاکرات اور گفت و شنید امن و سکون کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچانے والا ایک بہترین راستہ ہے۔

اب چونکہ عقل و فہم میں تفاوت پایا جاتا ہے، اسی لیے مذاکرات کے راستے کو فروغ دینا چاہیے، بالخصوص ایسے دور میں کہ جب لالچ بہت بڑھ گیا ہے، افراتفری پھیل گئی ہے اور لوگوں میں سب سے نکما آدمی اہم معاملات پر اظہار خیال کرنے لگا ہے۔

اللہ کے بندو! مذاکرات دو یا زیادہ افراد کے درمیان ہوتے ہیں، جن کا مقصد کسی قول، فعل یا عقیدے میں شبہ کا ازالہ، کسی دلیل کی وضاحت، حق کا اثبات یا جھوٹ کا خاتمہ ہوتا ہے۔ یہ اسلوب کتاب و سنت میں بھی معتبر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں دسیوں ایسی آیات ہیں جو مذاکرات سے متعلقہ ہیں، جبکہ سنت رسول تو اس اندازِ مخاطب سے بھری نظر آتی ہے اور اس کا اصل سرچشمہ اخلاق نبوی سے پھوٹا ہے، جن کا مقصد ہی لوگوں کی ہدایت اور ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنا ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ



حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورة التوبه: 128)  
 ”(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف انکو  
 گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں۔ (اور) مومنوں پر  
 نہایت شفقت کرناوالے (اور) مہربان ہیں۔“

ہر معاشرہ کو چاہیے کہ اپنے افراد اور اپنی نسل کی تربیت ایسے انداز میں کرے کہ وہ  
 اپنی بات، گفتگو اور اچھے اندازِ مخاطب کے ساتھ ہی پہنچا دے۔ بہترین انداز اپنائے، سخت  
 انداز نہیں، تاکہ بات ایسے انداز میں آگے پہنچ جائے جس میں تکبر کا شائبہ تک نہ ہو، یوں  
 نتیجہ اگر مثبت نہ بھی ہو تو کم از کم حجت تو قائم ہو جائے گی اور ذمہ داری بھی ادا ہو جائے گی۔  
 تب مومن کی زبانِ حال یہ ہوگی کہ:

﴿فَسْتَذْكُرُونَ مَا أَقُولَ لَكُمْ وَأَفَوضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ

بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ﴾ (سورة غافر: 44)

”جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے چل کر یاد کرو گے اور میں اپنا کام اللہ کے  
 سپرد کرتا ہوں، بیشک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔“

چنانچہ حکم تو حکم ہی رہتا ہے اور حق حق ہی رہتا ہے، مذاکرات کے ذریعے اس میں کوئی  
 تبدیلی نہیں ہوتی، فرق یہ ہوتا ہے کہ معاملے کی سمجھ آ جاتی ہے اور انسان پوری تسلی اور  
 قناعت کے ساتھ اسے تسلیم کر لیتا ہے۔

مذاکرات کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ فریقین کوئی درمیانی راہ نکال لیں، جیسا کہ  
 توسط کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دو راستوں میں سے درمیانی راہ اپنائی جائے، بلکہ بہتر اور افضل  
 بات پر چلنا ہی وسطیت ہے، جس میں کسی ایک طرف جھکاؤ نہ ہو۔ بلکہ یوں کہہ لیجیے کہ جہاں  
 حق ہی توسط ہے، چاہے اس میں دعویٰ دو ہی فریق ہوں جن کے ساتھ کوئی تیسرا نہ ہو۔

مذاکرات کا مقصد بھی یہی ہے کہ حق کو واضح کر دیا جائے۔ رہی بات اس شخص کی جو حق کو چھپانے کے لیے جھوٹا بحث مباحثہ کرتا ہے تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ (سورة غافر: 35)

”جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے، اسی طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔“

ہماری پاکیزہ شریعت میں بحث مباحثے اور مذاکرات کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اسے زندگی کے تمام شعبوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عقیدے سے لے کر بچوں کی تربیت تک، سبھی چیزیں اس میں شامل ہیں۔ عقیدے کے متعلق بحث مباحثے کی جو مثالیں قرآن و سنت میں آئی ہیں، ان میں تمام انبیاء علیہم السلام کی اپنی قوموں کے ساتھ وہ بحثیں ہیں جو انہوں نے اس فرض سے کی تھیں کہ وہ اللہ کے سیدھے راستے کی طرف آجائیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ:

أَنْ قُرَيْشًا اخْتَلَفَتْ إِلَى الْحُصَيْنِ بْنِ عِمْرَانَ، فَقَالُوا: إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ - يَعْنُونَ مُحَمَّدًا - ﷺ - يَذُكُرُ آلِهَتَنَا، فَنَحْنُ نَحْبُ أَنْ نُكَلِّمَهُ وَتَعْظَمَهُ، فَهَبْ حُصَيْنٌ إِلَى النَّبِيِّ - ﷺ - فَلَمَّا رَأَهُ النَّبِيُّ - ﷺ - قَالَ: أَوْسِعُوا لِلشَّيْخِ. فَأَوْسَعُوا لَهُ. فَقَالَ حُصَيْنٌ: مَا هَذَا الَّذِي يَبُلِّغُنَا عَنْكَ أَنَّكَ تَشْتِمُ آلِهَتَنَا وَتَذُكُرُهُمْ. فَكَانَ مِمَّا قَالَ لَهُ النَّبِيُّ - ﷺ - : يَا حُصَيْنُ! كُمْ إِلَهًا تَعْبُدُ؟ قَالَ: سَبْعَةٌ فِي الْأَرْضِ وَالْهَاءِ فِي السَّمَاءِ.

قَالَ : فَإِذَا أَصَابَكَ الضَّيْقُ فَمَنْ تَدْعُو ؟ قَالَ : الَّذِي فِي السَّمَاءِ . قَالَ :  
فَإِذَا هَلَكَ الْمَالُ فَمَنْ تَدْعُو ؟ قَالَ : الَّذِي فِي السَّمَاءِ . قَالَ : فَيَسْتَجِيبُ  
لَكَ وَحْدَهُ وَتُشْرِكُهُمْ مَعَهُ ؟ ... إِلَى أَنْ قَالَ النَّبِيُّ - ﷺ - : يَا حُصَيْنُ !  
أَسْلِمَ تَسَلَّمَ . قَالَ : إِنَّ لِي قَوْمًا وَعَشِيرَةً ؛ فَمَاذَا أَقُولُ لَهُمْ ؟ قَالَ : قُلْ :  
اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَهْدِيكَ إِلَى أَرْشِدِ أَمْرِي ، وَأَسْتَجِيرُكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي ،  
عَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي ، وَانْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي ، وَزِدْنِي عِلْمًا يَنْفَعُنِي . فَلَمَّ  
يَقُمْ حَتَّى أَسَلَّمَ . (جامع الترمذي: 3483)

”قریش کے لوگ حصین بن عمران رضی اللہ عنہ کے پاس جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے گئے۔ کہنے لگے کہ یہ آدمی (یعنی محمد ﷺ) ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے، آپ ان کے پاس جائیں اور انہیں سمجھائیں تو حصین رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے، جب نبی ﷺ نے انہیں دیکھا تو کہنے لگے: اس بزرگ کو جگہ دو تو صحابہ کرام نے انہیں جگہ دے دی۔ حصین بولے، یہ کیا خبریں آپ کی طرف سے ہمیں مل رہی ہیں کہ آپ ہمارے معبودوں کو گالی دیتے ہیں اور ان کا برا تذکرہ کرتے ہیں؟ نبی ﷺ نے ان سے کہا: حصین تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ تو اس نے کہا: سات زمین میں ایک آسمان پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تنگی آئے تو کس کو پکارتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ اس کو جو آسمان پر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب مال تباہ ہو جائے تو کس کو پکارتے ہو؟ تو اس نے کہا: اس کو جو آسمان پر ہے۔ آپ نے فرمایا: جب وہ اکیلا قبول کرتا ہے تو تم اس کے شریک کیوں ٹھہراتے ہو، حتیٰ کہ نبی ﷺ نے اسے کہا: اے حصین! اسلام لے آ، سلامت رہے گا، تو اس نے کہا میری قوم بھی ہے اور رشتہ دار بھی تو ہیں۔ انہیں کیا کہوں گا؟ تو آپ نے فرمایا: یہ دعا پڑھ: اے اللہ! میں تجھ سے

رہنمائی مانگتا ہوں اپنے معاملہ میں سب سے زیادہ رشد والے طریقے سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے نفس کے شر سے مجھے وہ سکھا دے جو مجھے فائدہ دے اور جو مجھے سکھا دے اس کو میرے لیے فائدہ مند بنا اور فائدہ مند علم میں اضافہ فرما، وہاں سے اٹھا تو اسلام لا چکا تھا۔“

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ قبل از اسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ (سورة التوبة: 31)

”انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اللہ بنا لیا۔“  
تو عدی رضی اللہ عنہ نے کہا:

”إنا لسنا نعبدهم قال أما إنهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئاً استحلوهُ وإذا حرّموا عليهم شيئاً حرّموه فتلك عبادتُهم“ (جامع الترمذي: 3095)

”ہم تو ان کی عبادت تو نہیں کرتے، آپ نے فرمایا، ہاں! وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے، مگر جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو وہ اسے حلال سمجھ لیتے اور جب کسی چیز کو حرام قرار دیتے تو وہ اسے حرام سمجھ لیتے۔ یہی تو ان کی عبادت ہے“  
تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقائد کے متعلق انداز گفتگو تھا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت روشن قندیل ہو لوگوں کے لیے اور وہ آپ کی سیرت کی اقتدا کریں۔

اللہ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ

الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهُ كَثِيرًا ﴿ (سورة الاحزاب: 21)

”در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔“

اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے لیے قرآن کو باعثِ برکت بنائے اور جو اس میں آیات اور ذکرِ حکیم ہے میرے اور تمہارے لیے اسے نفع بخش بنائے، جو میں نے کہنا تھا کہہ دیا اگر وہ درست ہے تو یہ اللہ کا فضل ہے اگر کوئی غلطی ہے تو وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں کیونکہ وہ بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

تمام تعریف اس اللہ کی جس نے احسانات کیے اس کی توفیق اور احسانِ شکر کے لائق ہے۔

حمد و ثنا کے بعد دل رکھنے والے اور حاضر دماغ لوگوں کے لیے بحثِ مباحثہ اور بہترین اندازِ مخاطبِ حق تک پہنچنے کا موزوں ترین راستہ اور خوشی کا باعث ہے۔ سو جب آدمی کے دل پر خواہشات حکمرانی کر لیں اور اس کا دل معصیت کی طرف مائل ہو جائے تو ان حالات میں بھی بحثِ مباحثہ کے ذریعے وہ فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں جو ڈانٹ ڈپٹ اور غصے سے حاصل نہیں ہو سکتے، کیونکہ بات چیت اور مذاکرات کے ذریعے خواہشاتِ پسندی کی جڑ کاٹی جاسکتی ہے۔

”إِنَّ فَتَى شَابًا أَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ائْتَدَنْ لِي بِالرِّزَاءِ، فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَرَجَرُوهُ وَقَالُوا: مَهْ، مَهْ، فَقال: ائْتَدْنَهْ، فَدَنَا مِنْهُ

قَرِيبًا، قَالَ: فَجَلَسَ، قَالَ: اُنْحَبْهُ لِأُمَّكَ؟ قَالَ: لَا وَاللَّهِ، جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ، قَالَ: أُنْفِجْهُ لِابْنَتِكَ؟ قَالَ: لَا وَاللَّهِ، يَا رَسُولَ اللَّهِ، جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِبَنَاتِهِمْ، قَالَ: أُنْفِجْهُ لِأَخْتِكَ؟ قَالَ: لَا وَاللَّهِ، جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ ... قَالَ: فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَظَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ، قَالَ: فَلَمْ يَكُنْ بَعْدَ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ" (مسند أحمد: 22211)

”ایک نوجوان نبی ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجئے لوگ متوجہ ہوئے اور اس کو ڈانٹا اور انھوں نے کہا یہ کیا؟ یہ کیا؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا، قریب آؤ وہ آپ کے قریب آکر بیٹھ گیا آپ نے فرمایا، کیا تو یہ اپنی ماں سے کرنا پسند کرے گا؟ تو اس نے کہا اللہ کی قسم نہیں، میں آپ پر قربان ہو جاؤں، آپ نے فرمایا، اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اس عمل قبیح کو پسند نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا: کیا تو (یہ زنا) اپنی بیٹی کے حق میں پسند کرے گا؟ اس نے کہا، اللہ کی قسم نہیں! اے اللہ کے رسول میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: یقیناً لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے زنا کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا تو اپنی بہن کے حق میں اس کو پسند کرے گا تو اس نے کہا اللہ کی قسم نہیں! آپ نے فرمایا، لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے زنا کو ناپسند کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا اور فرمایا، اے اللہ! اس کے گناہ معاف کر دے اور اس کے دل کو پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ رکھ تو اس کے بعد یہ نوجوان کسی طرف جھانکتا بھی نہیں تھا۔“

یہ ہے انداز گفتگو اور یہ ہے اس کی تاثیر جو ہر شبہ کو زائل کرنے اور ہر معاملے کی وضاحت کے لیے بہت کارگر معلوم ہوتا ہے۔ یہ اندھی خواہشات کو لگام دینے میں بھی بڑا موثر ثابت ہوتا ہے۔

برے گمان اور عزتوں کو برباد کر دینے والے شک کو بھی دور کرنے میں بحث مباحثے کا بہترین اثر ہے۔ اس لیے یہ ہر منصف، ذمہ دار، صاف دل والے اور سچے آدمی کے مد نظر رہنا چاہیے۔ حدیث میں آیا ہے کہ

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جَاءَهُ أُعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَمْرًا بِي وَوَلَدْتِ غُلَامًا أَسْوَدًا، فَقَالَ: هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: مَا أَلْوَأَتْهَا؟ قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْزَقٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَأَنَّى كَانَ ذَلِكَ؟ قَالَ: أَرَاهُ عَيْرِي نَزَعَهُ، قَالَ: فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ عَيْرِي.

”ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا میری بیوی نے سیاہ قام بچہ جنم دیا ہے تو اس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے اونٹ ہیں تو اس نے کہا، جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا رنگ کون سا ہے۔ تو اس نے کہا: سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے۔ تو اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کہاں سے آگیا؟ تو اس نے کہا: شاید کسی رگ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بھی شاید کسی رگ کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ (صحیح بخاری: 6847)

لا الہ الا اللہ! کیسا انداز گفتگو تھا جس سے آدمی کا اپنی بیوی کے متعلق برا گمان ختم ہو گیا اور ایک آباد گھرانہ ٹوٹنے سے بچ گیا۔ لا الہ الا اللہ! اطمینان کا اثر کتنا عظیم ہوتا ہے! لیکن اگر کسی کو یہ اچھے اور با مقصد انداز گفتگو سے حاصل کرنا آتا ہو! اس میں اخلاص کا عنصر بھی شامل

ہو تو حقیقت کو تلاش کرنے میں بھی آسان ہو جاتی ہے اور بغض و عداوت سے چھٹکارا بھی مل جاتا ہے۔ بچوں کی تربیت کے دوران بھی بحث مباحثہ کے مثبت اثرات ہوتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ، فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «كَيْخَ كَيْخَ» لِيَطْرَحَهَا، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا شَعْرَتُ أَثْنَا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ»

”نبی ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ صدقہ کی کھجوروں سے ایک کھجور پکڑ کر منہ میں ڈال لی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے (فارسی زبان میں) فرمایا: کخ، کخ، کخ، (یعنی: تھو، تھو) اس کو پھینک دو، کیا تجھے پتہ نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔“ (صحیح بخاری: 3072)

کیا ایسی تربیت جس میں حکمت و سبب بھی بیان کیا جائے صرف ایسی تربیت کے برابر ہو سکتی ہے؟ اور اگر صرف روکنا کافی ہو تو نبی ﷺ صرف اتنا کہہ دیتے کخ، کخ، لیکن گفتگو میں آپ نے علت بیان فرمائی تاکہ اس بچے کے دل پر اثر ہو، کیونکہ بغیر وضاحت کے روکنا اپنی تاثیر کھو سکتا ہے۔

[www.kitabosunnat.com](http://www.kitabosunnat.com)

یاد رہے کہ ہم مذاکرات اور گفت و شنید کی بات کرتے ہوئے شریعت کے اصولوں کی پاسداری اور ان کی حیثیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ بات چیت سے مسائل حل کرنے کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہم ایسی گفتگو کی طرف بلا رہے ہیں جو شتر بے مہار ہو، جو حقوق اور عزتوں پر حملہ کرے اور بلا اصول و ضوابط ہر بندہ اس کی آڑ میں اپنے حساب سیدھے کرنے لگے یا بدلہ لینے لگے۔ خاص طور پر جب بات ان ہستیوں کی ہو جن کا ادب و احترام ضروری ہے، جن کے ادب و احترام میں اصلاح عام ہو سکتی ہو۔ مذاکرات کے نام پر فضول لوگوں اور



طعنہ زنی کرنے والوں کو کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے کہ وہ جو چاہیں، جیسے چاہیں، کہتے چلے جائیں۔  
معاملے کی سنگینی تب اور بھی بڑھ جاتی ہے جب معاملہ علماء اور شرعی حکمرانوں سے متعلقہ ہو اور لوگ بعض جملوں کو لے کر ان کے خلاف ناپسندی اور نفرت پھیلانے کی آگ بڑھانا چاہ رہے ہوں، حالانکہ شریعت نازل کرنے والے حکیم و علیم نے انہیں خصوصی عزت اور عظیم مقام سے نوازا ہے۔ اسی مقام کی بدولت معاشرے میں امن و استقرار قائم رہ سکتا ہے اور علمی و عملی قیادت افراتفری اور سنسنی خیز افواہوں کی تباہ کاری سے بچ سکتی ہے۔

مزید وضاحت کے ساتھ صحیحین میں درج ہے کہ ایک جماعت نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ وہ ولید بن عقبہ کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علانیہ نصیحت کریں تو انہوں نے کہا:

"قد كَلَّمْتُهُ، مَا دُونَ أَنْ أَفْتَحَ بَابًا أَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَفْتَحُهُ"

"میں نے ان سے بات کی ہے، مگر فتنے کا دروازہ کھولنے والا نہیں بنا"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أي: يفتتح باب الإنكار على الأئمة علانية خشية أن تفترق الكلمة، ثم عرفهم أسامة أنه لا يداهين أحدا ولو كان أميرا؛ بل ينصح له في السر جهده"

"یعنی حکمرانوں پر علانیہ تنقید کا دروازہ اس ڈر سے نہیں کھولا کہ کہیں اتحاد پارہ

پارہ نہ ہو جائے۔ پھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ وہ کسی کی طرفداری

نہیں کرتے، چاہے وہ امیر ہی کیوں نہ ہوں، بلکہ وہ خفیہ طور پر نصیحت کرتے ہیں۔"

یہ بڑی عمدہ گفتگو ہے جس نے کسی کی یا زیادتی کے بغیر اصرار کرنے والوں تک حقیقت پہنچادی۔ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے سلف صالحین کی بہترین بات نقل کرتے ہوئے

فرمایا:

”أحقُّ الناسِ بالإجلالِ ثلاثةُ: العلماءُ، والإخوانُ، والسلطانُ؛ فمن استخفَّ بالعلماءِ أفسدَ مُروءتَهُ، ومن استخفَّ بالسلطانِ أفسدَ دُنياهُ، والعاقِلُ لا يستخفُّ بأحدٍ“

”احترام کے لائق تین قسم کے لوگ ہیں: علماء، بھائی اور بادشاہ۔ علماء کی تحقیر کرنے والا اپنی مروت تباہ کر دیتا ہے، اور حکمران کو تحقیر سمجھنے والا اپنی دنیا خراب کر لیتا ہے اور عقل مند کسی کو تحقیر نہیں سمجھتا۔“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۗ إِن فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۗ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۗ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝﴾ (سورة غافر: 56)

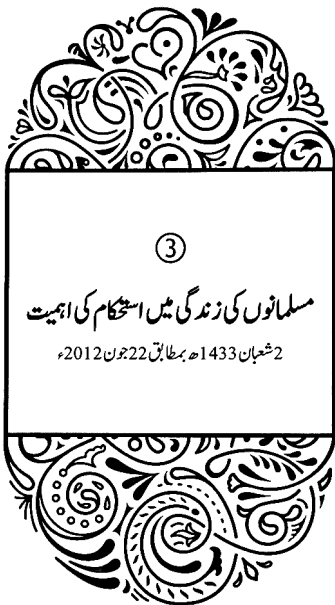
”جو لوگ بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں ان کے دلوں میں اور کچھ نہیں (ارادہ) عظمت ہے اور وہ اس کو پہنچنے والے نہیں تو اللہ کی پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا۔“

اللہ تم پر رحم فرمائے روئے زمین کی پاکباز ترین شخصیت جو کہ محمد بن عبد اللہ ﷺ حوض اور شفاعت والے ہیں ان پر درود و سلام بھیجو۔ سو اللہ نے تمہیں ایسا حکم دیا ہے جس کی ابتداء خود اپنے آپ سے کی اور تسبیح و تقدیس کرنے والے فرشتوں کو دوسرے نمبر پر ذکر فرمایا، پھر اے مومنوں کہہ کر مخاطب فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورة الاحزاب: 56)

اے اللہ زیادہ سے زیادہ درود و سلام اور برکتیں نازل فرما اپنے بندے اور رسول جناب محمد ﷺ پر جو روشن چہرے والے، چمکتی پیشانی والے ہیں۔ اے اللہ! خلفائے اربعہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا اور اپنے نبی کے تمام صحابہ سے اور تابعین سے اور جو بھی قیامت تک احسان سے ان کی پیروی کرتے رہیں اور ان کے ساتھ ہم سے بھی اپنے جو دو کرم اور درگزر کرتے ہوئے راضی ہو جا اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔



③

## مسلمانوں کی زندگی میں استحکام کی اہمیت

2 شعبان 1433ھ بمطابق 22 جون 2012ء

## پہلا خطبہ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جو اکیلا اور بے نیاز ہے، نہ اس کی اولاد ہے نہ اس کا باپ اور نہ کوئی اس کے برابر ہے، اسی نے مخلوق کو پیدا کیا اور متوازن اعضاء عطا کیے، اس نے امور کو انجام دیا اور مناسب ترین انداز سے دیا۔

﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾

”دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کا حکم اور اسی کی طرف تم لوٹائے

جاؤ گے۔“ (سورۃ القصص: 70)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی الہ نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، وہ اللہ کے خلیل اور اس کی مخلوق میں سے بہترین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نعمتوں کی خوشخبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا، اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکتا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا، امانت پوری پوری پہنچادی، امت کو بھرپور نصیحت فرمائی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا جس طرح جہاد کرنے کا حق تھا۔ سو اللہ تعالیٰ درود و سلام نازل فرمائے آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی پاکیزہ آل پر، اہمات المؤمنین ازواج مطہرات پر اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم پر اور ہر اس شخص پر جو قیامت تک احسن طریقہ سے ان کی پیروی کرے۔ حمد و ثنا کے بعد! لوگو میں تمہیں اور خود اپنے آپ کو بھی اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ سعادت مندی کے خزانے کی چابی، کامیابی کی بشارت اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کے حصول کی بنیاد ہے۔

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ \* الَّذِينَ

آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ (سورۃ یونس: 62-63)

خطبات فضیلت: التبلیغ کراہت سودا الشریعہ ﷺ

”من رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں انہیں نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں

گے۔ (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔“

اللہ کے بندو! مطلوب و مقصود، بہت ضروری اور ایک ایسا مقصد کہ تمام مخلوق اس کی طرف لپکتی ہے، وہ ایک ایسی چیز کہ اسکے بغیر زندگی ادھوری ہے اور وہ دینی اور دنیوی مقصد بھی ہے۔ وہ قومی و بین الاقوامی، خاندانی، سیاسی، اقتصادی اور تربیتی مقصد بھی ہے، اللہ تمہاری حفاظت فرمائے، بلاشبہ وہ استحکام ہے، ہاں! ایسا استحکام جو اس لفظ کے تمام تر معانی اور تفصیلات پر مشتمل ہو اور پھر زندگی کے تمام معاملات کی درستی اسی کے مرہون منت ہو۔

ثابت قدمی، سکون و اطمینان والا استحکام یعنی ایک ہمہ جہت اور متوازن استحکام جو ہنگامہ آرائی اور فتنہ و فساد کے الٹ ہے۔ استحکام سے مراد ایسا انتظام ہے جو بے راہروی اور بیہودگی کے مقابل ہو۔ سو استحکام کے ذریعے ہی امان ہو سکتا ہے اور امن کے ذریعے ہی اپنے دینی اور دنیوی معاملات کو آسانی و سہولت اور اطمینان سے سرانجام دیا جاسکتا ہے۔

استحکام ایسی بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عنایت کرتا ہے جبکہ استحکام کا نہ ہونا مصیبت اور امتحان ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَتَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ

وَالْأَنْفُسِ وَالْعَمَلَاتِ ۗ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ﴾ (سورة البقرة: 155)

”اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور پھلوں

کے گھٹائے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے اور آپ صبر کرنے والوں کو

خوش خبری سادیں۔“

جو آدمی استحکام کی نعمت میں پورا پورا غور و فکر کرے تو وہ اس کی اہمیت کو صاف صاف دیکھ لے گا کہ یہ ضرورت انسانوں جنوں اور بے زبان حیوانوں میں مشترک ہے۔ تمام

مخلوقات کا قیام استحکام ہی کی بدولت ہے اس کے بغیر کوئی زندگی بھی پر سکون نہیں۔ اللہ تمہیں عزت دے، انسانوں کی طرح تمام مخلوق امن و استحکام کی حق دار ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوراخوں میں پیشاب نہ کرو کیونکہ وہ جنوں کی رہائش گاہیں ہیں ان میں پیشاب کرنا جنوں کے لیے تکلیف کا باعث ہے پھر اس کے بدلے وہ انسانوں کو تکلیف دیتے ہیں۔ بے زبان حیوان کے متعلق ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَأَنْظَلَقَ لِحَاجَتِهِ، فَأَرَيْنَا حُمْرَةً مَعَهَا قَرْحَانٍ فَأَخَذْنَا قَرْحَيْهَا، فَجَاءَتِ الْحُمْرَةُ، فَجَعَلَتْ تُقْرِشُ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: «مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا»

”ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ قضائے حاجت کے لیے گئے تو ہم نے ایک چڑیا کو دیکھا، اس کے دو بچے تھے، ہم نے بچوں کو پکڑ لیا تو چڑیا بے قرار ہو کر آئی اور سروں پر منڈلانے لگی۔ نبی ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے بچوں کے ذریعے اس کو کس نے تکلیف دی ہے؟ اس کے بچے لوٹا دو۔“ (سنن ابی داؤد: 5268)

سو استحکام کے اثرات اور انسان کے لیے اس کی ضرورت کے متعلق صاحب رسالت کی زبان سے کہ جنہیں جامع کلمات دیئے گئے تھے، چند کلمات یوں وارد ہوئے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ مُعَافَى فِي جَسَدِهِ عِنْدَهُ قُوْتُ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَا حَبِزَتْ لَهُ الدُّنْيَا» (جامع ترمذی: 2346)

”جس نے اس حال میں صبح کی کہ وہ دلی طور پر مطمئن ہے وہ صحت و عافیت سے ہے اس کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہے تو گویا اس کے لیے ساری دنیا کی

آسانشیں جمع کر دی گئی ہیں۔“

کیونکہ اسلام اللہ کا مقرر کردہ طریقہ اور منج ہے اور اس کی وہ فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو خوب جانتا ہے اور وہ ان کی دینی و دنیاوی زندگی اور اس کے معاملات کے انجام کو اور موت کے وقت کو بھی جانتا ہے۔ سو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دین کے ان قوانین کو لائحہ عمل بنایا ہے جو ان کے استحکام کا سبب بن جائیں۔

چونکہ معاشرہ کے مختلف سیاسی، اقتصادی، دینی اور تربیتی ادارے اس اجتماعی عمارت کی تشکیل کرتے ہیں جس سے معاشرے کی ضروریات پوری ہوتی ہیں تو روشن شریعت نے استحکام کو ہر منصوبے میں جامع معیار قرار دیا ہے اور اس کا وجود کامیابی کا سبب ہے اور اس کے نہ ہونے سے زندگی کے اہم معاملات میں عافیت و امن میں ناکامی ہوتی ہے کیونکہ استحکام ہی سچائی، توازن اور کارواں کا نگہبان ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خاندان بھی چھوٹا سا معاشرہ ہے تو اسلام کی توجہ اس کی طرف واضح طور پر نظر آتی ہے تاکہ ان کے گھر کے صحن میں ہی انہیں سکون مہیا کیا جائے۔ اور ان کی ہر دراز کو پر کیا جائے اور خاندان کو منظم کیا جائے جو کہ کامل معاشرہ کی اینٹوں میں سے ایک اینٹ ہے اسلام نے خاندان کے استحکام کو بہت اہمیت دی ہے اور کوشش کی ہے کہ کسی بھی خاندان میں یہ نقص نہ پڑے سوائے ایسے حالات کے کہ جہاں ذرائع ناکام ہو جائیں اور معاشرہ مجبور ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زوجین کے متعلق فرمایا:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكْمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكْمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا

حَكِيمًا﴾ (سورة النساء: 35)

”اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو



ایک منصف مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ اُن کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔“

جب اس چھوٹے خاندان کے حق میں اسلام کا موقف یہ ہے تو ایک بڑے خاندان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو کہ مسلم معاشرے کا حصہ ہے۔ ایک ہی حاکم اور ایک ہی جہنڈے کے تلے جمع ہے۔ کوئی شک نہیں کہ معاملہ اس سے بھی زیادہ بڑا ہے اور اس میں نقص کسی اور نقص سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس میں استحکام کا نہ ہونا حقیقی زندگی کے نہ ہونے کے برابر ہے۔

معاشرے کے بڑے خاندان کا حقیقی سربراہ دراصل وہی قائد، امام اور ان کے معاملات کا والی ہے کہ جو ان کے امور کی انصاف، حق اور شفقت سے نگرانی اور پاسداری کرتا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے کوشش کی ہے کہ اس مقصد کو نقصان پہنچانے والے ہر سوراخ کو بند کر دیا جائے تاکہ ہر چور دروازہ بند ہو جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أْتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ بِجَمِيعِ عَمَلِي رَجُلٍ وَاحِدٍ، يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ، أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ، فَاقْتُلُوهُ» (صحیح مسلم: 1852)

”اگر تم ایک حکمران پر متفق ہو اور کوئی تمہارے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے یا تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنا چاہے تو اس کو قتل کرو۔“

اللہ کے بندو! یہ سب کچھ صرف معاشرے کے بچاؤ اور استحکام کو مستقل کرنے کے لیے ہے کیونکہ ایک گڑبڑ کرنے والے کو قتل کرنے میں پورے معاشرے کی ہمت ہے۔

تاہم استحکام کی دعوت کا مطلب یہ نہیں کہ کسی غلطی پر تنبیہ بھی نہ کی جائے جیسا کہ غلط عمل سے صالح عمل کی طرف یا ٹھیک عمل سے زیادہ نفع بخش کام کی طرف منتقل کرنے یا

امر صالح کے ذریعے فساد کو روکنے یا فاسد کو کمتر فساد پر مبنی کے ذریعے روکنے کی کوشش کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ سو یہی تصحیح کی بنیاد ہیں جو استحکام کے اصول میں سے ہے۔

ہم پر واجب ہے کہ ہم اس شرعی سیاست کو قبول کریں اور ہر اقدام یا فیصلہ کرتے وقت استحکام کی قدر و قیمت کو مد نظر رکھیں اور مصلحت اور ہکاڑ کے مابین موازنہ کرتے وقت نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد سامنے رکھیں جو نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا کہ

«لَوْلَا حَدَاثَةُ عَهْدِ قَوْمِكِ بِالْكَفْرِ لَتَقَضَّتْ الْكُغْبَةُ، وَلَجَعَلْتَهَا عَلَى أَسَابِسِ إِبْرَاهِيمَ»

”اگر تیری قوم کفر سے اسلام میں نو وارد نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو گردیتا پھر اس

کو ابراہیمی بنیادوں پر استوار کرتا۔“ (صحیح مسلم: 1333)

اسی طرح کے رویے چونکہ سکون، اطمینان اور ٹھہراؤ سے متصف ہوتے ہیں اسی لیے ان سے مطلوبہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اور بد نظمی صرف بے چینی کو جنم دیتی ہے، شور شرابہ انتشار اور تشدد لاتا ہے، دلجمعی سے کی گئی کوشش عدم یکسوئی سے کی گئی کوشش کی نسبت جلد بار آور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿وَلَا تَنَارَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ

الصَّابِرِينَ﴾ (سورۃ الأنفال: 46)

”اور آپس میں جھگڑنا نہ کرو کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال

جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔“

اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے لیے قرآن عظیم کو باعث برکت بنائے اور جو اس میں آیات اور ذکر حکیم ہے، اس کو قائدہ مند بنائے۔ میں نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا اگر وہ درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی غلطی ہے تو میرے اور شیطان کی طرف سے

ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں کیونکہ وہ بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

تمام تعریفیں اللہ کی اس کے احسان پر، اس کی توفیق و احسان مندی پر اسی کا شکر ہے۔ حمد و ثناء کے بعد! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ یقین جانو آج یہ دنیا اس قدر کھوکھلی دنیا ہے کہ جس میں باتیں زیادہ اور کام کم ہے۔ ہر جانب سے معلومات بارش کی طرح برس رہی ہیں۔ بعض دھوکے بازوں کے پاس فضول معلومات بہت جلد پہنچتی ہیں تاکہ ایسی ثقافت کو اپنا لے جو اس سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

چنانچہ ہمارے اسلامی معاشرے کے بعض نادان بھی اس سے متاثر ہو گئے اور غیروں کا لباس اپنایا اور اس کی حقیقت جانے بغیر اس کے فریب میں آ گئے۔ ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ غیروں کی ثقافت ہماری ضرورت ہے اور اسے ”تعمیری انار کی“ کا نام دیتے ہیں۔ (الفوضی الخلاقہ) یا جس کا وہ نام رکھتے ہیں تعمیری بے اصولیاں حالانکہ وہ بے ہنگم اخلاق ہیں جو کہ اضطراب کی طرف لے جاتے ہیں، نیا نظام نئے لباس میں لانا چاہتے ہیں۔ اور یہ فریب خوردہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس سے صلح اور بہادری جنم لیتی ہے، وہ نہیں جانتے کہ اس نظریہ کی ابتداء الحادی بنیادوں پر ہے جس کا نام (نظریہ الانفجار الکونی) ہے۔

مطلب یہ کہ مخلوق ساری کی ساری بے ہنگم دھماکے سے پیدا کی گئی ہے اور اسی نے ہی دنیا میں نظام کو بنایا ہے (جو وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہیں) افسوس اس وقت اور زیادہ ہو جاتا ہے جب بعض عقلمند بھی کہنے لگتے ہیں کہ ”نظریۃ الانفجار الکونی“ کی اصطلاح کو بیرونی حملہ آوروں نے استعمال کیا ہے اور اسے دلیل کے طور پر پیش کیا کہ معاشروں اور ان کی حکومتوں میں تبدیلی اسی انار کی کے ذریعے آئے گی جو وہ لانا چاہتے ہیں۔

اس بابرکت ملک کی وہ خاصیت جس پر ہر غیرت مند شخص اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے یہ حاسدین کے ہتھوڑوں کے مقابلے میں ایک سخت چٹان ثابت ہوتا ہے۔ اسے کسی ضرب کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ یہ شریعت کے نفاذ اور حرمین شریفین کی خدمت کو اپنا اعزاز سمجھتا ہے اور اس کی اس کا یہ اعزاز ہی ہر کینہ پرورد اور حاسد کے شر سے اسے بچا کر رکھتا ہے۔ اللہ کی حفاظت اور توجہ کی بدولت یہ تمام تر عالمی آندھیوں اور طوفانوں کے باوجود قائم دائم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اتحاد و اتفاق پر قائم رہنے کی تلقین کرنی چاہیے۔

ہمارا ملک مکار حاسدوں کے پیدا کردہ بحرانوں سے گزرا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہم ایسے نکلے جیسے بال آٹے سے نکالا جاتا ہے اور یہ حکمرانوں اور قیادت کرنے والوں کی محنتوں اور کوششوں سے ہوا اور جب کبھی اس کے ارکان میں سے کوئی ایک چلا گیا تو اس کی جگہ ناقابل شکست ذمہ دار شخص نے لے لی۔ گزشتہ دنوں ہمارے ملک پر ولی عہد امیر نائف بن عبدالعزیز کے فوت ہونے سے ایک مصیبت آن پڑی تھی وہ ولی عہد کہ جس نے اس ملک کے امن اور حفاظت کے لیے عمر گزار دی، جس نے اس ملک کے استحکام و توازن کے لیے ایسی قیادت کی جس نے ہمیں یہ بات یاد دلا دی۔

إِذَا مَاتَ مَنَّا سَيِّدٌ قَامَ سَيِّدٌ  
قَوْلٌ لِّمَا قَالَ الْكِرَامُ فَعَوْلٌ

”ہم میں کوئی سردار جب فوت ہوتا ہے تو دوسرا سردار اس کی جگہ لے لیتا ہے جو معزز لوگوں کی بات کرتا اور ان کے کہے پر چلتا ہے“

اللہ تعالیٰ وفات پانے والے ولی عہد پر رحم فرمائے اور اس کو اپنی وسیع جنتوں میں ٹھکانہ دے اور اس کی جگہ ولی عہد بننے والے کو ہر بھلائی کی توفیق دے اور اس کو ہمارے لیے مفید بنائے اور بھلائی کے ساتھ اس کی خطاؤں کو درست کرے اور ہم بیعت کرتے ہیں جو شیخ

گے اس کی اطاعت کریں گے خوشی و ناخوشی میں، اگرچہ ہم پر اوروں کو ترجیح دی جائے۔  
اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو ہر برائی اور مکروہات سے بچائے اور تمام مسلمانوں کے ملکوں  
اور ان کے رہنے والوں کو سازشیں کرنے والوں کی سازشوں سے اور زیادتی کرنے والوں کی  
دشمنی سے بچائے بے شک وہ سننے والا قبول کرنے والا ہے۔

اللہ تم پر رحم فرمائے روئے زمین کی پاکباز ترین شخصیت جو کہ محمد بن عبد اللہ ﷺ  
حوض اور شفاعت والے ہیں پر درود و سلام بھیجو۔ سو اللہ نے تمہیں ایسا حکم دیا ہے جس کی  
ابتداء خود کی اور تسبیح و تقدیس کرنے والے فرشتوں سے شروع کیا، مومنوں کو خصوصاً حکم  
دیا ہے۔ اللہ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورة

الأحزاب: 56)

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو“



④

اے امت اسلام! قرآن کا اہتمام کرو  
15 رمضان المبارک 1433ھ بمطابق 3 اگست 2012ء



## پہلا خطبہ

تعریف اس اللہ کی جو حلیم اور رحیم ہے۔ جو صاحب احسان اور عمومی فضل والا ہے۔ اس پاکیزہ ذات کی حمد اور اتنی حمد کہ وہ راضی ہو جائے اور وہ راضی ہو جائے تو بھی اسی کی حمد اس کے راضی ہو جانے کے بعد بھی! ہر حال میں اس کی حمد!

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ اللہ کے خلیل اور مخلوق میں سے اس کے سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ وہ افضل و اکمل ہیں اور روزہ رکھنے والوں اور نماز ادا کرنے والوں میں سے بہترین شخصیت ہیں اور تلاوت اور قیام کرنے والوں کے افضل ترین ہیں۔ انھوں نے پیغام رسالت پہنچا دیا۔ امت کو کما حقہ نصیحت فرمادی اور رب کے راستے میں ایسا جہاد کیا جیسا کہ اس کا حق تھا۔ سو رو دو سلام ہو ان پر اور ان کی پاکیزہ آل پر اور چمک دار پیشانیوں والے ان کے باصفا ساتھیوں پر اور قیامت تک آنے والے ہر اس شخص پر جو ان کی بتائی ہوئی اور دی ہوئی ہدایت پر گامزن رہے۔

اما بعد!

لوگو! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی اس وصیت کے ساتھ نصیحت کرتا ہوں جو اس نے قرآن میں اولین و آخرین کو کی۔

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا

اللَّهَ﴾ (سورۃ النساء: 131)

”جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی انہیں بھی اور (اے محمد ﷺ)

تمہیں بھی ہم نے تاکید ا حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔“

مسلمانو! دیکھیے، یہ رحمتوں اور برکتوں بھرا ماہ مبارک تم پر سایہ فلک ہے جس میں

شفاف دل چراغ کی طرح روشن ہو جاتے ہیں اور جس میں ہمت اور حوصلے، بلندی ایمان اور ذاتِ الہی کے عرفان کے زینے پر چڑھتے ہیں۔ یہ وہ ماہِ بابرکت ہے کہ جس میں شیطانی دخل اندازی کے راستے بند ہو جاتے ہیں، بندے کی پُر خلوص عبادت میں نکھار آجاتا ہے اور انسان اس محفوظ کر دی گئی کتابِ الہی سے محفوظ ہونے لگتے ہیں۔ وہ حصارِ بند کتاب کہ باطل جس کے نہ سامنے سر اٹھا سکتا ہے اور نہ بائیں سے وار کر سکتا ہے۔ فرمایا:

﴿تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (سورۃ فصلت: 42)

”یہ کتاب حکمتوں اور قابلِ تعریف کی طرف سے نازل کر دہ ہے“  
لوگو!

یہ ماہِ مقدس قرآن کا مہینہ ہے، یہ لجاجت و انکساری اور دعا و مناجات کا مہینہ ہے۔ تدبیر و تدبیر، بصیرت و عبرت اور للہیت و خشیت کا مہینہ ہے۔ قرآن کے بغیر تو انسان ایسے ہے جیسے پانی اور ہوا کے بغیر زندگی۔ قرآن انسانی زندگی کے لیے روح کی مانند اور راستہ معلوم کرنے کے لیے روشنی کی طرح ضروری ہے۔

قرآن ایسا بہترین ساتھی ہے کہ جس کی کلام سے کبھی اکتاہٹ نہیں ہوتی۔ اس کی بار بار تلاوت انسان کی تازگی اور فرحت فزوں تر کر دیتی ہے۔ قرآن وہ رفیع الشان کتاب ہے کہ جس کی تلاوت کرنے والا گویا رحمن سے ہم کلام ہوتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ \* يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾

”بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس سے اللہ



اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کی راہ دکھاتا ہے اور اپنے اذن سے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور انہیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔“ (سورۃ المائدہ: 15-16)

ایک دن ابو جہل ولید بن مغیرہ کو قرآن اور صاحب قرآن کے خلاف بھڑکانے آیا۔ ولید سے کہنے لگا، اس قرآن کے خلاف اپنی قوم سے کوئی ایسی کارگزار بات کہو جس سے لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم اس سے نفرت کرتے ہو۔

الولید کہنے لگا،

”وماذا أقول؟! فَوَاللَّهِ مَا فِيكُمْ رَجُلٌ أَعْلَمُ بِالْأَشْعَارِ مِنِّي، وَلَا أَعْلَمُ بِرَجْزِهِ وَلَا بِقَصِيدَتِهِ مِنِّي، وَلَا بِأَشْعَارِ الْحَجْنِ، وَاللَّهِ مَا يُشْبِهُ الَّذِي يَقُولُ شَيْئًا مِنْ هَذَا، وَوَاللَّهِ إِنْ لَقَوْلِهِ الَّذِي يَقُولُ حَلَاوَةً، وَإِنْ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةٌ، وَإِنَّهُ لَمُشِيرٌ أَعْلَاهُ، مُغْدِقٌ أَسْفَلُهُ، وَإِنَّهُ لَيَعْلُو وَمَا يُعْلَى، وَإِنَّهُ لَيَحِطُّ مَا تَحْتَهُ“

”مگر کہوں کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ شاعری کو مجھ سے بہتر جاننے والا تم عربوں میں کوئی نہیں۔ جنگ و جدل کی رزمیہ شاعری ہو، قصیدے کے اشعار ہوں یا جنوں کی طرف منسوب اشعار، تم میں سے کوئی اس میں میرے برابر نہیں، لیکن اللہ کی قسم محمد! جو کہتے ہیں وہ ان اصناف سخن سے کسی سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اللہ کی قسم! وہ جو کہتے ہیں اس میں کمال حلاوت اور لازوال شیرینی ہے۔ اس میں عجب پر بہار تازگی ہے۔ گویا یہ وہ درخت ہے جس کی چوٹی شربار ہے اور جس کی جڑ گہرے پانیوں سے سیراب ہے۔ یہ کلام مغلوب کرتا ہے اور کسی کو غالب نہیں آنے دیتا۔ گویا یہ وہ شہ سوار ہے جو قدموں تلے آتی ہر چیز کو روندنا چلا جاتا ہے۔“

جی ہاں، اے اللہ کے بندگان! یہ قرآن ہی ہے جس سے عقلیں دنگ رہ گئیں، آنکھوں

نے چشمے بہادیئے اور جودل کی دہلیز میں جا ترا اور جس کے حضور کفر سرنگوں ہو گیا۔  
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾

”اور جب سننے والے اس کتاب کو سنتے ہیں جو پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ وہ حق بات پہچان گئے۔ اور وہ (اللہ کی جناب میں) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم ایمان لے آئے سو تو ہم کو ایمان والوں میں لکھ لے۔“ (سورۃ المائدہ: 83)

”انطلقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِينَ إِلَى سُوْقِ عُكَاظٍ وَقَدْ حَبِلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ، فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ، فَقَالُوا: مَا لَكُمْ؟ فَقَالُوا: حَبِلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ، قَالَ: مَا حَالُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا مَا حَدَّثَ، فَاضْرِبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَعَارِبَهَا، فَانظُرُوا مَا هَذَا الْأَمْرُ الَّذِي حَدَّثَ، فَانظَلُّوا فَضْرِبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَعَارِبَهَا، يَنْظُرُونَ مَا هَذَا الْأَمْرُ الَّذِي حَالَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، قَالَ: فَانظُرُوا الَّذِينَ تَوَجَّهُوا نَحْوَ يَهَامَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَنْخَلَةٌ، وَهُوَ عَامِدٌ إِلَى سُوْقِ عُكَاظٍ وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ تَسَمَّعُوا لَهُ، فَقَالُوا: هَذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ.“

”رسول اللہ ﷺ کے جلو میں سوئے عکاظ رواں تھے ٹھیک انہی دنوں شیاطین اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹیں حائل ہونے لگی تھیں اور آسمان سے ان پر شعلے برسائے جاتے تھے۔ شیطانوں نے جنوں سے آ کے پوچھا، کیا معاملہ ہے؟ جن کہنے لگے، ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ حائل کر دی گئی ہے۔ شیطان کہنے لگے، ضرور اس کی وجہ کوئی نیا درپیش آنے والا واقعہ ہے، سویوں کرو کہ زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور ڈھونڈو کہ کیا نیا ہونے والا ہے؟ چنانچہ وہ تجسس میں ڈوبے خبر نوکی تلاش میں مشرق و مغرب میں پھیل گئے جو ان کے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ کی وجہ تھی۔ جنوں کا وہ گروہ جن کا رخ تہامہ وادی کی طرف تھا وہ کھجور کے اس باغ میں آ نکلے جہاں رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نماز فجر ادا فرما رہے تھے، جب انھوں نے رسول اللہ کی زبانی قرآن پڑھے جانے کی آواز سنی تو سب جن ہمہ تن گوش ہو گئے۔ پھر کہنے لگے، یقیناً یہی وہ وجہ ہے جس کے باعث تم میں اور آسمانی خبروں میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔“ (صحیح بخاری: 4921)

تو بھائیو! ایسی کیفیت ہوتی تھی لوگوں کی، جنوں اور انسانوں کی، مومنوں اور کافروں کی اپنے رب کی کتاب سن کر۔

فرمانِ الہی ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾ (سورۃ الإسراء: 9)

”یہ قرآن صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیک اعمال بجالاتے مومنوں کو بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ انسانی معیشت و معاد اور دنیا و آخرت میں اس کی سعادت و نجات کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں کہ صبح و شام اور ساری رات قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ تدبر کرتے ہوئے اس پر گہری نظر ڈالی جائے۔ اس کے معنی و مفہوم پر غور و فکر کیا جائے۔ اس سے انسان کو خیر کے خزانوں، شر کے ایوانوں کے بارے میں اور پھر ہر دو پر عمل پیرا انسانوں کے بارے میں کمال آگاہی ملتی ہے۔ اس سے دنیا کی حقیقی تصویر دل میں اجاگر ہوتی ہے۔ اس سے سابقہ امتوں کے احوال سامنے آجاتے ہیں۔ اس سے رب کی نعمتیں اور اس کے عذاب و عقاب اور قوموں پر اترتی سزائیں واضح ہو جاتی ہیں۔ قرآن میں تدبر کرنے والا کبھی قوم نوح کے غرقاب ہونے کے مناظر دیکھتا ہے تو کبھی عاد و ثمود پر اترتی بجلیوں کی کڑک سے دہل جاتا ہے۔ کبھی وہ فرعون کو نیل میں ڈبکیاں کھاتے اور کبھی وہ ہامان کو ثمودہ عبرت بنتے ہوئے دیکھتا ہے، قرآن مجید شر کی راہوں اور شر کے انجام بد کا احاطہ کرتا ہے اور قرآن راہِ خیر کے مسافروں اور ان کے خوش کن انجام کا تذکرہ کرتا ہے۔

ارشادِ باری ہے:

﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ (سورۃ الکہف: 49)

”تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کتاب ہدایت کو حق و باطل میں امتیاز کا ذریعہ بنا دیا ہے جو اس کتاب ہدایت سے نور ہدایت کا طلب گار ہوتا ہے اللہ اسے عزت و افتخار سے ہمکنار اور جو اس کے علاوہ کہیں اور سے ہدایت طلب کرتا ہے اللہ اسے ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔

أَنَّ نَافِعَ بْنَ عَبْدِ الْحَارِثِ، لَقِيَ عُمَرَ بَعْثَانَ، وَكَانَ عُمَرُ يَسْتَعْمِلُهُ عَلَى مَكَّةَ، فَقَالَ: مَنِ اسْتَعْمَلْتُ عَلَى أَهْلِ الْوَادِي، فَقَالَ: ابْنُ أُبَيْرِي، قَالَ: وَمَنِ ابْنُ أُبَيْرِي؟ قَالَ: مَوْلَى مِنْ مَوَالِينَا، قَالَ: فَاسْتَخْلَفْتُ

عَلَيْهِمْ مَوْلَى؟ قَالَ: إِنَّهُ قَارِئٌ لِكِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِنَّهُ عَالِمٌ  
بِالْفَرَائِضِ، قَالَ عُمَرُ: أَمَا إِنَّ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ:  
إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ.

”ایک دفعہ مقام عسکان پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اپنے مقرر کردہ گورنر مکہ  
نافع بن عبد الحارث سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پوچھنے لگے، تم نے بادیہ  
نشینوں پر کس کو مقرر کیا ہے؟ انھوں نے بتایا، ابن ابزی کو۔ پوچھا، کون ابن ابزی؟  
بتایا، ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ عمر بولے تو نے ایک غلام کو امیر بنا  
دیا؟ نافع نے بتایا، ہاں دراصل وہ کتاب الہی کا بہترین قاری اور احکام الہی کا سب سے  
بڑا عالم ہے۔ تب عمر نے کہا، سچ فرمایا تھا ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب  
پر عمل پیرا ہونے والی اقوام کو اوج ثریا پر فائز کر دیتا ہے اور اس کو چھوڑنے کی  
پاداش میں قوموں کو تحت الثریٰ میں پھینک دیتا ہے۔“ (صحیح مسلم: 817)

یہ وہ نور ہے جس کے چراغ کبھی گل نہ ہوں گے اور ایسا راستہ ہے جس کا سالک کبھی  
گمراہ نہ ہو گا۔ یہ معدن ایمان اور منبع علم ہے، یہ علماء کی روح کی غذا، اور افسردہ دلوں کے لیے  
شفا ہے۔ یہ زندگی کے لیے مکمل دستور ہے اور یہ بیماری کی جڑ کاٹ دینے والی دوا ہے۔  
فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءً وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ  
وَقرَّ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ﴾

”کہہ دو کہ ایمان والوں کے لئے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے  
ان کے کان بہرے ہیں اور ان کے لیے حق میں اندھے پن اور گرانی کے باعث  
گو یا دور جگہ سے آواز دی جاتی ہو۔“ (سورۃ فصلت: 44)

اللہ کی حفاظت کی بدولت محفوظ ترین کتاب ہے۔ جسے تحریف کرنے والوں کی سازشیں، باطل پرستوں کی تاویلیں اور منکرین کی آتش عناد نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یہ ایسی غالب کتاب ہے کہ جس کے حضور کوئی دم نہیں مار سکتا۔ طیش سے انگلیاں کاٹنے اہل باطل اس کے روشن احکامات و آیات کو سمندر کے پانی سے دھو ڈالنے کی خواہش لیے رسوا پھرتے ہیں لیکن اللہ ان کی ایک نہیں چلنے دیتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (سورۃ الحجر: 9)

”بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ مامون جب خلیفہ تھا تو اس کی مجلس فکر و نظر میں ایک یہودی آگیا۔ بات ہوئی تو اس نے عبارت آرائی پر مشتمل بہت منجھی ہوئی گفتگو کی۔ مجلس برخواست ہوئی تو مامون نے اسے پاس بلا کر پوچھا، اسرائیلی ہو؟ کہنے لگا، جی ہاں! مامون نے کہا، مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں بہترین مقام و منزلت سے نوازوں گا۔ اس نے آئندہ کا وعدہ کیا اور لوٹ گیا۔ پھر سال بیت گیا تو مسلمان ہو کے حاضر ہوا۔ مامون نے یاد کرتے ہوئے پوچھا تو گزشتہ سال بھی آیا تھا؟ کہنے لگا، جی آیا تھا۔ پوچھا، اسلام لانے کی کیا وجہ بنی؟ کہنے لگا، اس وقت میں آپ کی مجلس سے اٹھا تو میں نے ان ادیان کو آزمانے کا منصوبہ بنایا، آپ جانتے ہیں میرا خط نہایت عمدہ ہے چنانچہ میں نے کی بیشی کر کے تورات کے تین نسخے کتابت کیے پھر میں ان کی عبادت گاہ میں گیا تو وہاں لوگوں نے مجھ سے یہ تحریف شدہ تورات خرید لی اور کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ پھر میں انجیل کے درپے ہوا اور اسی طرح کی بیشی سے اس کے بھی تین نسخے تیار کیے۔ اب میں کلیسا گیا تو یہ بھی بلا چون و چرا ایک گئے۔ تب میں نے ایسے ہی قرآن مجید کے کی بیشی والے تین نسخے کتابت کیے اور میں قرآن کتابت کرنے والوں کے ہاں بیچنے کی

غرض سے پہنچ گیا۔ انھوں نے صفحات پلٹے اور جو نبی انھیں کمی بیشی کا احساس ہوا، فوراً یہ نسخے مجھے لوٹا دیے اور خریدنے سے انکار کر دیا۔ تب میں نے یہ راز پالیا کہ اس کتاب کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور یہی وجہ میرے اسلام لانے کا سبب بنی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ \* لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ

خَلْفِهِ ۗ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (سورۃ فصلت: 41-42)

”یہ تو ایک عالی کتاب ہے۔ اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ

پچھے سے (اور) دانا (اور) خوبوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔“

لوگو! یہ وہ بابرکت کتاب ہے جسے روح الامین لے کے آئے تھے۔ مگر آج اس کے بارے میں ہمارا رویہ کیا ہے؟ کیا اپنی رضا مندی اور ناگواری میں کوچ میں اور قیام میں، اپنے غصے اور خوشی میں یہ ہمارا دستور اور لائحہ عمل ہوتا ہے۔ یا یہ وہ نظر انداز کر دیا گیا مہمان ہے جسے غلافوں میں لپیٹ کر کہیں دھر دیا جاتا ہے اور صرف رمضان ہی میں اسے کھولنا یاد آتا ہے؟

کیا ہم نے زندگی کے تلخ و شیریں ایام میں اسے اپنی ڈھال بنایا ہے اور اس کے انوار و تجلیات کو ہم نے مضبوطی سے تھاما ہے۔

كَالْعَيْسِ فِي الْبِيدَاءِ يَقْتُلُهَا الظَّمَا وَالْمَاءُ فَوْقَ ظَهْرِهَا مَحْمُولٌ

”یا ہم اس اونٹ کی طرح ہیں جو میدان میں قیامت کی سی پیاس جھیل رہا ہے اور

پانی اس کی پشت پر لاد ہوا ہے؟“

یا ہمارے کان ایسے کھوکھلے ہو چکے ہیں کہ جن کے ایک طرف سے آیات داخل ہوتی ہیں اور دوسری طرف سے نکل جاتی ہیں۔

امام مسلم رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں درج کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ص سے ارشاد فرمایا:

«إِنَّمَا بَعَثْنَاكَ لِأَبْتَلِيكَ وَأَبْتَلِي بِكَ وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقَرُّوهُ نَائِمًا وَيَقْظَان» (صحیح مسلم: 2865)

”میں نے تمہیں اس لیے مبعوث کیا ہے تاکہ تمہیں آزماؤں اور دوسروں کو آپ کے ذریعے سے آزماؤں۔ میں نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی نہیں مٹا سکتا اور آپ سوتے جاگتے اس کی تلاوت کریں۔“

حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

“إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ قَدْ قَرَأَهُ عَبِيدٌ وَصَبِيَانٌ لَا عِلْمَ لَهُمْ بِتَأْوِيلِهِ ، وَمَا تَدْبُرُ آيَاتِهِ إِلَّا بِاتِّبَاعِهِ، وَمَا هُوَ بِيَحْفِظُ حُرُوفِهِ وَإِضَاعَةَ حُدُودِهِ، حَتَّىٰ إِنَّ أَحَدَهُمْ لَيَقُولُ: لَقَدْ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ كُلَّهُ فَمَا أَسْقَطْتُ مِنْهُ حَرْفًا، وَقَدْ وَاللَّهِ أَسْقَطَهُ كُلَّهُ، مَا يُرَىٰ لَهُ فِي خُلُقٍ وَلَا عَمَلٍ، حَتَّىٰ إِنَّ أَحَدَهُمْ لَيَقُولُ: إِنِّي لِأَقْرَأُ السُّورَةَ فِي نَفْسِي وَاحِدٍ، وَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا بِالْقُرَاءِ وَلَا بِالْعُلَمَاءِ وَلَا الْحُكَمَاءِ وَلَا الْوَرَعَةِ“.

”قرآن کو غلاموں اور بچوں نے تلاوت کیا ہے مگر وہ اس کی تفسیر نہیں سمجھتے۔ اس کی آیات پر تدبیر یہ ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ اتباع یہ نہیں کہ اس کے حروف کو حفظ کر لیا جائے مگر حدود فراموش کر دی جائیں۔ کوئی کہتا ہے میں نے قرآن مجید کی ایسی کامل قراءت کی ہے کہ کوئی ایک حرف بھی مجھ سے نہیں چھوٹا، حالانکہ، اللہ کی قسم! اس سے تو سارا قرآن ہی چھوٹا ہوا ہے کہ قرآن اس کے اخلاق و عمل میں جلوہ گر نہ ہو سکا۔ کبھی کوئی کہتا ہے میں نے پوری سورت ایک ہی سانس میں تلاوت کر لی، اللہ کی قسم! ایسا کرنے والے قراء میں شمار ہوتے ہیں اور نہ ہی



دانشمندوں اور اہل تقویٰ میں۔“

خبردار! اللہ کے بندو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اس ماہ مبارک میں تلاوتِ قرآن اور تدبرِ قرآن کو معمول بناو اور عمل و کردار میں ہدایتِ قرآن کے چراغ روشن کر کے قرآن سے قربت کا رشتہ استوار کر لو: ﴿لَقَدْ أَوْزَنَّا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُأْذِنُ اللَّهُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ﴾ (سورۃ فاطر: 32)

”پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جنہیں اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تھا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں اور یہی بڑا فضل ہے۔“

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لیے قرآن کو بابرکت کرے اور اس کی آیات و ذکر کو ہمارے لیے نفع بخش بنائے، لوگو! میں نے وہی کہا جو تم نے سنا، درست ہے تو رب کی توفیق سے ہے، کوئی خطا ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ ہی سے معافی کا طلبگار ہوں اور وہی معافی دینے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ تعالیٰ کے احسان و اتمنان اور توفیق و عنایت پر اس کی حمد و ثنا اور بہت زیادہ شکر!  
ابا بعد اللہ کے بندو!

تقویٰ اختیار کرو، اس ماہ مبارک کو تلاوت اور تدبرِ قرآن کے لیے غنیمت جانو اور اسے نصیحت و عبرت کا سماں سمجھو۔ اس قرآن میں تم سے پہلوں اور پچھلوں کی خبریں ہیں اور جو معاملات ہمیں درپیش ہیں اس کے متعلق فیصلے ہیں۔ لائق مبارک باد ہے وہ شخص جس نے

کما حقہ کتاب اللہ میں تدریک کیا۔ مبارک ہو اس شخص کو جس کا وجود قرآن سن کر لرز جاتا ہے اور جس کے جسم و روح ذکرِ الہی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ

شَهِيدٌ ﴾ (سورۃ ق: 37)

”جو شخص زندہ دل رکھتا ہے یا جو دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے اس کے لیے اس قرآن میں نصیحت ہے۔“

امید ہے کہ اس دہشت ناک اور پے در پے وقوع پذیر ہوتے حالات و واقعات کے تناظر میں، اس مبارک مہینے میں امتِ اسلام کتاب اللہ میں تدریک و تامل کی نئی فضا میں سانس لے رہی ہوگی۔ یہ حالات بزبان حال پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ، موجودہ حالات کا حالات گزشتہ سے بال برابر بھی فرق نہیں، گویا تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ جی ہاں! زباں حال کی پکار یہ ہے کہ کبھی ہم سمجھتے تھے کہ فرعون، ہامان، نمرود اور ذونواس وہ سرکش شخصیات تھیں کہ جنہیں تاریخ نے قصہ پارینہ بنا دیا اور اب مرورِ ایام سے ملنے کے نہیں۔

لیکن ہمارے زمانے میں وہ پھر نمودار ہو گئے ہیں اور آج امتِ اسلامیہ ایک نہیں کئی ایک فرعونوں کو بھگت رہی ہے۔ جو اسی فرعون کی مانند زمین میں بڑے بن بیٹھے ہیں، انہوں نے اہل زمین کو گروہوں میں بانٹ رکھا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر کے وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتے اور بیٹیوں کو بے بسی کی زندگی گزارنے کے لیے زندہ چھوڑ دیتے ہیں۔

جی ہاں! ہم نے فرعونِ اول کے جرائم کے متعلق پڑھا، تو سوچا تھا کوئی دوسرا اس جیسا سرکش نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم نے دیکھا اور ہم نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ بظاہر وہ ہمارے ہی جیسے جسم اور ہماری زبان میں کلام کرتے ہیں لیکن ہم ان سے صادر ہوتا قتل عام

اور لوگوں کو بے گھر ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان گروہوں پر انھوں نے ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے اور عزتوں کی پامالی کی انتہا کر دی۔ ہم کچھ مسلمانوں کو زندہ درگور ہوتا ہوا دیکھتے ہیں اور کچھ کو آریوں سے چیرا جاتا اور آگ میں جلایا جاتا دیکھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر محسوس ہوتا ہے ہم مہذب دنیا کے نہیں، قوم فرعون، اصحاب الاخذ واد اور تاریک ترین جاہلیت کے مناظر دیکھ رہے ہیں۔ یہ سب ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ وہ سارا کچھ جس کے بارے میں کبھی ہم صرف خبریں پڑھتے اور واقعات سنتے تھے۔

فرعون اول نے دعویٰ کیا تھا۔ میں اپنے سوا کسی اللہ کو نہیں جانتا، فرعون ہی کی طرح یہی بات ہم آج پھر سے سن رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ طاغوت کو خدا تسلیم کرنے اور ان کی تصاویر کو سجدہ کرانے کے لیے لوگوں کو اذیت و عذاب میں ڈال دیا گیا ہے، ظلم، سرکشی اور انتقام پر تلے ان فرعونوں نے ملکوں اور انسانوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا ہے اپنے احکامات میں وہ اور ان جیسے دوسرے فرعون ثانی ہو جانا چاہتے ہیں۔ فرعون اول کا کہا ہر ارہے ہیں۔ اس نے کہا:

﴿مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ﴾

”میں تمہیں وہی بات سمجھاتا ہوں جو مجھے سو جھی ہے اور وہی راہ بتاتا ہوں جس

میں بھلائی ہے۔“ (سورۃ فافر: 29)

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَفُضُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ

يَخْتَلِفُونَ ۗ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ النمل: 76-77)

”پیشک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں

بیان کر دیتا ہے۔ اور پیشک یہ مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔“

غیور مسلمان جن کا دل دھڑکتا اور آنکھ دیکھتی ہے۔ برما کے مسلمان بھائیوں سے

تعلقات نعیمیہ: الصحیحۃ فی التفسیر، المجلد الثانی، ص ۱۶۷-۱۶۹

لا تعلق نہیں رہ سکتے جنہیں دشمن نے عذاب اور قتل عام سے دوچار کر رکھا ہے اور نہ ہی وہ مسلمان اس سے لا تعلق ہو سکتے ہیں جو ان کے شامی بھائیوں پر حکومتی پکڑ دھکڑ اور جو روجبر کی آندھیاں چل رہی ہیں۔

مسلمان بے چینی سے مسلسل اللہ واحد القہار کے حضور عاجزی سے ہاتھ پھیلائے رکھیں گے تاکہ وہ ان مظلوموں کی بہت جلد اور بھرپور مدد فرمائے۔ ہم دعا گو ہیں کہ خادم الحرمین الشریفین کی طرف سے بلائی گئی کانفرنس مسلمانوں کے معاملات کے حال کی پہلی اینٹ ثابت ہو جو امت مسلمہ کو بلند حوصلے سے مظلوم کے ساتھ کھڑے ہونے کی قوت دے اور اللہ بہترین معاون و مددگار ہے۔ فرمایا:

﴿وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَدْرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَدْرُكَ وَأَيُّهَاكَ قَالَ سَنَقْتُلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ \* قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ \* قَالُوا أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ (سورة الأعراف: 167-169)

”اور قوم فرعون میں جو سردار تھے کہنے لگے کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیجئے گا کہ ملک میں خرابی کریں اور آپ سے اور آپ کے معبودوں سے دستکش ہو جائیں؟ وہ بولے کہ ہم ان کے لڑکوں کو تو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بے شہیہ ہم ان پر غالب ہیں۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا

کہ اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو زمین تو اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسکا مالک بناتا ہے۔ اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔ وہ بولے کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہی ہیں اور آنے کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔“

اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ مخلوق میں سے بہترین اور پاک باز ترین صاحبِ حوض کوثر اور صاحبِ شفاعت محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود بھیجو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے اور ابتداء اپنے آپ سے کی ہے۔ پھر تسبیح خواں مقدس فرشتوں کو اس پر مامور کیا اور پھر تمہیں اس کا حکم دیا۔

مومنو! اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! درود و سلام زیادہ سے زیادہ نازل فرما اور برکتیں بھیج اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر جو پر نور چہرے والے، روشن جبین والے ہیں۔ اور خلفائے اربعہ ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا اور جو بھی قیامت تک ان کی پیروی کریں اور اے ارحم الراحمین اپنے جو دور کم سے ہم سے بھی راضی ہو جا۔



⑤

حق اور عدل کا معیار

20 شوال 1433ھ بمطابق 7 ستمبر 2012ء

## پہلا خطبہ

جمع تعریف اللہ کے لیے ہے، ہم اسی کی حمد بیان کرتے ہیں، ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں، اسی سے استغفار کرتے ہیں، اپنے نفسوں کے شر اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو اللہ بھٹکا دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر اور آپ کی آل اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر درود و سلام اور برکات نازل فرمائے۔

حمد و ثناء کے بعد!

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾ (سورۃ آل عمران : 102)

”مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ

الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا، اس نے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے بکثرت مرد و عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور قطع مودت ارحام سے بچو۔“

کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ (سورۃ النساء: 101)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ الأحزاب: 70-71)

”مومنو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمہارے سب اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک بڑی مراد پائے گا۔“

کچھ شک نہیں کہ سب سے سچی بات، اللہ کی بات ہے اور بہترین ہدایت محمد کریم ﷺ کی فراہم کردہ رہنمائی ہے اور دین میں بدترین امور نئے ایجاد کردہ معاملات ہیں۔ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور تم پر لازم ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے منسلک رہو کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

لوگو!

حقیقت اور حکمت ہر منصف و عادل مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اپنے مولا اور اپنے خالق پر اعتقاد رکھتا ہے۔ جو خالق کی رضا کا متلاشی ہے، مخلوق کی خوشنودی کا طالب نہیں اور وہ جو حکمت و علم اور باریک بین و باخبر اللہ کی ہدایت سے رہنمائی چاہتا ہے۔ حق یہ ہے کہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی وہ ذاتِ بابرکات ہے جو حق کی رہنمائی فراہم کر سکتی ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَقَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ ۗ﴾

﴿فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ (سورۃ یونس: 35)



”بھلا جو حق کا راستہ دکھائے وہ اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ کہ جب تک کوئی اسے راستہ نہ بتائے راستہ نہ پائے؟ تو تمہیں کیا ہوا ہے کیسا انصاف کرتے ہو؟“

ایک مخلص، مطیع اور متبع مومن کے ہاں حق و عدل کا یہی معیار ہوتا ہے اور اس کے نزدیک اپنے ہم عقیدہ لوگوں کا یہ قول روشنی کا مینار ہوتا ہے۔  
فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾

”اے پروردگار جو کچھ تو نے نازل فرمایا ہم اس پر ایمان لے آئے اور (تیرے) پیغمبر کے متبع ہو چکے تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ رکھ۔“ (سورۃ آل عمران: 53)

یہ ہے وہ صاحب بصیرت مومن جس کی نظر انتخاب کو نہ تو رونق و رعنائی کے مناظر بہکا سکتے ہیں اور نہ پر فریب صحرا کے سیراب بھٹکا سکتے ہیں۔ اس کے دل زندہ کو نہ تو پرکشش اشیاء کی ترغیب بھاسکتی ہے اور نہ جھوٹ کی جعلی چکاچوند متوجہ کر سکتی ہے۔ اس کا دل ایک سچے مومن کا دل ہوتا ہے، جو اللہ کے عطا کردہ نور سے اشیاء کی حقیقت کو دیکھتا ہے۔ وہ ادراک رکھتا ہے کہ گناہ وہ ہے جو دلِ مومن میں کھٹکا پیدا کر دے اور اسے لوگوں کا اس سے مطلع ہونا ناگوار گزرے۔ اس کا رب سے سلوک ایسا مخلصانہ ہوتا ہے گویا کہ وہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہے کیونکہ اسے کامل ادراک ہے کہ اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔

پھر اس معاملے میں اس کے نزدیک قلت و کثرت چنداں اہمیت نہیں رکھتے۔ جہوم اور کثرت اگر حق سے دور ہو تو یہ اس سے دھوکا نہیں کھاتا اور انتہائی قلت سے وحشت زدہ نہیں ہوتا۔ جب وہ حق پر ہو۔ ایسے صاحب بصیرت اور دانا شخص کو رب کی طرف سے سیاہ و سفید میں تمیز کرنے کی توفیق ارزاں ہو جاتی ہے کیونکہ اسے یقینی علم مل جاتا ہے۔ اسے حق الیقین

مہیا اور عین الیقین میسر آ جاتا ہے اور معاملات تو اللہ ہی کے اختیار میں ہوتے ہیں، اول کیا، آخر کیا؟ انجام کار تو اسی کا ہے جو اللہ کی رضا کا موجب ہے۔ جہاں تک کثرت کا تعلق ہے تو یہ اس شخص کے لیے کچھ مفید ثابت نہیں ہو سکتی، زندگی کی شام میں گمراہی جس پر غالب آ جائے۔

اور یہ جو معروف مقولہ ہے کہ ”سب کے ساتھ تو موت بھی رحمت ہے“ کچھ فائدہ مند نہیں کیونکہ ایک صاحب ایمان امتوں میں ستون کی حیثیت رکھتی شخصیات، ان کی اشرافیہ اور ان کے سرکشوں کو جہنم میں ڈال دینے کے بارے رب کے فرمان سے آگہی رکھتا ہے۔  
فرمانِ ربانی ہے:

﴿وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنْتُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ﴾

”اور جب تم ظلم کرتے رہے تو آج تمہیں یہ بات فائدہ نہیں دے سکتی کہ تم

(سب) عذاب میں شریک ہو۔“ (سورۃ الزخرف: 37)

بعض کم علم سمجھ بیٹھے کہ کثرت ہی حق اور سچ کا معیار ہے اور قلت باطل اور غلط ہونے کی علامت ہے۔ یہ گمان زرا مغالطہ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ حق اگرچہ اس کے پیروکار کم ہی کیوں نہ ہوں اپنے حجت کی بنا پر غالب اور کثیر ہوتا ہے نہ کہ اپنے پیروکاروں کی بنا پر۔ اور کثرت کبھی تقویت حق میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتی اور نہ قلت اس کی حقانیت میں ذرا سی بھی کمی کر سکتی ہے۔ حق کبھی لوگوں کی قلت و کثرت سے نہیں ٹولا جاتا بلکہ لوگوں کو حق کے معیار پر پرکھا اور جانچا جاتا ہے۔ جسے خواہش تحقیق ہو وہ قرآن کی یہ آیت پڑھ لے۔  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِنْ تُطِغْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ

يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ (سورۃ الأنعام: 116)

”اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں، اگر تم ان کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کا راستہ بھلا دیں گے۔ یہ تو محض خیال کے پیچھے چلتے اور نرے انکل کے تیر چلاتے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ، فَجَعَلَ يَمُرُّ النَّبِيُّ مَعَهُ الرَّجُلُ، وَالنَّبِيُّ مَعَهُ الرَّجُلَانِ، وَالنَّبِيُّ مَعَهُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ»

”مجھ پر امتیں پیش کی گئیں کسی نبی کو میں نے ایک پیروکار کے ساتھ دیکھا، کسی نبی کے ساتھ دو ماننے والے تھے، کسی نبی کے ساتھ گروہ تھا اور کسی نبی کے ساتھ ایک بھی ماننے والا نہ تھا۔“ (صحیح بخاری: 5752)

یہ ہیں انبیاء کرام کی مقدس ہستیاں، جن میں سے کئی ایک انتہائی کم پیروکاروں کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں، بلکہ کچھ کے ساتھ تو ایک بھی ماننے والا نہیں، نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال مبلغانہ زندگی گزاری۔

اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں بتاتے ہیں:

﴿وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ (سورۃ ہود: 40)

”اور انکے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔“

تو یہ قلت ان پیغمبروں کی نبوت و رسالت کے حق ہونے میں کسی کمی یا نقص کی دلیل نہیں۔ جیسا کہ انبیاء کے مخالفین کے بڑے گروہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حق پر تھے اور ان کی یہ کثرت ان کے باطل ہونے میں قطعاً رکاوٹ نہیں بنتی۔ بایں سبب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں فرمایا:

﴿يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ﴾

”وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور انکو دوزخ میں جاتا رہے گا۔ اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہ برا ہے۔“ (سورۃ ہود: 98)

افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ آج اللہ کے معاملے میں ہر افراط و تفریط کرنے والے کی یہی دلیل بن گئی ہے کہ اکثر لوگ ایسا ہی کر رہے ہیں۔ یا لوگ ایسا کہہ رہے ہیں یا وہ اسی کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ حق و باطل کی تمیز و تفریق میں حق اور دلیل کی بجائے ان کا واحد معیار لوگوں کی کثرت ہے۔

یہ فرعونی دلیل ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے جسے باطل قرار دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے اس مکالمے میں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو اس کے خالق کی توحید اپنانے کی دعوت دے رہے تھے۔

تب فرعون نے کہا:

﴿قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ﴾ (سورۃ طہ: 51)

”کہا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے؟“

یعنی پہلی لاتعداد اور بے شمار امتوں کا کیا ہو گا؟ یعنی کیا وہ سب گمراہی پر تھیں اور صرف

آپ ہدایت پر ہیں؟

پھر کہنے لگا:

﴿قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَىٰ﴾

”موسیٰ تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو (کے زور) سے ہمیں

ہمارے ملک سے نکال دو۔“ (سورۃ طہ: 57)

یہ رویہ ایسے غیر معتبر اور بے وزن شخص کا ہے جس کی اپنی کوئی رائے نہیں، ہوا کے رخ پر چلتا ہے۔ ہر وہ شخص فریب خوردہ نادان ہے جس نے اپنی مہار کسی راہنما کو نہیں دشمن

کو سو نپ رکھی ہے اور اس کی نظر مقدار پر ہے معیار پر نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

”لَا يَكُونَنَّ أَحَدُكُمْ إِمْعَةً يَقُولُ: إِنَّمَا أَنَا مَعَ النَّاسِ؛ إِنْ اهْتَدَوْا اهْتَدَيْتُمْ، وَإِنْ ضَلُّوا ضَلَلْتُمْ، أَلَا لَيُؤْطَنُ أَحَدُكُمْ نَفْسَهُ عَلَىٰ إِنْ كَفَرَ النَّاسُ أَلَا يَكْفُرُ“

”تم میں سے کوئی ایسا بے وزن اور بے حیثیت نہ ہو کہ یوں کہنے لگے کہ ”میں لوگوں کے ساتھ ہوں“ جیسے وہ کریں گے میں بھی ویسے ہی کروں گا، وہ ہدایت پر ہیں تو میں بھی ہدایت پر، وہ گمراہ تو میں بھی ان کے ساتھ گمراہ، اس کا دستور العمل ہو کے رہ جائے۔ آگاہ رہیے! تمہارا اپنے آپ پر اتنا تو قابو رہنا چاہیے کہ اگر لوگ کفر پر آمادہ ہوں تو وہ اس سے باز رہ سکے۔“

ایک مخلص مومن کو لوگوں کی کثرت کبھی دھوکے میں نہیں ڈال سکتی اور نہ لوگوں میں اسے معیار حق سمجھنے کا رواج اور نہ یہ دعویٰ کہ جس پر زیادہ لوگ عمل پیرا ہیں وہ صحیح اور جس موقف کے حاملین تعداد میں کم ہیں وہ باطل ہے۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں کیا ہی خوب کہا ہے، فرمایا:

”وَالنَّاسُ أَسْرَابٌ طَبِيرٌ يَتَّبِعُ بَعْضُهَا بَعْضًا، وَلَوْ ظَهَرَ لَهُمْ مِنْ يَدِّعِي النَّبُوَّةَ مَعَ مَعْرِفَتِهِمْ بِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ - خَاتَمَ الْأَنْبِيَاءِ، أَوْ مِنْ يَدِّعِي الرُّبُوبِيَّةَ لَوْجَدَ عَلَىٰ ذَلِكَ أَتْبَاعًا وَأَشْيَاعًا“

”لوگ تو پرندوں کے جھنڈ ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے پیچھے چلنے والے، اگر یہ جاننے کے باوجود کہ رسول اللہ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں ان کے سامنے کوئی جھوٹا مدعی نبوت آجائے بلکہ اگر کوئی رب ہونے کا بھی دعویٰ کر دے تو وہ بھی پیر و کاروں کا

ہجوم اکٹھا کر لے گا۔“

اللہ کے بندو!

اس لیے اگر ہم اپنے رب کی کتاب پر نظر ڈالیں تو اس میں مذکور حقائق سے کھلتا ہے کہ کثرت دین کے بہت سے معاملات میں ثبوت حق کے لیے قابل اعتماد معیار نہیں ہے۔ ایمان کے پہلو سے دیکھیں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ یوسف: 103)

”اور انسانوں کی اکثریت اگرچہ تمہیں خواہش ہو ایمان لانے والے نہیں ہیں۔“  
حق اور قبول حق کے سلسلے میں فرمایا:

﴿لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ﴾

(سورۃ الزخرف: 78)

”ہم تمہارے پاس حق لے کر پہنچے لیکن تم اکثر حق سے ناخوش ہوتے رہے۔“

جہاد و قتال اور مسلمانوں کے دفاع کے معاملے میں فرمایا:

﴿وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتِكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ

الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ الانفال: 19)

”اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی۔ اور اللہ

تو مومنوں کے ساتھ ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبْتَكُمْ كَثُرْتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا﴾

”(جنگ) حنین کے دن جبکہ تمہیں اپنی (جماعت کی) کثرت پر غرور تھا تو وہ

تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔“ (سورۃ التوبہ: 25)

شکر ادا کرنے کے معاملے میں فرمایا:

﴿اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾

”اے داؤد کی اولاد میرا (شکر) کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے

ہیں۔“ (سورۃ سبأ: 13)

مالی معاملات کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ﴾ (سورۃ ص: 24)

”اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں ہاں جو ایمان لائے اور

عمل نیک کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔“

درست عقیدے کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ﴾ (سورۃ یوسف: 106)

”ان میں سے اکثر اللہ کو ماننے ہیں مگر اس طرح کہ اُس کے ساتھ دوسروں کو شر

یک ٹھہراتے ہیں“

اور جہاں تک دلائل و براہین اور بڑی بڑی نشانیوں سے عبرت و موعظت حاصل

کرنے کی بات ہے تو فرمایا:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ \* وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ (سورۃ الشعراء: 8-9)

”یقیناً اس میں ایک نشانی ہے، مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں، اور حقیقت

یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔“

اللہ کے بندو! ان آیات میں ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ بہت سے پہلوؤں میں کثرت کو

اسلام تحسین کی نظر نہیں دیکھتا، جو دلیل ہے کہ کثرت کبھی اعتبار و اعتماد کی بنیاد نہیں ہو سکتی کیونکہ اس پر گمراہ کن اور راہ راست سے ہٹے ہوئے نتائج مرتب ہوئے ہیں اور حق کو دلائل کے بجائے لوگوں پر منحصر کر دیا گیا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تعداد میں کم ہونا اسلام کی نگاہ میں عیب نہیں بلکہ کئی مقامات پر اس کی توصیف بیان ہوئی ہے یا کم از کم عددی اعتبار سے قلت رکھنے والوں کی اللہ کی کتاب میں تعریف بیان ہوئی ہے۔ اس بیان کے باعث کہ اے مومن تو اگرچہ اکیلا ہے لیکن اپنے ایمان کے باعث کم نہیں، بیش بہا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

”پیشک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے۔ جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔“ (سورۃ النحل: 120)

ایمانی پہلو سے فرمایا: ﴿ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ \* وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ﴾  
”وہ بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ اور تھوڑے سے پچھلوں میں

سے۔“ (سورۃ الواقعة: 13-14)

دفاع و قتال کے حوالے سے فرمایا:

﴿كَم مِّن فِئْتَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئْتَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

”بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے۔“ (سورۃ البقرہ: 249)

اللہ کے بند و اکلام گزشتہ کے حاصل سے واضح ہوا کہ کثرت کبھی حق اور حقیقت کے لیے پیمانہ نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ کبھی آدمی کی روحانی اور ایمانی قدر و قیمت متعین کرنے کا وسیلہ ہے۔ کبھی کثرت قابل تعریف بھی ہوتی ہے جب یہ شرعی حدود سے متجاوز ہونے سے



بازر ہے اور کبھی شریعت کے مقرر کردہ مقصد کے موافق ہونے کی بدولت کثرت بھی قابلِ تعریف ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اللہ کے راستے میں، فقراء و مساکین کے لیے اور یتیموں اور مسافروں کے لیے بکثرت خرچ کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ کئی مقامات پر قلت بھی قابلِ تعریف ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے اس قلت نے اکثریت کے پیچھے چلنے سے انکار کر دیا ہے جو کثرت کو بھی حق کی دلیل بنائے ہوئے ہے۔ اس لیے متعین کی قلت تعداد اور نہ علت مال انبیاء کو ان کے کثیر التعداد دشمنوں کے مقابلے میں اہل حق اور نصرت کے مستحق قرار دینے میں مانع نہیں ہوئی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کچھ ضرر نہیں ہوا کہ مرتدین سے قتال کے متعلق حق ان کے ساتھ تھا اور وہ تنہا ہونے کے باوجود حق پر ہونے کے ناتے کثیر تھے اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا کیا بگڑا جب قنہ خلق قرآن کے موقع پر حق ان کے ساتھ تھا وہ تنہا ہوتے ہوئے حق پر ہونے کے باعث وہ کثیر تھے۔ عربی شعر کا مفہوم ہے:

ما أکثر الناس لا بل ما أقلهم \*\*\* اللہ یعلمُ انی لم أقل فندًا

انی لأفتح عینی حین أفتحها \*\*\* علی کثیر ولکن لا أری أحدًا

”کتنے زیادہ لوگ ہیں، نہیں بلکہ بہت ہی کم، اور اللہ جانتا ہے کہ فائر لعقل نہیں،

جب میں آنکھیں کھولتا ہوں تو بے شمار لوگ نظر آتے ہیں لیکن جب معقول لوگ

ڈھونڈو تو بخدا ایک بھی نہیں ملتا۔“

بخاری و مسلم میں مذکور ہے، صحیح فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ

«إِنَّمَا النَّاسُ كَالْإِبِلِ الْمَائِيَّةِ، لَا تَكَادُ تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً»

”لوگ تو ان سوا دنتوں کی مانند ہوتے ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی سواری کے لائق

نہیں ہوتا۔“ (صحیح بخاری: 6498)

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لیے قرآن کو بابرکت کرے اور اس کی آیات و ذکر کو ہمارے لیے نفع بخش بنائے، لوگو! میں نے وہی کہا جو تم نے سنا، درست ہے تو رب کی توفیق سے ہے، کوئی خطا ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ ہی سے معافی کا طلبگار ہوں اور وہی معافی دینے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

حمد و ثناء کے بعد! لوگو! اللہ سے ڈرو! اور جان لو کہ یہ حق ہی ہے جس کی بدولت زمین و آسمان قائم ہیں۔ حق اور اہل حق کی پیروی کرو، وہ جہاں بھی ہوں اور حضرت علی کا قول یاد رکھا کرو، میرے گرد لوگوں کا ہجوم میری قدر و منزلت میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتا اور نہ ان کا مجھے چھوڑ جانا ہی وحشت میں ڈالتا ہے۔

قلت کی بنا پر ہدایت کے راستے پر چلنے والے کو اجنبی نہ گردانو، پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اکثریت کا حال خوب کھول دیا ہے۔  
فرمانِ ربانی ہے:

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (سورة الأعراف: 187)

”لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔“

اسی طرح فرمایا:

﴿وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ (سورة المائدة: 103)

”اور یہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔“

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ﴾ (سورة البقرة: 243)

”لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔“

﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (سورة الرعد: 1)  
 ”لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔“

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ﴾ (سورة المائدة: 49)  
 ”اور اکثر لوگ تو نافرمان ہیں۔“

اللہ کے بندو!

یہ اس لیے ہے کہ علم عقل کی اتباع کرتا ہے، فرمایا:

﴿وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ (سورة العنكبوت: 43)  
 ”اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔“

جو جان گیا، عقلمند ہو گیا، جو عقلمند ہو اشکر گزار ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو نافرمانی اور انحراف سے بچا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے تو مذکورہ امور میں سے کسی ایک کے نقص کی وجہ سے ایسا کرتا ہے یا تو عدم علم کی وجہ سے، یا عدم عقل کے باعث، یا عدم ایمان کی وجہ سے یا عدم شکر کے سبب سے اور یہ سارے ہی معاملات ثابت قدمی اور خیر و فلاح سے محروم کر دینے والے ہیں۔ امتیں اسی لیے ہلاکت کا شکار ہوئیں کہ وہ علم و عقل اور ایمان و شکر سے محروم ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ

عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَا هَا تَدْمِيرًا﴾ (سورة الإسراء: 16)

”اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہو تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش) پر مامور کر دیا، تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے، پھر اس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا۔“

کچھ شک نہیں علم و عقل اور ایمان و شکر کی کا زیادہ ہونا کہ وافر عقل و علم اور ایمان و شکر معاشرے میں ایسی قیمتی اقدار کو جنم دیتے ہیں جن سے جد امت کی خوب حفاظت و سیانت اور کمال اصلاح و خیر خواہی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ﴾

”اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جبکہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں اذراہ ظلم تباہ کر دے۔“ (سورۃ صود: 117)

کچھ شک نہیں کہ

﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ  
أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ \* كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا  
آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (سورۃ ص: 27-28)

”جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے کیا انہیں ہم انکی طرح کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا پرہیز گاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے۔ (یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔“

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

رسول اللہ ﷺ پر بے حد و حساب درود و سلام ہو، انھوں نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا»

”جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے

گا۔“ (صحیح مسلم: 384)

اے اللہ! بہت زیادہ اور بے شمار درود و سلام اور برکتیں نازل فرما اپنے بندے اور اپنے رسول ﷺ پر، خلفائے اربعہ ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم پر اور اپنے نبی کے سارے ساتھیوں سے راضی ہو جا، تابعین اور تبع تابعین سے اور قیامت تک خلوص دل سے ان کی پیروی کرنے والے سب مسلمانوں سے راضی ہو جا۔ اپنے عفو و درگزر سے، اپنے جو دو کرم سے، کائنات میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہم سے بھی راضی ہو جا۔



## پہلا خطبہ

ہر قسم کی تعریف اور حمد و ثنا، اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے جو صاحب عزت و جلال اور صاحب قوت و کمال ہے، میں اس کی حمد و تسبیح کرتا اور اسی کا شکر بجالاتا ہوں، اسی کے حضور توبہ کرتا اور اسی کی رحمت سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں، حمد جتنی اور جیسی بھی ہے سبھی اسی کو لائق اور اسی کو زیبا ہے، خیر سب کی سب صرف اسی کے دست مبارک میں ہے اور کائنات کے سارے امور بالاخر اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار جناب محمد کریم ﷺ اسکے ظلیل و چنیدہ بندے اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں۔ وہ مخلوق میں سے بہترین اور اس کا انتخاب ہیں اور زمانے بھر کے نمازیوں، روزے دار، فریضہ حج ادا کرنے والوں اور اہل تقویٰ میں سے بہترین اور اولیٰ و افضل ہیں، سو بے انتہاء اور بے شمار درود و سلام ہو، آپ کی ذات بابرکات پر، آپ کے طیب طاہر خاندانِ سادات پر اور آپ کی ازواج اور مومنین کی امہات پر تابعین پر اور قیامت تک آنے والی ان کی پر خلوص پیروکار شخصیات پر۔

## حمد و ثنا کے بعد!

لوگو! میں تم سب کو اور اپنے آپ کو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی پر زور نصیحت کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو اس کے تقویٰ کی چھتری تلے آگیا وہ ہر خسارے و ناکامی سے محفوظ ہو گیا اور جس نے اس کے در سے امید وابستہ کر لی وہ ہر ناامیدی سے دور ہو گیا۔ جسے وہ ذات بابرکات عزت عطا کر دے وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس پر وہ ذلت مسلط کر دے وہ کبھی باعزت نہیں ہو سکتا۔

فرمانِ ربانی ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

”تو اے عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ فلاح پاسکو۔“ (سورۃ المائدہ: 100)

لوگو! اے اللہ کے اس محترم و مقدس گھر کے حجاج کرام! تمہیں اس مکرم شہر مکہ اور اس امن بھرے خطے ام القریٰ میں خوش آمدید، اس شہر میں خوش آمدید کہ جس کے بارے ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ (سورۃ ابراہیم: 37)

”اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد بے آب و گیاہ وادی مکہ میں تیرے مقدس گھر کے پاس لایا ہے۔ تاکہ اے پروردگار! یہ نماز پڑھیں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور باسیان شہر کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکر ادا کرتے رہیں۔“

چنانچہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں کے دل اس قدیم گھر کی طرف لپک رہے ہیں۔ بلکہ کیفیت یہ ہے کہ دل جسموں سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ کس طرح لوگ گروہ در گروہ ہر گہرائی و گھاٹی سے دہلی پتلی سوار یوں پر سوار اس کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں۔ جو شخص بھی اس گھر کے احوال اور یہاں گزرے صدیوں پر محیط تاریخی حالات و واقعات پر غور و فکر کرتا ہے وہ حیرت سے دنگ رہ جاتا ہے۔ کیا ہی مضبوط بنیادوں پر استوار اور کیا ہی مستحکم درو دیوار کا حامل ہے یہ گھر۔ جو ایک بے آب و گیاہ وادی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اک ایسی اجاڑ وادی میں کہ جہاں نہ پانی تھا، نہ کوئی پودا اور نہ کوئی اور ایسی چیز۔ ویرانی ہی ویرانی تھی، نہ یہاں کوئی ہم نفس تھا نہ غنخوار، مگر آج اسی خرابے اور ویرانے کو ہم رونق و رعنائی سے بھر پور اور جھوم مردوزن سے معمور دیکھتے ہیں، کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا



کہ جب یہاں کوئی شخص طواف میں مصروف، ذکر و اذکار میں مشغول نہ ہو یا رکوع و سجود میں نہ ہو۔ ایک ایسی سرزمین میں کہ جہاں کے مسافر گھر سے وصیت نامہ تحریر کر کے نکلتے تھے، اس لیے کہ اس کا سفر بڑا دشوار گزار اور راہ بڑی پر خطر تھی، ہر گھڑی موت کے سائے سر پر منڈلاتے تھے، بے شمار اندیشے اور ہلاکت خیز صحرا راہ میں تھے، جان لیوا بھوک اور پیاس کے مرحلے تھے اور راہ زنون کے خطرات اس کے سواتھے۔

انہی خطرات یعنی لمبی مسافت، خطرناک راہ اور سواری و ساز و سامان کی کمیابی کے باعث زمانہ قدیم میں مشہور تھا، کہ جو ادھر گیا اسے مفقود جانے اور جو ادھر سے پلٹ آیا اسے نو مولود سمجھے۔

اسی جانب ہمارے مولیٰ کریم نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَتَحْمِيلُ أَثْقَالِكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بِالْبَيْعِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَعُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورۃ النحل: 7)

”اور (دور دراز) شہروں میں جہاں تم شدید مشقت کے بغیر پہنچ نہیں سکتے۔

سواریاں تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتی ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار

نہایت شفقت والا مہربان ہے۔“

مفسرین رحمہم اللہ نے صراحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد شہر مکہ ہے۔

اللہ کی نعمتیں بھی بندے پر کیا مسلسل اور لگاتار اترتی ہیں۔ اس نے انسانی راحت کے لیے ایسا ایسا کچھ پیدا فرما دیا ہے کہ بندے جس سے لاعلم تھے اور ایسا کچھ بھی تخلیق فرما دیا جو بندوں کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے انسانوں کے لیے سمندروں، فضاؤں اور خشکیوں پر کام آنے والی طرح طرح کی مطبخ و مسخر سواریاں مرحمت فرمادیں، کیا کیا نعمتیں ہیں، راستے پر امن، سواریاں پر آسائش، رزق مرغوب و پر تکلف اور ٹھکانے آرام

وہ بنا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ بندوں کو خدمتِ حرمین شریفین کی سعادت کے لیے منتخب کر رکھا ہے تاکہ اللہ نے انھیں جو حظ وافر عطا کر رکھا ہے وہ اسے اس کی راہ میں لگائیں۔ چنانچہ ان بندوں نے بھی بیت اللہ کے حجاج کے لیے اللہ کی بے شمار نعمتیں مہیا کر دی ہیں، اس قدر وافر اور ایسی ناقابلِ یقین حد تک کہ اگر ہمارے آباء و اجداد کے سامنے ان سہولیات کا ذکر کیا جائے تو وہ کہنے والے کو دیوانہ خیال کریں۔

سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿وَأَنَّا كُنتُمْ مِن كُلِّ مَآ سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا﴾ (سورۃ ابراہیم: 34)

”اور جو کچھ تم نے مانگا سب کچھ میں نے تمہیں عنایت کر دیا اور اگر تم اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو۔“

لیکن ان ساری سہولیات اور آسائشوں کے باوجود اللہ کے بند و اسفر عذاب کا اک ٹکڑا ہی ہے۔ چنانچہ مناسکِ حج کے مرحلے، حج کے ارکان و واجبات اور سنتوں کی ادائیگی شریعتِ مطہرہ کے کوئی بہت آسان اور آسائش بھرے امور نہیں ہیں بلکہ عبادتِ حج تو بدنی مشقت اور مالی اخراجات دونوں پر مشتمل عبادت ہے اور ایسی عبادت ہے کہ کبھی راحت و آرام اور خوشحالی کے وسائل عصر حاضر کی طرح وافر بھی ہو جائیں تو بھی وہ حاجی میل کچیل، پرانندہ حالی اور دقت و مشقت سے بچ نہیں سکتا۔ سوائے برادرانِ اسلام! مناسکِ حج کے تمام مرحلے مسلمان کے لیے ایک امتحان کا درجہ رکھتے ہیں کہ آیا وہ ان مشقتوں پر صبر کرتا ہے یا ان سے تنگ پڑ جاتا ہے۔

غور کیجیے یہ جو حاجی کے لیے وہ تمام امور منع کر دیئے گئے، احرام پہننے سے قبل جو اس کے جائز اور حلال تھے، ان میں یقیناً ایسی حکمتیں ہیں جسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مناسک

حج ادا کرنے والا وہ مبارک شخص ہے جو محض اللہ کی خوشنودی کے لیے ہر قسم کی مشقتیں اور دقتیں جھیلتا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر بال نہ تراشنے سے، ناخن نہ کاٹنے، خوشبو نہ لگانے، سلاہوا کپڑا نہ پہننے، نکاح نہ کرنے اور پیغام نکاح تک نہ بھیجنے اور بیوی کے پاس جانے سے باز رہنے کا اس کے سوا بھلا کیا معنی ہے؟ کہ یہ بندے کو خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

« إِنَّ لَكَ مِنَ الْأَجْرِ عَلَىٰ قَدْرِ نَصَبِكَ وَنَفَقَتِكَ » (الترغيب والترهيب:

(1116)

”بالتحقيق اجر وثواب تو تمہیں تمہاری مشقت اور اخراجات کے مطابق ملے گا“

اسی طرح فرمایا:

« تُمْ لَيْقُضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ »

”پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں، اور اس قدیم گھر کا

طواف کریں۔“ (سورۃ الحج: 29)

حاجی یا عمرہ کرنے والا دورانِ احرام اللہ کے منع کردہ امور سے رک جاتا ہے۔ یہ سارے وہ امور ہیں جن کا تعلق آسائش اور آسودگی سے ہے، روکا اس لیے جاتا ہے تاکہ اہل ایمان کے دل اللہ کی قائم کردہ حدود میں رہنے کے عادی اور حرام و حلال دونوں معاملات میں اللہ کے احکام کے خوگر ہو جائیں اور اللہ کی حرام کردہ اشیاء کے بارے میں جھگڑا نہ کریں اور یہ احکام خوشدلی سے قبول کریں۔ اور مقصود یہ بھی ہے کہ وہ رب کی رضا کا ہدف حاصل کر لے وہ تزئین و آرائش اور ملبوسات پہننے میں یا دیگر تمام ممنوعات کے معاملے میں اللہ واحد القہار کے پوری طرح مطیع ہو جائیں اور یہ بات دل میں بسالیں کہ حکم صرف اللہ ہی کا ہے اور معاملہ تمام کا تمام دراصل اسی کے ہاتھ میں ہے اور حق یہ ہے کہ عبادت کے لیے بھی معبود

برحق صرف وہی ہے۔

اے مسلمان!

تم ہر اس شخص سے بحث و مکرار کر سکتے ہو جو تم سے تمہارا کوئی حق چھینے، جو تجھے کپڑے پہننے، بیوی کے پاس جانے یا زلفیں اور ناخن تراشنے سے روکے، سوائے اللہ عزوجل کے کہ وہ ذاتِ گرامی ایسی ہے جس سے اس کے کسی کام پر سوال نہیں کیا جاسکتا بلکہ مخلوق ہی ہمیشہ اس کے حضور جوابدہ ہوتی ہے۔

حج کے دوران اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی مضبوطی سے مومن دل تروتازگی اور جلا پاتے ہیں اور توحید پر مبنی تلبیہ پکارتے ہوئے اللہ سے تجدید تعلق کرتے ہیں۔ جب وہ پکارتے ہیں:

لَبِيكَ اللَّهُمَّ لَبِيكَ، لَبِيكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبِيكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ  
لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ.

”حاضر ہوں میں، اے اللہ! حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں، اس پکار کے ساتھ کہ تیرا کوئی سا جھمی و شریک نہیں، میں حاضر ہوں، اس اعلان کے ساتھ کہ ہر تعریف، ہر نعمت اور ہر بادشاہی تیری ہی ہے اور تجھے ہی زیبا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں“ اور پھر کلماتِ جہلیل سے بھی دلی مومن اپنے عقیدے کی تجدید کرتا ہے، وہ پکار پکار اٹھتا ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ  
شَيْءٍ قَدِيرٌ

”اس اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور وہ لاشریک ذات ہے۔ اسی کی بادشاہی اور اسی کی حمد و ثنا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرتِ کاملہ رکھنے والا ہے“

اور پھر وہ کلمات تکبیر کا اعادہ کرتا ہے۔

اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، وَ لِلَّهِ الْحَمْدُ.

”اللہ ہی سب سے بڑا ہے، اللہ ہی سب سے عظیم ہے، اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بڑا ہے، وہی سب سے عظیم ہے اور اسی اللہ کی حمد ہے۔“

مسجد حرام کے پاس، میدانِ عرفات میں اور کنکریاں مارتے وقت یہ حمد و ثنا اور تکبیر و توحید کے کلمات ہر آن اس کی زبان سے جاری و ساری رہتے ہیں۔

گویا کہ توحید ہی اس بات کی علامت ہے کہ جو شخص بھی مغفرت کا خواہاں ہے وہ اللہ کو اس طرح اکیلا معبود مانے جیسا کہ اس کی توحید کا حق ہے، انسان سارا معاملہ اللہ کے سپرد کرے، وہی خالق ہے وہی معبود، حکم دینے اور کسی بات سے منع کرنے کا اختیار اسی کو ہے اس کے کلام کو کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا اور اے انسان اس کے علاوہ کوئی جائے پناہ بھی نہیں!

یہی وجہ ہے، اے اللہ کے بندو! کہ جس شخص نے حج میں یہ شعائرِ توحید قائم رکھے، یا وہ نفس گوئی اور فسق و فجور سے باز رہا تو ایسا شخص حج کے بعد کسی نومولود کی طرح گناہوں سے پاک ہو کے لوٹتا ہے۔ جیسا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث موجود ہیں۔ پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ باری تعالیٰ نے کبیرہ گناہوں سے اجتناب برتنے کو صغیرہ گناہوں کے کفارے کا سبب بنا دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک فرمان میں فرمایا:

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كُتُبًا مِمَّا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا﴾ (سورة النساء: 31)

”اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے اجتناب کر دو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ از خود معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کے

مقامات میں داخل کریں گے۔“

مومنو! سوچئے کہ اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب ضروری ہے تو پھر شرک، خواہ وہ شرک اصغر ہو یا اکبر اس سے بچنا کتنا بالادولی لازم و ضروری ہونا چاہیے؟  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الْحُجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ مِّنْ قَرَضٍ فِيهِنَّ الْحُجُّ فَلَا رَفْتٌ وَلَا فُسُوقٌ وَلَا جِدَالَ فِي الْحُجِّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ﴾ (سورة البقرة: 197)  
”حج کے مہینے (معیین اور) معلوم ہیں، تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو وہ دورانِ حج نہ تو عورتوں سے اختلاط کرے، نہ کوئی برکام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے، اور تم جو بھی نیک کام کرو گے وہ سب اللہ کو معلوم ہو جائے گا اور زادِ راہ ساتھ لے جاؤ اور یہ بھی یاد رکھو کہ بہتر (فائدہ) زادِ راہ پر ہیز گاری ہے اور (اسے) اہل عقل! مجھ سے ڈرتے رہو۔“

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لیے قرآن کو بابرکت کرے اور اس کی آیات و نصیحت کو ہمارے لیے نفع بخش بنائے، لوگو! میں نے وہی کہا جو تم نے سنا، درست ہے تو رب کی توفیق سے ہے اور اگر کوئی خطا ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ ہی سے معافی کا طلبگار ہوں اور وہی معافی دینے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسانات پر اس کی بے حد حمد و ثنا، اس کی توفیق و اتمان پر اس کا بے حد شکر اور بے شمار درود و سلام ہو اس کی رضامندی کی طرف بلانے والے اس کے نبی مکرم ﷺ پر!

بعد ازاں! اے بیت اللہ کے حجاج کرام!

جان لیجیے کہ حج کے مقاصد میں سے ایک رفیع الشان مقصد اللہ کے ذکر توحید کا غلغلہ کرنا بھی ہے۔ یہ کبھی تلمیہ کی صورت میں ہے، کبھی تہلیل کی شکل میں اور کبھی تکبیر کے اسلوب میں، کسی بھی صورت میں ہوں یہ اذکار اللہ کی انفرادیت اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں۔ خواہ یہ توحید ربوبیت ہو، توحید الوہیت ہو یا اس کے مقدس و محترم ناموں اور صفات کی توحید ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حاجیوں کے مجمعے ہر آن اللہ کا ذکر بلند کرتے رہتے ہیں، نہ یہ پکار کبھی تھمتی ہے اور نہ ماند ہوتی ہے۔ ہر آن اللہ کا ذکر کرتے رہنا ایک نہایت پسندیدہ عمل ہے، خواہ بیٹھے ہوں یا کھڑے ہوں، پیدل ہوں یا سوار، لیٹے ہوں، حضر میں ہوں یا سفر میں، بے وضو ہوں، ناپاک ہوں یا کوئی خاتون حائضہ ہو، دن ہو یا رات، وقت سحر ہو یا نمازوں کے بعد کے اوقات، ہر آن اس کا ذکر جاری و ساری رہنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ

«أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ قَالَ الْعَجُّ وَالشَّجُّ»

”کون سا حج افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، آواز بلند کرنا اور خون بہانا (قربانی

کرنا)۔“ (جامع ترمذی: 827)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا جُعِلَ الظَّوْفُ بِالنَّبْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمِيَ الْحِمَارُ

لِلْإِقَامَةِ ذِكْرِ اللَّهِ»

”بیت اللہ شریف کا طواف، صفا مروہ کی سعی اور حجروں کو نکلنا یا مارنا، سب اللہ

کا ذکر قائم کرنے کے لیے ہیں“ (سنن ابوداؤد: 1888)

اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ حج کے سارے اعمال ہی اللہ کے ذکر سے مملو

اور معمور ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں اپنی کتابِ عزیز میں جبروں کی رمی کا تذکرہ فرمایا، وہاں لفظ ذکر سے کلام کا آغاز فرمایا۔

ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (سورة البقرة: 203)

”یہ گنتی کے چند روز ہیں، جو تمہیں اللہ کی یاد میں بسر کرنے چاہئیں پھر جو کوئی جلدی کر کے دو ہی دن میں واپس ہو گیا تو کوئی حرج نہیں، اور جو کچھ دیر زیادہ ٹھہر کر پلٹا تو بھی کوئی حرج نہیں۔“

صفا و مروہ کے درمیان سعی کے عمل پر تدبیر کیجئے، رسول اللہ ﷺ نے صفا پہاڑی پر ٹھہر کر اللہ کی وحدانیت اور کبریائی بیان کی۔

فرمانِ ربانی ہے:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْخِزْيُفُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ آيَاتُ يَوْمِنَا يُبَيِّنُونَ ۚ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ ۚ صَدَقَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ» (صحیح بخاری: 1797)

”اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے وہی لائقِ حمد و ثنا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر صرف وہی اکیلا، اس نے اپنا وعدہ وفا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس اکیلے نے تمام اتحادی دشمنوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔“

یہاں ایک لمحے کے لیے ٹھہر کر ہر موحد مومن کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ



جس سے جو وعدہ کر لے وہ ہر حال میں ضرور پورا فرماتا ہے اور دشمنوں کی سازشوں کو اسی کی اعانت سے ناکام اور عدو کے اتحاد و اکٹھ کو اسی کی مدد سے منتشر کیا جاسکتا ہے۔ وہ بندوں پر غالب ہے، ہر چیز پر قادر ہے، مدد صرف اسی کے در سے ملتی ہے وہ جس کی چاہے مدد فرما دے، وہ بہت قوت والا اور بڑا رحیم ہے۔ جہاں تک بندوں کی بساط ہے تو اگر اس کی نصرت اور فتح و کامرانی ان کا ساتھ نہ دے تو یہ بے بس اور لاچار محض ہیں۔

فرمانِ ربانی ہے:

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ \* لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ﴾

”مدد تو اللہ ہی کی ہے جو غالب اور حکمت والا ہے (یہ اللہ نے) اس لیے (کیا) کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک یا انہیں ذلیل و مغلوب کر دے کہ (جیسے آئے تھے ویسے ہی) ناکام واپس جائیں۔“ (سورۃ آل عمران: 126-127)

غور کیجئے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی تائید و نصرت اور تکمیل وعدہ کا تذکرہ کرنے کے لیے صفا و مردہ کے مقام کا انتخاب فرمایا۔ شاید اس میں یہ لطیف نکتہ پنہاں ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام تن تنہا رہ گئی تھیں اور اس تنہائی میں وہ مشکل سے آسانی اور مصیبت سے خلاصی کی تلاشی تھیں، وہ اپنے شیر خوار بیٹے کے لیے چند قطرے پانی کی جستجو میں تھیں۔ پھر یہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے غموں کا ازالہ فرما دیا اور ان کے تمام تر مصائب کو آسانیوں سے بدل دیا۔

انہی لطیف نکتوں میں سے کہ ایک یہ بھی ہے کہ جب سید ولدِ آدم پر سر زمین مکہ تنگ کر دی گئی اور انھیں مہاجرانہ مکہ سے نکال دیا گیا تو جیسا کہ مسند احمد میں مذکور ہے، صفا پہاڑی کے قریب غمزدہ کھڑے آپ فرما رہے تھے،

« وَاللّٰهُ اِنَّكَ لَحَنِيْزٌ اَرْضُ اللّٰهِ وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ وَلَوْلَا اَنِّيْ  
اُخْرِجْتُ مِنْكَ مَا خَرَجْتُ » (جامع ترمذی: 3925)

”اے سر زمین مکہ! اللہ کی قسم! تو بہترین خطہ زمین ہے اور اللہ کو اپنی ساری زمین  
سے زیادہ محبوب تو ہی ہے۔ اگر مجھے زبردستی یہاں سے نکالانہ جاتا تو میں کبھی یہاں  
سے نہ نکلتا۔“

سوہر حاجی کے لیے لازم ہے کہ وہ عبرت و نصیحت بھرے ان قصوں سے سبق حاصل  
کر لے اور جب صفا و مردہ پر کھڑا ہو تو رسول اللہ ﷺ کے ان کلمات پر غور کرے، جو آپ  
نے یہاں کہے اور وہ جو نیک شگونوں سے مزین و معطر، کمزوری و خستہ حالی سے نجات اور قوت و  
خوش حالی کے حصول کے غماز اور بے بسی سے نصرت تک کے سفر کے عکاس تھے۔ یہی حج  
ہے اے اللہ کے بندو! جو ذکر سے شروع ہوتا اور ذکر پر ختم ہوتا ہے اور جس کا سارا دورانیہ  
بھی ذکر ہی ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مِّنَاسِغِكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ  
اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ  
مِنْ خَلٰقٍ \* وَمِنْهُمْ مَّن يَقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ  
حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ \* اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ  
سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (سورة البقرة: 200-202)

”پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو (منی میں) اللہ کو یاد کرو جس طرح  
اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو

اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر دے، ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور بعض ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ پروردگار ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عنایت فرمانا اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا یہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے نیک کاموں کا اجر تیار ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔“

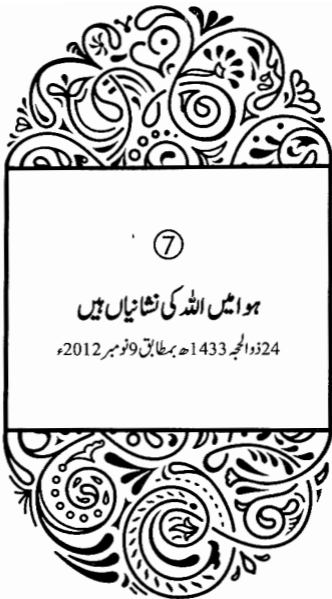
اور اللہ تعالیٰ تم سب کو اپنی رحمت سے نوازے، خیر الوریٰ، انسانیت کی مایہ ناز ہستی اور صاحبِ حوضِ کوثر محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ﷺ پر درود و سلام پڑھو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ایسے کام کا حکم دیا ہے جس کی ابتدا ذات باری تعالیٰ نے خود کی اور پھر اپنے مقدس فرشتوں کو اس کی تلقین کی تو اے اہل ایمان! تمہارے لیے کس قدر سعادت کی بات ہے کہ تمہیں بھی اسی کام کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور پیغمبر محمد ﷺ پر درود و سلام اور برکتوں کی برکھابریسا جن کے روئے انور کو تو نے تابانی اور رعنائی سے نوازا تھا۔ اور اے پروردگار! چاروں خلفاء ابو بکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم اور اپنے نبی ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی کامل رضامندی سے نواز دے۔ اسی طرح تابعین اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کو بھی اسی احسان سے سرفراز فرما۔ اور اے ارحم الراحمین! اپنے خاص لطف و کرم اور عنایت سے ہمیں بھی اپنی خوشنودی عطا فرمادے۔



7

ہو ا میں اللہ کی نشانیاں ہیں

24 ذوالحجہ 1433ھ بمطابق 9 نومبر 2012ء

## پہلا خطبہ

حمد و ستائش کا حقیقی مستحق وہی اللہ ہے جو جلال و جمال کی تمام تر بڑائیوں اور عظمتوں کے ساتھ یکتا ہے، حالات و واقعات کو تفصیلاً اور اجمالاً ہر پہانے پر تقدیر و تدبیر کے ذریعے وہی بدلنے والا ہے، وہ عظمت و بزرگی کی تمام تر بلندیاں رکھتا ہے، وہی ہے جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب اتاری ہے تاکہ وہ تمام جہانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا بن جائے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ اکیلا ہی معبود حقیقی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، جن کی مختلف معجزات سے تائید کی گئی۔ پروردگار کون و مکان نے ہا و صبا کے ذریعے آپ کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر بہترین درود و سلام بھیجے اور پھر پاکیزہ ترین اہل بیت پر، امہات المؤمنین پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کو بھی اسی انعام سے بہرہ مند فرمائے۔

حمد و ثناء اور درود و سلام کے بعد!

اے بندگانِ پروردگار! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ سب سے بہترین بات اللہ کا کلام ہے اور بہترین طریقہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا طریقہ کار ہے۔ بدترین کام وہ ہیں جو ایجاد کر لیے جائیں ہر نو ایجاد کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ لہذا لازم ہے کہ تم مسلمانوں کی جماعت سے چٹے رہو کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

”اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر (ﷺ) کی مخالفت کرے اور

مومنوں کے راستے کو چھوڑ کر کسی دوسرے راستے پر چلے تو جدھر وہ جاتا ہے ہم

اسے ادھر ہی جانے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔“ (سورۃ النساء: 115)

اے لوگو! اس وسیع و عریض کائنات میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نشانیوں میں سے ایک نشانی کہ جس پر حیات انسانی کا دار و مدار ہے، جو تمام تر حرکتوں اور شادمانیوں کا محور ہے، جس کی بدولت در ماندگی کے بعد جسم میں تروتازگی آتی ہے، جس کے سبب انسان کمزوری کے بعد پھر سے توانا ہو جاتا اور تنگی کے بعد از سر نو کشادگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اگر آدمی اس نشانی میں غور و فکر کرے تو اس کا اپنے پروردگار پر ایمان بڑھ جائے اور اسے پتہ چلے کہ وہ اکیلا ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور کائنات میں اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔

یہ ایسی نشانی ہے جو زمین کی سطح پر بھی ہے اور جو آسمان میں بھی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی قسم کھائی اور قرآن میں مجید میں مختلف مقامات پر انیس بار اس کا تذکرہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں جس شے کی بھی قسم کھالے وہ عظیم ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَتَّعْلَمُونَ عَظِيمٌ﴾ (سورۃ الواقعة: 76)

”اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے۔“

اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ اپنی مخلوقات اور نشانیوں میں سے جس کی چاہے قسم کھالے، مخلوقات اور نشانیاں کہ جنہیں اس نے عقل و فہم رکھنے والوں کے لیے عبرت و نصیحت کا ذریعہ اور روگردانی کرنے والوں کے لیے اتمام حجت اور باعثِ ندامت بنا دیا کیونکہ ان لوگوں کو یہ نشانیاں بھی اللہ کی یاد نہیں دلاتیں اور یہ اس مالک کی طرف نہیں پلٹتے۔ یہ وہی حرماں نصیب ہیں، جن پر اللہ کا یہ فرمان حرف بحرف صادق آتا ہے کہ

﴿وَكَايِنٍ مِّنْ آيَةِ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا

مُعْرِضُونَ \* وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴿

”آسمان اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن کے پاس سے یہ گزرتے ہیں اور ان سے کوئی تعرض نہیں کرتے، دراصل ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔“ (سورۃ یوسف: 105-106)

ہاں، ہاں! یہی وہ گراں قدر نشانی ہے جس کی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں چار مرتبہ قسم کھائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا \* فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا \* وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا﴾

”ہواؤں کی قسم جو نرم نرم چلتی ہیں پھر زور پکڑ کر جھکڑ ہو جاتی ہیں اور (بادلوں

کو) پھاڑ کر پھیلا دیتی ہیں۔“ (سورۃ الرسلات: 1-3)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَالذَّارِيَاتِ ذُرْوًا﴾ (سورۃ الذاریات: 1)

”بکھیرنے والی ہواؤں کی قسم جو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔“

اللہ کے بندو! یہ وہ نشانی ہے جسے ہم آندھی اور ہوا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے جیسے چاہتا ہے چلاتا ہے یہ اس کی مطیع اور اس کے حکم کے مطابق چلتی ہے۔ وہ اسے حکم دیتا ہے کہ ”ہو جا“ تو یہ اپنے خالق و مالک کے فرمان کے سامنے یوں جھک جاتی ہے، جیسے آسمان و زمین اس کے حضور سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَيْلَ لَأَرْضِ اسْتَيْتَا طَوْعًا

أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ﴾ (سورۃ فصلت: 11)

”پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین

سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے انہوں نے کہا کہ ہم خوشی

سے آتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور رکھنے والوں کے لیے ہواؤں کی گردش کو بھی نشانی بنا دیا ہے، چنانچہ یہ کبھی ٹھنڈی ہوتی ہیں، کبھی گرم، کبھی جنوب سے چلتی ہیں تو کبھی مشرق سے، اسی طرح کبھی ان کی اٹھان شمال سے ہوتی ہے اور کبھی مغرب سے۔ یہ بادلوں کو اٹھاتی، انھیں جوڑتی اور پھر انھیں تہ در تہ کر دیتی ہیں، جن سے بارش برسنے لگتی ہے۔ پھر یہ ہوائیں بارش اور فصلوں کے لیے سیرابی کا ذریعہ بھی ہیں پھر بجلی پیدا کرنے والی چکیوں، ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کی نقل و حرکت کے لیے بھی انتہائی ضروری ہیں۔ ان تمام فائدوں کے ساتھ ساتھ ان کے اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں اور ناگزیر ہے کہ اللہ کی پیدا کردہ اشیاء اور آسمان وزمین کی وسعتوں میں پھیلی اس کی بادشاہت کو غور و فکر کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

اللہ کے بندو! اگر تم تعجب کرنا چاہو تو ان مسلمانوں پر کرو، جن کی فکر انتہائی پست اور علمی دیوالیے کا شکار ہو چکی، چنانچہ وہ ایسی نام نہاد تحقیقات، خیالات و افکار اور تہذیبوں سے دھوکہ کھا بیٹھے ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، جن کا نکتہ نگاہ مادی و ظاہری اسباب اور دکھائی دینے والے واقعات تک ہی محدود رہتا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ کسی خاص واقعے کا ماخذ اور سبب کیا ہے اور اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جانا چاہیے۔ تعجب ہے کہ ہمارے کچھ مسلمان اس دور میں اس دھوکے کا شکار ہو گئے کہ جب بعض غیر مسلم بھی ان واقعات کے ظاہری اسباب کے مطالعہ اور تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ یہ کائنات کسی نیچر یا فطرت نامی ایسی اندھی طاقت کے سپرد نہیں ہے۔ نہ تو اس کی ابتداء اس طریقے سے ہوئی اور نہ ہی اس کی انتہاء یہ ہے، بلکہ یہ کائنات اور اس کا سارا نظام یہاں تک کہ ہوائیں بھی کسی مدبر و دانا ذات کی حکمت کی پابند ہیں، جو سب جانتا ہے مگر انسان نہیں جانتے۔



کئی مقامات پر تو ان غیر مسلموں کو اسلام کے متعلق سخت حیرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات ان میں سے کئی اسلام بھی قبول کر لیتے ہیں، جب انھیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اسی حقیقت کو اصل قرار دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ ہوا بھی اس وسیع و عریض کائنات میں اللہ کی نادر اور اچھوتی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔

وہ غیر مسلم ماہرین جو عمر کا کثیر حصہ ہواؤں کے متعلق تحقیقات پر صرف کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہوا چار حالات سے خالی نہیں ہوتی۔ وہ یا تو ساکن ہوگی یا ہلکی پھلکی حرکت کرتی ہوئی خوشگوار ہوا ہوگی۔ یا بہت تیز اور آندھی کی شکل میں ہوگی۔ یا بگولے کی صورت ایک گرج دار آواز کے ساتھ چلے گی۔

اس وقت ایسے ماہرین کی حیرانی بام عروج پر پہنچ جاتی ہے اور یہ انگشت بدندان رہ جاتے ہیں جب اچانک ان پر انکشاف ہوتا ہے کہ بعینہ ترتیب کے ساتھ ہواؤں کی ان تمام اقسام کی خبر اللہ کی کتاب نے آج سے پندرہ صدیاں پیشتر ہی دے دی تھی، وہ بھی ایک ایسی ناخواندہ قوم کے دور میں جو پڑھائی لکھائی سے یکسر نا آشنا تھی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ساکن ہواؤں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ \* إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَالِيِ ظَهْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾  
(سورۃ الشوری: 32-33)

”اور اسی کی نشانیاں میں سے بحری جہاز ہیں (جو) گویا پہاڑ (ہیں) اگر (اللہ) چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے اور جہاز اس کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، تمام صبر اور شکر کرنے والوں کے لئے ان (باتوں) میں اللہ کی قدرت کے نمونے ہیں۔“

اس آیت کے مفہوم کے متعلق اکثر مفسرین کا شروع شروع میں یہ خیال تھا کہ مذکورہ

بالا آیت میں کشتیوں سے مراد بادبانی کشتیاں ہیں، جن کے لیے ہوا کے ٹھہراؤ کے وقت سمندر میں نقل و حرکت ممکن نہیں ہوتی۔ لیکن آج قرآن کریم کا یہ علمی اعجاز ہمارے لیے باعث حیرت ہے کہ اس میں جدید ایجادات کا ذکر پہلے سے موجود ہے، کیونکہ ہوا جب مکمل طور پر تھم جائے تو کسی بھی سمندری سواری کے لیے سمندر میں نقل و حرکت ممکن نہیں ہو پاتی۔ نہ تو بادبانی کشتیوں اور دخانی جہازوں کے لیے اور نہ ہی دیو ہیکل جہازوں کے لیے جو انہی یا نیو کلیائی طاقت سے چلتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر قسم کی توانائیاں جو ان جہازوں کو چلاتی ہیں، آکسیجن کی محتاج ہیں اور ہوا میں حرکت نہ رہے تو آکسیجن معدوم ہو جاتی ہے اور جہاز اپنی جگہ منجمد ہو کے رہ جاتے ہیں۔ رعبی خوشگوار اور تیز ہوا کی بات تو ان دونوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَينَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ﴾

”وہی تو ہے جو تمہیں جنگل اور دریا میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں سے) سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں زلزلے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے ان پر (جوش مارتی ہوئی) آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ (اب تو) لہروں میں گھر گئے۔“ (سورہ یونس: 22)

کیونکہ ہوا خوشگوار ہونے کے بعد جب یکایک تیز ہوا کا روپ دھارتی ہے تو موجوں کی طغیانیاں اس قدر بلندی تک جا پہنچتی ہیں کہ جہازوں کے عرشوں اور بادبانوں کو بھی ڈبونے لگتی ہیں۔ رعبی زور دار گونج والی بات، تو یہ وہی ہوا ہے جسے بگولہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ عمودی

شکل میں گھومتی ہوئی آسمان کی طرف اٹھتی ہے اور اس کے سبب سمندروں کی موجیں اس قدر بلندی تک جا پہنچتی ہیں کہ جہازوں اور بادبانی کشتیوں کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس گولہ نما ہوا میں آگ بھی ہوتی ہے تاہم عام طور پر یہ بغیر آگ کے ہی ہوتی ہے۔ طبقات الارض اور علم جغرافیاء کے ماہرین کے ہاں یہ ایک نئی دریافت اور تحقیق ہے کہ آگ والا گولہ گھنے جنگلات میں لگی آتشزدگی کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ قرآن ابتداءً ایک ایسی قوم کی طرف اتارا گیا تھا، جس کے طرزِ رہن سہن میں صحرائی بودوباش کا انداز غالب تھا اور ان کے علاقے میں جنگلوں کا دور دور تک کوئی نشان نہ تھا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانے میں ارشاد فرمایا:

﴿أَيُّودٌ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَةٌ ضُعْفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ (سورة البقرة: 266)

”بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لئے ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور اسے بڑھاپا آچکڑے اور اس کے ننھے ننھے ناتواں بچے بھی ہوں تو (ناگہاں) اس باغ پر آگ بھرا گولا چلے اور وہ جل (کر راکھ کا ڈھیر ہو) جائے؟ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے، تاکہ تم سوچو۔“  
تو یہ اللہ کی وہ کتاب ہے جو پندرہ صدیاں پیشتر ہی ان سارے معاملات کی خبر دے چکی ہے۔ یہی سچا اور سیدھا دین ہے اور یہی اللہ کا رنگ ہے۔ جس کے متعلق فرمان ہے:

﴿صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۗ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ﴾

”(کہہ دو کہ ہم نے) اللہ کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو

سکتا ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔“ (سورۃ البقرۃ: 138)

اور یہ بھی یاد رکھو، اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے کہ ہو اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر بھی ہے جو اس کے مومن بندوں کے لیے رحمت و شفقت کا جانفزایا پیام بن کر آتا ہے، بھاری بھارے بادلوں کو اٹھا کر پیاسی سرزمین کی طرف لے جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور خستہ حال چوپائیوں کو اپنی رحمت سے سیراب کر دے۔ اللہ کا یہ لشکر اس کے مومن بندوں کے لیے بعض اوقات اس طرح بھی باعثِ نعمت بن جاتا ہے کہ وہ اسے ان کے دشمنوں اور ان کے خلاف بغاوت کرنے والوں پر مسلط کر دیتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«نُصِرْتُ بِالصَّبَا» (صحیح مسلم: 900)

”اللہ تعالیٰ نے بادِ صبا کے ذریعے سے میری مدد فرمائی ہے۔“

صبا مشرق سے چلنے والی ہوا کو کہا جاتا ہے۔ کسی شاعر نے اسی حقیقت کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ

لم يُحِصْ جُنْدَ اللَّهِ فِي مَلَكُوتِهِ \*\*\* غَيْرُ الْعَلِيمِ الْقَاهِرِ التَّوَّابِ

قد أَنْجَزَ النِّصْرَ الْعَظِيمَ لِعَبْدِهِ \*\*\* بِجُنُودِهِ كَالرَّبِّيعِ فِي الْأَحْزَابِ

اللہ کی اس ناپید اکنار کائنات میں اس کے بے پناہ لشکروں کی صحیح تعداد سے کوئی بھی واقف نہیں ہے، سوائے خود اس کے جو جاننے والا، بالادست اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس نے اپنے بندے کو اپنے لشکروں کے ذریعے سے کئی مواقع پر مدد دی، مثلاً جنگِ احزاب میں ہوا کے ذریعے آپ ﷺ کی مدد کی گئی۔

بسا اوقات ہو اللہ کے عذاب اور انتقام کا روپ دھار لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے وہی ذات ہے جس نے قومِ عاد کو مغرب سے

چلنے والی تیز اور سرد ہوا کے ذریعے ان کے انجام تک پہنچایا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَمَّا عَادُ فَاهْلِكُوا بِرِيحِ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ﴾ (سورة الحاقة: 6)

”رہے عاد تو ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیا ناس کر دیا گیا۔“

اور اسی ذات نے ہوا کے ذریعے ان لشکروں کو تباہ و برباد کر ڈالا، جنہوں نے نبی

کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے جاثم صحابہ کرام ﷺ کے خلاف سازش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا

حال بیان فرماتے ہوئے کہا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ

جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

بَصِيرًا﴾ (سورة الأحزاب: 9)

”مومنو! اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جو (اس نے) تم پر (اس وقت کی) جب

فوجیں تم پر حملہ کرنے کو آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (نازل) کئے

جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ انہیں دیکھ رہا ہے۔“

اسی طرح ہوانبی کریم ﷺ کی نبوت کی ایک دلیل بھی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِينَةِ

هَاجَتْ رِيحٌ شَدِيدَةٌ تَكَادُ أَنْ تُدْفِقَ الرَّايِبَ فَرَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ

ﷺ قَالَ بُعِثْتُ هَذِهِ الرِّيحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَإِذَا مُنَافِقٌ

عَظِيمٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ قَدْ مَاتَ (صحیح مسلم: 2782)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سفر سے

واپس تشریف لارہے تھے، جب آپ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے تو اس قدر تیز ہوا

چلی کہ قریب تھا کہ سوار مٹی تلے دب جاتے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لیے بھیجی گئی ہے۔“ چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو ایک بڑا منافق فوت ہو چکا تھا۔

لہذا اللہ کے بندو! اللہ کا ڈر اپنے دل میں بساؤ اور غور کیا کرو کہ خوشگوار ہو آئیں اس کا اپنے بندوں پر کتنا بڑا انعام ہیں۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾  
 ”اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تمہیں اپنی رحمت کے ذائقوں سے لذت یاب کرے اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے (روزی) طلب کرو اور عجب نہیں تم شکر کرو۔“ (سورۃ الروم: 46)

سلف صالحین میں سے ایک عالم نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہواؤں کی خوشخبری سے مراد یہ ہے کہ ان کے باعث قلب و دماغ خوشی سے سرشار ہو جاتے ہیں اور اس فرمان سے مراد کہ ”وہ اپنی رحمت کے ذائقے سے تمہیں آشنا کرے“ وہ بارش ہے جو ہو آئیں اٹھا کر لاتی ہیں۔ اسی طرح اس کے حکم سے کشتیوں کے چلنے ”سے مراد“ ان کشتیوں کا چلانا ہے جنہیں ہو آئیں حرکت دیتی ہیں اور اس کے فضل کی تلاش سے مراد سمندری تجارت ہے جو بحری جہازوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا یہ حصہ جس میں فرمایا گیا ہے ”تاکہ تم شکر کر سکو“ سے مراد یہ ہے کہ تمہیں ہواؤں کی اس عظیم نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

﴿وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ

سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ (الأعراف: 57)

”اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت یعنی مینہ سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ہواؤں بھاری بھاری بادلوں کو اٹھلاتی ہیں تو ہم انہیں ایک مری ہوئی سی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں۔ پھر بادل سے مینہ برساتے ہیں پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو زمین سے زندہ کر کے باہر نکالیں گے یہ آیات اس لئے بیان کی جاتی ہیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔“

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن کی برکات سے بہرہ مند فرمائے اور ہم سب کے لیے اس میں موجود آیات اور حکمت بھرے ذکر کو فائدہ مند بنائے۔ مجھے یہی عرض کرنا تھا، اگر درست کہا ہے تو اللہ کا انعام ہے اور کسی غلطی کا شکار ہوا ہوں تو میری اپنی کوتاہی اور شیطان کا فعل ہے جبکہ میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہوں یقیناً وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

تمام تر تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام امور کے لیے کافی ہے۔ درود و سلام ہوں اس کے برگزیدہ پیغمبر ﷺ، ان کی آل، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کی پیروی کرنے والوں پر۔ حمد و ثناء کے بعد! اللہ کی قسم! ہمارا دین کس قدر عظیم اور کتنا احسن ہے! کس قدر وسیع اور کتنا مکمل ہے، کوئی برائی ایسی نہیں جس سے اس نے ہمیں خبردار نہ کیا ہو اور کوئی بھلائی ایسی نہیں ہے جس کی اس نے راہ نہ دکھائی ہو۔ مسند احمد اور ابن حبان میں مذکور ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

«لَقَدْ تَرَكْنَا مُحَمَّدًا ﷺ، وَمَا يُحْرَكُ ظَائِرٌ جَنَاحَيْهِ فِي السَّمَاءِ إِلَّا

أَذْكَرْنَا مِنْهُ عِلْمًا

نبی کریم ﷺ اس حالت میں دنیا سے سدھارے کہ فضاؤں میں جو پرواز پرندوں کے متعلق بھی آپ ہمیں باخبر کر چکے تھے۔ (صحیح ابن حبان: 21361)

صحیح مسلم میں ہے کہ کسی مشرک نے ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے سامنے طنزاً یہ بات کہی کہ

قَدْ عَلَّمْتُمْ نَبِيَّكُمْ ﷺ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّىٰ الْحِزَاءَةَ قَالَ: فَقَالَ: أَجَلُ  
«لَقَدْ نَهَاْنَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ، أَوْ بَوْلٍ» (صحیح مسلم: 262)

”تمہارا نبی ﷺ تمہیں ہر چیز سکھاتا ہے، حتیٰ کہ بول و براز کا طریقہ بھی سکھاتا ہے؟“ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: کیوں نہیں! یقیناً اس نے ہمیں بول و براز کے وقت قبلہ رو ہونے سے منع کر رکھا ہے یعنی یقیناً اس کے بھی آداب سکھاتے ہیں“

یقیناً ہماری روشن شریعت نے اس بات کی طرف بھی ہماری رہنمائی کی ہے کہ ہوا کے چلنے کے وقت اس کے متعلق بندہ مومن کا برتاؤ اور سلوک کیا ہونا چاہیے۔ حدیث ہے:

«إِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ» (صحیح مسلم: 2085)

”جب ہوا چلتی تو نبی کریم ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے کہ اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی کا طالب ہوں، جو کچھ اس میں ہے، مجھے اس کی بھی خیر درکار ہے اور جس چیز کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے اس کی بھی خیر کا طلبگار ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اس میں موجود ہر چیز کے شر سے اور جس کے ساتھ اسے بھیجا



گیا ہے تمام چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔“

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہوا کو کسی بھی انداز سے برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ جس دن مطلع ابر آلود ہوتا اور ہوا چل رہی ہوتی تو پریشانی اور کرب کے آثار آپ کے چہرے پر دکھائی دینے لگتے اور آپ ﷺ مسلسل بے قرار رہتے۔ تا وقتیکہ بارش ہو جاتی اور بادل چھٹ جاتے تو آپ کا چہرہ خوشی سے دکنے لگتا اور پہلی کیفیت ختم ہو جاتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے اس کا سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ عَذَابًا سُلِّطَ عَلَيَّ أُمَّتِي وَيَقُولُ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ رَحْمَةً»

”مجھے یہ خوف پریشان کر دیتا ہے کہ کہیں بادلوں اور ہواؤں کی شکل میں یہ میری امت پر کوئی عذاب ہی نہ ہو۔“ (صحیح مسلم: 899)

بارش والی اور سخت سردرات میں آپ ﷺ کا طریقہ مبارک کہ یہ تھا کہ آپ ﷺ کا مؤذن اذان میں ان کلمات کا اضافہ کرتا: «أَلَا صَلُّوا فِي الرَّحَالِ» (صحیح مسلم: 1601)

”اپنے گھروں میں نماز ادا کر لو۔“

اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ ٹھہرتی ہو اوائلی رات میں نمازیں جمع کرنا جائز ہے، علاوہ ازیں انہوں نے ہوا کے مخالف سمت پیشاب کرنے سے منع کیا ہے تاکہ آدمی پر چھینے نہ آئیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



8

اللہ پر یقین کیجیے

01 صفر 1434ھ بمطابق 14 دسمبر 2012ء

## پہلا خطبہ

تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے معافی چاہتے ہیں اور ہم اللہ سے اپنے نفسوں اور برے اعمال کے شر سے پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا اور جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی لائق عبادت نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾ (سورة آل عمران: 102)

”مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ

الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اڈل) اس

نے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر)

پھیلا دیئے اور اللہ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور رشتے

ناتے توڑنے سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ (سورة النساء: 1)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ

أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ

فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورة الأحزاب: 70-71)

”مومنو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو وہ تمہارے سب اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک بڑی مراد پائے گا۔“

حمد و ثناء اور درود و سلام کے بعد!

مسلمانو! ایک بہترین وصف جس کا حصول گراں مایہ ہے اور وہ ہر صاحب عقل و دانش کا مطمح نظر ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ وہ راہ پر خار بھی ہے کہ جس پر چلنے کا حوصلہ کم ہی لوگوں کو ہوتا ہے، اہمیت و فضیلت کے اعتبار سے اس کی کوئی مثال نہیں۔ وحشت و تنہائی میں یہ مونس و غم خوار اور لاچاری اور ضعف میں یہ قوت سدا بہار ہے۔ بے انتہا تشنگی میں یہ موجب سیرابی ہے۔ تو گھٹا ٹوپ اندھیروں میں یہ روشنی کی کرن ہے قلتوں میں موجب کثرت ہے۔ جو اس صفت سے متصف ہو گیا خواہ وہ اپنے بستر پر ہی کیوں نہ لیٹا ہو، آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ یہ وہ ہے کہ گذری پوشوں کو بھی ہیبت و وقار اور رفعت و سر بلندی سے ہمکنار کرتی ہے اور کچھ اس شانِ استغنا کے ساتھ کہ پھر حسب و نسب یا مادی جاہ و جلال کی حاجت نہیں رہتی اور یہ وہ نادر و نایاب چیز ہے جو نہ مال و منال سے خریدی جاسکتی ہے اور نہ زور بازو سے کمائی جاسکتی ہے۔

یہ وہی صفتِ عالیہ اور خصلتِ ثمینیہ ہے جس کی ترغیب ہمارے رہبر اور محبوب نبی ﷺ دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام اور برکتیں نازل فرمائے، ہمارے لیے سراپا خیر نبی ﷺ نے ہمیشہ ہماری بہترین معاملے کی طرف رہنمائی فرمائی۔ مسند احمد میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« سَلُوا اللَّهَ الْمُعَافَاةَ فَإِنَّهُ لَمْ يُوْت أَحَدٌ مِّثْلَ يَقِينٍ بَعْدَ مُعَافَاةٍ »

”اللہ سے ایمان اور عافیت مانگا کرو کہ ایمان کے بعد عافیت سے بہتر آج تک کسی کو کچھ نہیں دیا گیا۔“ (مسند أحمد: 44)

اللہ کے بندو! وہ خوبی، وہ صفت اور ہر مشکل میں کام آنے والی وہ قوت ’ایمان‘ ہے۔ یقین جس کی معیت میں اللہ عزوجل کی صحیح معرفت دل میں جاگزیں ہوتی ہے یہ نہ تو کبھی گردش کا شکار ہوتا ہے اور نہ زوال سے ہمکنار۔ ’ایمان‘ اوہ ولولہ جو صاحب یقین کے دل میں کبھی متغیر نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ اشیاء کی حقیقت کا صحیح رخ دکھا کے دل کو طمانیت و اطمینان سے بھرپور کر دیتا ہے۔ ایمان ہی ہے جو انسانی قلب و ذہن کو ماضی و مستقبل اور موجود و حاضر کے متعلق اللہ تعالیٰ کے بارے ہر شک و شبہ سے بالاتر کر کے نور یقین سے منور کر دیتا ہے۔ علم یقین، عین یقین اور حق یقین آدمی یقین کے ان تینوں مشہور مراحل و درجات میں سے ہر ایک کو ثابت کر دکھاتا ہے۔ ایمان کے لیے یقین وہی مقام و منزلت رکھتا ہے جو جسم میں روح کی قدر و منزلت ہے جو شخص بے یقین جی رہا ہے گویا وہ محض ایک میت اور مردہ کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔ مومن کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بتائی ہر چیز پر یقین رکھے اور اسے سچا جانے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہر حکم اور ہر ممانعت پر ایمان لائے۔ پھر اسے اس قابل رشک اور رفیع الشان مقام تک پہنچنے کا ہمیشہ شعور و احساس دامن گیر رہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد امت کے بہترین شخص جس مقام کی طرف سب سے پہلے سبقت لے جا چکے۔

سبقت لے جانے والی وہ بہترین شخصیت ہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ! وہ صدیق کہ جنہیں تین مواقع پر یقین نے اتنا مستحکم و مضبوط کر دیا کہ تاریخ ان کا تذکرہ دائم سنہرے اور نورانی حروف میں کرتی رہے گی۔ اس سلسلے کا پہلا موقع وہ تھا جب کفار قریش انھیں ان کے دین اور ان کے نبی و رفیق کی دی گئی معراج کی خبروں کے متعلق شک و شبہ میں مبتلا کر کے

متزلزل کرنے آئے۔ قریش بڑے طمطراق سے کہنے لگے، سنتے ہو؟ تمہارے دوست کا خیال ہے کہ اسے ناصر بیت المقدس کی سیر کروائی گئی بلکہ وہ آسمان کی بلندیوں تک بھی لے جایا گیا۔ یہ سنا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اتنا بھی توقف نہ کیا کہ وہ جا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ ہی لیتے کہ آیا انھوں نے ایسا فرمایا بھی تھا یا نہیں، بلکہ صدیق نے یہ کیا کہ اس صادق و مصدوق کی دی گئی خبر پر یقین کامل کا اظہار کرتے ہوئے فوراً اپنا مشہور و معروف مقولہ ارشاد فرمایا، کہنے لگے: "إِنْ كَانَ قَالَ فَقَدْ صَدَقَ" (تفسیر ابن کثیر: 12/5)

"اگر یہ انھوں نے فرمایا ہے تو یقیناً سچ فرمایا ہے۔"

دوسرا مرحلہ وہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتقالِ رسول کے موقع پر منبر پر چڑھے اور تب سردارانِ قوم وفاتِ رسول کی ہلادیہ والی خبر سے انکاری ہو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ» (صحیح بخاری: 3668)

"سنو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، وہ دیکھ لے کہ محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں اور اس کے برعکس جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ کبھی وفات نہ پائے گا۔"

تیسرا موقع امتحانِ وفاتِ رسول کے بعد مرتدین سے قتال کا مرحلہ تھا، اس موقع پر وہ تنہا ایک امت کی سی مضبوطی سے اپنے موقف پر ڈٹ گئے، یہاں بھی آپ نے اپنا مشہور زمانہ جملہ کہا، فرمایا:

«وَاللَّهِ لَأَقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ، وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللَّهُ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنَعِهِ» (صحیح البخاری: 7284)

”اللہ کی قسم! نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرنے والوں سے میں لڑوں گا اور اگر کسی شخص نے زکوٰۃ کی مد میں ایک رسی بھی دینے سے انکار کیا، جو وہ عہد رسول میں دیا کرتا تھا، تو میں اس کے خلاف قتال کروں گا۔“

یقین صرف عقل کے قائل ہو جانے کا نام نہیں، کہ اگر معاملہ یوں ہوتا تو بعثت سے قبل رسول اللہ ﷺ از روئے عقل و دانش معاشرے کے مکمل اور ممتاز ترین فرد تھے، چنانچہ اگر عقل ہی پر اس کا مدار ہوتا تو انھیں ایمان کی احتیاج ہی نہ رہتی لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ \* صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ﴾ (سورۃ الشوری: 52-53)

”اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے (سے قرآن) بھیجا ہے تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بیشک (اے محمد ﷺ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو (یعنی) اللہ کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو سب کام اللہ کی طرف رجوع ہوں گے۔“

اسی کی ایک تائید اور دلیل یہ بھی ہے کہ جب ہر قل نے قبول اسلام سے پہلے ابو سفیان سے پوچھا تھا کہ کیا کسی نے قبول کر لینے کے بعد اسلام کو چھوڑا بھی ہے؟ تو ابو سفیان نے کہا تھا، نہیں۔

اس پر ہر قل کہنے لگا:

«وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تَخَالِطُ بِشَاشَتَهُ الْقُلُوبَ، لَا يَسْحَطُهُ أَحَدٌ»

”ایمان ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب اس کی بشاشت کسی دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے، تو

پھر وہ کبھی اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔“ (صحیح البخاری: 7)

اور اے اللہ کے بندو! یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ جب ایمان کی بشاشت دل کو چھو لے تو صاحب دل یقین کے اس بلند درجے پر فائز ہو جاتا ہے کہ پھر اللہ کے دین کی کوئی بات بھی ناگوار نہیں لگتی۔ ایک صاحب ایمان شخص جب اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے تو اسے علم ہوتا ہے کہ یہ ساری دنیا اللہ کے نزدیک مجھ کے ایک پر جتنی بھی قدر و وقعت نہیں رکھتی، اور اس کی حیثیت یہ ہے کہ کوئی بھی اس سے کچھ چھین نہیں سکتا، سوائے اس کے کہ جو اللہ نے چھیننا اس کے مقدر میں لکھ دیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ صاحب ایمان کا مقصود و مدعا دوسروں کی غرض و غایت سے بلند تر ہو جاتا ہے، قصہ یہ ہے کہ جو ایمان کا شیریں ذائقہ چکھتا ہے، دراصل وہی اس کی اصلی و حقیقی حلاوت محسوس کر سکتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: دیکھا ہوا کبھی نے جیسا نہیں ہوتا۔ وجہ یہ بھی ہے کہ یہ بندے اور اس کے رب کے درمیان خالصاً دل کا معاملہ ہے۔ صاحبان بصیرت اور دیدہ بینا رکھنے والوں کے علاوہ عام لوگ جس کے اثرات دیکھ نہیں پاتے۔

خلوت و جلوت میں خشیت الہی سے معمور رہنا، حالت غضب و رضا میں معقول و موزوں بات کہنا اور خوشگوار اور ناگوار ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے حضور سر تسلیم خم کیے رکھنا، یہ ایمان کے بالخصوص ثمرات و نتائج ہیں۔ ایسے صاحب یقین و ایمان کا اللہ پر حق ہے کہ وہ بندے کو بصیرت، ہدایت اور رحمت سے نواز دے اور صحیح دینی زندگی کے استحکام و استمرار کے لیے یہی تین صفات کلیدی حیثیت کی حامل ہیں، اللہ سبحانہ



و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴾

”یہ قرآن لوگوں کے لئے دانائی کی باتیں ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے

ہدایت و رحمت ہے۔“ (سورۃ الحجۃ: 20)

اے بندگانِ اللہ! حقیقی صاحب یقین وہ ہے جو اپنے رب کے سوا کسی کو پہچانتا نہیں، رب کے سوا سب سے خوف و امید کے رشتے منقطع کر دے، لوگ بھلے اونٹ، گھوڑے، درہم و دینار اور دنیاوی حسب و جاہ لے جائیں اور اسے صرف رب ملے تو وہ اسے گھائے کا سودا نہیں، بلکہ حقیقی کامیابی سمجھے۔ واقعہ یہ ہے کہ جسے معرفتِ الہی حاصل ہو جائے، اسے ذاتِ باری سے بے بہرہ شخص کی ذرہ بھر پروا نہیں ہوتی اور حق کو پہچاننے والے کا، باطل کے متوالے بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ اے بندگانِ اللہ! یہ بڑی بنیادی بات ہے، کہ جس کو رب مل گیا اسے کیا نہیں ملا اور جس کو رب تعالیٰ ہی نہ ملا تو اسے کیا ملا؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے ظلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اس نعمتِ یقین سے کیا خوب عزت دی،

فرمایا:

﴿ وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (سورۃ الانعام: 75)

”اور اس طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ

خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رب پر ایسا مضبوط یقین تھا کہ وہ ہر آن ان کے ایمان میں

اضافے ہی کا سبب بنا۔ ان کا موقف واضح حق پر مبنی تھا، چنانچہ قوم کی راہِ حق سے گمراہی اور

انحراف نے ہر دم ان کے رب پر اعتقاد و اعتماد میں اضافہ ہی کیا، وہ کہ جنہوں نے جھوٹے اللہ

بنارکھے تھے اور جو اللہ کے راستے سے روکتے تھے جبکہ دانا و پیرنا تھے۔

اللہ کے بندو! یہ اللہ کے ساتھ یقین ہی تھا جس نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنا بیٹا اسماعیل ذبح کرنے کے حکم ربی کی تعمیل کرنے پر مستعد کر دیا اور یہ یقین ہی تھا کہ وقت ذبح اسماعیل نے اپنے باپ سے کہا:

﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾

(سورة الصافات: 102)

”ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے“  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: إِيمَانٌ لَا شَكَّ فِيهِ“

”اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل وہ ایمان ہے، جس میں کوئی شک و شبہ نہ ہو۔ اور یہی وہ مشہور درجہ ہے۔“ (مسند احمد: 10757)

جسے علم الیقین کہتے ہیں، صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

«الْيَقِينُ الْإِيمَانُ كُلُّهُ»

”یقین پورا ایمان۔“ (صحیح بخاری: قبل از حدیث نمبر 8 معلقاً مروی ہے)

کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ گھریا بازار کار ہنما ہو یا وہ معاشرے و امت کا قائد تو ہو

مگر وہ اللہ پر یقین کے بنیادی معاملات سے کوراہو، اللہ جل و علانے فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا

يُوقِنُونَ﴾ (سورة السجدة: 24)

”اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے

تھے جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔“

واضح رہے یہاں شکر کرنے والے، عقل والے اور سننے والے نہیں فرمایا گیا کیونکہ ان صفات کے حاملین بے شمار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چونکہ دین میں امامت بڑی گراں چیز ہے سو اللہ تعالیٰ نے دلوں کی گراں چیز سے اسے منسلک فرمادیا اور وہ ہے یقین باللہ! یقین کی حقیقت اور اس کے ثمرات کا شیریں ذائقہ صرف وہی محسوس کر سکتا ہے جو زندگی اور موت کو ایک عالم اور عارف کی نظر سے دیکھ سکے۔ امیر المؤمنین حضرت علیؑ کمال اختصار و ایجاز سے معاملاتِ موت و حیات کی تصویر کشی کی ہے جو کہ دونوں اللہ پر ایمان کے اہم ترین مواقع ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

أَيُّ يَوْمِيٍّ مِنَ الْمَوْتِ أَفْرٌ \*\*\* يَوْمٌ لَا قُدْرَ أَوْ يَوْمٌ قُدِرَ  
يَوْمٌ لَا قُدْرَ لَا أَحْذَرُهُ \*\*\* وَمَنِ الْمَقْدُورِ لَا يَنْجُو الْحَذِيرِ

”بھلا دو میں سے کس دن موت سے مفر ہے اس دن جس دن یہ مقدر نہیں یا اس دن جس دن یہ مقدر کر دی گئی ہے؟ جس دن یہ مقدر نہیں میں اس سے کیوں بھاگوں؟ اور جس دن یہ مقدر ہے اس دن اس سے بھاگنا بھی باعثِ نجات نہ ہو گا۔“

سو یہ ہے وہ یقین جس میں زندگی کا لمحہ در آیا ہے، جس میں انسان کا نفس اپنے خالق و مالک کو بھول کر دنیا کی چکاچوند سے متاثر ہو کر ایسا کمزور پڑ جاتا ہے۔

﴿ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي  
الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴾

”کیا تم آخرت کی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں۔“ (سورۃ التوبہ: 38)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿ أَلْهَاكُمْ التَّكَاثُرُ \* حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ

\* كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ \* ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ \* كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ  
عِلْمَ الْيَقِينِ \* لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ \* ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ \* ثُمَّ  
لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴿سورة التكاثر: 1-8﴾

”تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی  
دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے، یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لب گور تک پہنچ  
جاتے ہو، ہر گز نہیں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا، پھر (سن لو کہ) ہر گز  
نہیں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا، ہر گز نہیں، اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے  
(اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرز عمل نہ ہوتا)، تم دوزخ دیکھ  
کر رہو گے، پھر (سن لو کہ) تم بالکل یقین کے ساتھ اُسے دیکھ لو گے، پھر ضرور اُس  
روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی۔“

### دوسرا خطبہ

تمام تر تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام امور کے لیے کافی ہے۔ درود و سلام ہوں اس  
کے برگزیدہ پیغمبر ﷺ، ان کی آل، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی پیروی کرنے والوں پر۔  
حمد و ثناء اللہ وحدہ لا شریک کے لیے ہے اور درود و سلام اس شخصیت بے مثال و بے  
نظیر پر کہ جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔ سو جان رکھو! اللہ تمہاری حفاظت فرمائے، اللہ پر یقین  
کامل کی بدولت راسخ فی العلم علماء علم کی اس منزل تک رسائی پاتے ہیں جہاں وہ دین کے  
متعلق اور احکامات و ممنوعات کے متعلق کہتے ہیں:

﴿أَمَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾

”ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو

ظلمند ہی قبول کرتے ہیں۔“ (سورۃ آل عمران: 7)

وہ اس بارے میں کوئی بحث و مباحثہ نہیں کرتے، اور نہ اس کی حقیقت کے متعلق جھگڑتے ہیں، اور نہ وہ کبھی اس سے انکار کرتے ہیں، نہ وہ یوں کرتے ہیں کہ کچھ مان لیں اور کچھ کا انکار کر دیں، فرمایا:

﴿وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ \* أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحْيِفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (سورۃ النور: 49-50)

”اور اگر (معاملہ) حق (ہو اور) انہیں (پہنچتا) ہو تو ان کی طرف مطیع ہو کر چلے آتے ہیں کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا (یہ) شک میں ہیں یا انہیں یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے حق میں ظلم کریں گے؟ (نہیں) بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔“

جان لیجیے کہ اللہ کی شریعت پر بہ کمال و تمام راضی ہو جانا ہی یقین و ایمان کی اساس و بنیاد ہے، یقین ناقابل تقسیم اکائی ہے، سچ فرمایا رب تعالیٰ نے:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾

”کیا یہ زمانہ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں؟ اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے؟“ (سورۃ المائدہ: 50)

جامع ترمذی کی روایت کردہ مشہور حدیث کے مطابق آپ کی دعا کا حصہ ہے:

«وَمِنَ الْيَقِينِ مَا تَهَوَّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيبَاتِ الدُّنْيَا»

”اے اللہ! ہمیں وہ یقین و ایمان عطا فرما، جس سے مصائبِ دنیا آسان ہو

جائیں۔“ (جامع ترمذی: 3502)

مطلب یہ کہ ہمیں ایسا یقین عطا فرما، جس سے ہم پر جو بھی مصیبت و آزمائش آئے ہم یہ سوچ کر راضی رہیں کہ یہ خالی از حکمت نہیں تاکہ ہم قضاء و قدر پر ذرہ بھر بھی چسبیں۔ جبیں نہ ہوں اور تاکہ ہم قوانین اسلام کے متعلق جھگڑنے سے بچ سکیں۔

مومن کا ایمان تو نور علی نور کے مانند ہے، جو ہر آن اس کے آسمان پر چمکتا رہتا ہے۔ چونکہ صاحب ایمان جانتا ہے کہ اللہ اس کے ہر مکان و مقام سے بخوبی آگاہ ہے۔ وہ اس کی سرگوشیوں تک کو سنتا ہے اس کے ابتلاء اور اس کی یقین سے معمور دل کی آہ وزاری کو جانتا ہے وہ جانتا ہے کہ جو اسے ملنا ہے، کبھی چھوٹ نہیں سکتا، اور جو نہیں ملنا اسے کسی صورت یہ پا نہیں سکتا۔ وہ اسے آزمائش سے دوچار کرتا ہے تو محض عافیت کے لیے، اس سے کچھ لیتا ہے تو زیادہ عطا کرنے کے لیے، اسے کسی نقصان سے دوچار کرتا ہے تو اور زیادہ دینے کے لیے مشکلات میں اس کی دستگیری فرماتا ہے اور جب چلنا مشکل ہو تو اس کے لیے راستہ اور فاصلہ آسان اور مختصر کر دیتا ہے اور تاریک سرنگ کے سرے پر اس کی رحمت روشنی کی طرح جگمگاتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ بھاری بھارے کم تالوں کی کشائش کے لیے کنجیاں اور پیاسے کی سیرابی کے لیے پگھٹ ضرور موجود ہوتا ہے مشکلات میں ہی نعمتیں میسر آتی ہیں، نعم کے بعد ہی خوشی کا سامان پیدا ہوتا ہے اور جھاگ کے نیچے خالص دودھ ہوتا ہے۔

دنیا کی مثال تو ایک سراب کی ہے اور ہم سب نے اللہ کی طرف پلٹنا ہے اور آخرت ہی دائمی پڑاؤ کی جگہ ہے۔

جو شخص حقیقی اور آزاد زندگی چاہتا ہے اور دین اور دنیا دونوں اعتبار سے آخرت کی تمنا رکھتا ہے۔ اسے چاہیے کہ عافیت کی امید رکھے اور اپنے ایمان کو یقین کی آب دیکر محفوظ کر لے۔

اللہ کے بندو! مخلوق میں سے بہترین، انسانوں میں سب سے پاک باز جناب محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجو جو کہ صاحب حوض اور شفاعت ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ حکم دیا ہے جس کی ابتداء خود کی اور تسبیح بیان کرنے والے پاک باز فرشتوں نے کی اور مومنوں کو خصوصی حکم فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! بہت زیادہ درود و سلام اور برکات نازل فرما اپنے بندے اور رسول جناب محمد ﷺ پر جو کہ روشن چہرے والے خوبصورت پیشانی والے ہیں۔ اے اللہ! خلفائے اربعہ ابو بکر، عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا اور اپنے نبی محمد ﷺ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم سے بھی راضی ہو جا اور قیامت تک جو بھی ان کے نقش قدم پر چلے ان سے بھی اے ارحم الراحمین اپنے جو دو کرم سے ہم سے بھی راضی ہو جا!





## پہلا خطبہ

سائنس کے شایاں صرف اللہ ہے، جو صاحب عزت و جلال ہے، خطاؤں سے درگزر کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا اور سخت پکڑنے والا ہے، جو ہر نعمت و فضل عطاء کرنے والا اور ہر سنگی ترشی کا دور کرنے والا ہے۔ میں اس کی بے پایاں نعمتوں، بے حد و حساب فضل اور عظیم عنایتوں پر اس کی تعریف و توصیف کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اول و آخر، ظاہر و باطن ہر اعتبار سے معبود حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، جنھیں جن وانس کے لیے بشیر و نذیر اور اللہ کی طرف بلانے والا مہر جہانتاب بنا کر مبعوث کیا گیا، اللہ کی طرف سے بے انتہا درود و سلام اور برکتیں ہوں آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر، آپ ﷺ کے طیب و طاہر اہل بیت پر، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور روز جزاء تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

## حمد و ثناء کے بعد!

لوگو! میں تمہیں اور خود کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، اس دنیا میں تمہاری حیثیت جو ابدہ اور ذمہ دار کی سی ہے، ہمیں آزمائشوں سے دوچند ہونا پڑتا ہے، موت ہماری تاک میں ہے، مسلسل اور متواتر نعمتوں کا فیضان بھی جاری ہے تاہم ایک نعمت میسر آئے تو دوسری سے کنارہ کرنا پڑتا ہے۔ ایک مسرت سے شاد کام ہوں تو دوسری کا کوئی نشان نہیں ملتا، کوئی نئی چیز ملے تو پہلے والی نئی بوسیدہ ہو کر اپنا نشان کھو بیٹھتی ہے، ہم سے پیشتر ایسے تھے ”گر چکے ہیں ہم جن کی شاخیں ہیں، ہم سے پیشتر زمانے ایسے گزر چکے ہیں جن کے مقابل ہماری حیثیت ذرہ بے مقدار کی سی ہے، تنانہ رہا تو شاخ کیسے باقی رہ پاسکتی ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾ (سورة الرعد: 26)

”آخرت کے بالمقابل دنیوی زندگی حقیر سے ساز و سامان کے سوا کچھ نہیں۔“

لوگو! نوع انسانی کے تمام افراد کو مشقت اور کڑے حالات کا لامحالہ سامنا کرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق کو مشکلات سے وابستہ کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

«كُلُّ النَّاسِ يَعْدُو فَبَايِعْ نَفْسَهُ فَمُعْتَقَهَا أَوْ مَوْبِقَهَا» (مسلم: 223)

”تمام لوگ صبح سویرے نکلنے ہیں اور اپنے نفس کا سودا کرتے۔ یہ تجارت یا تو

آگ سے اس کی آزادی کا سبب بن جاتی ہے یا اس کی ہلاکت کا سبب ٹھہرتی ہے۔“

پھر ان کی بھی دو صورتیں ہیں، کچھ ایسے ہیں جو مشقت میں بھی لذت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں اور دوسرے وہ کہ جنہیں المناک حالات سے سابقہ پیش آتا ہے، یعنی بعض اوقات جاگلسل حالات انہیں ناتوانی کی انتہائی حد تک لے جاتے ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس کبھی کبھار خوشگوار حالات میسر آجائیں تو ان کی سرکشی انتہائی حدوں کو چھونے لگتی ہے ان دونوں قسم کے لوگوں میں دانادہ ہے جس کا قدم مشکل اوقات میں صراطِ مستقیم سے نہ بھٹکے اور اچھے حالات میں سرکشی پر آمادہ نہ ہو، دونوں حالتوں میں خاطر جمع رکھے اور بے قابو نہ ہو، خود کو اپنے خالق اور مولیٰ کے دروازے پر گرا دے۔ اس سے اپنے دین، دنیا، اہل و عیال اور مال کی عافیت و سلامتی کا طلبگار رہے کیونکہ عافیت کو پیش نگاہ رکھنا تقاضائے فطرت اور ایسی نخصلت ہے جو اللہ نے دلوں میں ودیعت فرما رکھی ہے آزمائشوں اور مشکلات کی خواہش سوائے محلّ مزاج اور دل سے بے بہرہ شخص کے کوئی نہیں رکھتا۔

عافیت کی حقیقی قدر و منزلت وہی جان سکتا ہے جو اپنے دین یا دنیا میں اس جنس گر انما سے محروم ہو چکا ہو، عافیت کی موجودگی میں اس کی قدر و منزلت کا اندازہ نہیں ہو پاتا، یہ نعمت کھو جائے تب اس کی قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے۔ عافیت ہی دنیا اور دین کا سب سے خوش نمازیب لباس ہے دین اور دنیا کی بہتری ہی سے حیات دنیوی خوشگوار ہو جاتی ہے اور عاقبت

بھی سنور جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے امت کے ساتھ بے پناہ شفقت اور خیر خواہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«اسْأَلُوا اللَّهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ، فَإِنَّ أَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِينِ خَيْرًا

مِنَ الْعَافِيَةِ» (جامع ترمذی: 3558)

”اللہ سے عافیت اور معافی کے طلبگار رہا کرو، کہ یقین کے بعد کسی شخص کو عطا کی

جانے والی بہترین چیز عافیت ہے۔“

نبی ﷺ نے امت کے لیے محض اس فرمان پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ عملاً یہی کام بار بار کر کے دکھایا تاکہ امت کو اس گراں مایہ نعمت کی قیمت کا احساس ہو سکے چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ

الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي» (مسند أحمد: 4785)

”اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا طلبگار ہوں اے اللہ! میں تجھ سے

اپنے دین، دنیا، اہل و عیال اور مال میں عافیت اور معافی کا طلبگار ہوں۔“

امام ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «مَنْ أُعْطِيَ الْعَافِيَةَ فَازَ بِمَا يَرْجُوهُ وَيُحِبُّهُ

قَلْبًا وَقَالْبًا، وَدِينًا وَدُنْيَا، وَوَقِيَ مَا يُخَافُهُ فِي الدَّارَيْنِ»

”جسے عافیت عطا کر دی گئی گویا کہ اسے دین اور دنیا کی ہر وہ چیز مل گئی جو اس کے

قلب و قالب کی چاہت اور آرزو تھی اور وہ دنیا و آخرت کے ہر اس معاملے سے

نجات پا گیا جس سے وہ خائف تھا۔“

اللہ کے بندو! عافیت ایک ایسی نعمت ہے جو ناقابل تقسیم ہے، اسی لیے دین کی عافیت

سے چشم پوشی کر کے محض جسم کی عافیت کو پیش نگاہ رکھنے والا آدمی خطا کار ہے۔ جو دینی

عافیت کو پیش پشت ڈال کر صرف بدنی عافیت کا آرزو مند رہا گویا کہ اس نے عافیت سے کنارہ کشی کی انتہاء کر دی اور وہ راہِ راست سے بہت دور جا گیا۔ اسی طرح جو بدن کو نظر انداز کر کے صرف دینی عافیت کا خواہش مند رہا، اس نے اپنی جان پر ظلم کیا بلکہ بسا اوقات بدنی کمزوری دین کی کمزوری کا باعث بنتی ہے، تو انا مومن بہتر ہے اور کمزور مومن کی بہ نسبت اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔

اللہ کے بندو! جیسا کہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"هو من ذلَّ لله وسأل العافية؛ فإنه لا تُوهبُ العافيةُ على الإطلاق؛  
إذ لا بُدُّ من بلاءٍ، ولا يزالُ العاقلُ يسألُ اللهَ العافيةَ ليتغلبَ على  
جمهورِ أحواله"

خوش بخت تو وہ ہے جو اللہ کے حضور جھک جائے اور اس سے عافیت مانگے، کیونکہ عافیت علی الاطلاق عطا نہیں کی جاتی اور آزمائش سے چھٹکارا کسی صورت ممکن نہیں، اس لیے عقل مند اللہ سے ہمیشہ عافیت کا طالب رہتا ہے تاکہ اس کے بیشتر حالات میں اسے عافیت نصیب ہو جائے۔

اللہ کے بندو! ہر صاحب عقل کے نزدیک عافیت سے بہرہ اندوز ہو کر شکر ادا کرنے والا اس سے بہتر ہے کہ مبتلائے آزمائش ہو کر صبر اختیار کرے جیسا کہ یہی بات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہی ہے۔

اللہ کے بندو! ہر ہوشمند اور بینا شخص دیدہ بصیرت سے ملاحظہ کرتا ہے کہ لوگ جسم کی عافیت و سلامتی کا کس قدر شدت سے اہتمام کرتے ہیں وہ اس نعمت کے حصول کے لیے وقت، کدو کاوش، دماغی صلاحیت اور دعاسب کچھ لگا دیتے ہیں جب کہ اپنے دین کو آفتوں اور آزمائشوں سے محفوظ اور سالم رکھنے کے باب میں مطلقاً بے پروا ہیں۔ حالانکہ دین میں نمودار

ہونے والے فتنے افراد کی کمزوری کا باعث بنتے ہیں، جن سے کمزور معاشرے وجود میں آتے ہیں۔

جب کوئی شخص اپنے دین کی عافیت کے حصول میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے تو اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس ہلاکت و تباہی میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب آدمی اپنے پروردگار کی نافرمانی میں مبتلا ہوتے ہوئے اس کا علانیہ اظہار کرنے لگے۔ اللہ اس کی پردہ پوشی کرے لیکن وہ اپنی رسوائی کا سامان کرنا پھرے۔ رسول اللہ ﷺ کا صحیح سند سے مستند فرمان ہے:

«كُلُّ أُمَّتِي مُعَافِي إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ» (صحیح بخاری: 6069)

”گناہ کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کے سوا میری ساری امت کو معاف کر دیا جائے گا۔“

دینی عافیت میں نقصان اللہ کی شریعت سے انحراف کی بناء پر ہوتا ہے یا تو کوئی حیوانی خواہش بھڑک اٹھتی ہے جو آدمی کو گڑھے میں جا گراتی ہے یا اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ آدمی شہوات سے اپنی سیرابی کا سامان کرنے کے لیے پیاسے جانور کی طرح سرگرداں رہتا ہے یا دین میں کوئی ایسا شبہ پیدا ہو جاتا ہے جو آدمی کو راہِ راست سے بھٹکا کر ان لوگوں کے پاس لے جاتا ہے جو ہر راستے پر گھات لگا کر بیٹھے ہیں، دھمکیاں دیتے ہیں، ایمان لانے والے کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجیاں تلاش کرتے ہیں،

نبی ﷺ نے ہمیں دین کی سلامتی میں ظلل کا باعث بننے والے امور سے خبردار کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

«سَتَكُونُ فِتْنٌ، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ

مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا

تَسْتَشْرِفُهَا» (صحیح بخاری: 7081)

”عنقریب فتنے نمودار ہوں گئے، ان میں بیٹھے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہو گا، کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا، جو بھی ان میں الجھنے کی کوشش کرے گا یہ اسے مکمل طور پر ڈھانپ لیس گے“

نبی اکرم ﷺ کی سکھائی ہوئی دعاؤں میں سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو تعلیم کی گئی دعا ہے جس کے بارے ارشاد وہو اکہ اسے اپنی دعا اور قنوت میں کہا کرو۔

«اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ»

”اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں ہدایت سے نواز جنہیں تو نے ہدایت عطا فرمائی اور مجھے بھی انہی لوگوں میں عافیت عطا فرما جنہیں تو نے عافیت سے نوازا ہے۔“ (مسند احمد: 1718)

دین میں عافیت کے فقدان کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ آدمی فساد پھیلانے والا ہو، اصلاح پسند نہ ہو، وہ استہزاء کرے، حقیقت کو نہ اپنائے، معاشرے میں بگاڑ پیدا کرے۔ معاشرتی زیب و زینت میں اضافے کا باعث نہ ہو، ہمیشہ ٹھٹھول کی مجالس میں دکھائی دے یا دین اور اس فطرت کا چہرہ مسخ کرنے کا باعث بنے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، تاکہ اپنا بوجھ بھی اٹھائے اور قیامت تک اپنے طریقہ بد پر عمل کرنے والے کا بھی بوجھ اٹھائے۔ سنت نبویہ میں ایجاد شدہ اعمال کی نسبت ایجاد کنندہ کی طرف کی گئی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ کسی دوسرے کو اللہ کے مقرر کردہ طریقے اور شریعت سے ہٹانے کی وجہ سے وہ قیامت تک اس کے گناہ کا ذمہ دار ہو گا اسی سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ نَفْسٍ تُقْتَلُ ظُلْمًا، إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ

دَمِهَا، ذَلِكَ بِأَنَّهُ أَوَّلٌ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ» (مسند احمد: 4123)

”ظلم سے قتل کی گئی ہر جان کے گناہ سے آدم کے بیٹے کو حصہ ملے گا کیونکہ اسی

نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔“

اللہ امام مالک پر رحمت فرمائے، انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو وصیت کی اور فرمایا:

"لا تَحْمِلَنَّ النَّاسَ عَلَى ظَهْرِكَ" (الحجة في بيان المحجة: 224/1)

"لوگوں کو اپنی پشت پر نہ اٹھائے پھر۔"

یعنی نئے کام ایجاد کر کے ان کے گناہ میں حصہ دار نہ ہو۔

"وما كنت لأعبأ به من شيءٍ فلا تلعبنَّ بدينك" (الحجة في بيان

المحجة: 224/1)

"اور اگر کسی چیز کے ساتھ کھیلنا چاہو تو اپنے دین کو کھیل کا ہدف نہ بناؤ۔"

اے اللہ کے بندو!

دین یا اخلاق میں فساد پھیلانے یا فتنے کی بنیاد رکھنے والے ہر شخص کو متنبہ ہو جانا چاہیے

کہ وہ قیامت تک اپنا بوجھ بھی اٹھائے گا اور بغیر علم کے جن لوگوں کو گمراہ کیا ان کا بھی۔

باطل کی ملع سازی اور فتنوں کی ظاہری زیب و زینت پر ربح جانے والے کو چو کنا ہو جا

نا چاہیے، حق و اشکاف ہوتا ہے خواہ اس پر کتنے ہی پردے ڈال دیے جائیں اور باطل مشتبه ہو

تا ہے، اس کی حیثیت چٹیل میدان میں موجود سراب کی سی ہوتی ہے جو بے قراری میں

اضافے کا باعث بنتی ہے پیاس نہیں بجھاتی، اگر ہر پیادہ اپنے قدموں کی طرف دیکھ کر چلے تو نہ

تو کسی کانٹے کو روندے اور نہ کسی گڑھے میں گرے گا۔ بقول شاعر:

احذر وُقَيْتٍ فَتَحْتَ رَجْلِكَ حُفْرَةً \*\*\* كَمَ قَدِ هَوَى فِيهَا مِنَ الْإِنْسَانِ

"خبردار! اللہ تمہیں محفوظ رکھے تمہارے پاؤں کے نیچے گڑھا ہے اور کتنے ہی

انسان ہیں جو اب تک اس میں گر چکے ہیں۔"

ما زَلَّ مَنْ طَلَبَ السَّلَامَةَ إِنَّهَا \*\*\* لِلْمَرْءِ حِصْنٌ فِي الصَّرُوفِ الْعَاتِيَةِ

لم يُعْطَ إِنْسَانٌ وَلَا ذُو هِمَّةٍ \*\*\* بَعْدَ الْيَقِينِ بِمِثْلِ تِلْكَ الْعَافِيَةِ

”سلامتی کا طلبگار کبھی نہیں پھسلتا، کڑے اوقات میں یہ آدمی کے لیے ایک مضبوط قلعہ ہے، کسی انسان اور صاحب عزم و ہمت کو یقین کے بعد عافیت سے بڑی نعت عطا نہیں ہوئی۔“

اللہ میرے اور تمہارے لیے قرآن کریم کو باعث برکت بنائے اور مجھے اور تم سب کو اس میں موجود آیات اور حکمت بھرے ذکر سے فائدہ پہنچائے۔ میں اپنی بات کہہ چکا اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کی کارگزاری ہے میں اللہ سے بخشش کا طالب ہوں، یقیناً وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کا ستائش گر ہوں اور اس کی توفیق و امتنان پر اس کا شکر گزار، میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ لا شریک ہے اسی کی شان بیان کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کی رضامندی کی طرف پکارنے والے اس کے فرستادہ ہیں۔

حمد و ثناء کے بعد!

اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے جان لو کہ دین کی عافیت و سلامتی کو ترجیح دینے سے مقصود یہ نہیں کہ آدمی خیر والے کاموں کے ترک اور گریز پر راضی ہو جائے، جو کام ضروری ہو اس سے گریز کرنا جائز نہیں، سلامتی اور عافیت کے پہلو کو فتنوں اور ریاکاری کے مقامات پر ترجیح دی جائے گی اسی طرح ایسی جگہ پر جہاں حق و باطل باہم مساوی ہو جائیں اور حق میں امتیاز نہ ہو سکے اس طرح کی صورت حال میں آدمی کو چاہیے کہ شک والے معاملے کو چھوڑ کر اس معاملے کو اپنالے جس میں شک و شبہ نہ ہو، جو آدمی شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین و عزت محفوظ کر لی اور جو مشتبہ امور میں پڑ گیا وہ حرام میں جاگرا۔



امام احمد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

”إِنِّي لِأَدْعُ مَا لَا بَأْسَ فِيهِ خَشِيَةَ الْوَقُوعِ فِيمَا فِيهِ بَأْسٌ“

”میں ایسے امور کو جن میں کوئی حرج نہیں، چھوڑ دیتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں

حرج والے امور میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔“

قاضی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے عافیت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اور اپنے زمانے کے اعمال کا

شکوہ کرتے ہوئے کیا خوب بات کہی ہے:

ولم أبتذل في خدمة العلم مُهَجَّتِي \*\*\* لأخديم من لا قيتُ لكن لأخدَمَا

ولم أقبض حقَّ العلم إن كان كُلمًا \*\*\* بدًا طمعُ صيرتُه لي سُلْمًا

إذا قيل: هذا منهلٌ، قلتُ: قد أرى \*\*\* ولكنَّ نفسَ الحِرِّ تحتيلُ الظلْمَا

أَنْزَهُهَا عن بعض ما لا يشينُهَا \*\*\* مخافةَ أقوالِ العِدَا فيمَ أو لِمَا

”میں نے علم کی خدمت میں اپنی روح اس لیے ارزاں نہیں کی کہ ہر کس ونا کس

کی خدمت کرتا پھروں بلکہ اس لیے کہ میں مخدوم بنوں۔ اور میں نے علم کا حق اس

لیے ادا نہیں کیا کہ جب کوئی طمع اور حرص کا مقام میرے سامنے آئے تو میں اسے

اپنے لیے سیزھی بنالوں۔ جب مجھ سے کہا گیا کہ بیٹا چشمہ ہے تو میں نے کہا میں بھی

دیکھ رہا ہوں لیکن ایک مرد حریپاس برداشت کر سکتا ہے۔ میں خود کو بہت سے

عیب دار مقامات سے روک کر رکھتا ہوں کہ دشمن یہ نہ کہتے پھریں یہ کیا؟ یہ

کیوں؟“

اسی بناء پر اہل سنت و الجماعت فتنوں اور گونا گوں حوادث کے متعلق کہتے ہیں کہ

سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں لہذا غیر جانبدار رہنا زیادہ سلامتی کا باعث ہے سوائے اس

صورت کے کہ آدمی کو واضح، صحیح اور صریح دلائل کے ذریعے حق کا پتہ چل جائے اس

صورت میں انہیں بغیر کسی تردد کے اس کی تائید و حمایت کرنی چاہیے۔

بعض اہل علم نے اصحاب کہف کے قصے میں کچھ مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ  
 "وفي هذه القصة دليل على أن من فرَّ بدينه من الفتن سلّمه الله  
 منها، وأن من حرص على العافية عافاه الله، ومن أوى إلى الله أواه  
 الله، وذلك حال استحكام الفتن أيمًا استحكام" (تفسیر سعدی:  
 473/1)

"اس قصے سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بچانے کے لیے فتنوں سے راہ  
 فرار اختیار کر لے اللہ اسے ان سے محفوظ رکھتا ہے، جو عافیت کا حریص ہو گا اللہ  
 اسے عافیت عطا کرے گا، جو اللہ سے جائے پناہ کا طالب ہو گا اللہ اسے پناہ ضرور  
 دے گا اور یہ فتنوں کے استحکام و مضبوطی کے دور کی بات ہے۔"

جن چیزوں سے چوکنار ہونا ضروری ہے ان میں بعض گوشہ نشینوں کا وہ غلط فہم بھی ہے  
 جو عافیت کو غلط مفہوم میں لیتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ  
 إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (سورة المائدة: 105)

"اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، (اصل میں اور سب سے پہلے تو) تم اپنی فکر کرو  
 دوسرے کسی کی گمراہی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی جب کہ تم خود ہدایت پر ہو"

ان کے خیال کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ فتنوں کے دور میں امر  
 بالمعروف، نہی عن المنکر، لوگوں کی اصلاح اور صحیح بات کی توجیح کو ترک کر دیا جائے حالانکہ  
 کتاب اللہ کا مفہوم یہ نہیں ہے جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ آدمی جب تک خود راہ ہدایت پر قائم رہے اور دوسروں کے

متعلق اللہ کے حکم کی بجا آوری کرتا ہے ان کے سامنے حق واضح کرے، باطل سے ڈرائے تو ایسی صورت میں اسے دوسرے کی گمراہی اس کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں ہوگی کیونکہ ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے اور آدمی کے ذمے صرف پہنچا دینا ہے اللہ ہی سیدھے راستے کی توفیق دینے والا ہے۔

مخلوق میں سے بہترین، انسانوں میں سے پاکیزہ اور صاحب حوض و شفاعت محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود بھیجو۔ اللہ نے تمہیں ایسے کام کا حکم دیا ہے جس کی ابتدا اللہ نے خود کی ہے اور اپنے تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کے ذریعے اس کی پاکیزگی بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: 56)

”اے مومنو! ان پر درود بھیجئے رہا کرو اور خوب خوب سلام بھیجئے۔“

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر درود و سلام اور برکتیں نازل فرما، اے اللہ! خلفاء اربعہ حضرات ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور قیامت تک احسن طریقے سے ان کی پیروی کرنے والوں سے راضی ہو جا، اے رحم کرنے والے! اپنی جو دو سخاوت اور درگزر کے ساتھ ہم سب سے راضی ہو جا۔



10

## رضا کارانہ کام کی فضیلت و اہمیت

12 ربیع الثانی 1434ھ بمطابق 22 فروری 2013ء

## پہلا خطبہ

تمام حمد اللہ کے لیے جو سب سے بڑا بلند۔ عزت، کمال و جلال سے متصف، آسمانوں اور زمین کی ساری کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ جو چاہتا کرتا ہے اور جو چاہے فیصلہ صادر فرماتا ہے تمام امور اسی کے حضور پیش ہوتے ہیں اور ان کا انجام اسی کے احاطہ اختیار میں ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، جو صفات حسنہ اور اوصاف حمیدہ سے بہرہ ور تھے اللہ آپ ﷺ پر، آپ کی ازواج، اصحاب اور تاقیامت آپ کے نقش قدم پر چلنے والوں پر درود و سلام نازل فرمائے۔

حمد و ثناء کے بعد لوگو! میرے لیے اور آپ کے لیے عام نصیحت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا التزام کرو۔ ایسا شخص جو اس نصیحت پر مضبوطی سے کار بند ہو اور پسند ناپسند، خوشی ناخوشی ہر حال میں اللہ کا تقویٰ مد نظر رکھے وہ کبھی نامراد نہیں رہ سکتا کیونکہ یہی اندھیروں اور تہائی کا چراغ ہے اور یہی حوادث میں آسانی و نجات تیز تر گامزن کرنے کا ذریعہ ہے۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْقَائِمُونَ﴾ (سورۃ النور: 52)

”اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو

ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔“

لوگو! ایک کامل اور کامیاب معاشرے کی اہم ترین علامت یہ ہے کہ اس کی بنیاد مضبوط اور دراز سے محفوظ ہو، اس عمارت کی اینٹیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوں اور اس کے افراد بالفعل سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک دوسرے سے منسلک ہوں۔ ان میں

سے کوئی اینٹ دوسری اینٹ سے الگ نہ ہو اور اس میں بھی امتیاز نہیں ہے کہ وہ اینٹ اوپر کے حصے کی ہو یا نیچے حصے میں لگی ہو۔ اس لیے کہ کوئی عمارت اس وصف کے بغیر مضبوط اور قائم نہیں رہتی۔ اگر کہیں دروازہ ہو یا کسی اینٹ کے بارے میں لاپرواہی ہو تو دروازہ کا خطرناک حد تک بڑھ جانا لازمی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ اس عمارت کے زمیں بوس ہونے کا نقطہ آغاز بھی ہوتا ہے اور ہر معاشرے کی یہی تصویر ہے۔

اس لیے جب معاشرہ باہمی ربط اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے میں ایک خاندان کی مانند نہ ہو اور بلند مقام آدمی عام آدمی کی، تو نگر مفلس کی اور بڑا چھوٹے کی بات سنے، معاشرہ کا کوئی فرد بھی یہ نہ سمجھے کہ وہ جنگل میں تنہا اونٹ کی طرح رہ رہا ہے خواہ وہ بظاہر گنجان آبادی ہی میں کیوں نہ رہ رہا ہو۔ حقیقت میں جب معاشرہ ایسا نہ ہو تو وہ آپ ہی اپنی شکست آواز ہے اور اس سے انہدام و تخریب کے اسباب کا راستہ کھل جاتا ہے اور ایسے معاشرہ کی کیا قیمت ہے؟ جس میں تعمیر سے زیادہ تخریب ہو رہی ہو۔ ممالک بظاہر کتنے ہی عظیم کیوں نہ ہوں اور وہ اقتصادی ترقی جتنی بھی کر لیں، صرف یہ چیز معاشرے کی تمام ضرورتیں اور تمام تمنائیں بر لانے کے لیے ہمہ وقت تو کجا ضرورت کے وقت بھی کافی نہیں ہوتی۔

اور یہی وہ مقام ہے جس سے ایک متفق و متحد معاشرے کا کردار واضح طور پر سامنے آتا ہے، جس کے پہلو میں رضاکارانہ تعاون کی روح زندہ ہوتی ہے جو معاشروں میں کسی بھی قسم کے بحران کو، وہ مادی ہو یا معاشرتی، غذائی ہو یا امن و امان سے متعلق اور خواہ وہ نظریاتی ہو، ختم کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ جب معاشروں میں رضاکارانہ کام کا جذبہ بیدار ہوتا ہے تو اس کے ایک ایک فرد میں یہ ولولہ موجزن ہو جاتا ہے کہ انہوں نے لالچ، ذخیرہ اندوزوں، غربت اور اجارہ داری کا خاتمہ کرنا ہے اور اس شرط پر کہ اس میں گروہی یا علاقائی تعصبات در نہ آئیں۔

اور رضاکارانہ کام کی کوئی حد نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«بِئِي كَلِّ كَيْدٍ رَطْبِيَةٌ أَجْرٌ» (صحیح بخاری: 2363)

”ہر تر جگر میں اجر ہے۔“

اللہ کے بندو! رضاکارانہ کاموں کی کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی، نہ اسے کسی وقت سے محدود کیا جاسکتا ہے بلکہ ہر کام اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک وسعت رکھتا ہے پھر ایسا کام جس میں کرنے والا اجرت کا خواہاں نہ ہو وہی رضاکارانہ کام ہے اور اس میں اتنی وسعت ہے جس قدر بھلائی کے لفظ میں ہے اور یہ خیراتی کاموں سے تھوڑا سا مختلف ہے، کیونکہ رضا کارانہ کام کسی کے مطالبہ سے پہلے ہوتا ہے جب کہ خیراتی کام اکثر اوقات ضرورت پیش آنے کے بعد شروع ہوتا اور یہ دونوں ایک ہی سکہ کے دو رخوں کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کا خلاصہ ہے لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا اور وہ بھی ان سے اجرت یا احسان مندی کی توقع کے بغیر وہ صرف اللہ سے اجر کی امید میں انجام دیا جاتا ہے:

«إِنَّمَا نُنْظِمُكُمْ لِرُوحِهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا»

” (اور کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں خالص اللہ کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلے کے

خو استگار ہیں نہ شکر گزاری کے (طلبگار)۔“ (سورۃ الانسان: 9)

ہر عقلمند آدمی یہ ادراک رکھتا ہے کہ معاشروں کی اصل قیمت ان کی اٹھان میں اور تنزل اور ہلاکت سے بچنے کی صلاحیت میں مضمر ہے اور یہ بھی ہر عاقل سمجھتا ہے کہ رضا کارانہ کار خیر تمام آسمانی شریعتوں اور وضعی قوانین میں۔ اسلام اور قبل از اسلام ہر زمانے میں مرغوب و مطلوب ہے۔ اور یہ عمل اپنے انجام دینے والے کے قلب و ضمیر کی صفائی اور اس کے لطیف احساسات و جذبات کی بیداری کی واضح علامت ہے کیونکہ یہ صفات صرف انہی لوگوں میں پائی جاتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خُصِيَّت سے نوازا ہے اور جو انسانیت اور خود پسندی

کے شیطانی وسوسوں کا شکار ہونے سے محفوظ ہیں اور اس حقیقت کی واضح ترین دلیل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وہ قول ہے جس میں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر آئے تھے اور کہا کہ:

"لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي، كَلًّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّجِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ" (صحیح بخاری: 3)

"مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اس پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "نہیں اللہ کی قسم نہیں! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، نادار کی ناداری کا مداوا کرتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے کاموں میں تعاون کرتے ہیں"

اور اس امر کی تائید مزید حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ذکر کردہ اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جب انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ وضاحت فرمائیے کہ اسلام لانے سے پہلے میں جو نیکی کے کام کرتا ہوں مثلاً صدقات، غلام آزاد کرنا، صلہ رحمی وغیرہ تو کیا ان کا ثواب مجھے ملے گا تو حضور رسالتناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَسْلَمْتَ عَلَى مَا أَسْلَمْتَ مِنْ خَيْرٍ" (صحیح مسلم: 123)

"تم اسلام لے آئے ہو تو پہلے کئے ہوئے اعمال کا اجر و ثواب بھی پاؤ گے۔"

یہ ہے اسلام کی وسعت، فراخ دلی اور رحمت اور یہ نیکی اور تعاون لوگوں کی ضروریات کی فکر سے عبارت ہے۔

رضاکارانہ نیکی اسلام کی حقیقی اور دائمی تصویر ہے، جس سے اس کا عموم فیض اور نیکی کے کاموں کی انواع کا پتہ چلتا ہے جو ترقی کے مقاصد کو بھی شامل ہیں، چنانچہ اقتصادی میدان



میں اوقات کا اہتمام کرنا اور اس کے لیے شعور بیدار کرنا، معاشی ترقی میں فعال کردار کا حامل ہے جس میں مال حرکت میں آتا ہے اور اصل کو ختم ہونے سے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔

اور یہی بات ہم نظریاتی، معاشرتی اور دعوتی میدانوں کے بارے میں بھی کر سکتے ہیں بشرطیکہ روایتی اور رسمی باتوں سے جوشِ عمل، جزبہٴ مسابقت اور صلاحیتوں سے مکمل طور پر استفادہ کی نیت سے کام کیا جائے اور ہم ایسے مراکز قائم کریں جہاں معاشرہ کی ضرورتوں اور ان کے حل کے متعلق تحقیق کی جائے اور علاج اور پرہیز پر مشتمل مقالات معاشرہ میں رضا کارانہ اعمال خیر کی اہمیت اور اس کے دینی جذبے اور اجتماعی معیشت کی نشوونما میں اس کے اثرات کو اجاگر کیا جائے اور اگر ہم رضا کارانہ خیراتی کاموں کی ایک شاخ غربت کے خاتمہ اور ناداروں کی امداد پر اچھٹی سی نگاہ ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ دو تین صد لوگ اپنی آزمائش و زیبائش پر جو خرچ کرتے ہیں، وہ ایک ملک کے غریبوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی ہو سکتا ہے اور اگر ہم شادیوں میں سے ایک شادی کے اخراجات پر نگاہ ڈالیں تو ہم پر یہ عقدہ کھلے گا کہ اس کا نصف بھی اگر کسی قربت دار یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانے پر خرچ ہو جاتا تو یہ کام نو بیابا جوڑے کے لیے زیادہ خیر و برکت کا باعث بنتا۔ مزید برآں اس سے غریبوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کا مداوا بھی ہو، نظر بد اور حسد سے بچاؤ کا سامان بھی ہو جائے اور وہ فضول خرچی اور تکبر سے بھی محفوظ رہیں۔

﴿وَأَيُّ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ وَالْمِسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا

\* إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾

”رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دو، فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ،

کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کی

نعمتوں کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے“ (الاسراء: 26-27)

یہ ہے ہمارا دین اور یہ ہیں ہمارے نبی ﷺ کی تعلیمات، وہ چاہتے ہیں کہ ہم سب بھلائی اور تعمیر کرنے والے ہاتھ بن جائیں کام کریں، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہ رہیں، دوسروں کا احساس کریں اندھے بہرے نہ بنیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ. قِيلَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: يَغْتَمِلُ بِيَدَيْهِ  
فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ، قَالَ قِيلَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ؟ قَالَ: يُعِينُ  
ذَا الْحَاجَةَ الْمَلْهُوفَ. قَالَ: قِيلَ لَهُ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ؟ قَالَ: يَأْمُرُ  
بِالْمَعْرُوفِ أَوْ الْحَيْرِ. قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: يُمْسِكُ عَنِ  
الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ. (صحیح مسلم: 1008)

”ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے عرض کیا گیا اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو، فرمایا اپنے ہاتھ سے کام کرے، خود کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ کرے، عرض کیا گیا اگر وہ نہ کر سکے کسی پریشان حاجت مند کے کام آئے عرض کیا گیا اگر یہ بھی کر سکے فرمایا، نیکی کی تلقین کرے، عرض کیا گیا اگر یہ بھی نہ کر سکے فرمایا، برائی سے باز رہے یہی اس کے لیے صدقہ ہے۔“

تو جس معاشرہ میں خیر کم ہو اس کی کیا قیمت ہے؟ تو آپ کا معاشرہ کے بارے میں کیا خیال ہے، جس کا شر اس کی خیر پر غالب آجائے، اس سے بڑھ کر ناشکری کی گھائی کونسی ہوگی اور وہ تقویٰ شعار پاکباز کہاں ہے جو اس گھائی میں اترے گا جس کے بارے میں:

﴿فَلَا افْتَحَمَ الْعَقَبَةَ \* وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ \* فَكُّ رَقَبَةٍ \* أَوْ إِطْعَامٌ  
فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ \* يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ \* أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ \* ثُمَّ  
كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ \* أُولَئِكَ

أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿سورة البلد: 11-18﴾

”مگر وہ گھائی پر سے ہو کر نہ گزرا، اور تم کیا سمجھے کہ گھائی کیا ہے، کسی کی گردن کا چھڑانا، یا بھوک کے دن کھانا کھلانا، یتیم رشتہ دار کو، یا فقیر خاکسار کو، پھر ان لوگوں میں بھی (داخل) ہو جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت اور (لوگوں پر) شفقت کرنے کی وصیت کرتے رہے، یہی لوگ صاحب سعادت ہیں۔“

اللہ میرے اور تمہارے لیے قرآن کریم کو باعث برکت بنائے اور مجھے اور تم سب کو اس میں موجود آیات اور حکمت بھرے ذکر سے فائدہ پہنچائے۔ میں اپنی بات کہہ چکا اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کی کارگزاری ہے میں اللہ سے بخشش کا طالب ہوں، یقیناً وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کا ستائش گر ہوں اور اس کی توفیق و امانت پر اس کا شکر گزار، حمد و ثناء کے بعد اپنی امت کی نسبت سے غیرت رکھنے والے مسلمان کو موجودہ دور میں رضا کارانہ طور پر انجام دیئے جانے والے خیراتی کام اپنی طرف متوجہ ضرور کرتے ہیں کہ اب یہ عالمی طور پر انسانیت کا ایک مظہر بن چکے ہیں، غیر مسلم ممالک میں بھی ان میں کافی اضافہ ہو چکا ہے اور انتہائی محنت اور باریک بینی سے یہ کام ایک انسان کی طرح انجام دیا جا رہا ہے یہاں تک کہ ایک عاقل مسلمان کو دعوتِ فکر رہتی ہے کہ وہ مغرب میں ہونے والے اس رفائٹی کام کے ساتھ اپنے ہاں ہونے والے خیراتی کام کا موازنہ کرے اور اس نقص پر غور کرے جو اس کی حقیقت اور اس کے لیے ضروری تیاری کے فقدان کی صورت میں واقع ہوتا ہے اور اس بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا جائے۔ نہایت افسوسناک بات ہے کہ وہ مسلمانوں کے ہاں بعض اجتماعی اور خیراتی کاموں کو دوسروں کے ہاں ایسا سمجھا جاتا ہے کہ وہ

لازمی عمل ہے جس کے لیے انہیں جبر واکراہ کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے یا یہ کہ اس ذہنی اور دینی طور پر پیچھے ہٹنا ممکن نہیں ہے، مثلاً کسی مدرسہ یا یونیورسٹی کے طلبہ کو جب کسی نیکی کے کام میں حکماً لے جایا جاتا ہے تو یہ کام بظاہر زبردستی ہے اس لیے کہ ادراے کی طرف سے انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ انہیں پہلے سمجھایا جائے کہ یہ کس قدر حتمی کام ہے جسے بغیر کسی احسان دھرے انجام دینا، کسی عطیے سے کم نہیں، بلکہ اسے ایسی محبت و الفت کے جذبے سے انجام دینا چاہیے جو بدلے اور معاوضہ کے ساتھ کوئی مناسبت بھی نہیں رکھتے وہ تو اپنے ضمیر کا اطمینان چاہتا ہے اور اپنے معاشرہ کی طرف سے تقصیر اور لاتعلقی سے گھبرانا ہے۔ اس کی راحت اور اطمینان تو اس مسکراہٹ میں ہے جو کسی مسکین کے چہرے پر ظاہر ہو یا کسی مصیبت زدہ کے لبوں سے نکلے ہوئے کلمات جو اس کے کانوں سے نکل جائیں۔

ہم محبت کے بغیر عطیہ اور عطیہ کے بغیر محبت کا تصور نہیں کر سکتے اور یہ کام تفصیلی جائزے اور ترتیب و تنظیم کے بغیر ممکن نہیں۔ جس میں سمجھ، ادراک اور اسباب، محرکات، صلاحیتوں اور انفرادی خصوصیات کا جائزہ بھی شامل ہو۔ وہ اصل اور مذہبی بنیادی تعلیمات جن سے اس نیک عمل کی اہمیت و عظمت اور معاشرہ پر اس کے اثرات واضح ہوں، وہ معاشرہ جس میں بھی آپ بھی میرے قربت دار بھی ہیں اور آپ کے قربت دار بھی میرے ہمسائے بھی ہیں اور آپ کے بھی محترم اور معزز معاشرہ بھی ہے جو اس بات کا انتظار نہ کرے کہ کوئی اس سے مانگے اس لیے کہ اس کا دینے والا ہاتھ اس سے پہلے حرکت میں آ جاتا ہے اور اس کا عمل اس کے اعلان سے غنی ہوتا ہے۔ اس زمانے میں کہ جنگیں اور مصائب و آلام بہت ہیں، ہمارے دینی بھائی اس کے شعلوں کی لپیٹ میں ہیں، ان کی چھتیں ٹپک رہی ہیں دیواریں گرنے لگی ہیں جو ان سے سردی کو روکتی ہیں نہ پانی کو۔ کیا شام، کیا برما اور کیا دوسرے مسلمان علاقے۔ صورت حالات کا تقاضا ہے کہ ہم ہمت کریں اور نیکی کے کام کی

تمام صورتوں کو عملی شکل دیں اور ان میں سب سے اہم زندگی کی شدہ رگ یعنی مال ہے۔ ہمارے بھائیوں کے متعلق اللہ سے ڈرو اور ہمیں عطیات دینے، خرچ کرنے اور دوسروں کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتی۔ آج کے بعد کل، زندگی کے بعد موت اور موت کے بعد حساب ہونے والا ہے:

﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا آمَوَّالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ

عَظِيمٌ﴾ (الأنفال: 28)

”اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے۔ اور یہ کہ اللہ کے پاس (نیکیوں) کا بڑا ثواب ہے۔“

مخلوق میں سے بہترین اور انسانوں میں سب سے پاکیزہ صاحب حوض و شفاعت محمد ﷺ پر درود بھیجو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا» (مسلم: 384)

”جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔“

اللہ نے تمہیں ایسے کام کا حکم دیا ہے جس کی ابتدا اللہ نے خود کی ہے اور اپنے تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کے ذریعے اس کی پاکیزگی بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورة الأحزاب: 56)

”اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے مومنو! تم بھی ان پر درود

وسلام بھیجو۔“



11

زندہ ضمیر: معنی و مفہوم اور اہمیت

17 جمادی الاول 1434ھ بمطابق 29 مارچ 2013ء

## پہلا خطبہ

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولَى أَجْنِحَةٍ مَّثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعًا﴾ (سورة فاطر: 1)

”سب تعریف اللہ ہی کو (زیبا ہے) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے۔ فرشتے کہ جن کے دو دو، تین تین اور چار چار پر ہیں۔“

﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾ (سورة غافر: 3)

”جو گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت عذاب دینے والا ہے اور صاحب کرم بھی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سبھی کو اسی کی طرف جانا ہے۔“

﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾  
”دنیا و آخرت میں اسی کی تعریف ہے اسی کا حکم چلتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“ (سورة القصص: 70)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور نبی ہیں جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے تھے، اللہ کی طرف سے بے پناہ درود و سلام ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے پاکیزہ اور طاہر اہل بیت پر، امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور تا قیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

حمد و ثناء کے بعد!

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ دنیا محض گزر گاہ ہے، جائے قرار نہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہاں ذمہ داری سونپی ہے تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسے اعمال بجالاتے ہو۔

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ \* وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ \* فَسَنُيَسِّرُهُ

لِلْيُسْرَىٰ﴾ (سورة اللیل: 5-7)

”تو جس نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور نیک بات کو سچ جانا۔ اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق عنایت کر دیں گے۔“

اے اہل اسلام!

آج کی دنیا ٹیکنالوجی اور معلومات کے لحاظ سے بلند یوں کو چھو رہی ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں نت نئی ایجادات و اختراعات کا آئے روز اضافہ ہو رہا ہے۔ لوگ ایک نئی ایجاد پر غور و فکر کرتے ہوئے چند لمحات ہی گزار پاتے ہیں کہ اچانک ایک دوسری ایجاد کی چمکا چوندا نہیں پہلی ایجاد کو بھلا دیتی ہے اور یہ سلسلہ اس طرح مسلسل جاری و ساری ہے۔

تاہم، ایک طرف آج کی دنیا اپنی ہمت اور ذوق تجسس کے بل بوتے پر خلاء میں پہنچ چکی اور ایٹم بم ایجاد کر چکی ہے مگر دوسری طرف اقوام و امم کے ضمیر کو بیدار کرنے میں بری طرح ناکام ہے۔ وہ اس روحانی خلا کو پر نہیں کر سکی کہ زندگی کو وسیلہ سمجھا جائے نہ کہ منتہائے مقصود۔ یوں انہوں نے خلا کے سیارے تو دریافت کر لئے لیکن اپنی آنکھ کا تکانہ دیکھ پائے۔ ضمیر زندہ وہ عنوان ہے، جس کے لیے دہائی دیتے ہوئے بڑے بڑے خیر خواہان ملت اور دردمندان قوم کے گلے بیٹھ گئے ہیں۔

ان کے لیے یہ بات انتہائی مشکل ہے کہ اس بازگشت کا سامنا کریں جو امت اسلامیہ کو تنگی سے کشادگی، ذلت سے سرفرازی، ذاتی مفاد سے ایثار اور بدنمائی سے رعنائی کی طرف



موڑ سکتی ہے، یہ بھی تجربہ ہے کہ زیادہ تر بیداری بہت دیر سے ہوتی ہے وہ بھی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے کے بعد اور اتھاہ بھی گرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، متنبہ کرنے والوں کی آوازوں سے نہیں، چنانچہ ایک شاعر کا قول ان پر صادق آتا ہے۔

بذلتُ لهم نُصیجی بمنعرجِ اللّوَا \*\*\* فلم یستبینوا النّصحَ إلا ضُحی الغدِ  
”پر پیچ راستوں پر میں انہیں نصیحت کرتا اور دہائی دیتا ہی رہ گیا افسوس انہوں نے اگلے دن جا کر نصیحت کو کچھ سمجھا۔“

اللہ کے بندو!

ضمیر سے مراد انسان کا وہ باطنی شعور ہے جو خود آدمی کو اس کے کردار کا نگہبان بناتا ہے، اس میں روا اور ناروا اقوال، اعمال اور افکار کو جانچنے، اچھائی کو اچھا سمجھنے اور برائی کو برا جاننے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

اسلام اپنی اصل کے اعتبار سے حریت بخش قانون ہے، جس نے بندوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد کر کے تنہا اللہ کی غلامی میں دے دیا اور بتایا کہ سرفرازی ایمان کے ساتھ وابستگی میں اور ذلت و خواری کا ساتھ کفر، نافرمانی اور سرکشی سے ہے۔

یہ سب کچھ آدمی کے ضمیر پر بخوبی واضح ہے اور تمام اسلامی معاشروں کا ضمیر بالعموم اسے جانتا ہے، کیونکہ معاشرے جب زندہ ضمیر سے محروم ہو جائیں تو ان کے افراد روحوں سے عاری پر چھائیوں کی مانند ہو جاتے ہیں بلکہ ایسے معاشروں کے کچھ افراد تو بظاہر انسان دکھائی دینے والے شیطان ہو جاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ لوگوں کے اندر مشترکہ طور پر پائی جانے والی قوت و ناتوانی، افلاس و تونگری، ایمان و فسق اور عدل و ظلم جیسی اقدار کا ضمیر کی بیداری یا اس کی غفلت اور مدہوشی سے کوئی تعلق نہ ہو۔

موجودہ دور میں مسلمان معاشرے زندہ و بیدار ضمیر کے قحط میں مبتلا ہیں۔ وہی ضمیر

جس کی بنا پر ماضی میں ان کا شعار تھا کہ اگر ان کا کوئی فرد مشرق میں چینک مارتا تو مغرب میں موجود شخص اس کی چینک کا جواب دیتا اور اگر کوئی شمال میں رہنے والا شخص فریاد رسی کے لیے پکارتا تو اس کی فریاد جنوب میں موجود مسلمانوں کے کانوں سے جا ٹکراتی۔

مگر افسوس آج کس قدر درد اور اندوہ سے بھر پور ہے وہ صورت حال جس سے امت مسلمہ اس دور میں دوچار ہے کہ پہلو میں موجود شخص آہ وزاری کرتا اور چیخا چلاتا ہے لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوتی وہ اپنے دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر ”مدد مدد“ پکارتا ہے لیکن اسے کوئی نگاہ التفات میسر نہیں آتی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبَ الَّتِي فِي

الضُّوْرِ ﴾ (سورة الحج: 46)

”آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں موجود دل اندھے ہو جاتے ہیں۔“

جب تک افراد کے ضمیروں میں بیداری کی لہر نہیں دوڑتی مجموعی طور پر امت کا ضمیر نہیں جاگ سکتا، سایہ کیسے سیدھا ہو سکتا ہے جب لکڑی ہی ٹیڑھی ہو؟ ہاتھوں سے محروم شخص انگلی کیسے پہن سکتا ہے؟ ضمیر جو جوں ناتواں ہو تا جائے گا، بیداری کی ساعت موخر ہوتی جائے گی۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں اور وہ بے حس ہو گئے ہیں۔

پھر ضمیروں کے اعتبار سے لوگوں کی مختلف اقسام ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو زندہ و بیدار ضمیر سے بہرہ مند ہے، ایسا ضمیر جو اچھائی کو اچھا جانے اور بدی کو برا خیال کرے، وہ امت مسلمہ کے دکھ درد اور امیدوں میں شریک ہوتا ہے، غمخواری کرتا ہے، تسلی دیتا ہے اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔ سچے اہل ایمان کے لیے نرم اور سرکش و مجرم لوگوں کے لیے سخت

ہوتا ہے کسی ملامت گر کی ملامت سے خوف نہیں کھاتا:

﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

”یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا اور جاننے

والا ہے۔“ (سورۃ المائدہ: 54)

ایک دوسری قسم وہ ہے جو کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کا کوئی کردار ہے اور نہ کسی شمار میں ہے۔ اس غلام کی طرح جو اپنے مالک پر بوجھ ہو، وہ اسے جہاں بھی بھیجتا ہے وہ کوئی خیر لے کر نہیں آتا، جس کا وجود محض گنتی میں اضافے کا سبب ہے۔ گویا کہ وہ مرا تو نہیں لیکن چھپا بیٹھا ہے تاکہ دنیا حاصل کر سکے یا اسے اپنے بعد کمزور اولاد کا غم ستاتا ہے اور وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہتا ہے ”نفسی نفسی“ تو اس سے نہ کسی فقیر کو فائدہ پہنچتا ہے اور نہ کسی خیر کے طالب کے لیے وہ باعث خیر ثابت ہوتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے گویا کہ اس کی تخلیق محض شکم پروری کے لیے ہوئی ہے۔

یہ شخص اگر اپنے ضمیر کی نگہداشت سے یوں ہی غافل رہا تو کچھ ہی وقت گزرنے کے بعد مردہ ضمیر لوگوں کی صف میں جا کھڑا ہو گا۔ مردہ ضمیر لوگوں کی ایک تیسری قسم بھی ہے، یہ ایسا شخص ہے جس کا ضمیر مردہ ہو گیا ہے۔ جس کا شر اس کے خیر پر غالب آچکا ہے، یا اس میں سرے سے خیر کا مادہ موجود ہی نہیں یہ اگلوں میں نظر آتا ہے نہ پچھلوں میں، حصہ لیتا ہے تو صرف برائی میں۔ یہ شخص ہمیشہ برائی کے میدانوں میں بدی کا حکم دیتے ہوئے، اچھائی سے منع کرتے ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو خیر سے بند کیے ہوئے ملے گا۔ جب یہ اللہ سے غافل ہو تو اللہ نے بھی اس کو فراموش کر دیا، یہ شخص آپ کو ہمیشہ جھوٹ بولنے والے، فریب کار، خود پسند، بے انتہا عیب گو، بے پناہ نکتہ چینی اور بہت زیادہ غیبت کرنے والے آدمی کے روپ میں دکھائی دے گا۔ یہ زبانِ حال سے پکار رہا ہوتا ہے۔ میں طوفان کے

بیچھے بیچھے ہوں اور اگر آپ نے اسے دوپہر کو نہیں سنبھالا تو شام کو وہ آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

اس کی مثال مکھی کی سی ہے جو ہمیشہ زخموں پر ہی بیٹھتی ہے، معاشرہ اس جیسے لوگوں سے صبح و شام پناہ مانگتا ہے، گویا اس کی پیدائش محض اس لیے ہوئی ہے کہ یہ گناہوں سے اپنے نامہ اعمال کو بوجھل کر تار ہے اور قیامت کے روز اپنے پروردگار سے ملے تو اس حال میں کہ اس کے چہرے پر گوشت نام کی کوئی شے نہ ہو۔

اللہ آپ سب پر رحمت کرے، اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ زندہ بیدار ضمیر ہی حقیقی ایمان چھوکنے والی چیز ہے جس میں مہر و محبت اور ہمدردی کی کھیتی بار آور ہوتی ہے یہ جسم کے تمام اعضاء کو اکٹھا رکھنے والا ہوتا ہے اور یہ جسم ملت اسلامیہ کا کامل اور مکمل جسم ہے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ شَيْءٌ، تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمَى» (صحیح مسلم: 2586)

”ہمدردی اور مہر و محبت میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے، جب ایک

عضو بیمار ہو تو سارا جسم بے خوابی اور تکلیف سے فریاد بے لب ہو جاتا ہے“

ہم میں سے ہر فرد اگر خود کو اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑا کرے تو وہ بخوبی جان لے گا کہ غفلت شعار ضمیر کا درخت کبھی بار آور نہیں ہوتا، جو شخص خود کو اپنے ضمیر کے اچھے برے اشاروں کے سپرد کر دیتا ہے تو ایسے شخص کا ضمیر جلد ہی اپنی تمام تر وسعت اور فراخی کے باوجود تنگ پڑ جائے گا اور اس کی آنکھ حقیقت کو پہچاننے سے قاصر رہے گی، جانچنے پر کھنے

والا ہر شخص جان لے گا کہ ضمیر کے احتساب اور نگہداشت سے بے پروا رہنے کے نتائج اس کے اسباب سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں۔

اس لیے ہدایت کا اشتیاق رکھنے والے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے ضمیر کو بولنے کا موقع دے، کیونکہ خاموش ضمیر گونگے شیطان کی طرح ہے بالکل ویسے ہی جیسے برائی بولنے والا ضمیر بولنے والے شیطان کی حیثیت رکھتا ہے۔

شریعت اسلامیہ نے ضمیر کی مردنی اور ناتوانی کے تمام تردد وازے بند کیے ہیں اور مسلم معاشرے کو اسی متاعِ گم گشتہ کی بازیابی پر ابھارا ہے تاکہ کوئی بھی شخص مردہ یا غفلت شعار ضمیر کی بھیئت نہ چڑھ جائے، کیونکہ آدمی کی درستی، مضبوطی اور تکمیل ذات کا تمام تر انحصار زندہ و بیدار ضمیر پر ہے، کسی اور شے پر ہرگز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمِ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا» وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «يَحْسِبُ امْرِيٍّ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعَيْرُضُهُ»

”ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے لیے دھوکے سے قیمتیں نہ بڑھاؤ، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھيرو، تم میں سے کوئی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے اور اللہ کے بندے بن جاؤ جو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ مسلمان (دوسرے) مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے۔“ اور

آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کیا، (پھر فرمایا): "کسی آدمی کے برے ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر مسلمان پر (دوسرے) مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہیں" (مسلم: 2564)

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ سب کے لیے قرآن و سنت کو باعث برکت بنائے اور ہمیں ان میں موجود آیات، ذکر اور حکمت سے فائدہ پہنچائے۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا، میں نے کہہ دیا ہے، اگر درست تھا تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی غلطی تھی تو میرے نفس اور شیطان کی کارگزاری ہے میں اللہ سے بخشش کا طلبگار ہوں، یقیناً وہ بے پناہ بخشنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

تمام تعریفیں تنہا اللہ کے لیے ہیں اور درود و سلام اس ذاتِ گرامی پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

### حمد و ثناء کے بعد! اے لوگو!

اس میں کسی مخلص شخص کو کلام نہیں کہ امتِ اسلامیہ کہ جو اس وقت مختلف مصائب، زیادتیوں اور ایسی جنگوں کے شعلوں میں جھلس رہی ہے، جو ہر سبز اور خشک شے کو اجاڑ چکی ہیں۔ یہ امتِ اسلامیہ اس وقت ایسے ضمیرِ زندہ کی محتاج ہے جو حسد اور کینے سے پاک ہو جو اپنی قوم و ملت کے وسیع تر مفاد میں اپنے ذاتی اور محدود مفاد کو قربان کر ڈالے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب ضمیرِ مردہ ہو جائے تو ذاتی مفاد اور خود غرضی جنم لیتی ہے اور افراد اور معاشروں کا نعرہ یہی ہو جاتا ہے کہ اپنی ذات کو ملحوظ خاطر رکھو، آگے پیچھے جانے کی کوئی ضرورت نہیں، تم اکیلے کیا کر لو گے؟ تم نے آدم کی ساری اولاد کا ذمہ نہیں لیا ہوا، نہ تم ان کے وکیل ہو اور نہ محافظ۔ جب ضمیرِ مردہ ہو جاتا ہے تو آواز آتی ہے:

”جو کچھ اللہ کا ہے اللہ کے لیے رکھو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو ادا کرو۔“

جب ضمیر پر مردنی چھا جائے تو خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن بنا دیا جاتا ہے، پھر سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا کر دیا جاتا ہے۔ جب ضمیر حیات سے عاری ہو جائے تو لوگ مہینے کو شیر اور اونٹ کو اونٹنی سمجھنے لگتے ہیں۔

بڑے بڑے سمندر چھوٹے چھوٹے حوضوں سے پانی مانگنے لگتے ہیں، کم عقل لوگ بولتے ہیں اور لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیتے ہیں یوں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہی میں ڈال دیتے ہیں۔

جب ضمیر زندگی سے محروم ہو جائے تو نکتہ چینی نصیحت ہو جاتی ہے، غیبت آزادی بن جاتی ہے اور عیب گوئی کو تنبیہ کا نام دے دیا جاتا ہے۔

جب ضمیر زندگی کھو بیٹھے تو ظالم کے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ کوئی پوری قوم کو پھیل ڈالے اور پروانہ کرے کہ وہ کہاں جا مرتی ہے، چنانچہ ایسا شخص قتل و غارت اور فسق و فجور کا بازار گرم کرتا ہے، ایسے عوام کو قید و بند میں ڈالتا اور دیس نکالا دیتا ہے، لوگ آہ وزاری کرتے، فریاد سی کے لیے پکارتے اور چیختے چلاتے ہیں، لیکن جس کو پکارا جا رہا ہو، اس میں زندگی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جب ضمیر زندگی سے محروم ہو جاتا ہے تو ظلم عروج پر پہنچ جاتا اور عدل سرنگوں ہو جاتا ہے، ذاتی منفعت کا دور دورہ ہو جاتا ہے، ایسے میں مظلوموں کو خیر خواہ کم ہی ملتے ہیں، مصائب اور آزمائشیں بارش کی طرح اترتی ہیں۔ عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی ہے اور بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

جب ضمیر مر جائے تو احساس مر جاتا ہے اور جب احساس مر جائے تو ادنیٰ و اعلیٰ برابر ہو جاتے ہیں اور زمین پر بسنے والوں کے لیے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَى الْقَبْرِ“

فَيَتَمَرَّعُ عَلَيْهِ، وَيَقُولُ: يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَكَانَ صَاحِبِ هَذَا الْقَبْرِ،  
وَلَيْسَ بِهِ الدِّينُ إِلَّا الْبَلَاءُ“

”قیامت تب تک قائم نہیں ہوگی جب تک صورت حال یہ نہ ہو جائے کہ ایک آدمی قبر کے پاس سے گزرے اور اس کی مٹی میں لت پت ہو کر کہے، کاش! یہ قبر میری ہوتی اور وہ ایسا خشیت الہی یا دین داری کی وجہ سے نہیں صرف مصیبت کی شدت کی وجہ سے کہہ رہا ہوگا۔“ (صحیح مسلم: 157)

ولا خير في نيل الحياة وعيشها \*\*\* إذا ضاع مفتاح الضمائر وانمحي  
ألسنت تزي أن الحبوب ثخينة \*\*\* تحول دقيقا كلما تطحن الرحي  
”یاد رکھئے تب زندگی اور اس کی عشرت آرائیوں میں کوئی خیر نہیں، جب ضمیروں کی گرہ کشائی کی کنجی گم ہو کر اپنا نشان کھو بیٹھے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جب چکی چلتی ہے تو گرم دانے بھی آٹے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔“

مخلوق میں سے بہترین اور انسانوں میں سب سے پاکیزہ صاحب حوض و شفاعت محمد ﷺ پر درود بھیجو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا» (مسلم: 384)

”جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔“  
اللہ نے تمہیں ایسے کام کا حکم دیا ہے جس کی ابتدا اللہ نے خود کی ہے اور اپنے تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کے ذریعے اس کی پاکیزگی بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا  
عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورة الأحزاب: 56)

”بیشک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر پر پس تم بھی اسے وہ لوگوں



جو ایمان لائے ہو ان پر درود بھی بھیجتے رہا کرو اور خوب خوب سلام بھی۔“

اے اللہ زیادہ سے زیادہ درود و سلام اور برکتیں نازل فرما اپنے بندے اور رسول جناب محمد ﷺ پر جو روشن چہرے والے، چمکتی پیشانی والے ہیں۔ اے اللہ! خلفائے اربعہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا اور اپنے نبی کے تمام صحابہ سے اور تابعین سے اور جو بھی قیامت تک احسان سے ان کی پیروی کرتے رہیں اور ان کے ساتھ ہم سے بھی اپنے جو دود کرم اور درگزر کرتے ہوئے راضی ہو جائے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔



## پہلا خطبہ

تمام تعریفات اللہ رب العزت کے لیے ہیں جو جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (سورة الشوری: 11)

”اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سنے والا اور جاننے والا ہے“

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا، اس کا علم ہر چیز کو محیط اور وہ ہر شے کا شمار رکھنے والا ہے۔

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾

”وہ ایسا ہے کہ (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک رکھتا

ہے اور وہ باریک بین خبر دار ہے۔“ (سورة الأنعام: 103)

میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کے منتخب کئے ہوئے رسول اور اس کے خلیل ہیں۔ آپ ﷺ مخلوق میں سب سے بہتر انسان ہیں۔ آپ نے اپنی رسالت کا حق ادا کر دیا، اپنے اوپر عائد کردہ امانت پہنچا دی۔ امت کے لیے خیر خواہی کی، انہوں نے ہمیں ایسے روشن راستے پر لاکھڑا کیا جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔ اس راہ سے صرف ہلاک ہونے والا ہی بھٹک سکتا ہے۔

آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے اہل بیت اطہار، امہات المؤمنین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم اور ان کے تبعین پر بہت زیادہ درود و سلام اور رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و ثناء کے بعد! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو:

﴿وَأٰمِنُوْا بِرِسُوْلِهِ يُوْتِكُمْ كِفٰلَيْنِ مِّنْ رَّحْمٰتِيْهِ وَيَجْعَلَ لَكُمْ نُوْرًا

تَمَشُونَ بِهِ وَيَعْفِرُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورة الحديد: 28)

”اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دہرا حصہ دے گا اور تمہیں نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

اللہ کے بندو! اتار چڑھاؤ، خوف و امید، عطا ہونا اور چھٹنا، تندرستی اور بیماری لوگوں کی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ لوگ یا تو بھلائی اور نعمت کے طلبگار ہوتے ہیں یا برائی اور ناپسندیدہ چیز سے ڈر رہے ہوتے ہیں۔

لوگوں کا یہ خوف اور امید ان کے دین، جان، اموال اور ان کی عزتوں سے متعلق ہوتا ہے۔ لوگ ہدایت کی طلب میں ہوتے اور گمراہی سے خائف رہتے ہیں۔ وہ زندگی کی امید رکھتے اور ناحق موت سے ڈرتے ہیں۔ لوگ ظاہری اور معنوی طور پر عقل کی سلامتی چاہتے اور عقل میں کسی بھی قسم کے فتور سے ڈرتے ہیں۔ خوف و امید کی یہی صورت لوگوں کے اموال اور عزتوں میں بھی کار فرما ہے۔

لوگ فطری طور پر حیات بخش بارش کی امید رکھتے اور برباد کر دینے والے طوفان سے ڈرتے ہیں۔ اسی طرح خوشخبریاں دینے والی ہواؤں کی امید لگاتے اور ڈرانے والی کند ہواؤں سے خوف کھاتے ہیں۔

عقل و خرد سے بہرہ مند لوگ کائنات میں کار فرما اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا ادراک رکھتے ہیں اور وہ جو وقتاً فوقتاً آیات اور نشانیاں ظاہر فرماتا ہے وہ اس لیے ہیں تاکہ ان کے دلوں میں باری تعالیٰ پر ایمان موجزن رہے اور اس کی بدولت انہیں ایک احساس رہے نیز گزشتہ ایام میں اللہ رب العزت والجلال کا مختلف امتوں سے سلوک بھی نہیں یاد رہتا۔ اس ضمن میں ایسی ایسی مثالیں گزر چکی ہیں کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ اسی طرح ان کے

اذہان میں وہ بھی تازہ رہتا ہے جو الصادق المصدوق نے مختلف زمانوں میں ہونے والے واقعات کے بارے میں پیش گوئیاں فرمائیں۔

قرآن و سنت میں اللہ تعالیٰ کی جن نشانیوں کا تذکرہ ہوا ہے، ان میں سے ایک نشانی زلزلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں زلزلے کی قسم کھائی ہے۔ فرمایا:

﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ \* وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ \* إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ

\* وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ﴾ (سورة الطارق: 11-14)

”بارش والے آسمان کی قسم! اور بیٹھنے والی زمین کی قسم! بے شک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دو ٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے۔ یہ ہنسی کی اور بے فائدہ بات نہیں۔“

مزید فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيْعًا﴾ (الانعام: 65)

”آپ کہیے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تمہیں گروہ گروہ کر کے باہم بھڑادے“

مفسرین کے نزدیک آیت میں موجود تمہارے ’پاؤں تلے سے عذاب‘ سے مراد زلزلے اور زمین میں دھنسا یا جانا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّىٰ يُقْبَضَ الْعِلْمُ، وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ، وَيَتَقَارَبَ

الرَّمَانُ﴾ (صحیح بخاری: 1036)

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی تا آنکہ علم اٹھالیا جائے گا، بکثرت زلزلے ہوں گے اور زمانہ قریب ہو جائے گا، یعنی وقت نہایت تیزی سے گزرنے لگے گا۔“

بندگان الہی! نبی کریم ﷺ کے زمانے میں زلزلے کا ظہور نہیں ہوا انہوں نے صرف قرآن و سنت کے ذریعے زلزلے کے متعلق سنا تو وہ اس پر ایمان لائے اور تصدیق کی کہ یہ

اللہ کی ایک نشانی ہے اور جسے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے بھیجے۔

فی زمانہ زلزلوں کی کثرت نبی ﷺ کی اس معجزانہ پیش گوئی کی طرف واضح اشارہ ہے، جس میں آپ ﷺ نے قیامت کے قریب زلزلوں کی کثرت کا تذکرہ فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پھٹ جانے والی زمین کی قسم کھائی ہے۔ چودہ سو سال قبل پھٹ جانے والی زمین سے متعلق کسی کو کچھ خبر نہ تھی، لیکن گذشتہ صدی میں علم ارضیات کے ماہرین نے اس کا کھوج لگا لیا۔ سائنسدانوں نے وہاں زمین کے اندر ایک بہت بڑا اشکاف دیکھا۔

سائنسدانوں کے نزدیک دنیا میں ہونے والے زیادہ تر زلزلوں کا مرکز یہی مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پھٹ جانے والی زمین کی قسم کھانا ایک معجزہ ہے اور یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ بے دینوں کو درست راہ دکھائی جائے اور جو دریافت انہوں نے اب کی ہے اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ چودہ سو سال قبل کر چکے تھے اور یہ اس بات کی طرف بھی واضح اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرامین ذاتی خواہشات پر مبنی نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے کی جانے والی وحی پر مشتمل ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ  
وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (سورة الاعراف: 158)

”اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تا کہ تم راہ راست پر آ جاؤ۔“

تاریخ اسلام میں سب سے پہلا زلزلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آیا۔ حضرت صفیہ بنت عبید بن جراح کہتی ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں زلزلہ آیا، یہاں تک کہ چار پایاں ہلنے لگیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

«لَقَدْ عَجِلْتُمْ، قَالَ: وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ: «الَّتِي عَادَتْ لِأَخْرُجَنَّ مِنْ

بَيْنَ ظَهْرَانِيكُمُ» (مصنف ابن ابی شیبہ: 8335)

”تم پر زلزلہ آیا ہے، دراصل تم بدل گئے ہو اور تم نے بہت جلدی کی ہے۔ اگر زلزلہ دوبارہ آیا تو میں تمہارے درمیان سے چلا جاؤں گا۔“

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

مَا كَانَتْ هَذِهِ الزَّلْزَلَةُ إِلَّا عَنْ شَيْءٍ أَحَدْتُمْوهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ

لَئِنْ عَادَتْ لَا أَسَا كُنْتُكُمْ فِيهَا أَبَدًا» (العقوبات لابن ابی الدنيا: 18)

”تم نے جو (غلط) کام شروع کر دیئے ہیں، ان کی وجہ سے یہ زلزلہ آیا ہے۔ اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر زلزلہ دوبارہ آیا تو میں تمہارے درمیان کبھی نہیں رکوں گا۔“

www.kitabosunnat.com

اللہ کے بندو!

بلاشبہ زلزلے اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔ زلزلے سے پہلے اور بعد میں اسی کا حکم کارفرما ہوتا ہے، وہ جو چاہے تخلیق کرتا اور جسے چاہے اختیار کرتا ہے، وہ اپنے بندوں پر بہت رحم کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے بلکہ اس کی رحمت تو ہر چیز سے بڑی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کے ثواب پر ہی تکیہ کر کے بیٹھ رہا جائے اور اس کی سزا کو فراموش کر دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی رحمت تو خوب یاد رہے لیکن اس کا غصہ حاشیہ خیال میں بھی نہ آئے اور ایسا نہ ہو کہ اس کا عفو و درگزر ہی ذہن نشین ہو اور اس کی تدبیر سے تغافل برتا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ \* وَأَمِنَ

أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يُلْعَبُونَ \* أَفَأَمِنُوا مَكْرَ

اللَّهُ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۹۷﴾

”کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آنازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں، کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر کا ڈر نہیں رکھتے (سن لو کہ) اللہ کے داؤ سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں۔“ (سورۃ الاعراف: 97-99)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”المؤمنُ يعملُ بالطَّاعاتِ وَهُوَ مُشْفِقٌ وَجِلٌّ، وَالْفَاجِرُ يَعْمَلُ بِالْمَعَاصِي وَهُوَ آمِنٌ.“

”مومن طاعت الہی میں لگا رہتا ہے پھر بھی اسے خوف اور دھڑکا لگا رہتا ہے جبکہ گناہگار نافرمانیاں کرنے کے باوجود مطمئن ہوتا ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: 2/234)

یہی وہ (گناہگار) شخص ہے جو اللہ کی تدبیر سے مطمئن زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔

ائمہ کرام نے ذکر کیا ہے کہ زلزلے ان نشانیوں میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خوف دلایا ہے۔ جیسا کہ انھیں گرہن وغیرہ سے ڈرایا ہے تاکہ انھیں زمین کا، ان کے جانوروں، کھیتیوں، مال و متاع اور گھروں کے لیے استقرار اور تھمنے کی نعمت کا احساس ہو اور انھیں یہ ادراک ہو کہ زمین میں دھنسا یا جانا، زلزلہ آنا اور زمین کا توازن بگڑنا یا تو ایک آزمائش ہے یا پھر امتحان یا پکڑ یا ڈراؤ۔ جیسا کہ قوم ثمود کو زلزلے نے آیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ امام ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لَمَّا كَانَ هَبُوبُ الرِّيحِ الشَّدِيدَةِ يُوجِبُ التَّخْوِيفَ الْمُفْضِي إِلَى الخُشُوعِ وَالْإِنَابَةِ كَانَتِ الزَّلْزَلَةُ وَنَحْوُهَا مِنَ الْآيَاتِ أَوْلَى بِذَلِكَ، لَا



سَيِّمًا وَقَدْ نَصَّ الْخَبِيرُ أَنْ كَثْرَةَ الزَّلَازِلِ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ  
 ”جب آندھی کے وقت خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی  
 مانگنا ضروری ہے تو زلزلے اور اس طرح کی دیگر نشانیوں کے ظہور کے وقت تو  
 بلا دلی توبہ کرنی چاہیے۔ بلاشبہ نصوص دلالت کناں ہیں کہ زلزلوں کی کثرت  
 قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔“ (فتح الباری: 2/512)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ میں زلزلہ آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:  
 ”أَيُّهَا النَّاسُ: إِنْ رَبَّكُمْ يَسْتَعْتِبُكُمْ فَأَعْتِبُواهُ؛ أَيُّ: فَاقْبَلُوا عَتَبَهُ،  
 وَتَوَبُوا إِلَيْهِ قَبْلَ أَنْ لَا يُبَالِي فِي أَيِّ وَادٍ هَلَكَتُمْ“  
 ”اے لوگو! بے شک تمہارا رب چاہتا ہے کہ تم اس کو راضی کر لو اس سے توبہ و  
 استغفار کرو۔“ یعنی توبہ کے ذریعے اس کی طرف رجوع کرو۔ ”اس سے توبہ کرو  
 اس سے پہلے کہ اسے پرواہ ہی نہ ہو کہ تم کس وادی میں ہلاک ہو جاؤ“  
 شام میں زلزلہ آیا تو عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اہل شام کو لکھا:  
 ”وہاں سے نکل جاؤ! اور تم میں سے جس کے پاس صدقہ کرنے کی استطاعت ہے  
 وہ ضرور صدقہ کرے۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى \* وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ﴾

”بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہو اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا  
 اور نماز پڑھتا رہا۔“ (سورۃ الاعلیٰ: 14-15)

اللہ کے بندو!

دین اسلام میں زلزلوں کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ بھلائی کے

ایسے ظاہری اسباب اختیار کرے جو اللہ کی طرف سے بھلائی اور خیر کے موجب ہوں اور ان برے اسباب کو ترک کر دے جو اللہ کی طرف سے شر کے موجب ہوں۔

اسی طرح زلزلہ کی صورت میں توبہ و استغفار اور صدقہ و خیرات کا اہتمام کرنا چاہیے، بعض اہل علم سے ایسے موقع پر انفرادی نماز ثابت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے زلزلہ آنے پر بصرہ میں نماز ادا کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُمَّتِي هَذِهِ أُمَّةٌ مَرْحُومَةٌ، لَيْسَ عَلَيْهَا عَذَابٌ فِي الْآخِرَةِ، عَذَابُهَا

فِي الدُّنْيَا الْفِتْنُ وَالزَّلَازِلُ وَالْقَتْلُ» (سنن أبي داؤد: 4278)

”میری امت رحم کی گئی ہے۔ اس کے لیے آخرت میں عذاب نہیں ہو گا اس

امت کا عذاب دنیا میں فتنے، زلزلے اور قتل و غارت کی صورت میں ہے۔“

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ امت مسلمہ کو آخرت میں اجتماعی طور پر عذاب نہیں

ہو گا البتہ انفرادی طور پر ہو سکتا ہے۔

اللہ کے بندو!

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اس سے معافی اور اس کی رحمت طلب کرو اور اس کے غضب

سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے لیکن بھولتا نہیں ہے اور ظالم کو ڈھیل دیتا ہے لیکن

جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ﴾

”اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جب کہ وہاں کے باشندے نیکوکار

ہوں اذراہ ظلم تباہ کر دے“ (سورۃ صود: 117)

انفرادی اور اجتماعی سطح پر نفوس کی اصلاح کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اللہ

تعالیٰ نے اس وقت بستیوں سے ہلاکت کی نفی کی ہے جب اس کے رہنے والوں میں اپنی

زلزلے... نشانیاں، عبرتیں اور احکام

غیبات فضیلة الشيخ تاج محمد رشيد

اصلاح کی سچی لگن ہو۔ ہلاکت کا ایک موجب نصیحت سے اعراض اور اصلاح سے دامن بچانا ہے، قارون کو اس وقت تک زمین میں نہیں دھنسا یا گیا جب تک اس کو یہ نہ کہا گیا:

﴿لَا تَفْرَحْ﴾ (سورة القصص: 76)

”اتراؤ مت۔“

لیکن اس نے تکبر کیا اور اہل شہود کو بھی اس وقت تک زلزلہ نے آ نہیں پکڑا جب تک انھوں نے نصیحت کا برا نہیں مانا۔ اللہ تعالیٰ نے امتوں کو اپنے اس فرمان کے ساتھ خبردار کیا ہے:

﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ \* إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ذَٰلِكَ يَوْمٌ تَجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ﴾

”اور تمہارا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے۔ بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور سخت ہے۔ ان (قصوں) میں اس شخص کے لیے جو عذاب آخرت سے ڈرے عبرت ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب (اللہ کے روبرو) حاضر کیے جائیں گے۔“ (سورة ہود: 102-103)

اللہ تعالیٰ تمہیں کتاب و سنت کے ذریعے برکت دے۔ ان میں موجود آیات، ذکر اور حکمت کے ذریعے تمہیں اور مجھے نفع پہنچائے۔ یہ میری طرف سے تھا۔ میں اللہ سے اپنے لیے، تمہارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہر غلطی و کوتاہی سے معافی کا خواستگار ہوں۔ اس سے بخشش مانگو اور اس سے توبہ کے طلبگار رہو بلاشبہ میرا رب معاف کرنے والا ہے۔

## دوسرا خطبہ

اللہ کے احسانات پر اس کی تعریف اور کی توفیق و امتنان پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔  
 حمد و ثناء کے بعد! قوموں کو خوف دلانے کے اللہ تعالیٰ کے کچھ طریقے ہیں:

(1) وہ جنگوں کے ذریعے امت کو خوف دلاتا ہے۔

(2) نقص امن کے ذریعے سے

(3) مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کے ذریعے سے

(4) فتنوں اور زلزلوں وغیرہ کے ذریعے سے۔

اللہ کے بندو!

پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے:

﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ \* الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا  
 إِلَيْهِ رَاغِبُونَ \* أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ  
 هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ (سورۃ ہود: 155-157)

”تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو ان لوگوں پر جب  
 کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ  
 کر جانے والے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے۔  
 اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ آزمائش اور خوف سے جسے ڈرا گیا تو اس کا  
 نتیجہ بہت اچھا نکلا مثلاً جو شخص اللہ کو یاد کرتا اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کے لیے  
 ہدایت ثابت ہو جاتی ہے۔ اللہ کی طرف سے ڈراؤ آنے میں زمان و مکان کی کوئی قید نہیں  
 ہے۔ نبی کریم ﷺ کا زمانہ سب سے بہترین زمانہ تھا اس میں بھی سورج گرہن ہوا اور

آپ ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ سورج گرہن کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ دوسری طرف افکار میں پرانگی، علم اور اللہ پر ایمان کی کمزوری کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زلزلے کی صورت میں صرف طبعی تبدیلیوں کو ان کا سبب قرار دیا جائے اور اس کے پیچھے کار فرما حکمت کو سرے سے فراموش کر دیا جائے۔ اور باور کر لیا جائے کہ اس میں نہ تو ایمانیات کا کوئی دخل ہے اور نہ اس سے رقت قلب اور خشوع کا کوئی تعلق ہے۔ ان لوگوں کو تو چھوڑیے جو اللہ کی نشانیوں کے ذریعہ نصیحت کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں پسماندہ، رجعت پسند اور ہر چیز میں دین کے بے جا طور پر داخل کرنے والے قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زلزلوں کا سبب معلوم ہو چکا اب انہیں سزایا ابتلا یا آزمائش قرار دینا کس طرح روا ہے۔ اگر زلزلوں کے ظاہری اسباب ہی کو مطمح نظر بنالیا جائے تو آزمائش، امتحان اور پکڑ کا تصور کہاں جائے گا؟

آئیے ہم جائزہ لیتے ہیں کہ ان میں سے کون سی سوچ درست ہے۔ حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی اسی رات بارش ہوئی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا:

هَلْ تَذُرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِتَوْهٍ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ (صحیح مسلم: 71)

”معلوم ہے، تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ صبح ہوئی تو میرے کچھ بندے مجھ پر ایمان لائے اور کچھ میرے منکر ہوئے، جس نے کہا

کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہمارے لیے بارش ہوئی تو وہ میرا مومن ہے اور ستاروں کا منکر اور جس نے کہا کہ فلاں تارے کے فلانی جگہ پر آنے سے بارش ہوئی تو وہ میرا منکر ہے اور ستاروں پر ایمان لانے والا۔“

تو جب بارش، جو اللہ کی ایک نیکوئی سنت ہے جس کے لیے استسقاء کی نماز اور دعا مشروع ہے اور اس کے باوجود ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو اس کو مادی اسباب تک محدود سمجھتے ہیں اور اس کی جامد عقل یہ ماننے کے لیے آمادہ نہیں ہوتی کہ اس میں عبرت، ثواب و عقاب اور آزمائش کا پہلو بھی مضمحل ہو سکتا ہے۔

اس پر کوئی تعجب نہیں ہے، کیونکہ اللہ نے فرمادیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ \* وَلَوْ جَاءَتْهُمْ

كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ (سورۃ یونس: 96-97)

”جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے وہ ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے۔“

مزید فرمایا:

﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا﴾ (سورۃ الإسراء: 59)

”ہم نشانیاں اسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ لوگ انہیں دیکھ کر ڈریں۔“

اور ہاں درود پڑھو، مخلوق میں سب سے بہتر اور انسانوں میں سے سب سے پاک ذات پر جو کہ محمد ﷺ ہیں جو صاحبِ حوضِ کوثر اور صاحبِ شفاعت ہیں۔ جس کا حکم اللہ نے تمہیں ان الفاظ میں دیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا ﴿ (سورة الأحزاب: 56)

”پیشک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر پر پس تم بھی اے وہ لوگوں

جو ایمان لائے ہوں ان پر درود بھی بھیجتے رہا کرو اور خوب خوب سلام بھی۔“

اے اللہ زیادہ سے زیادہ درود و سلام اور برکتیں نازل فرما اپنے بندے اور رسول جناب

محمد ﷺ پر۔ اے اللہ! خلفائے اربعہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا اور اپنے

نبی کے تمام صحابہ سے اور تابعین سے اور جو بھی قیامت تک احسان سے ان کی پیروی کرتے

رہیں اور ان کے ساتھ ہم سے بھی اپنے جو دو کرم اور درگزر سے راضی ہو جا اے رحم کرنے

والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔



13

دھوکا اور فراڈ کی سنگینی

21 رجب 1434ھ بمطابق 31 مئی 2013ء



## پہلا خطبہ

الحمد للہ، تمام حمد اللہ کے لئے جو اول بھی ہے آخر بھی، ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اس نے تخلیق کی اور مخلوق کو سنوارا۔ تقدیر مقرر کی اور رہنمائی فرمائی۔ اس کے ہاتھ میں ہر شے کی مکمل ملکیت اور بادشاہی ہے۔ وہ بنا دیتا ہے اس سے کسی کو پناہ نہیں دی جاسکتی۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں، اس کا شکر کرتا ہوں، اس کی طرف توبہ کرتا ہوں، اس سے استغفار کرتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قیامت سے پہلے مبعوث فرمایا۔ بشیر و نذیر بنا کر اور اللہ کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔ تو اللہ کا پیہم درود و سلام آپ پر اور آپ کے اہل بیت اطہار پر آپ کی ازواجِ امہات المؤمنین پر اور آپ کے تمام صحابہ پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

لما بعد!

لوگو! میں تمہیں اور اپنے آپ کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور جان لو کہ یہ دنیا گزر گاہ ہے، قرار کی جگہ نہیں۔ اللہ نے تمہیں اس میں خلیفہ بنایا ہے کہ دیکھے تم کیا عمل کرتے ہو۔

﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ  
لِّلْعَبِيدِ﴾ (سورۃ فصلت: 46)

”جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لیے اچھا کرے گا، جو بدی کرے گا اس کا

دبلا اسی پر ہو گا، اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔“

لوگو! سادہ لوح مومن پاک دل اور اچلے مظہر کا حامل ہوتا ہے، اس کے دل میں کسی

کے لئے حسد ہوتا ہے نہ کینہ۔ اس کے بولنے سے پہلے اس کا ضمیر تم پر کھل جاتا ہے اور اسکی شکل سے ہی تمہیں اسکے باطن کی خبر مل جاتی ہے۔

وَمَهْمَا تَكُنْ عِنْدَهُ مِنْ خَلِيقَةٍ \*\*\* وَإِنْ خَالَهَا تَخْفَى عَلَى النَّاسِ تُعَلِّمُ  
”اور اگر آدمی میں کوئی ایسی عادت ہے جسے وہ گمان کرتا ہے کہ وہ لوگوں پر مخفی ہے، لیکن درحقیقت وہ لوگوں پر ظاہر ہوتی ہے“

اس کا حسن گفتار، اس کے چہرے کے تاثرات اور اس کی زبان حال اس کی پوشیدہ عادتوں کے بیان کے لئے کافی ہیں۔ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے اور ہر برتن سے وہی نیکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔

اے مسلمان! اچھی بات ہے کہ لوگ تمہیں ویسے ہی دیکھیں جیسے کہ تم ہو! اس میں کوئی دھوکہ، فریب، غلط بیانی نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی اچھی بات ہے کہ تم بھی اپنے عمل میں ایسی چیز کا تکلف نہ کرو جو تم میں نہیں اور جو کچھ موجود ہے اس میں بخل نہ کرو۔ لوگ تمہیں ایسا ہی دیکھیں جیسا کہ تم انہیں دیکھنا چاہتے ہو تاکہ نہ تو تم ان میں کوئی نقص نکالو اور نہ وہ تم میں کوئی برائی تلاش کرتے پھریں۔

لوگوں کو جانچنے سے پہلے خود کو جانچو، جھوٹ کے لبادے نہ اوڑھو، ایسا لقب اختیار نہ کرو جو درحقیقت تمہارا لقب نہیں، اللہ نے اگر تمہیں کمزور بنا تو اسے بنایا ہے تو خود کو شیر ظاہر نہ کرو۔ خود کو ایسی چیز سے مالا مال ظاہر نہ کرو جو تمہیں عطا نہیں ہوئی۔ ایسا کرو گے تو جعلی وردی پہننے والے کی طرح ہو گے۔

عَنْ أَسْمَاءَ، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي صَرَّةً، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ إِنْ تَشَبَعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَ الَّذِي يُعْطِينِي؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمُنْتَسَبُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَّابِيسَ تَوْتِي زُورٍ

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ میری ایک سوکن ہے تو اگر میں اپنے شوہر کی طرف سے دی گئی اشیاء کے علاوہ بھی کچھ ظاہر کروں کہ وہ مجھے اس کی طرف سے ملی ہیں تو کیا مجھے گناہ ہو گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”کہ ایسی چیزوں کے متعلق اظہار کرنے والا یوں ہے کہ دو کپڑے جھوٹے پہنے ہوئے ہو۔“ (صحیح بخاری: 5219)

اللہ اکبر، یہ حدیث کس قدر عظیم ہے۔ اللہ اکبر یہ ہمارے حال کے کس قدر قریب ہے۔ اس حدیث کی شرح کرنے والوں نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص ایسی چیز سے مالا مال ہونے کا تاثر دیتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہے اور لوگوں کی نگاہ میں جو عزت پاتا ہے تو وہ اسی طرح مذموم ہے جیسے جعلی وردی زیب تن کرنے والا مذموم ہوتا ہے۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ اس قسم کے لوگ ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ ہیں کتنے لوگ ہیں جو ایسا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں جو اس کا نہیں۔ کتنے غریب آدمی ہیں جو خود کو دولت مند ظاہر کرتے ہیں۔ کتنے بخیل ہیں جو خود کو سخی باور کرواتے ہیں۔ کتنے کند ذہن ہیں جو خود کو ذہین جتلاتے ہیں، کتنے جاہل ہیں جو خود کو عالم شمار کرتے ہیں۔ یہ سب وہ ہیں جو لوگوں سے ایسے امور پر تعریف چاہتے ہیں جن سے یہ بے بہرہ ہیں اور ان سے ان کا ادنیٰ تعلق بھی نہیں ہوتا۔

ان کی مثال اس مٹی کی سی ہے جو بھول کر شیر بننے کی کوشش کر رہی ہو یا اس مچھر کی جو شاہین ہونے کے وہم میں مبتلا ہو۔ بخدا یہ ایسا تکبر ہے جس کے اثرات سے اللہ کی پناہ۔ کچھ شک نہیں کہ لوگ اس قسم کا اظہار کرنے والوں کو نفرت و حقارت سے ہی دیکھیں گے۔ اگر اس کے سامنے نہیں تو اس کی عدم موجودگی میں ضرور زبانیں کھولیں گے اور یہ بدترین حماقت ہوتی ہے کہ جلسازی کا اظہار کرنے والا یہ بھی فراموش کر بیٹھے کہ لوگ حقیقت حال

سے واقف ہیں۔

ان لوگوں کی یہ حرکت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتے، اور لوگوں سے بے حقیقت تعریف کی چاہت انہیں اس فتنہ میں مبتلا کرتی ہے۔ اسی طرح اس کی وجہ ان کا تکلف کی طرف میلان اور دھوکے اور فریب سے حقیقت پر پردہ ڈالنے کا شوق، یہ ایسی عادتیں ہیں کہ ان میں سے کم تر بھی بہت بری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "عَجِبْتُ لِمَنْ يُقَالُ: أَنَّ فِيهِ الشَّرَّ الَّذِي يَعْلَمُ أَنَّهُ فِيهِ كَيْفَ يَسْحَطُ!؟ وَعَجِبْتُ لِمَ يُوصَفُ بِالْخَيْرِ الَّذِي يَعْلَمُ أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ كَيْفَ يَرْضَى!؟"

”مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں کہا جائے کہ اس میں فلاں عیب ہے اور وہ خود بھی جانتا ہے کہ اس میں وہ عیب ہے تو اس پر ناراض کیوں ہوتا ہے اور مجھے اس پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں یہ خوبی ہے اور وہ خود بھی جانتا ہے کہ اس میں یہ خوبی نہیں ہے تو وہ خوش کیوں کر ہوتا ہے۔“

اک سچا مومن، اللہ کے بندو! جھوٹ نہیں بولتا، کسی خوبی سے محروم شخص جو اس سے مالا مال ہونے کا تاثر دیتا ہے لوگوں کے دلوں میں اس کے سچا ہونے کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ جھوٹ کو شریعت بھی رد کرتی ہے اور انسانی فطرت بھی اس کو پسند نہیں کرتی۔ ابوسفیان نے اسلام لانے سے قبل ہر قل کے ساتھ نبی ﷺ کے بارے میں گفتگو میں کہا تھا:

«قَوْلَ اللَّهِ لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ أَنْ يَأْتُرُوا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَّبْتُ عَنْهُ»

”اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ فکر نہ ہوتی کہ یہ لوگ میرا جھوٹ پکڑ لیں گے تو میں آپ

ﷺ کے بارے میں جھوٹ بول دیتا۔“ (صحیح بخاری: 7)

یہ جھوٹ اور فریب ہے جس نے معاشروں کو اپنی اجتماعی، سیاسی، علمی اور اقتصادی نیز زندگی کے ہر شعبہ میں دھوکے میں رکھا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ دوسروں کے کندھوں پر چڑھ کر ایسے بن رہے ہوتے ہیں کہ گویا یہ سر بلندی انہوں نے اپنی محنت سے حاصل کی ہے۔ اس طرح کی ہم نے بہت ساری کامیابیاں اور کارنامے دیکھے ہیں جن کا دعویٰ کچھ اور لوگ کر رہے ہیں جبکہ وہ دریافت یا ایجاد کسی اور کی مرہون منت ہوتی ہے۔

کتنی موفقات ہیں جن کا سہرا کچھ لوگ اپنے سر باندھ رہے ہوتے ہیں جبکہ درحقیقت وہ کسی اور کی کاوش کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ ایسی ڈگریوں کا دعویٰ کر رہے ہوتے ہیں جو انہوں نے حاصل نہیں کی ہوتیں اور نہ ان میں ان کی اہلیت ہوتی ہے صرف شہرت، عہدے یا مال کی وجہ سے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ علمی، سیاسی یا معاشرتی اعتبار سے ایسا لقب اختیار کر لیں جو انہیں درحقیقت حاصل نہیں ہوتا۔

اور لوگوں کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لقب انہوں نے تجارت، شہرت یا منصب کے اظہار سے اختیار کئے ہوئے ہیں جس سے وہ اپنے کسی نقص پر پردہ ڈال رہے ہوتے ہیں اور اپنی جھوٹی انا کو تسکین دینے کا سامان کر رہے ہوتے ہیں جو کبھی سرد ہونے والی نہیں ہوتی۔

إِذَا لُقِبَ الدُّكْتُورَ مِنْ كَانٍ تَاجِرًا \*\*\* وَسُئِيَ شَيْخًا كُلِّ مَنْ زَادَ مَالُهُ  
وَقَدْ قَامَ بِالتَّنْظِيرِ كُلِّ مُهَرِّجٍ \*\*\* وَقَدْ بَانَ عِنْدَ النَّاسِ جَهْرًا ضَلَالُهُ  
فَذَلِكَ -لَعَمْرُ اللَّهِ- أَسُّ بَلِيَّةٍ \*\*\* وَذَلِكَ طَبَعٌ فِي الْوَرَى يُرْتَى لَهُ

”جب ڈاکٹر کا لقب اسے مل جائے جو درحقیقت تاجر ہے اور جس کا مال زیادہ ہو اسے شیخ کا خطاب مل جاتا اور یہ گلا پھاڑنے والا خود کو مثالی شخصیت کے طور پر پیش کرنے لگے جبکہ لوگوں پر اس کی گراہی عیاں ہو تو اللہ کی قسم یہی تو مصیبت کی جڑ ہے۔ اور یہ ایسی عوامی حالت ہے جس کا ماتم کیا جانا چاہئے۔“

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: "من حَسُنَتْ نَيْتُهُ فِي الْحَقِّ - وَلَوْ عَلَى نَفْسِهِ - كَفَاهُ اللَّهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ ، وَمَنْ تَزَيَّنَ بِمَا لَيْسَ فِيهِ شَأْنُهُ اللَّهُ ."  
 "جس کی نیت حق کے بارے میں صاف ہو خواہ خود اسی کے متعلق کیوں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف سے اس کی کفایت فرماتا ہے۔ اور جو شخص ایسی خوبی کا حامل ہونے کا اظہار کرتا ہے جو فی الحقیقت اس میں نہیں تو اللہ اس کا عیب ظاہر کر دیتا ہے۔"

اور ان لوگوں میں جو ایسے کمالات سے خود کو متصف کرتے ہیں جو درحقیقت ان میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے یعنی بڑے بڑے امور میں بے دھڑک رائے دینے والا، نیم حکیم، خود ساز عالم جو حق بات کرنے اور حق کی نصرت میں ہمیشہ پیچھے رہتا ہے اور جھوٹی تعریف اور بے بنیاد ستائش کا متمنی رہتا ہے۔

اور ان فریب خوردگان کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ ہر پمکد ار چیز سونا نہیں ہوتی۔ سچا وہ ہوتا ہے جسے لوگ سچا مانیں۔ اس کے ماضی اور مستقبل سے قطع نظر وہ امیر ہو یا غریب وہ کمزور ہو یا توانا۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

«أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُتَأَفِّفِينَ، فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، كَانُوا إِذَا خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْعَرَبِ تَخَلَّفُوا عَنْهُ، وَفَرَحُوا بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ اعْتَدَرُوا إِلَيْهِ، وَحَلَفُوا وَأَحَبُّوا أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا» فَتَرَلَّتْ:

«لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ

يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّاهُمْ بِمَقَارَةِ مِنَ الْعَذَابِ» (سورة آل عمران: 188)

”رسول ﷺ کسی غزوہ کے لئے جاتے تو منافقین پیچھے رہتے یا جب آپ ﷺ واپس آتے تو بہانے کرتے اور قسمیں اٹھانے اور رسمی کاموں پر اپنی تعریف کے خواہاں ہوتے جو انہوں نے کئے ہی نہ ہوتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”تم ان لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف انہیں حاصل ہو جو فی الواقع انہوں نے نہیں کیے ہیں حقیقت میں ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔“ (مسلم: 2777)

### دوسرا خطبہ

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور جانو کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص خود کو ایسی چیز کا مالک ظاہر کرے جو اس کی نہیں یا ایسی صفت سے متصف ظاہر کرے جو اس میں نہیں تو اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے پورا لباس ہی جھوٹا پہن رکھا ہے۔ اللہ کے بندو! جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ تمثیل اس لئے فرمائی کہ افراد اور معاشرے پر اس چیز کے اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں۔ اور یہ بات شہادات، معاملات اور اخلاق غرض تمام امور میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس نے جھوٹ کے دو کپڑے اوڑھ رکھے ہیں تو ایک جھوٹ تو اس کا اپنے آپ پر ہوتا ہے کہ وہ خود کو ایسی چیز کا مالک ظاہر کر رہا ہے جو اس کی نہیں اور دوسرا کپڑا اس کا دوسرے پر جھوٹ ہے کہ اس نے اسے یہ دیا ہے حالانکہ اس نے دیا نہیں۔ اور یہ حرکت بسا اوقات کبیرہ گناہ کے ارتکاب تک پہنچا دیتی ہے۔ یعنی لوگوں کے حقوق پر ناجائز قبضہ کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”مَنْ افْتَتَحَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ، فَقَدْ اَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: وَإِنْ قَضِيًّا مِنْ أَرْأَيْكَ“ (صحیح مسلم: 137)

”جس نے کسی مسلمان کا حق اپنی جھوٹی قسم سے ہتھیالیا تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا اور جہنم واجب کر دے گا۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگرچہ معمولی چیز ہو؟ تو فرمایا: ہاں اگرچہ پیلو کی چھڑی ہی ہو۔

اسی میں زمینوں پر ناجائز قبضہ بھی آتا ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

«مَنْ افْتَقَطَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللَّهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ» (صحیح مسلم: 1610)

”جس نے باشت بھر زمین پر ناجائز قبضہ کیا، قیامت کے دن ساتوں زمینوں سے ان کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔“

یہیں پر بس نہیں، اللہ کے بندو! کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے دیئے ہوئے پر قانع نہیں ہوتے وہ خود کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کسی اور قبیلے کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں۔ یہ بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اس پر وعید شدید وارد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ - وَهُوَ يَعْلَمُهُ - إِلَّا كَفَرَ، وَمَنْ ادَّعَى قَوْمًا لَيْسَ لَهُ فِيهِمْ، فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» (بخاری: 3508)

”جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف نسبت کرتا ہے جبکہ اس کو اس بات کا علم بھی ہے تو وہ اللہ کے ساتھ کفر کر رہا ہے اور جو شخص اپنی نسبت کسی ایسی قوم کی طرف کرتا ہے جن میں سے وہ نہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔“

اور یہ گناہ اور بھی شنیع ہوتا ہے جب کہ زیادہ تر لوگ نبی ﷺ کے گھرانے کی طرف منسوب ہوتے ہیں جبکہ اس نسبت کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ صرف ایسی چیز کا اظہار ہے جو اسے حاصل نہیں اور ایسا افتخار ہے جو اگر حق بھی ہو تو اس پر فخر کرنا درست نہ



ہو گا۔ لیکن یہ لوگوں پر اور جناب رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ ہے۔

اللہ ایسے شخص پر رحم فرمائے جو اپنی حیثیت سے واقف ہے اور اللہ کی تقسیم پر راضی ہے اور معاشرہ کی تعمیر میں ایک اچھی اینٹ بنتا ہے۔ امانت و صداقت کو اپنا شعار بناتا ہے اور حقائق کو توڑنے مروڑنے اور چھپانے کی کوشش سے بچتا ہے۔ اور اللہ ہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

اے اللہ زیادہ سے زیادہ درود و سلام اور برکتیں نازل فرما اپنے بندے اور رسول جناب محمد ﷺ پر۔ اے اللہ! خلفائے اربعہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا اور اپنے نبی کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور تابعین رضی اللہ عنہم سے اور جو بھی قیامت تک احسان سے ان کی پیروی کرتے رہیں اور ان کے ساتھ ہم سے بھی اپنے جو دو کرم اور درگزر سے راضی ہو جا، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔



## پہلا خطبہ

یقیناً ہر طرح کی حمد و ستائش کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہم اس کی تعریف کرتے، اس سے مدد چاہتے، بخشش مانگتے اور اسی کی جانب توبہ کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں اور برے اعمال کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت یاب نہیں کر سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾ (سورۃ آل عمران: 102)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (سورۃ النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۚ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورة الأحزاب: 70-71)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“  
حمد و ثناء کے بعد، اے لوگو!

اللہ تعالیٰ نے امتِ اسلامیہ کو یہ امتیاز بخشا ہے کہ یہ زندگی کے تغیرات اور تبدیلیوں کے متعلق بہترین رویہ اپناتی ہے۔ چنانچہ امتِ اسلامیہ کے افراد خوشحالی میں شکر ربِ جلیل کرتے ہیں اور پریشانی میں صبر جمیل اپناتے ہیں۔ اگر وہ مدد سے نوازے جائیں تو سمجھتے ہیں کہ مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے اور اگر شکست خوردہ ہوں تو یقین رکھتے ہیں کہ یہ ان کی اپنی طرف سے ہے جیسا کہ ان کے پروردگار نے بھی انہیں یہی سکھایا ہے۔ فرمایا:

﴿أَوْلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (سورة آل عمران: 165)

”اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو گنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے اے نبی (ﷺ)! ان سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

عصر حاضر میں امتِ اسلامیہ کو معلومات کے آتش فشاں پہاڑ اور بے ہنگم تکنیکی

طوفان کا سامنا ہے جس نے فاصلے مٹا ڈالے ہیں اور پوشیدہ چیزیں عیاں کر ڈالی ہیں۔ جسم کو آسائشیں مہیا کرنے اور روح کو مفلوک بنانے والی تہذیب سے پھوٹنے والے اس طوفان کا نتیجہ یہ نکلا کہ ساری دنیا ایک متحدہ ہلاک کی شکل اختیار کر گئی جس میں قوم عاد کی سرکشی، قوم لوط کی نافرمانی، فرعون اور اس کی قوم کا جادو، اہل مدین کا کم تولنا، قوم نوح کا استہزاء اور برادران یوسف کی مکارانہ چال جیسے تمام جرائم اکٹھے ہو چکے ہیں۔

ہماری امت بھی اس آگ کے شعلوں سے متاثر ہوئی ہے اور انہیں تہذیب کا معرکہ اپنے تمام تر عیوب اور مصائب و آلام کے ساتھ درپیش ہے۔ اس نے ان کی گرمی کو کھولنے میں بدل ڈالا ہے، درد کو تکلیف میں تبدیل کر ڈالا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے بہت سارے افراد کے دلوں میں ناامیدی کے مکڑوں نے مایوسی کے جالے بن ڈالے ہیں اور انہیں اس قدر پریشانی لاحق ہو چکی ہے جیسے کسی آدمی کا سینہ اس درجہ تنگ اور رکاوٹوں سے گویا کہ وہ بلندی پر چڑھ رہا ہے۔

ان کے مصائب بے پناہ ہو چکے ہیں، ان کی امیدوں پر شب خون مارا جا چکا ہے، ان کی زمینیں، بستیاں املاک اور قلعے اجاڑ دیئے گئے ہیں اور انہیں ہر طرح کی پریشانی میں دھکیل دیا گیا ہے تاکہ وہ مشرق کے متعلق مسخ شدہ حقائق کا تلخ گھونٹ نگل لیں اور ساتھ ہی ساتھ ظلم و ستم کی چکی میں بھی پتے رہیں صرف اس بناء پر کہ یہ اعتراف کر لیں کہ ان کا حق باطل اور ان کے حریف کا باطل حق ہے۔

اس تہذیب کا کھوٹا پن، اس میں عدل کی پامالی اور انسانی حقوق کے نام سے پکاری جانے والی چیزوں کے بھیانگ چہرے کی حقیقت اس بات سے کھل کر آشکار ہوئی ہے کہ اس میں امت اسلامیہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ٹینکوں اور لڑاکا طیاروں کی گھن گرج ہے جو بغیر کسی نگران، محاسب، ذمہ داری اور انسانی ہمداری کے ان کے چیخوڑے اڑا رہے ہیں۔ تاہم امت

اسلامیہ اس اعتبار سے بڑی ہی قابل قدر امت ہے کہ اس کے معاملات کتنے ہی تنگی کا شکار کیوں نہ ہو جائیں۔ یہ کرائے پر بین کرنے والی کی کھوج کرید میں نہیں پڑتی اور نہ کسی ایسی دایہ کی تلاش میں پڑتی ہے جو اس کے تمام امور اپنی چھاتی کے سپرد کر کے مطمئن ہو جائے کیونکہ آنسو ادھار نہیں دیئے جاسکتے اور رونے سے مردہ زندہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امت اسلامیہ کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ یہ سب سے پہلے اپنے خالق کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے اور پھر اپنی مشکل کے خاتمے کے لئے قاعدین امت کی رسی کو اتحاد و اتفاق کے ساتھ تھام لے، اپنی پوری کوشش اور طاقت سے دفاع کرے اور ان یتیموں، یواؤں اور زخیوں کے آنسو پونچھے جنہیں ظلم، قہر اور ستم کی چکی میں پستے ہوئے ایک لبا عرصہ بیت چکا ہے۔

امت اسلامیہ کے پاس اس کے دین کا ایسا سرچشمہ موجود ہے جس کے ذریعے یہ تمام امتوں میں سے مضبوط ترین اور راست رو امت بن سکتی ہے بشرطیکہ یہ دینی بنیاد پر متحد رہے اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں باہمی تعاون کی روش اپنائے۔ اگر اسے یہ چیز حاصل ہو گئی تو اس کے دشمن کے لئے قطعاً ممکن نہ ہو گا کہ وہ اسے قتل کر سکے اور نہ یہ ممکن ہو گا کہ اس کا جنازہ لے چلے اگر اس بارے میں وہ سوچنا بھی چاہے گا تو اس کی سوچ ناکام و نامراد ہو کر اسی کی طرف پلٹ جائے گی۔

کیونکہ امت اسلامیہ کمزور تو ہو سکتی ہے لیکن ختم نہیں ہو سکتی۔ شکست سے دوچار ہو سکتی ہے لیکن جھک نہیں سکتی۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ \* إِنْ يَمَسُّكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۗ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ \* وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَيَمْحَقَ

الکفرین﴾ (سورۃ آل عمران: 139-141)

”دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو، اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں، اور وہ اس آزمائش کے ذریعہ سے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا۔“

اے بندگانِ الہی!

امت اسلامیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہر تنگی میں کشادگی اور ہر پریشانی میں آسانی کے لئے پر امید رہے۔ حضور ﷺ نے پر امید رہنے کا حکم دیا ہے اور بد شکونی سے منع کیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”وَيُعْجِبُنِي الْقَالُ. قَيْلٌ: وَمَا الْقَالُ؟ قَالَ: الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ“

”مجھے نیک شگون پسند ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دریافت کیا کہ نیک شگون کیا ہے تو

آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی اچھی بات۔“ (صحیح مسلم: 2224)

اسی بنا پر امت اسلامیہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنی زندگی میں امید کا پلڑا جھکائے رکھے تاکہ جنگوں اور مشکلات کی ستم رانیاں اس پر غلبہ نہ پاسکیں اور پریشانیوں کی زنجیریں اس کو جکڑ نہ سکیں۔ کیونکہ زمین یا آسمان کی کوئی بھی چیز اللہ کو عاجز نہیں کر سکتی۔ اور پھر امت اسلامیہ حد سے بڑھ جانے یا ظلم کرنے والی امت بھی نہیں ہے۔ بلکہ ظلم، دھوکہ دہی، حقوق کی پامالی، خون کی ہولی کھیلنا اور جیتھڑے اڑانا کبھی بھی اس کا شعار نہیں رہا اور نہ ہی یہ

آئندہ کبھی اس راہ پر چل سکتی ہے۔ بلکہ یہ تو راہ عدل اور بندگی پر کار بند امت ہے۔ کیونکہ جو اللہ کو پہچان لے گا، اللہ اپنی خاص عنایت اور توفیق سے اس کی یادری اور اعانت فرمائے گا اور اس آدمی کے سامنے ناامیدی اور مایوسی کے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں جو اللہ پر اور اس کے اس وعدے پر کامل یقین رکھتا ہو کہ وہ اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر ﷺ کی سنت کو مدد سے نوازے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدَهُ مَا يَغِيظُ﴾  
 ”جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی کوئی مدد نہ کرے گا اُسے چاہیے کہ ایک رستی کے ذریعے آسمان تک پہنچ کر شگاف لگائے، پھر دیکھ لے کہ آیا اُس کی تدبیر کسی ایسی چیز کو رد کر سکتی ہے جو اس کو ناگوار ہے۔“ (الحج: 15)

چنانچہ اے اللہ کے بندو!

ہمیں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور اپنی صفوں میں اتحاد کے لئے کوشاں رہنا چاہئے کیونکہ کوشش ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ اور جدوجہد کی بنیاد پروردگار کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت کی جانب رجوع پر ہونی چاہئے تاکہ ہماری امت کی بنیاد سے بھائی چارے، باہمی ہمدردی اور تعاون کے جذبات جنم لیں۔ کیونکہ امت اسلامیہ کو جس صورت حال کا سامنا ہے یہ کوئی اجنبی کی بات نہیں بلکہ یہ نتیجہ ہے اس تساہل، کوتاہی اور سستی کا جو مسلمانوں نے اپنے دینی بھائیوں کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کی ادا نیگی میں روادار کھی۔ حتیٰ کہ امت اسلامیہ کو دشمنوں کی جانب سے خیر خواہی کے نام پر فریب کاری اور تادیب کے نام پر مصائب کا تختہ بے مشق بنا پڑا اور اس کے لئے درندگی، ظلم و ستم، طاقت آزمائی، اور ظالمانہ تخریب کو اپنا حق سمجھنے اور بہترین اسلوب گفتگو کو چھوڑ کر بدترین اسلوب گفتگو کو اپنانے جیسے تمام حربے اختیار کئے جا



رہے ہیں۔

حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپکو خوفناک خیالی پر چھائیوں کی حد تک بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور دوسروں کے حقوق کو چبائے ہوئے نوالے بنا ڈالا جنہیں وہ ناگواری سے چبانے کے بعد ظالم قوتوں کے پنجوں میں ڈال دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے عالم اسلام کو آج اس صورت حال تک پہنچا دیا ہے کہ اسے کئی ایک جنگوں، زیادتیوں اور پریشانیوں کا سامنا ہے تاکہ عالم اسلام کے لئے امن و امان وہی صورت اختیار کر جائے جو چٹیل میدان میں سراب کی ہوتی ہے اور جسے کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ تاہم

﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

”اللہ تعالیٰ اپنے معاملے میں غالب ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں“ (یوسف: 21)  
اے افراد امت اسلامیہ! یاد رکھو کہ اکٹھے نیزوں کو توڑا نہیں جاسکتا اور بھیڑیاری پوڑے جدا ہونے والی بکری کو ہی خوراک بناتا ہے۔ مسلمانوں کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ ان کی ناامیدی پر ان کی امید کا پلڑا بھاری رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا﴾

”یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا، تو یکایک ہماری مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی۔“ (یوسف: 110)  
معاملہ جب تنگی کی انتہا کو پہنچ جائے تو اس میں کشادگی پیدا ہوتی ہے اور جب زنجیریں مضبوط ہو جائیں تو کھل جاتی ہیں۔ ایک تنگی دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا \* إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ (الشرح: 5-6)

”پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے، بے شک تنگی کے ساتھ

فراخی بھی ہے۔“

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لئے قرآن کریم کو باعثِ برکت بنائے اور مجھے اور آپ کو اس میں موجود آیات اور حکمت بھرے ذکر سے فائدہ پہنچائے۔ مجھے جو کہنا تھا، کہہ دیا ہے، اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی غلطی ہے تو میرے نفس اور شیطان کی طرف سے ہے اور میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں یقیناً وہ بہت ہی بخشنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کی تعریف ہے اور اسکی توفیق و اتمنان پر اس کا شکر ہے۔

حمد و ثناء کے بعد، اللہ کے بندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تمہیں اس بات کا بھی علم ہونا چاہئے کہ شام میں ہمارے بھائیوں پر مصائب ٹوٹ پڑے ہیں۔ انکے خلاف عدوتوں کی یلغار ہے۔ ظلم اور فساد کی قوتیں ان پر عرصہ حیات تنگ کر چکی ہیں۔ وہ ظلم و تسلط کی بھیڑ میں بے یار و مددگار کھڑے ہیں، ظلم ہے اور زیادتی ہے، فائدہ کشی ہے اور بے وطنی ہے۔ یتیم بچے ہیں اور بیوہ عورتیں ہیں جو درد کے مارے روتے ہیں اور بھوک اور تھک کے مارے تڑپتے ہیں ان کی چھتیں ٹپک رہی ہیں۔ ان کی دیواریں رس رہی ہیں، انکے گھر منہدم ہو چکے ہیں۔ گولوں کے ٹکڑے اور شعلے ان پر پیہم برس رہے ہیں اور انکی وادیاں بے روح جسموں اور کھوپڑیوں سے بھر چکی ہیں۔ چنانچہ گھر گھر نہ رہے اور آشیانے آشیانے نہ رہے۔

اللہ کے بندو!

یہ ساری صورت حال ہر ایک کے کندھے پر اللہ کے حضور جو ابدی کا بار ڈال رہی ہے خواہ وہ قائدین ہوں، حکمران ہوں، علماء ہوں، مصلحین ہوں، مفکرین ہوں یا جماعتیں ہوں، تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ شام میں ہمارے بھائیوں پر ڈھائے جانے والے طوفانِ ظلم و ستم کے خلاف منظم اور متحد موقف پر ڈٹ جائیں۔

شام میں ہمارے بھائیوں کے لئے ہم میں سے ہر ایک پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اے امتِ اسلام! اللہ کا، صرف اللہ کا خوف کھاؤ! اللہ کا خوف کھاؤ! اللہ کا خوف کھاؤ! اور اے مسلمانوں کی قیادت! تم بھی اللہ سے! ہاں، ہاں! صرف اللہ سے ڈر جاؤ! اے قائدین امتِ اسلامیہ! اللہ سے ڈر جاؤ! اے قائدین امتِ اسلامیہ! اللہ سے ڈر جاؤ۔

ہمارے بھائی ضرورت مند ہیں کہ ان کے لئے مزید کوششیں کی جائیں، مساعی بروئے کار لائی جائیں اور اس ظلم و سرکشی کو ختم کرنے کے لئے پورا زور لگایا جائے جس کے نوع بہ نوع طریقوں میں بغیر کسی استثناء کے رحم اور شفقت کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ رہے ہمارے شامی بھائی، تو ہم انہیں کہتے ہیں کہ

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (سورة البقرة: 153)

”بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

اور ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ﴾ (سورة النحل: 128)

”ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو نیکو کار ہیں۔“

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بڑا مہربان ہے اور عنقریب وہ اپنے اس وعدے کی رو سے مظلوم کی ضرورت مدد کرے گا جو اس نے اپنے لئے لکھا ہوا ہے۔

اے ہمارے شامی بھائیو!

اس روایت کو غور سے سنو جس کو امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”مستدرک“ میں صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب خبر پہنچی کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا شام میں محاصرہ کر لیا گیا ہے اور ساری قوم اس پر ٹوٹ پڑی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا:

”سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَا بَعْدُ: فَإِنَّهُ مَا يَنْزِلُ بَعْبِدِ مُؤْمِنٍ مَنْزِلَةٌ شَدِيدَةٌ إِلَّا

يَجْعَلُ اللَّهُ لَهُ بَعْدَهَا فَرْجًا، وَلَنْ يَغْلِبَ عُسْرُ يُسْرَيْنِ،

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِظُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (سورة آل عمران: 200)

”تم پر سلامتی ہو“ یاد رہے کہ مومن پر جو بھی مصیبت ٹوٹتی ہے اللہ اس مصیبت کے بعد اس کے لئے کشادگی پیدا کر دیتا ہے اور ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔

”اے مومنو! صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔“  
پھر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب میں لکھا:

”سلامٌ عليك، وأما بعد: فإن الله يقول في كتابه:

﴿اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ وِزْيَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ (سورة الحديد: 20)

”آپ پر سلامتی ہو! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

”خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتاننا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔“ (مستدرک الحاکم: 2/329)

اللہ آپ سب پر اپنی رحمتیں کرے، خیر الوری، صاحب حوض و شفاعت اور بشریت کے پاکیزہ ترین فرد محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھو۔ اللہ نے تمہیں ایک ایسے کام کا حکم دیا ہے جس کی ابتداء خود کی اور پھر باری تعالیٰ کی تقدیس بیان کرنے والے فرشتوں نے اس پر عمل کیا۔ اور پھر تمہیں اللہ نے اس جانب پکارا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ زیادہ سے زیادہ درود و سلام اور برکتیں نازل فرما اپنے بندے اور رسول جناب محمد ﷺ پر۔ اے اللہ! خلفائے اربعہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی سے راضی ہو جا اور اپنے نبی کے تمام صحابہ سے اور تابعین رضی اللہ عنہم سے اور جو بھی قیامت تک احسان سے ان کی پیروی کرتے رہیں اور ان کے ساتھ ہم سے بھی اپنے جو دو کرم اور درگزر سے راضی ہو جا، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔



15

رمضان کے بعد کیا ہو؟

2 شوال 1434ھ بمطابق 9 اگست 2013ء

## پہلا خطبہ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

﴿قَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾

”پردہ شب کو چاک کر کے وہی صبح نکالتا ہے اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے

اسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔“ (الانعام: 96)

وہ شب و روز کو اہل بنیشت کی عبرت کے لئے گردش میں رکھتا ہے۔ آغاز اور انجام میں اسی کی ستائش ہے۔ اسی کو فیصلے کا اختیار ہے اور اسی کی جانب تمہیں لوٹایا جائے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کے لئے حج کرنے، روزہ رکھنے، نماز پڑھنے اور قیام کرنے والوں میں سب سے افضل، آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے طیب و طاہر اہل بیت پر، آپ ﷺ کے صحابہ کرام، تابعین اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر اللہ کی طرف سے افضل ترین رحمت اور پاکیزہ ترین سلامتی کا نزول ہو۔

حمد و ثناء کے بعد، لوگو! میں تمہیں اور اپنے آپ کو اللہ کے تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں، یہی تقویٰ سالکین کا زاد سفر اور ذاکرین کی جمع پونجی ہے۔ اسی سے درجات کی بلندی ملتی ہے اور گناہوں اور برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔

﴿إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾

”حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ کے ہاں ایسے نیک

لوگوں کا اجر مارا نہیں جاتا۔“ (سورۃ یوسف: 90)

اے لوگو! ایک اہل قانون ہے جسے اللہ لوگوں میں جاری رکھتا ہے۔ وہ رات کو دن پر اوزھاد دیتا ہے اور وہ تیز چلتا ہوا اس کے پیچھے چلا آتا ہے، آدمی ان ایام میں ایک زاد راہ سے

دوسرے زادراہ اور ایک نیکی سے دوسری نیکی کی جانب منتقل ہوتا رہتا ہے۔ بندہ ان میں ملنے والے ہر موقع کو غنیمت جانتا ہے، کیونکہ میدان مقابلے کا ہے اور وقت گزرتا جا رہا ہے۔ آدمی کسی بھی بھلائی سے محروم صرف اپنی سستی کی وجہ سے ہوتا ہے اور کسی خیر کو اپنے عزم اور کوشش سے حاصل کر پاتا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں ہر آدمی اپنی جان کا تاجر ہے، وہ اسے آزاد یا ہلاک کر ڈالتا ہے۔ ان موسموں سے فائدہ اٹھانے میں پیچھے رہ جانے والا شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے چلاتا ہے اور اللہ سے امیدیں باندھتا رہتا ہے۔

دنیا کی مثال دسترخوان کی سی ہے۔ اسکی شکم سیری بہت کم وقت کی اور اس کی بھول بہت طویل ہے۔ چنانچہ جو شخص اپنے رہنما ﷺ کی روش پر چلتا ہے، وہی اپنے رب کے حکم پر لبیک کہتا ہے۔

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (سورۃ الحج: 99)

”اور اُس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔“

لوگو! کسی چیز کے ختم ہونے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ تھی ہی نہیں، جو گزر گئی، سو گزر گئی، کل کی بات ہے کہ ہم ایک معزز مہینے کی خوشبو، اپنے سینوں، اپنی سماعتوں اور اپنی بصارتوں کو بہرہ اندوز کر رہے تھے۔ کسی نے کم فائدہ اٹھایا، کسی نے زیادہ، لیکن اللہ کا قانون ہے کہ ہر ابتداء کی انتہاء ہے اور ہر کامل چیز کمی کی جانب آتی ہے۔ اللہ کے سوا ہر چیز ختم ہونے والی ہے، چنانچہ وہی آخر ہے جس کے بعد کچھ نہیں۔ ہمیشہ رہنے والی ذات وہی ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ فرمایا:

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَا مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ﴾

”اور چاند، اُس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے

گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔“ (سورۃ پطرس: 39)



رمضان کا صحیفہ لپیٹ دیا گیا اور خیرات و حسنات سے آباد بازار ختم ہو گیا۔ اس میں جو نفع پانچا گیا، سو پانچا گیا، جو گھائے میں رہا، سو گھائے میں رہا اور جو محروم ہو گیا، وہ محروم ہو گیا۔ اب جو شخص رمضان کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ رمضان تو ختم ہو چکا اور جا چکا ہے اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ وہ تمام مہینوں کا پروردگار ہے۔ کس قدر بری ہے وہ قوم جو اللہ کو صرف رمضان میں پہچانے۔ کیونکہ باقی دنوں اور مہینوں میں بھی رمضان میں مقرر شدہ نیکیاں موجود ہیں۔ اگرچہ رمضان میں یہ نیکیاں ایک ایسی منفرد کیفیت میں ہوتی ہیں جو باقی مہینوں سے ممتاز ہے۔ ورنہ صدقہ، قیام لیل، نقلی روزے، تلاوت قرآن، تسبیح، تہلیل اور نیکیوں کی دیگر تمام اقسام کی خالق کریم نے رمضان کے علاوہ بھی ترغیب دی ہے۔

اسی بناء پر نبی کریم ﷺ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے یعنی اپنی عام زندگی میں، حالانکہ آپ ﷺ رمضان میں پہلے سے بھی زیادہ سخاوت کرتے تھے۔

یہ تو آدمی کے لئے عیب کی بات ہے کہ قوت کے بعد کمزور ہو جائے، نیکی کے بعد برائی کرے، توفیق یافتہ مومن تو وہی ہے جو ڈرنے والے اور امید رکھنے والا ہو، جو اس دن میانہ روی کی چال اپنائے جس دن دوسرے سب ہر چیز چھوڑ بیٹھے ہوں، جو ہر لمحے اور ہر حال میں اللہ کی بندگی کرے، اضافے کے وقت میں زیادہ کرے اور اعتدال کے زمانے میں اعتدال پر عمل پیرا رہے۔ فرمانبرداری سے نہ ٹھکے اور نیکی کے بعد نیکی کرتا رہے۔ رمضان کے بعد اپنی روش اور عمل سے ایسے اعمال ظاہر کرے جو اس کے عمل کی قبولیت کی طرف اشارہ کریں، کیونکہ اس نے اضافے کے بعد کمی سے اپنے نفس کو بچائے رکھا اور اس چیز کا مرکب نہ ہوا جس سے اللہ نے یہ کہہ کر ڈرایا ہے کہ

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَصَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا﴾

”تمہاری حالت اُس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت سے سوت

کا تار پھر آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔“ (سورۃ النحل: 92)

اللہ کی رحمت ہو اس آدمی پر جو رمضان کے بعد بھی اپنے رب کی فرمانبرداری میں لگا

رہا اور جس خالص توبہ کا اس نے اپنے خالق سے یہاں کیا ہے، اس پر مضبوطی سے کاربند رہا۔

اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہا اور آگ سے آزادی کا سوال کرتا رہا۔ کیونکہ خواہش نفس

فریب کار ہے۔ جس نے مضبوط حصار کو قوت سے اپنائے رکھا، وہ خواہش نفس سے محفوظ ہو

گیا اور اپنے اللہ سے نہ ٹوٹنے والا تعلق جوڑ لیا خواہ جیسے بھی دن یا مہینے آتے رہیں۔

چنانچہ وہ تسلسل سے فرمانبرداری کرتا رہا اور بغیر کسی تھکان یا سستی کے اوقات کے

مطابق اپنے نفس کو عبادت سے باغ و بہار بناتا رہا۔ اگر فرمانبرداری مجاہدہ نفس اور صبر کا تقاضا

کرتی ہے تو اس فرمانبرداری پر استقامت اس سے بھی بڑے مجاہدہ نفس اور صبر کا تقاضا کرتی

ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا

تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ \* نَحْنُ

أُولَئِكَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَى

أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ﴾ (سورۃ فصلت: 30-31)

”جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً

ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ”نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور خوش ہو

جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں

بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا

اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی۔“

چنانچہ اے اہل توبہ! جاگو اور رمضان کے بعد اس بچے کی مانند نہ ہو جاؤ جو دودھ چھوڑنے کے بعد سستی اور ناکامی کا دودھ پیتا ہے کیونکہ بیماری کے بعد بیماری کا عود کرنا زیادہ خطرناک ہے اور توبہ کے بعد گناہ کرنا توبہ سے پہلے گناہوں سے زیادہ برا ہے۔

یاد رکھئے کہ جو شخص اس کام کو کرتا ہے، جس کے ساتھ اسے نصیحت کی گئی ہے توبہ اس کے لئے بہتر ہو گا اور دنیا و آخرت میں نیک عمل اور دائمی نعمتوں کے لئے مفید ہو گا۔

﴿يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي  
الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾

”ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت، دونوں میں ثابت عطا کرتا ہے، اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔“ (سورۃ ابراہیم: 27)

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لئے قرآن و سنت میں برکت دے اور مجھے اور آپ کو ان میں موجود آیات و حکمت سے فائدہ پہنچائے۔ میں نے اپنی بات کہہ دی ہے اگر درست ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کی طرف سے ہے۔ میں اللہ سے بخشش کا طالب ہوں یقیناً وہ بہت بخشنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اسکی تعریف ہے اور اس کی توفیق و امتنان پر اس کا شکر ہے۔

حمد و ثناء کے بعد! اللہ نے ہمارے لئے عید مقرر کی ہے جس میں فرحت اور سرور ہے اور کوشش کرنے، کمرہمت باندھنے اور مصروف رہنے والے مہینے کے بعد کشادگی ہے اس میں اللہ کی کوئی عظیم حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے تاکہ مسلمان اپنے نفس اور جسم کو زندگی

کے تمام موسموں اور مشکلات کو سنبھالنے کا عادی بنانے اور تسبیح، قیام، تلاوت اور آہ و زاری والے مہینے کے بعد محبت، خوشی، تعلق، کشادگی اور فرحت والی عید سے لطف اندوز ہو۔

اللہ تعالیٰ نے روزوں والی آیت کو تقویٰ پر ختم کیا ہے کیونکہ روزوں میں اس کا قرب بڑھانے والی نیکیاں ہیں اور عید والی آیت کو تکبیر پر ختم کیا کیونکہ اس میں خوشی، فرحت اور شادمانی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلْيُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلْيُكْتَبِرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُونَ﴾ (سورة البقرة: 185)

”تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز

کیا ہے، اُس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔“

یاد رکھیے کہ نیکی پر استقامت فراہم کرنے میں سب سے بڑی معاون شے یہ ہے کہ آدمی عید پر اعتدال سے خوشی منائے اور ایسا نہ ہو کہ خوشی میں ایسا تجاوز کرے جو اللہ کی ناراضی کا سبب بنے۔

اسی طرح دوسری طرف اپنے نفس کو اس چیز کے معاملے میں تنگی میں بھی نہ ڈالے جس میں اللہ نے کشادگی رکھی ہے تاکہ گھل کر مرنے یا ہلاک ہونے والوں میں سے نہ ہو جائے۔ وہ ان لوگوں کی مانند خوشی منائے جن کا اپنے رب سے تعلق مضبوط ہوتا ہے نہ کہ ان لوگوں کی طرح جو غفلت میں ڈوبے ہوتے ہیں جن کی حرکات سے پتا چلتا ہے کہ گویا رمضان تو ان کی بے ہودہ کاری اور ناجائز خوشی میں رکاوٹ تھا۔

بہترین امور درمیانے ہوتے ہیں۔ ہمیں حضور ﷺ کی یہ نصیحت یاد رکھنی چاہئے کہ

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِنًا مِنْ شَوَالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ»

”جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ

سارے سال کے روزوں کے مترادف ہے۔“ (صحیح مسلم: 1164)

اللہ کے بندو! تمہاری یہ عید اور خوشی تمہیں اس مصیبت سے ہر گز غافل نہ کر دے جس کا سامنا تمہارے بھائی کر رہے ہیں جنہیں نہ عید میسر ہے، نہ خوشی اور سرور۔ جن کے لئے جنگ کے تباہ کن آلات اور بموں کی آوازوں میں تمام مہینے برابر ہیں۔ جن کی پلکیں کم ہی نیند سے آشنا ہوتی ہیں۔ کوئی گھرانہ مقتول، زخمی یا لاپتہ فرد سے خالی نہیں، جو ایک عرصے سے مظلوم، ننگے پاؤں، بھوکے اور کمزور ہیں، زمین ان کا بستر ہے اور ہوا کا لحاف اوڑھتے ہیں۔

چنانچہ اللہ کا واسطہ، اللہ کا واسطہ، عید کی خوشی تمہیں ان کے غم اور دکھ نہ بھلا دے چنانچہ ان کے لئے دعا بھی کرو، انہیں اپنی دلی ہمدردیوں سے محروم نہ کرو اور نہ ہی مادی ہمدردی سے محروم کرو، ان کی مدد، حمایت اور غم خواری کرو کیونکہ اللہ اس وقت تک بندے کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے۔

اور خیر البشر، صاحب حوض و شفاعت محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھو۔ اللہ نے تمہیں ایک ایسے کام کا حکم ہے جس کی ابتداء اس نے خود کی ہے۔ پھر اس کے بعد اس حکم پر اس کی تسبیح پڑھنے والے فرشتوں نے عمل کیا ہے اور پھر تمہیں بھی اس نے آواز دی ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورة الأحزاب: 56)

”اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے مومنو! تم بھی ان پر درود

و سلام بھیجو۔“



## پہلا خطبہ

توصیف و ثناء کے کلمات اس اللہ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندوں کو دین متین اور شریعت سے نوازا، انہیں سید المرسلین کی اتباع کرنے اور آپ ﷺ کی سنت کو تھامنے کی راہ دکھائی اور ان پر اپنے وسیع تر فضل اور عظیم رحمت کی برکھا برسائی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کو پکارنا سچا پکارنا ہے کہ جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، رات بھی چھاتے وقت اسی کی تسبیح بیان کرتی ہے اور صبح بھی اپنی نمود کی ساعت میں اسی کی تقدیس بیان کرتی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے، اس کے رسول، سید المرسلین اور تابندہ جبین امت کے قائد ہیں جنہوں نے پیغام پہنچایا، امانت ادا کی، امت کی خیر خواہی اور اللہ کے راستے میں کاوش و جاں فشانی کا حق ادا کر دیا۔ لہذا آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے پاکیزہ اور طاہر اہل بیت پر، آپ ﷺ کی بیویوں یعنی اہبات المؤمنین پر نیز آپ کے صحابہ، تابعین اور تاقیامت ان کی پیروی کرنے والے تمام افراد پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمتوں اور بے پناہ سلامتی کا نزول ہو۔

## حمد و ثناء کے بعد!

لوگو! اللہ کا تقویٰ یوں اپناؤ جیسے اپنانے کا حق ہے، اسلام کے مضبوط حصارِ عافیت میں آ جاؤ اور جان لو کہ بہترین بات اللہ کا کلام ہے اور بہترین سیرت، سیرت محمد ﷺ ہے، سب سے برے امور وہ ہیں جو نو ایجاد ہوں، ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ اور جو ان سے علیحدہ ہو، آگ کی جانب علیحدہ ہوتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

سَبِيلَ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُضَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۱۱۵﴾  
 ”مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور  
 روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں  
 گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار  
 ہے۔“ (سورۃ النساء: 115)

اللہ کے بند واکامران اور توفیق سے بہرہ مند آدمی وہ ہے جو اپنے پروردگار پر ایمان  
 لائے، اس کے پیغمبر ﷺ کی تصدیق کرے، نیک اعمال بجالائے اور برائی سے بچنے کیلئے اسلام  
 کو اپنا رہبر و رہنما جانے اور اس کا مل شعور کی مدد سے ایسی کسوٹی بہم پہنچائے جس کے ذریعے  
 پاک کو ناپاک سے اور خوشنما کو بد نما سے علیحدہ کر سکے۔

اس کے پاس ایسی حکمت، ایسا حلم اور غور و فکر کی ایسی صلاحیت ہو کہ اپنے مالک کے  
 فضل سے وہ برائی کے نمودار ہونے سے قبل ہی اس سے بچنے کا سامان کر سکے یا اس کی نمود کے  
 بعد اس کا ازالہ کر سکے چنانچہ یوں وہ دونوں حالتوں میں اس کے واقع ہونے کو قبول نہ کرے۔  
 اگر ہم اس خوبصورت چلن کے پیچھے چھپے راز کا کھوج لگائیں تو ہمیں ایک اہم خصلت کا  
 پتا چلے گا جس سے مومن بہرہ مند ہوتا ہے اور وہ اس مٹھی بھر جماعت کا فرد ہوتا ہے جو اس  
 سے متصف ہوتی ہے جب کہ لوگوں کی کثیر تعداد اس سے محروم ہے اور وہ خصلت ہے:  
 درست فکری۔

جی ہاں، صحیح سوچ ہی وہ خصلت ہے جو احساس اور لطافت کی سلامتی میں نمایاں ہوتی اور  
 انہیں ایسے موثر عوامل سے محفوظ رکھتی ہے جو حقیقت پسندی اور معقولیت کو پس منظر میں  
 لے جانے والے ہوتے ہیں۔ یہی وہ خصلت ہے جس کے ذریعے مابین السطور کو پڑھنا اور خالی  
 حروف پر نقطے لگا کر اصل نتیجے تک پہنچنا ممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ صحیح فہم محض سماعت اور



بصارت سے ایک زائد چیز ہے۔ ہر دیکھنے والا دیکھی ہوئی چیز کو صحیح سمجھ نہیں سکتا اور ہر سننے والا سنی ہوئی چیز کا درست ادراک نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے۔

﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِينَهَا أُذُنٌ وَاعْيُنٌ﴾ (سورة الحاقة: 12)

”تا کہ اس واقعہ کو تمہارے لیے ایک سبق آموز یادگار بنادیں اور یاد رکھنے والے کا اس کی یاد محفوظ رکھیں۔“

چنانچہ اللہ کے بندو! صحیح سوچ سنی اور بصری احساس سے بلند درجہ ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

«انصَرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَاتِي فَوَعَاَهَا» (جامع ترمذی: 2658)

”اللہ اس آدمی کو خوش و خرم رکھے جو میری بات سنے اور پھر اسے صحیح انداز سے سمجھے۔“

ایک مسلمان کو ایسے دور میں بیدار مغز ہونے کی بے حد ضرورت ہے جس میں دھوکا دہی عام ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی، فریب کاری اور تلبیس آنے روز کا معمول بن چکا ہے۔

اللہ کے بندو! صحیح سوچ وہ کار بند ہتھیار ہے جو اللہ کے بعد آپ کو کسی دھوکے، فریب یا غفلت کا شکار ہو جانے یا غفلت کے سبب پیش آنے والے کسی ایسے انجام سے بچاتا ہے جو خود آپ کیلئے ناپسندیدہ ہو، اسی طرح یہی ہتھیار آپ کو اس معاملے سے بھی محفوظ رکھتا ہے جس میں آپ صحیح سوچ نگاہوں سے اوجھل ہونے کے سبب ایک سے زیادہ بار ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ حالانکہ درست انداز فکر رکھنے والا مومن اللہ کے فضل سے اس طرح کی ٹھوکر دھوکوں سے محفوظ و مامون ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرِ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ» (صحیح بخاری: 6133)

”مومن ایک ہی بل سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔“

اے بندگانِ الہی! صحیح سمجھ میں امور کے ظاہری جائزے سے زیادہ گہرائی پائی جاتی ہے کیونکہ سرسری جائزے میں مکاری، فریب اور حق کے ساتھ باطل کی آمیزش بھی درآتی ہے چنانچہ یوں یہ کسی شے کے بارے میں فیصلہ کرنے میں غلطی کا سبب بنتا ہے اور پھر اسی غلط فیصلے کے بعد اس شے کے متعلق غلط روش کی بنیاد پڑتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حق کو پرکھنے کیلئے درست انداز فکر محض اس ظاہری شکل سے زیادہ پر اثر ہے جس میں فریب کاری سے کام لیا گیا ہو۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آتا ہے کہ دو عورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئیں جن کا ایک لڑکے کے بارے میں جھگڑا تھا۔ دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ وہ لڑکا اس کا ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ

”اِنَّهُنِي بِاللَّسْكَينِ اَشَقُّهُ بَيْنَهُمَا، فَقَالَتِ الصُّغْرَى: لَا تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ

اللَّهُ، هُوَ اَبْنُهَا، فَقَضَى بِهِنَّ لِلصُّغْرَى“ (صحیح بخاری۔ 3427)

”میرے پاس چھری لاؤ تاکہ میں اسے تم دونوں میں برابر تقسیم کر دوں۔ تو چھوٹی عورت بولی کہ، اللہ آپ پر رحم کرے، آپ ایسا نہ کریں۔ یہ اسی کا (یعنی بڑی کا) بیٹا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔“

یعنی اس عورت کے حق میں فیصلہ دیا جس نے چھری کے ساتھ دو حصے کرنے سے روک دیا تھا۔ حالانکہ وہ یہ اقرار بھی کر چکی تھی کہ یہ دوسری کا لڑکا ہے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے حقیقت حال کو صحیح انداز سے سمجھا اور اس کے ظاہری اقرار کو اہمیت نہ دی اور یہ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اہم ترین اور فیصلہ کن دلیل ہے کیونکہ اگر وہ لڑکا بڑی عورت کا ہوتا تو بڑی عورت کبھی بھی اسے دو حصوں میں تقسیم کرنے پر آمادہ نہ ہوتی۔

اللہ کے بندو! بیدار مغزی سے مراد کوئی فلسفیانہ انداز یا فکری ثروت مندی نہیں ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد وہ قوت ادراک ہے جو بعض اوقات آدمی کو پیدائشی طور پر ملتی ہے اور کبھی کبھار اکتسابی طور پر چنانچہ یہ ایک ایسی صفت ہے جو علم کیلئے معاون اور اس کی تکمیل کرنے والی ہے۔ چنانچہ صحیح انداز فکر ہی سے آپ حقیقت تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اور اپنی دنیا میں پیش آنے والے حقائق کا صحیح علم حاصل کر پاتے ہیں اگرچہ ان میں کچھ تحریف ہی در آئی ہو۔

صحیح فہم ہی سے آدمی کو پتا چلتا ہے کہ کب اسے کسی شے کی تصدیق کرنی ہے اور کب تکذیب، کب اس کیلئے بولنا بہتر ہے اور کب خاموش رہنا احسن ہے۔ صحیح سوچ ہی سے آدمی پہچان پاتا ہے کہ کس شخص سے اسے مدد لینا چاہئے اور کس سے کنارہ کرنا چاہئے۔

اللہ کے بندو!

صحیح سوچ ہی سے آدمی معاملات کو سمجھتا اور ان کے اختلاف کو سلجھاتا ہے تاکہ کسی چیز کے بارے میں اس کا فیصلہ حقیقت حال کی بنیاد پر ہو۔ چنانچہ آدمی کو چاہئے کہ جلدی سے اس شخص کے حق میں فیصلہ نہ دے دے جس کی ایک آنکھ پھوڑی جا چکی ہو جب تک کہ دوسرے شخص کی بات بھی نہ سن لے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں پھوڑی جا چکی ہوں۔ اور کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ

وهبني قلت: هذا الصبح ليلٌ \*\*\* أيعتى العالمون عن الضياء؟!

”فرض کرو کہ میں نے کہہ دیا کہ یہ صبح نہیں، رات ہے تو کیا اصحاب بصارت و بصیرت روشنی سے اندھے ہو جائیں گے؟“

اللہ کے بندو!

بیدار مغزی سے یہ بھی مراد نہیں ہے کہ بدگمانی کو کام میں لایا جائے، یا حقیقت کے

پس پردہ جانے کا تکلف کیا جائے یا انکل پچو لگایا جائے بلکہ وہ تو ایسی دانائی اور ذہانت ہے جو معاملات کو پرکھنے، لوگوں کے حالات جاننے اور واقعات کے متعلق سیر حاصل معلومات بہم پہنچانے کے کام آتی ہے اور یہ سب کچھ ایسی باریک بین نظر سے کیا جائے کہ کوئی ملمع سازی یا تحریض آدمی کو مغالطے میں نہ ڈال سکے۔ درحقیقت یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جس کی ضرورت کبھی تو آپ کو حملے کیلئے اور کبھی دفاع کے لئے ہوتی ہے۔

آدمی اکثر اوقات دھوکے اور فریب کا شکار یا تو فہم کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے یا کلی طور پر اس سے محروم ہونے کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ حضرت فاروق رضی اللہ عنہما پر رحمت کرے کہ وہ کہا کرتے تھے:

"لَسْتُ بِحَيِّطٍ وَالْحَيْبُ لَا يَخْدَعُنِي"

"میں فریب کار نہیں ہوں لیکن کوئی فریب کار مجھے دھوکا بھی نہیں دے سکتا۔"

إِذَا قَلَّ وَعِي الْمَرْءُ يَوْمًا فَإِنَّمَا \*\*\* يَتَّبِعُهُ عَنِ الْحَقِّ الصَّرِيحِ وَيَغْفُلُ

وَمَنْ كَانَ ذَا وَعِيٍّ سَوِيَ فَقَدْ بَرَى \*\*\* بِذَلِكَ حَقًّا لَيْسَ بِالْوَعِيِّ يُجْهَلُ

"جب آدمی کسی روز صحیح انداز فکر میں کو تاشی کا شکار ہو جائے تو وہ صریح حق سے بہک جاتا اور غفلت میں پڑ جاتا ہے۔ لیکن جو صحیح انداز فکر کا مالک ہو تو وہ اس کے ذریعے حق کو پہچان لیتا ہے اور اسے دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔"

چنانچہ اے مسلمان! تجھے بھرپور کوشش کرنی چاہئے کہ تو معاشرے کے افراد کے مابین صحیح انداز فکر رکھنے والا فرد ہو تاکہ تیرا چلن درست رہے اور تو اپنے معاشرے کو کمتر سے بہتر اور بہتر سے بہترین کی جانب لے جانے کیلئے خوش اسلوبی سے کام کر سکے۔ اور مسلمانوں کے معاملات سے چشم پوشی کر کے خلوت نشین ہو جانے سے اجتناب کر کیونکہ یہ خلوت تیرے اور اس چیز کے درمیان رکاوٹ بن جائے گی جو تیرے دین اور تیری معاش

کے لیے بہتر ہے اور تو صحیح سوچ کو پر دان چڑھانے والے ان تمام عوامل کو کھو بیٹھے گا جو میل جول سے اور لوگوں کے حالات و واقعات کا جائزہ لینے سے جنم لیتے ہیں، کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

«الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ، وَيَصْبِرُ عَلَىٰ أَذَاهُمْ، أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ

الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ، وَلَا يَصْبِرُ عَلَىٰ أَذَاهُمْ»

”وہ مومن جو لوگوں سے میل ملاپ رکھتا اور ان کی جانب سے تکلیفوں پر صبر کرتا ہے اس شخص سے بہتر ہے جو نہ تو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا ہے اور نہ

ان کی جانب سے تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ: 4032)

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کیلئے قرآن و سنت کو بابرکت بنائے اور مجھے اور آپ سب کو

ان کی آیات، ذکر اور حکمت سے فائدہ پہنچائے۔ میں نے اپنی بات کہہ دی ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کی جانب سے اور میں اللہ سے بخشش کا طلبگار ہوں یقیناً وہ بہت بخشنے والا ہے۔

## دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کی تعریف ہے اور اس کی توفیق و امتنان پر اس کا شکر ہے۔

حمد و ثناء کے بعد!

اللہ کے بندو! اللہ کا تقویٰ اپناؤ اور جان لو کہ امت مجموعی طور پر اس وقت تک صحیح

اسلوب فکر پر نہیں چل سکتی جب تک اس کے افراد بیدار نہ ہوں کیونکہ یہ افراد ہی امت کیلئے دھڑکتے ہوئے دل اور اس بصیرت کا درجہ رکھتے ہیں جو اسے بلند درجات پر فائز کرتی ہے۔

کیونکہ امت جب بیدار ہو جاتی ہے تو دیگر امتوں کے مابین اپنے حقوق اور ذمہ داریوں

کا ادراک کر لیتی ہے اور اپنے شرف کی بقاء اور اس پر فخر کے لئے اور کسی بھی بیرونی ہلے سے بچنے کیلئے داخلی اور خارجی خلاؤں کو بند کرنے کی خاطر اپنے دینی، سیاسی اور اقتصادی ذخائر کو استعمال میں لاتی ہے۔ تاکہ اپنی شناخت برقرار رکھ سکے اور اس پر افتخار کرے اور پیدا ہونے والے خلاؤں کو پر کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہو تاکہ ان کی وجہ سے اس کے وجود پر حملہ نہ ہو۔ امت کی بیداری کے بقدر رہی حادثات اور بحر انوں سے اچھی طرح عہدہ بر آہو اجا سکتا ہے۔ اور حقیقت شناس آنکھ سے ترجیحات کی تعین ہوتی ہے اور حقائق کے ادراک کے ساتھ اجتماعی اور سیاسی اثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے عدل و انصاف کے ابدی اصول کی بنیاد پر ہر معاملے کو اس کے میرٹ پر حل کرتے ہیں۔ تاکہ دشمن اسے حقیر نہ سمجھیں۔ بلاشبہ امت کی دینی سیاسی اور اقتصادی قوت اس امر میں منحصر ہے کہ یہ اپنی افرادی قوت کو استعمال کرنے میں کس قدر ہوشمندی کا ثبوت دیتی ہے۔ اور اسے اپنی قوم و ملت کی خدمت کیلئے کس حد تک تیار کر پاتی ہے اور اسے بیدار مغزی اور ہوشمندی کی خلعت سے کس قدر مزین تاکہ یہ صرف رایگاں جدوجہد میں بھی مصروف نہ رہے کہ جوان کو نامرغوب صورت حال میں دھکیل دے یا اس حالت کو پہنچادے کہ حاسدوں اور دشمنوں کو ہنسنے کا موقع ملے۔ چنانچہ دیدہ بینار کھنے والی امت کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی اسے زیب دیتا ہے کہ وہ دھوکا کھائے جب تک کہ وہ اپنی درست فکر کے عوامل یعنی دین، عدل، اخلاق اور علم وغیرہ کو برقرار رکھے۔

اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو محض اسی خصوصیت کی بناء پر دیگر امتوں کے مقابلے میں درمیانی امت قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ (سورة البقرة: 143)

”اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ’امت وسط‘ بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔“

درود و سلام پڑھو، صاحب حوض و شفاعت، مخلوق میں سب سے افضل اور انسانیت کی پاکیزہ ترین ہستی پر کیونکہ اللہ نے اس ضمن میں تمہیں ایک ایسے کام کا حکم دیا ہے جس کی ابتداء اس نے خود کی، پھر اس پر فرشتوں نے عمل کیا اور پھر مومنوں کو اس پر عمل کیلئے پکار لگائی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الأحزاب: 56)

اے اللہ! منور جبیں اور روشن چہرے والے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر رحمتوں اور سلامتی کا نزول فرما اور اے اللہ! آپ ﷺ کے چاروں خلفاء ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اپنے نبی ﷺ کے تمام صحابہ، تابعین اور تاقیامت ان کے پیچھے چلنے والے تمام لوگوں کو اپنی رضا عطا فرما اور اے رحم الراحمین! اپنے فضل و کرم اور احسان سے ہمیں بھی اپنی رضا سے شاد کام فرما۔



17

اختتام حج پر حاجیوں کو چند نصیحتیں

13 ذوالحجہ 1434ھ بمطابق 18 اکتوبر 2013ء



## پہلا خطبہ

ساری تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس کی نوازش سے نیک امور انجام پاتے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہر گزر جانے یا آنے والے کام پر اس کی مدد کے طلبگار ہیں۔ میں گو اسی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے جس نے اپنے گھر کے حاجیوں کو عرفات میں وقوف کرنے اور حج مکمل کرنے کی سعادت مرحمت فرمائی۔ میں یہ بھی گو اسی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں ان کے پروردگار نے ہدایت اور واضح دلائل کے ساتھ مبعوث کیا، جو شخص آپ ﷺ کے راستے پر چلے، نجات پا گیا اور جو اس سے روگردانی کرے، ہلاک اور برباد ہو گیا۔ چنانچہ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی پاکیزہ و طاہر آل پر، آپ ﷺ کی ازواج یعنی امہات المؤمنین پر، آپ ﷺ کے صحابہ اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والے تمام لوگوں پر۔

حمد و ثناء کے بعد:

مسلمانو! اللہ سے ڈرو، اللہ کا ڈری روز قیامت کا اثاثہ ہے۔

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾

”سفر حج کے لیے زادراہ ساتھ لے جاؤ، اور سب سے بہتر زادراہ پرہیزگاری ہے

پس اے ہوش مندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔“ (سورۃ البقرہ: 197)

اے بیت اللہ کے حجاج کرام!

حج کے ایام تشریق میں سے یہ آخری دن ہے اور یہی اس شخص کیلئے جمرات کو کنکریاں مارنے کا بھی آخری دن ہے جس نے گزشتہ کل منی سے کوچ نہیں کیا اور جس نے مزید ایک دن منی میں گزارا اور اللہ کا ذکر زیادہ کر لیا۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ﴾ (سورۃ البقرہ: 203)

”یہ گنتی کے چند روز ہیں، جو تمہیں اللہ کی یاد میں بسر کرنے چاہئیں۔“

اور اللہ کے بندو! جلدی کرنا اور دو دن منیٰ میں رہ کر چل دینا یا تیرہ ذی الحجہ تک وہاں ٹھہرے رہنا، دونوں میں خیر ہے اور دونوں سے تقویٰ حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ

لِمَنِ اتَّقَىٰ﴾

”پھر جو کوئی جلدی کر کے دو ہی دن میں واپس ہو گیا تو کوئی حرج نہیں، اور جو کچھ دیر زیادہ ٹھہر کر پلٹا تو بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ دن اس نے تقویٰ کے ساتھ بسر کیے ہو۔“ (سورۃ البقرۃ: 203)

پھر اس آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ یاد دلاتا ہے کہ جس طرح اس نے انہیں اس بابرکت جگہ پر یوں اکٹھا کیا کہ زبان، رنگ اور وطن کے اختلاف کے باوجود سب ایک سا ان سلا لباس پہنے ہوئے ہیں اور ان میں بڑے اور چھوٹے، کمزور اور صاحب مرتبہ اور مالدار اور فقیر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے پہلے اور پچھلے تمام لوگوں کو روز حشر ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر محتون حالت میں جمع کرے گا۔

﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ﴾ (سورۃ الأنبياء: 104)

”جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔“

چونکہ اعمال حج کے اختتام میں دنیاوی زندگی کے ختم ہو جانے اور پھر اللہ رب العالمین کے سامنے پیش ہونے کی طرف اشارہ ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت رمی کو ان الفاظ پر ختم کیا کہ

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ (سورة البقرة: 203)

”اللہ کی نافرمانی سے بچو اور خوب جان رکھو کہ ایک روز اس کے حضور میں تمہاری

پیشی ہونے والی ہے۔“

اے حجاج بیت اللہ!

اللہ تعالیٰ نے امتِ اسلامیہ کو اس منفرد عبادت سے نوازا ہے جس میں یہ اہل جاہلیت کے حج سے بھی مختلف ہے کیونکہ دورِ جاہلیت میں حج کے سلسلے میں ان کے اجتماعات بتوں، شراب، جوئے، پانسوں اور آستانوں سے آلودہ ہوتے تھے۔ مقدس مقامات ان کے ہاں جائز اور ناجائز امور دنیا کیلئے استعمال کئے جاتے تھے، وہ اشعار پڑھتے، لوٹ مار، چھینا جھپٹی اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے پر فخر کرتے اور ان تمام کاموں کو باعثِ فخر سمجھتے یوں ان کی یہ عبادت اضداد و متناقضات کا مجموعہ تھی۔

پھر اسلام آیا اور ہر بھلائی کو اپنانے، ہر برائی سے مجتنب رہنے اور جاہلیت کے تمام امور کا قلع قمع کرنے کی تلقین کی چنانچہ حجۃ الوداع سے پہلے والے سال میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ اعلان کر دیں کہ

«لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ»

”اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی ننگے بدن بیت اللہ کا طواف

نہ کرے۔“ (صحیح بخاری: 3177)

اہل جاہلیت موسمِ حج میں فخر و غرور سے اپنے آباء و اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے اور کہا جاتا تھا کہ میرا باپ کھانا کھلاتا تھا، ناداروں کا بوجھ بٹاتا تھا اور دیتیں ادا کرتا تھا، یوں وہ صرف اپنے آباء کا تذکرہ کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ پر آیات نازل کیں اور بتایا کہ قضاءِ مناسک کے وقت حاجی کو اہل جاہلیت کے شعار کی مخالفت کرتے ہوئے کیا کرنا

چاہئے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن خَلَاقٍ \* وَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ \* أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (سورة البقرة: 200-202)

”پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو، تو جس طرح پہلے اپنے آبا و اجداد کا ذکر کرتے تھے، اُس طرح اب اللہ کا ذکر کرو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر (مگر اللہ کو یاد کرنے والے لوگوں میں بھی بہت فرق ہے) اُن میں سے کوئی تو ایسا ہے، جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب، ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دیدے ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا ایسے لوگ اپنی کمائی کے مطابق (دونوں جگہ) حصہ پائیں گے اور اللہ کو حساب چکاتے کچھ دیر نہیں لگتی۔“

اے حجاج بیت اللہ! تم نے وہ عبادت ادا کی ہے جو اسلام کا پانچواں رکن ہے، ایسی عبادت جو اپنی شکل و صورت کے اعتبار سے منفرد ہے، ایسی عبادت کہ جس میں مال اور بدن کو یوں جمع کیا گیا کہ کسی دوسری عبادت میں یہ امتزاج نہیں ہے۔ تم نے روحانی فضاؤں میں وقت گزارا۔ ایمانی جھوکوں سے بہرہ اندوز ہوئے جنہوں نے تمہیں اللہ کے مزید قریب اور اللہ کی نافرمانی سے مزید دور کر دیا۔

تم سچی اخوت کی فضا میں سانس لیتے رہے اور عدل و مساوات کی ہوائیں تم پر چلتی رہیں،

غریب اور امیر کے لباس، وقوف، رمی، طواف، رات گزارنے اور سعی میں کوئی فرق نہیں تھا، سب مناسک میں یکساں تھے۔ ان میں سے اللہ کا سب سے زیادہ مقرب وہ ہے جو سب سے متقی ہے۔ چنانچہ ان میں سے سبقت لے جانے والا وہ نہیں جو سواری کے اعتبار سے سبقت لے گیا بلکہ وہ شخص ہے جسے اس کا عمل، ایمان اور نیکی آگے لے گئی۔

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ (سورة المائدة: 27)

”اللہ تو متقیوں ہی کی طرف سے کی گئی عبادات قبول کرتا ہے۔“

اے حجاج بیت اللہ! مناسک حج اختتامی مراحل میں ہیں، تو اس کے بعد تمہیں کیا کرنا ہے۔ کیا توبہ سچی ہوگی؟ عمل نیک ہوگا؟ اور اللہ کی فرمانبرداری پر ثابت قدمی بقیہ عمر میں تمہارے لئے چراغِ راہ ہوگی؟ یا پھر وہی باہمی منافرت، بغض اور اللہ کے حق میں کمی کی روش ہوگی؟

ہر حاجی نے وحدت، اخوت اور آسانی پیدا کرنے میں اسلام کے جس عدل اور فراخ دلی کا مشاہدہ کیا ہے کیا، اسے اپنے ساتھ لے کر جائے گا؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ حاجی اپنے اہل و عیال، خویش و اقارب اور معاشرے میں اس ماحول کی عملی تصویر پیش کرے؟

ہر حاجی پر واجب ہے کہ جب اپنے معاشرے میں لوٹے تو ان مقاصد کا نمائندہ ہو، وہ اپنی ذات میں اتحاد کا نمائندہ ہو اور بتائے کہ امت کو اس کی کس قدر ضرورت ہے اور اسلامی معاشرے کی وحدت کسی رنگ، زبان یا مال کی بنیاد پر نہیں ہو سکتی بلکہ یہ اسی وقت وقوع پذیر ہوگی جب سب کا مصدر ایک ہو گا اور وہ مصدر اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر ﷺ کی سنت ہیں۔

بعض اوقات تمام مسلمانوں کو جمع کرنے کیلئے ایک ہی بااختیار فرمانروا نہیں ہوتا کیونکہ یہ بات اپنی جگہ ناممکن سی ہے لیکن مسلمانوں کیلئے یہ بات تو مشکل نہیں کہ اللہ کی کتاب ان

سب کی فرمانروا ہو کیونکہ وہ اگر اسے تمام لیں گے تو ہدایت پا جائیں گے۔

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ

يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾ (سورۃ الإسراء: 9)

”حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اسے

مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔“

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کیلئے قرآن کو بابرکت بنائے اور مجھے اور آپ سب کو اس کی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ پہنچائے۔ میں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں اور میں اللہ سے اپنے لئے، آپ کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے ہر گناہ اور خطا سے بخشش کا طلبگار ہوں تم بھی اسی سے بخشش مانگو اور اسی کے حضور توبہ کرو یقیناً وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

## دوسرا خطبہ

تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ اللہ کی بے پناہ، عمدہ اور بابرکت تعریف ہے جیسے ہمارے پروردگار کو پسند اور محبوب ہے۔

حمد و ثناء کے بعد:

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ یہ دنیا محض گزر گاہ ہے، ہمیں اللہ کی جانب لوٹنا ہے اور آخرت ہی اصل جائے قرار ہے۔

اے حجاجِ بیت اللہ! یہ عظیم موقع ہمیں اس مشہور خطبے کی یاد دلاتا ہے جو نبی ﷺ نے حاجیوں کے روبرو ارشاد فرمایا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ آپ ﷺ کا یہ خطبہ آپ کی امت کے آنے والے لوگوں تک پہنچادیں۔ آپ ﷺ نے ان سب کو اس خطبے میں آنے والی باتوں پر گواہ بنایا تھا کیونکہ اس کے اندر پانچ بنیادی ضرورتوں یعنی دین، عقل، جان، مال اور عزت کی حفاظت کا بیان تھا۔

آپ ﷺ نے اپنے اس خطبے میں ارشاد کے متعلق فرمایا کہ  
 «وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضَلُّوا بَعْدَهُ إِنْ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ ، كِتَابُ  
 اللَّهِ»

”میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر اس کو تھام لو گے تو ہر  
 گز گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔“

چنانچہ امت اس وقت تک کھڑی نہیں ہو سکتی جب تک اپنے دین کو اپنے  
 پروردگار کی ہدایت کے مطابق قائم نہ کرے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حفظِ عقل  
 کے متعلق فرمایا:

«أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدْحِي مَوْضُوعٌ»

”جاہلیت کا معاملہ میرے پاؤں کے نیچے اور رائیگاں ہے۔“ (صحیح مسلم: 1218)

چنانچہ نشہ آور چیزوں کے ذریعے عقل و فکر کو ناکارہ بنانے کی کوئی گنجائش نہیں کہ جس  
 کے ذریعے آدمی درست راہ سے ہٹ جائے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حفظِ نفس اور مال کے  
 بارے میں فرمایا:

«إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، ... وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ

مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دِمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ،

كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدِ فَقَتَلْتَهُ هُدَيْلٌ، وَرَبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ،

وَأَوَّلُ رَبَا رَبَانَا رَبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ»

”تمہارے خون اور مال تم پر حرام ہیں، زمانہ جاہلیت کے تمام خون کا عدم ہیں اور

سب سے پہلے میں اپنے خاندان میں سے ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا

خون کا عدم قرار دیتا ہوں جو بنو سعد میں دودھ پینے کیلئے موجود تھا اور بنو ہذیل نے

اسے قتل کر دیا تھا۔ جاہلیت کا سود بھی ختم ہے اور میں سب سے پہلے اپنے خاندان میں سے عباس بن عبدالمطلب کا سود ختم قرار دیتا ہوں، وہ تمام کا تمام ختم ہے۔“ (صحیح مسلم: 1218)

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے اس مشہور خطبے میں حفظ عزت کے متعلق فرمایا:  
 «فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئَنَّ فُرُشَكُمْ أَخْذًا تَكْرَهُونَهُ» (صحیح مسلم 1218)

”عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، تم نے انہیں اللہ کی امانت سے لیا ہے اور ان کی شرمگاہیں اللہ کے کلمے سے حلال کی ہیں اور ان کے ذمے تمہارا حق یہ ہے کہ تمہارے بستر پر کوئی ایسا آدمی نہ آئے جو تمہیں ناپسند ہو“

چنانچہ اسلام میں عورتوں کی فطرت اور عفت کے مخالف روش اپنا کر ان کے حقوق میں مبالغہ کرنے یا انہیں گرانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ خواہشات اور شہوتوں کے پجاری لوگوں کی تسلی بغیر اس بات کے نہیں ہوتی کہ انہیں فتنے اور بے راہ روی کا نشان بنا کر نمایاں کیا جائے۔ جبکہ آپ ﷺ نے تو فرمایا تھا کہ

«فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةٍ بَيْنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ» (صحیح مسلم: 2742)

”دنیا اور عورتوں سے بھی بچو، بنی اسرائیل کا سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کا تھا۔“  
 اس لئے اے حجاج کرام!

اللہ سے ڈرو اور اے مسلمانو! تم بھی اللہ سے ڈرو اور اس کے حضور سچی توبہ کرو۔  
 اس کے ساتھ ساتھ اے حجاج کرام! اس مبارک عبادت کی توفیق دینے، اپنے فضل و



کرم سے اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے اور ایسی سہولتیں مہیا کرنے پر اللہ کا شکر ادا کرو جو تم سے پہلے لوگوں کو میسر نہ تھیں جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَتَحْمِيلٌ أَنْفَالِكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بِالْغَيْبِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ﴾

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَعُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿ (سورۃ النحل: 7)

”وہ تمہارے لیے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔“

اللہ تعالیٰ اعمال قبول فرمائے، کوششوں میں برکت دے، اور قیادت، اداروں اور افراد کی جانب سے جو خدمات اور سہولتیں مہیا کی گئیں، انہیں نیکیوں کے میزان میں ڈال دے کیونکہ حاجیوں کی خدمت عظیم شرف اور بہت بڑی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو دنیا و آخرت میں اجر، وثواب اور توفیق عطا فرمائے۔

درد و پڑھو خیر الخلق اور انسانیت کی پاکیزہ ترین ہستی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب صاحب حوض کوثر و صاحب شفاعت کبریٰ پر۔ اللہ نے اس ضمن میں تمہیں ایک ایسے کام کا حکم دیا جس کی ابتداء اس نے خود کی، پھر اس پر فرشتوں نے عمل کیا اور پھر اے اہل ایمان! تمہیں اس کیلئے پکارا اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



18

طعنہ زنی اور نصیحت میں فرق

19 محرم 1435ھ بمطابق 22 نومبر 2013ء

## پہلا خطبہ

ساری تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو عظمت و کبریائی اور جلال و جمال میں منفرد ہے۔ جس کے اختیار میں تمام چھوٹے بڑے معاملات کی تقدیر و تدبیر ہے، جو بڑا بلند اور عظیم ہے اور جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی تاکہ وہ سارے جہانوں کو ڈرانے والا بن جائے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جن و انس کے لئے بشیر و نذیر، اللہ کی طرف بلانے والے اور سراج منیر بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے طیب و طاہر اہل بیت پر، آپ ﷺ کی ازواج یعنی امہات المؤمنین پر، آپ ﷺ کے صحابہ پر، تابعین پر اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والے تمام لوگوں پر اللہ کی طرف سے رحمتوں اور بے پناہ سلامتی کا نزول ہو۔

حمد و ثناء کے بعد:

اللہ کے بندو! میرے اور آپ سب کے لئے عام کی جانے والی وصیت یہی ہے کہ خلوت اور جلوت میں، غصے اور رضامندی میں اور خوشی یا غمی میں اللہ کا ڈر اپنایا جائے۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْقَائِمُونَ﴾ (سورۃ النور: 52)

”اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔“

اللہ کے بندو!

خلوت اور جلوت کی پاکیزگی ایسا وصف ہے جس کی تلاش نے بہت سے لوگوں کو تھکا دیا ہے، یہ ان عمدہ صفات میں سے ایک ہے جو نادر الوجود لیکن گراں قدر ہیں، خود غرضی اور

حرص سے بھرپور اس زمانے میں جو شخص اس عمدہ خزانے کا متلاشی ہو تو اسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو ٹٹولنے کے بعد کوئی ایک آدھ آدمی ہی ایسا دکھائی دے گا جس پر اس حوالے سے اللہ کا کرم ہو۔ ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

ظاہر کو باطن کا سچا ترجمان ہونا چاہئے، کیونکہ اس خوشنما ظاہر کی کوئی وقعت نہیں جو باطن کے عیبوں کا پردہ ہو اس پانی کی طرح جو دیکھنے میں صاف اور سفید ہو لیکن اس کا ذائقہ بگڑ چکا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ»

”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور بدن نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کی پڑتال کرتا ہے۔“ (صحیح مسلم: 2564)

خود غرضی اور خود پسندی کے ادوار میں امت اسلامیہ کیلئے حد درجہ ضروری ہے کہ وہ باہمی الفت کو، ایک دوسرے کے عذر قبول کرنے کو اور ایسے تمام امور میں چشم پوشی کو رواج دے جن کی بنیاد یا تو کسی مرجوح لیکن مقبول شرعی اجتہاد پر ہو یا کسی ایسے اجتہاد پر جو اگرچہ غلط ہو لیکن اس میں جائز طریقے سے امکان بھر کوشش کی گئی ہو۔ ایسے معاملات میں اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہماری نگاہوں کے سامنے رہنا چاہئے کہ وہ اجتہاد میں غلطی کھا جانے والے مجتہد کو بھی اجر سے نوازتا ہے اور اس کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

حق ہمیشہ نمایاں ہوتا ہے۔ خواہ اس پر باطل کے کتنے ہی پردے ڈال دیئے جائیں اور اس کی خاطر امور کو کتنا ہی بگاڑ دیا جائے جبکہ باطل مشتہ ہی رہتا ہے خواہ اس کیلئے الفاظ اور دلائل کا مینا بازار لگا دیا جائے۔

﴿لَقَدْ ابْتِغَوْا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلِ وَقَلَّبُوا لَكِ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ﴾

وَوَظَّهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿ (سورة التوبة: 48)

”اس سے پہلے بھی ان لوگوں نے فتنہ انگیزی کی کوششیں کی ہیں اور تمہیں ناکام کرنے کے لیے یہ ہر طرح کی تدبیروں کا الٹ پھیر کر چکے ہیں یہاں تک کہ ان کی مرضی کے خلاف حق آگیا اور اللہ کا کام ہو کر رہا۔“

جو کوئی یہ گمان رکھتا ہے کہ اسے حق پر پردہ ڈالنے کی قدرت حاصل ہے وہ اس شخص کی مانند ہے جو چھلنی کے ساتھ سورج کی کرنوں پر روک لگانا چاہتا ہے۔

اے بندگانِ الہی! ان باتوں کو سمجھ لینے کے بعد ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے اپنے رب کے متعلق اور پھر لوگوں کے متعلق کثرت سے اچھا گمان قائم کرے کیونکہ اگر وہ اچھے گمان میں غلطی کھا بھی گیا، تب بھی اس پر وہ گناہ نہیں ہو گا جس کا مستحق وہ برے گمان میں غلطی کھانے پر ہو گا۔

اس لئے مخلص آدمی کو چاہئے کہ دوسروں کی غلطیوں پر رد عمل دکھاتے وقت خود کو شریعت کی میزان میں تول لے اور اپنے نفس کو غلطیوں پر جھپٹنے اور عیبوں کی ٹوہ میں رہنے سے باز رکھے اور اس سلسلے میں علم اور عدل کے اوصاف اس کے رہنما ہونے چاہئیں۔

کیونکہ غلطیوں کو اچھا لے اور غلطیوں کو سدھارنے میں واضح فرق ہے۔ پہلی صورت کا تعلق عیب جوئی، نکتہ چینی اور اپنے دل کی آگ بجھانے سے ہے جبکہ دوسری صورت حق کی بنیاد پر خیر خواہی کرنے اور حق کی جانب بلانے سے تعلق رکھتی ہے۔ یوں نکتہ چینی اور نصیحت میں بڑا فرق ہے بالکل ویسے ہی جیسے خواہش نفس کی بنیاد پر کئے گئے اور اللہ کیلئے کئے جانے والے عمل میں بے پناہ فرق ہے۔

﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ﴾ (سورة النحل: 96)

”جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے

وہی باقی رہنے والا ہے۔“

پھر یہ بھی تجربے اور مشاہدے کی بات ہے کہ دوسروں پر نکتہ چینی کرنے اور ان کی غلطیوں کو اچھالنے والے حالات کی گردش میں الجھ جاتے ہیں اور انہی گڑھوں میں جا گرتے ہیں جو انہوں نے دوسروں کیلئے کھودے تھے۔ کیونکہ طعن زنی ایک ایسی منصف بیماری ہے جو طعن زنی کرنے والے اور مطعون کے ساتھ ایک ہی سلوک کرتی ہے اور بدلہ عمل کی جنس ہی سے ملا کرتا ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ

«مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَعْمَلَهُ» (جامع ترمذی: 2505)

”جس نے اپنے بھائی کو کسی گناہ پر عار دلوائی، وہ اس وقت تک فوت نہ ہو گا جب تک خود وہی گناہ نہ کرے۔“

کسی پر طعن زنی کرنے میں ایسی خوشی پائی جاتی ہے جو آدمی کو بلند مرتبہ اعمال سے موڑ کر گھٹیا افعال میں الجھا دیتی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے جس کو بعض اہل علم نے حسن قرار دیا ہے کہ

«لَا تُظْهِرِ السَّمَاتَةَ لِأَخِيكَ فَيَرَحِمَهُ اللَّهُ وَيَبْتَلِيكَ»

”اپنے بھائی (کی برائی) پر خوشی کا اظہار نہ کر، ورنہ اللہ اس پر رحم فرما کے تمہیں

اس میں مبتلا کر دے گا۔“ (جامع ترمذی: 2506)

ہر صاحب دانش اور بصیرت مند محسوس کرتا ہے کہ جو کچھ ذرائع ابلاغ کے ذریعے سنتا یاد دیکھتا ہے اس کی تہ تک پہنچنے کے لئے آداب گفتگو کو ملحوظ رکھنے، ایک دوسرے کے حقوق کا پاس کرنے اور بدکلامی، پردہ دری اور عیب جوئی سے دور رہنا کس قدر ضروری ہے۔

جہاں یہ وسائل خیر کو پھیلانے اور پوری بصیرت کے ساتھ حق کی جانب بلانے کیلئے بے پناہ فوائد کے حامل ہیں کہ ایک اچھی بات کو اگر ہزار کان سن لیں یا ہزار آنکھیں پڑھ لیں

تو لازمی طور پر اس کا اجر اس سے کہیں زیادہ ہو گا جس میں بات سننے والے لوگ اس سے تھوڑے ہوں وہیں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ بری بات کے سننے اور پڑھنے والے بھی جس قدر زیادہ ہوں گے، اس کا گناہ اور بوجھ بھی اسی اعتبار سے زیادہ ہو گا کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے تو قلم زبان کا ترجمان۔ نبی کریم ﷺ نے بالکل بجا فرمایا تھا کہ

«وَهَلْ يَكُفُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَىٰ مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا

حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ» (جامع ترمذی: 2616)

”لوگوں کو اوندھے منہ آگ میں زبانوں کا کیا دھرا ہی گرائے گا۔“

ایک پختہ کار عقل اس بات میں کسی شک کا شکار نہیں ہوتی کہ آدمی کی زبان ہی دراصل اس کی حقیقت اور باطن کی نمائندہ ہے۔ اگر کچھ لوگ سچی، عقیف اور بردبار زبان کے مالک ہوتے ہیں تو کچھ جھوٹی، مشتعل اور بچکانہ زبان والے بھی ہوتے ہیں۔ اسی لئے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكْفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ: اتَّقِ اللَّهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، فَإِنِ اسْتَقَمَّتْ اسْتَقَمَّتْنَا وَإِنِ اعْوَجَجَتْ اعْوَجَجْنَا (جامع ترمذی: 2407)

”بدن کے تمام اعضاء زبان کو واسطہ دیتے ہوئے صبح کرتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ ہمارے معاملے میں اللہ سے ڈر کیونکہ اگر تو درست رہی تو ہم درست رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم ٹیڑھے ہو جائیں گے۔“

اللہ کے بندو!

مشاہدے کی بات ہے کہ ایک آدمی دوسروں کی لغزشوں کا تعاقب یا تو علم کی کوتاہی کی بناء پر کرتا ہے یا نیت کی خرابی کے سبب، پہلی کا تعلق فسادِ فہم سے ہے اور دوسری کا فسادِ قلب

سے اور گناہ اور برائی کی حیثیت سے یہ دوسری قسم زیادہ خطرناک ہے کیونکہ نیت اگر خرابی کا شکار ہو جائے تو اسے زبان نہیں سدھا سکتی البتہ نیت اور ارادے کی درستی سے زبان کی لغزش کا ازالہ ضرور ہو جاتا ہے۔

فکم من عائب قولاً صحیحاً \*\*\* وأفتہ من الفہم السقیم

”درست بات پر زبان طعن دراز کرنے والے کتنے ہی لوگ ہیں کہ درحقیقت جن کا اپنا فہم کج ہوتا ہے“

لوگو! یاد رکھو کہ زندگی ہماری امیدوں سے کہیں کم ہے اور یہ اپنی جان پر ظلم کے مترادف ہے کہ آدمی اپنے اوقات کا بیشتر حصہ دوسروں کی ٹوہ میں گزار دے جس سے نقصان تو ہو سکتا ہے، فائدہ کبھی نہیں ہوا۔ جس سے آنکھ تو پھوٹ جاتی ہے لیکن شکار ہاتھ نہیں آتا، جس سے گناہ بڑھتا اور ثواب کم ہو جاتا ہے، یوں زندگی کے اس سفر میں (غیر ضروری اور نقصان دہ چیزوں پر) اس کا التفات زیادہ رہتا ہے اور جس شخص کی توجہ زیادہ تر ان امور پر ہوگی وہ منزل سے ہمکنار ہونے میں اتنا ہی پیچھے ہوتا چلا جائے گا، جو شکار کے تعاقب میں لگا رہا، غفلت میں پڑ گیا اور جس شخص نے دوسروں کی برائیوں پر نگاہ جمائے رکھی، وہ اپنی برائیوں سے اندھا ہو گیا اور یوں اپنے لئے دو گناہ جمع کر لئے۔

آخر لوگ انسان ہی تو ہیں، معصوم یا فرشتے تو نہیں، انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے ہیں، غلط بھی کرتے ہیں اور درست بھی جبکہ ان کی اچھائیاں ان کی غلطیوں سے زیادہ ہوتی ہیں تو ان سب باتوں کے باوجود کچھ لوگ اس بات پر کیوں مصر ہوتے ہیں کہ انہیں مکھی ہی بننا ہے جو ہمیشہ گندگی پر گرتی ہے یا اس مچھر کا کردار ادا کرنا ہے جس کی سیرابی سوائے خون کے کسی شے سے نہیں ہوتی؟ اور جو کبھی شیر کی آنکھ کو بھی خون آلودہ کر دیتا ہے۔



کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگوں کو سوائے نصیحت، چغلی خوری، شکایت، طعنہ زنی، عیب جوئی، نیوٹوں پر شک کرنے اور دلوں پر اتہام باندھنے کے علاوہ کسی چیز سے سکون نہیں آتا؟ کچھ لوگ اس بات ہی کو کیوں ترجیح دیتے ہیں کہ انہیں زبان اور دل سے بہرہ مند ہو کر نہیں بلکہ ان سے کنگال رہ کر ہی زندگی گزارنی ہے۔ شاعر نے ان کی کیا خوب ترجمانی کی ہے کہ

ولو أن وائس باليَمَامَةِ دَارُهُ \*\*\* وِدَارِي بِأَعْلَى حَضْرَمَوْتِ اهْتَدَى لِي

”اگر کسی چغلی خور کا گھر یمامہ میں ہو اور میرا گھر حضر موت میں تو وہ تب بھی مجھ تک پہنچ جائے گا“

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ دریافت فرمایا کہ جانتے ہو کہ کنگال کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارے مطابق تو کنگال وہ ہے جو ساز و سامان اور پیسے سے محروم ہو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا، وَقَذَفَ هَذَا، وَأَكَلَ مَالَ هَذَا، وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضْرَبَ هَذَا، فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَيَنْتَ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ» (صحیح مسلم: 2581)

”میری امت کا کنگال وہ ہے جو روز قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کے نامہ اعمال میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کبھی کچھ موجود ہو گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت باندھی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو ان سب میں اس کی نیکیاں بانٹی جائیں گی، اگر حساب برابر ہونے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم

ہو گئیں تو پھر ان کے گناہ اس پر ڈالے جائیں گے اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔“  
ہائے دہائی! کنگال کتنے زیادہ ہیں؟ کس قدر بد بختی ہے جو دنیا میں ان کا مقدر ہے اور کتنا بڑا حساب ہے جو آخرت میں ان سے لیا جانے والا ہے۔

﴿حُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ \* وَإِنَّمَا يَنْزَعَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

”اے نبی (ﷺ)، نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ الجھو، اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔“ (سورۃ الاعراف: 199-200)

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کیلئے قرآن عظیم کو بابرکت بنائے اور ہم سب کو اس کی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ پہنچائے۔ میں نے اپنی بات کہہ دی ہے، اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کی جانب سے ہے۔ میں اللہ سے اپنے لئے، آپ کیلئے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے ہر گناہ اور خطا سے بخشش مانگتا ہوں، تم بھی اسی سے بخشش مانگو اور اسی کے حضور توبہ کرو، یقیناً وہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کی ثناء ہے اور اس کی توفیق و امتنان پر اس کا شکر ہے۔

حمد و ثناء کے بعد، لوگو!

اللہ سے ڈرو۔ اور یہ بھی جان لو کہ زبان کی حفاظت کرنے، لوگوں کی پردہ پوشی کرنے اور ان کی خطاؤں کی ٹوہ میں نہ رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ان سے کوئی غلطی ہو تو نصیحت ہی نہ کی جائے البتہ نصیحت درست طریقے سے ہونی چاہئے جس میں طعنہ زنی اور غلطی کو

اچھالنے کا کوئی شائبہ نہ ہو۔

اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نصیحت نہ کرے اور وہ شخص بھی خیر سے محروم ہے جو نصیحت قبول نہ کرے۔ ہر فرزندِ آدمِ خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہوں۔ غلطی کر جانا کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ غلطی تو انسانی فطرت ہے۔ کامل صرف اللہ ہے اور معصوم تو پیغمبر ہی ہوتے ہیں۔ اصل عیب یہ ہے کہ آدمی غلطی کرنے کے بعد نصیحت بھی قبول نہ کرے۔

اس کے ساتھ ساتھ کسی انسان کی غلطی کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ اپنا سارا لالہ لکھ لے کر اس پر چڑھ دوڑیں اور نصیحت کی تلواریں یوں سونت لیں کہ گویا دشمن کے ساتھ رزم و پیکار میں مصروف ہیں۔ نرم مزاجی ہر شے کا سنگھار ہے اور اس سے محروم ہونا کسی بھی شے کیلئے باعث عیب۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۗ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

الْأَرْضِ﴾ (سورة الرعد: 17)

”جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔“

سچ اس بات سے کہ تو اپنا انتقام لینے لگے خواہ تو حق پر ہی کیوں نہ ہو۔ انتقام کا جوش اخلاص نیت کو مٹا ڈالتا ہے اور اسے یوں کھا جاتا ہے جسے آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے اور اس بات سے بھی دور رہ کہ تو نصیحت کو اور ناصح کو ناپسند کرنے لگے۔ یہ تو پیغمبروں کے دشمنوں کا راستہ ہے۔

امام ابو عبد اللہ بن بک نے خوب بات کہی ہے کہ

”اغتيمامك بصواب غيرك غش فيك، وسوء نية في المسلمين.

فاعلم أن من كره الصواب من غيره، ونصر الخطأ من نفسه، لم يؤمن عليه أن يسلبه الله ما علمه، ويُنسيه ما ذكره، فمن سمع الحق فأنكره بعد علمه له فهو من المتكبرين على الله

”ہر وقت دوسروں کی راستی کا غم کھاتے رہنا آپ کے نفس کا دھوکا اور مسلمانوں کے بارے میں سوہ ظن ہے۔ جان لے کہ جو شخص دوسرے کی راستی ناپسند جانے اور اپنی غلطی کی تائید کرے تو کوئی بعید نہیں کہ اللہ اس کا علم سلب کر لے اور اس کی یاد کی ہوئی بات اسے بھلا دے کیونکہ جو شخص حق سن لے پھر اسے جان لینے کے بعد اس کا انکار کرے وہ اللہ کے مقابل تکبر کرنے والوں میں سے ہے۔“

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

”ذمّ الله تعالى من يردُّ الحق إذا جاء به من يُبغضه، ويقبّله إذا جاء به من يُحبُّه، فهذا خلُقُ الأمة الغضبيّة“

”اللہ نے اس شخص کی مذمت بیان کی ہے جس کا طرز عمل یہ ہو کہ اگر اس کے ناپسندیدہ شخص کی جانب سے حق آئے تو رد کر دے اور اگر پسندیدہ شخص کی طرف سے آئے تو اپنالے۔ یہ تو مغضوب امت کی خصلت ہے۔“

اللہ کے بندو! یہ معاملہ اس شخص کیلئے اور بھی اہم ہے جس کا علم اور دعوت سے کوئی تعلق اور الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں کوئی حصہ ہے کہ وہ اس بات میں اللہ کا ڈر ملحوظ رکھیں جسے وہ اپناتے ہیں یا جسے چھوڑتے ہیں، بڑی بڑی برائیوں کی تشہیر سے دور رہیں اور قابل معافی لغزشوں کا تعاقب نہ کریں۔ یہی وہ درمیانی روش ہے جو دیگر تمام امتوں کے مقابلے میں ہماری امت کا امتیاز ہے۔

ألا أيها العقلاء احذروا \*\*\* لئلا يزل بنا عالمٌ

فإن بزلته عشرة\*\*\* يزل على إثرها عالمٌ

”اے دانشمندو! محتاط رہو کہ کہیں ہمارا عالم ہمیں نہ پھسلادے۔ اس کا پھسلنا ایسی ٹھوکر ہے کہ اس سے سارا جہان پھسل سکتا ہے“

مخلوق میں سے بہترین اور انسانیت کی پاکیزہ ترین ہستی، صاحبِ حوض و شفاعت محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھو۔ اللہ نے اس ضمن میں تمہیں ایک ایسا حکم دیا جس کی ابتداء اس نے خود کی، پھر اس پر فرشتوں نے عمل کیا اور اے اہل ایمان! پھر اس پر عمل کے لئے تمہیں پکارا اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کے چار صحابہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم پر رحمت، سلامتی اور برکتیں اتار اور اے اللہ! اپنے نبی ﷺ کے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم اور تاقیامت ان کے پیچھے چلنے والوں سے راضی ہو جا اور اے ارحم الراحمین! ان کے ساتھ ساتھ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی اپنی رضا عطا فرما۔



## پہلا خطبہ

ساری تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، ہم اس کی ثناء بیان کرتے ہیں۔ اس سے مدد مانگتے ہیں۔ اس سے بخشش کا سوال کرتے ہیں۔ اس کے حضور توبہ کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کے شر سے اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، جسے وہ ہدایت دے دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“ (سورۃ آل عمران: 102)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي فَسَّأَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ﴾

أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿ (سورة الاحزاب: 70-71)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

حمد و ثناء کے بعد، سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ سب سے برے امور وہ ہیں جو خود ساختہ ہوں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑ لو، اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے اور جو کوئی اس سے علیحدہ ہو، وہ آگ کی جانب علیحدہ ہوتا ہے۔

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

”مگر جو شخص رسول کی مخالفت کرے اور اہل ایمان کے سوا کسی اور روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو، تو اُس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جہرودہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے“ (النساء: 115)

اے اہل اسلام! کارزارِ زندگی مصائب، پریشانیوں اور انسان کی ان خامیوں اور اچھائیوں سے بھرپور ہے جو اس کے سینے میں پریشانی کی آگ بھڑکاتی ہیں جہاں نہ ہو اور امید سن ہے کہ وہ پریشانی بھڑک کر شعلہ بن جائے اور نہ پانی ہے کہ بجھ جائے اور انسان یونہی غم کی اس آگ میں جل جل کر بتدریج ختم ہوتا اور ہلاک ہو جاتا ہے۔

دراصل یہ الناکِ زندگی کی گردشیں ہیں جن میں لوگ سرگرداں رہتے ہیں۔ اپنی ذات کی تجارت کرتے ہیں پھر یا تو اسے آزاد کر لیتے ہیں یا ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ لوگوں کو



نیک فہمی اور بد فہمی سے بھراست  
 بچنے والی یا ان کے گھروں میں اترنے والی ٹکلیوں اور پریشانیوں سے متعلق لوگوں کا یہی رویہ ہے سوائے اس کے جس پر اللہ رحم کرے اور ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

جب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں کہ ہمارے دینی بھائیوں پر یا ہمسایوں پر یا رشتہ داروں پر یا ان کے آگے پیچھے خود ہم پر مصیبتیں اور پریشانیاں پڑ رہی ہیں تو ان کے سامنے ہماری آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہے اور ہم ان کا مقابلہ کرنے کیلئے ایک اندھی اونٹنی کا سامنا معقول رویہ اپناتے ہیں۔ ہم پر ناامیدی، مایوسی اور بد فہمی کے گہرے بادل چھا جاتے ہیں جس سے پریشانی مزید بڑھتی ہے اور کرب میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہمیں بڑی مشقت سے آسمان کی جانب چڑھنا پڑ گیا ہے۔ اس طرح ہمارے زخم اور زیادہ دردناک ہو جاتے ہیں۔

یہ سب کچھ ہمیں تب پیش آتا ہے جب ہم اللہ سے اچھی امید یا حسن ظن کو کھو بیٹھتے ہیں کیونکہ پریشانیوں، مصیبتوں اور تنگیوں کے جہوم میں ہم سب کے لئے بے انتہا ضروری ہے کہ ہم بعد میں آنے والی کشادگی اور خوشحالی کا تصور اپنے سامنے رکھیں۔

ہر وہ معاشرہ جسے داخلی و خارجی جنگوں اور تخریب کاریوں کا سامنا نہ ہو، وہ عافیت میں ہے۔ اسے چاہئے کہ اس نعمت کا احساس کرے۔ اور اسے عقیدہ، نظریات، خوراک، صحت، مال و دولت اور نظام جرم و سزا کے باب میں اسے برابر اور مسلسل جو استحکام اور امن حاصل ہے اس کے نفاذ کے اسباب مہیا کرے اور لا قانونیت، افتراق اور گروہ بندی کے اسباب کا قلع قمع کرنے میں اپنی پوری ہمت اور کوشش صرف کرے اس سے پہلے کہ ہمارے پاس کوئی چارہ رہے نہ قوت۔ کیونکہ پرہیز علاج سے اور بچاؤ نجات کی کوشش سے بہتر ہے۔

آزمائشوں اور مصیبتوں کی سب سے بہترین دوا اور حال اور انجام کے اعتبار سے سب سے سود مند علاج یہ ہے کہ اللہ پر اچھا گمان کیا جائے، آدمی کے احساس سے نیک امید جنم

لے کیونکہ نیک امید سے ہی پروردگار پر اچھا گمان قائم ہوتا ہے اور نبی ﷺ کی سیرت کی پیروی نصیب ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اچھی فال پسند تھی جبکہ آپ ﷺ بد فالی کو ناپسند کیا کرتے تھے کیونکہ یہ بغیر کسی حقیقی وجہ کے اللہ پر برا گمان قائم کرنے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ پریشانیوں کو باعث اجر بناتا ہے۔ ان کے درجات بلند کرتا ہے۔ گناہ مٹاتا ہے اور پھر انہیں آسانی سے اور اچھے نتائج سے نوازتا ہے۔ کتنی ہی پریشانیاں ایسی ہیں جن کے دامن میں آسانیاں ہوتی ہیں اور کتنی ہی تکلیفیں ہیں جو خوشحالیوں کا پیش خیمہ بنتی ہیں۔

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا \* إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ (سورۃ الشرح: 5-6)

”یقیناً! سختی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔ بے شک سختی کے ساتھ فراخی بھی ہے۔“

جبکہ ایک پریشانی دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔ لیکن پریشانی سے آسانی تک پہنچنے کا راستہ صرف نیک فال اور اللہ سے اچھی امید قائم کرنا ہے۔ اس سے آپ کو ایک روشنی جگمگاتی دکھائی دے گی خواہ آپ آنکھوں سے محروم ہی کیوں نہ ہوں جبکہ بد فالی سے صرف اندھیرے ہی نظر آتے ہیں خواہ آپ کی نگاہ لوگوں میں سب سے تیز ہو۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کا جائزہ لینے والا آپ ﷺ کی زندگی کو نیک فال اور اچھی امید سے بھرپور پاتا ہے خواہ آپ ﷺ جانی دشمن کے سامنے بھی کھڑے ہوتے تو اچھی امید قائم کرتے۔ صلح حدیبیہ میں جب قریش کی طرف سے سمیل بن عمرو نامی ایک شخص بطور نمائندہ آیا تو آپ ﷺ نے اس کے نام ”سمیل“ سے اچھی فال لیتے ہوئے فرمایا کہ

﴿لَقَدْ سَهَّلَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ﴾ (صحیح بخاری: 2731)

”تمہارا معاملہ آسان ہو گیا۔“

نیک فال میں چونکہ اللہ پر اچھا گمان پایا جاتا ہے اور بندے اور پروردگار کے مابین اسی نیک گمان کی بنیاد پر تعلق قائم ہوتا ہے تو نبی کریم ﷺ کو اسی بنا پر نیک فال اس قدر پسند تھی

کہ آپ ﷺ کسی آدمی کا نام رکھتے ہوئے اچھائی کا خیال رکھتے اور وہ نام پسند کرتے جس میں بد فحالی کی بجائے نیک فال کا پہلو ہوتا۔

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک مرتبہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے دادا آئے۔ جن کا نام ”حزن“ تھا یعنی دشوار اور مشکل۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«مَا اسْمُكَ» قَالَ: اسْمِي حَزْنٌ، قَالَ: «بَلْ أَنْتَ سَهْلٌ» قَالَ: مَا أَنَا بِمُعْغِزٍ اسْمًا سَمَانِيَهُ أَبِي قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: «فَمَا زَالَتْ فِيْنَا الْحُزُونَةُ بَعْدُ» (صحيح بخاری: 6193)

”تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میرا نام حزن ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، تم تو ”سہل“ ہو، یعنی آسان اور نرم۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے والد کا رکھا ہوا نام نہیں بدل سکتا۔ تو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہمارے خاندان میں سختی و درشتی ہمیشہ رہی۔“

جبکہ نبی کریم ﷺ کی یہ نیک فال محض واقعاتی امور تک محدود نہ تھی بلکہ آپ ﷺ اپنے خوابوں کی تعبیر میں بھی اسی نیک فحالی کے طریقے پر کاربند تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فِيمَا بَرَى النَّائِمُ، كَأَنَّآ فِي دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ، فَأَتَيْنَا بِرُطَبٍ مِنْ رُطَبِ ابْنِ طَابٍ، فَأَوْلَتْ الرِّفْعَةَ لَنَا فِي الدُّنْيَا، وَالْعَاقِبَةَ فِي الْآخِرَةِ، وَأَنَّ دِينَنَا قَدْ طَابَ»

”میں نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ ہم عقبہ بن رافع کے گھر جمع ہیں اور ہمارے پاس ابن طاب کی بہت ہی عمدہ کھجوریں لائی گئی ہیں۔ تو میں نے اس کی تعبیریوں کی کہ ہمیں دنیا میں بلندی ملے گی۔ آخرت میں ہمارا انجام اچھا ہو گا اور ہمارا دین سر بلند ہو گا۔“ (صحیح مسلم: 2270)

دیکھئے کہ ہمارے حبیب اور رہنما کی سیرت نیک فال سے کس قدر بھرپور ہے۔ آپ ﷺ پسند نہیں کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی امت ناامید ہو یا بد حالی لے۔ کیونکہ آپ ﷺ کو تو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا تھا۔ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کے قریب کرتے، ان میں نیک امید اور اچھے گمان کی روح جگاتے حتیٰ کہ اس موقع پر بھی جب آدمی اپنے رب سے دعا کر رہا ہو۔ حضور ﷺ ہمیں نیک فال کی تلقین کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

«ادْعُوا اللَّهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ» (جامع ترمذی: 3479)

”اللہ سے دعا یوں مانگو کہ تمہیں قبولیت کا پورا یقین ہو۔“

وإِنِّي لَأَدْعُو اللَّهَ حَتَّى كَأَنَّمَا أُرَى بِجَمِيلِ الظَّنِّ مَا اللَّهُ صَانِعٌ

”میں اللہ سے اس حال میں دعا مانگتا ہوں کہ گویا اپنے اچھے گمان کی بدولت دیکھ

لیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے“

آپ ﷺ اپنی امت کی تربیت اسی نیک فال پر کرتے خواہ انہیں کتنے ہی سخت حالات گھیر لیں۔ خواہ ان پر مصیبتوں اور تکلیفوں کا جہوم ہو۔ پہاڑ پھٹ جائیں اور زمین گرد و غبار سے اٹ جائے کیونکہ آسانی دراصل نیک امید میں اور کشادگی اللہ پر اچھا گمان قائم کرنے میں مضمر ہے۔ نبی کریم ﷺ جب اپنے صحابہ کے ساتھ نماز استسقاء ادا کرتے تو اپنی چادر کی تہہ کو اس نیک امید کے ساتھ پلٹاتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی تنگی کو آسانی میں اور قحط سالی کو بارش اور خوشحالی میں بدل دے۔

جب بارش کے نہ ہونے کی صورت میں اس طرح نیک امید پر قائم رہنے کی ضرورت ہے تو نصرت، عزت، طاقت اور وقار کے چھن جانے کی صورت میں کس قدر ضرورت ہوگی نیک امید سے وابستہ رہنے کی؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب خوارج کے ساتھ لڑائی کیلئے نکلنا چاہا تو ایک نجومی ان کے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ امیر

المومنین! آپ یہ سفر نہ کیجئے۔ کیونکہ چاند برج عقرب میں ہے اور اگر اس حالت میں آپ سفر کرتے ہیں تو آپ کے ساتھی شکست کھا جائیں گے۔ تو سیدنا علیؑ فرماتے لگے کہ "بل تُسافِرُ ثَقَّةً بِاللَّهِ، وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ، وَتَكْذِبِيَا لَكَ". فسافر، فبورك له في ذلك السفر، حتى قتلَ عامَّةَ الخوارج. وكان ذلك من أعظم ما سُرَّ به"

”ہم تو اللہ پر اعتماد اور توکل کرتے ہوئے اور تجھے جھٹلاتے ہوئے یہ سفر ضرور کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے سفر کیا اور ان کا یہ سفر مبارک رہا اور اکثر خارجی مارے گئے۔ چنانچہ آپؑ کو اس سے بے انتہاء مسرت ہوئی۔“

یہی وہ نیک فال اور اچھی امید ہے جو انہوں نے اپنے حبیب اور قائد سے سیکھی تھی۔ اس لئے اے انسان! تجھے زندگی اور اس کے کاموں میں امید یا ناامیدی، نیک شگون یا بد شگونی دونوں کا اختیار ہے۔ لیکن اگر امید اور نیک شگون ہو گا تو اللہ کی معیت حاصل ہوگی اور اگر ناامیدی اور بد شگونی ہوگی تو شیطان کا ساتھ ہوگا۔

﴿لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

”تا کہ ایمان لانے والے لوگ اُس سے رنجیدہ ہوں، حالانکہ اللہ کی اجازت کے بغیر وہ انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔“ (سورۃ الحجرات: 10)

جبکہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

«أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي» (صحیح بخاری: 3603)

”میں اپنے بندے کے اسی گمان کے پاس ہوں جو وہ میرے متعلق قائم کرے۔“

اس لئے اے انسان! یہ دونوں راستے اور دونوں دروازے تیرے سامنے کھلے ہیں۔ اب تو خود فیصلہ کر لے کہ تجھے کون سا طریقہ اور کون سا دروازہ اختیار کرنا ہے۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ \* إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِيْنِ﴾

”ہر تنفس، اپنی کمائی کے رہن میں ہے، دائیں بازو والوں کے سوا“ (مدثر: 38-39)

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کیلئے قرآن مجید کو بابرکت بنائے۔ مجھے اور آپ سب کو اس کی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ پہنچائے۔ میں نے اپنی بات کہہ دی ہے، اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کی جانب سے ہے اور میں اللہ سے اپنے لئے، آپ کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے ہر گناہ اور خطا کی بخشش مانگتا ہوں۔ تم بھی اسی سے بخشش مانگو اور اسی کے حضور توبہ کرو یقیناً وہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

### دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کی تعریف ہے اور اس کی توفیق و امتنان پر اس کا شکر ہے۔

حمد و ثناء کے بعد: اللہ کے بندو اللہ کا ڈر اپناؤ۔ یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ آدمی جب لوگوں اور جماعتوں کو مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا دیکھے تو اسے اس بات پر تعجب کرنا چاہئے کہ کس طرح ان کے حوصلے پست ہو چکے ہیں اور ان کی ہمتیں جو اب دے گئی ہیں اب نہ تو وہ سر بلندی کی کوئی کوشش کرتے ہیں اور نہ نیک امید قائم کرتے ہیں۔ ان کے دلوں پر مایوسی، ناامیدی اور شکست خوردگی کے لشکر اپنے خیمے گاڑ چکے ہیں، اب نہ تو انہیں امید کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے اور نہ نیک شگونی کی کوئی راہ سوچتی ہے۔

اگر ان لوگوں کو بخوبی شعور ہو تاکہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے، وہ تو پناہ دیتا ہے مگر اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا، جو وہ چاہے، وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے، وہ نہیں ہو سکتا، اگر انہیں ان باتوں کا علم ہوتا، تو انہیں مایوسی اور ناامیدی ہرگز نہ گھیرتی جو انہیں پریشانی، غم اور اضطراب میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ اور بسا اوقات یہ ایسے بچھے ہوئے جال کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جو ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

اللہ کے بندو! نیک شگونی میں صبر، رضا، امید، نصرت اور عزت پائی جاتی ہے جبکہ مایوسی اور بد شگونی میں بے چینی، پریشانی، اضطراب اور ناکامی پائی جاتی ہے۔ ضروری نہیں کہ نیک شگون سے چیزیں اسی طرح پیش آئیں بلکہ دراصل یہ بد شگونی اور ناامیدی کا علاج ہے۔ اچھی امید سے آدمی کی سوچ اور جسم سلامت رہتا ہے اور بندہ اللہ کے اور اس کے رسول کے قریب ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے نیک امید کا حکم دیا ہے جبکہ مایوسی کی فضا میں بندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دور ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے مایوسی سے منع کیا ہے۔

نیک شگون عمل کا پہلا قدم ہے اور بد شگونی سستی، حوصلوں کی شکستگی اور خواہش نفس کی پیروی کا پہلا زینہ، نیک شگون کی حیثیت زخم کے مرہم کی سی ہے اور بد شگونی کی حیثیت زخم پر ڈالے گئے نمک کی طرح ہے۔ اس لئے اللہ کے بندو! اچھی امید اللہ پر اعتماد اور اس کی قضاء و تقدیر پر ایمان سے عبارت ہے جبکہ بد شگونی اللہ کے متعلق بدگمانی قائم کرنے اور اس کی قضاء و تقدیر میں شک کرنے کے مترادف ہے۔ نیک شگونی زندگی ہے اور بد شگونی موت۔ نیک شگونی نور و سعادت ہے۔ اس لئے اپنے اچھی امید سے روشن راستے پر اطمینان سے چلا جا۔ بد شگونی ظلمت اور بد بختی کے سوا کچھ نہیں۔ جو بد شگونی میں مبتلا ہوا، ہلاک ہو گیا۔

خیر الخلاق اور انسانیت کی پاکیزہ ترین ذات، صاحب حوض و شفاعت محمد بن عبد اللہ پر درود و سلام پڑھو۔ اللہ نے تمہیں اس ضمن میں ایسا حکم دیا ہے جس کی پہل اس نے خود کی، پھر اس کی تسبیح پڑھنے والے فرشتوں نے اس پر عمل کیا اور پھر اے اہل ایمان! تمہیں اس پر عمل کیلئے پکارا۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)





## پہلا خطبہ

ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، بخشش کے طلبگار ہیں، اس کے حضور توبہ کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کے شر سے اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾ (سورة آل عمران: 102)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے، اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، رشتہ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو، یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔“ (سورة النساء: 1)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورة الاحزاب: 70-71)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا، جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

حمہ و شام کے بعد، اے لوگو! انسان فطری طور پر خبروں کے حصول کا شیدائی اور افواہوں پر کان دھرنے والا ہے، ہمیشہ اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ کوئی خبر زمین تک پہنچنے سے قبل فضاء ہی سے اچک لے اور دوسری طرف یہ ان افواہوں کی تحقیق اور ان سے متعلق سمجھ بوجھ اور طبیعت میں ٹھہراؤ پیدا کرنے کے معاملہ میں انتہائی لاپرواہی کا مرتکب ہے۔ زیادہ تر لوگوں کی حالت یہی ہے سوائے ان چند افراد کے جن پر اللہ کی خاص رحمت ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ (سورة الانبياء: 37)

”انسان جلد باز مخلوق ہے۔“

مزید فرمایا:

﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا﴾ (سورة الاسراء: 11)

”انسان ہے ہی بڑا جلد باز۔“

عقلی اور شرعی طور پر یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مستحکم واقعات اور امت سے متعلق وہ عمومی خبریں جو بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، ان میں خوب جانچ پرکھ سے کام لینا چاہئے اور ان کے وقوع کی تصدیق میں اس وقت تک جلد بازی نہ کی جائے جب تک کہ کسی خبر کے وقوع

کی ساری شرطیں اکٹھی نہ ہو جائیں۔ جبکہ ان کی تحقیق بھی ایسے لوگوں کو کرنی چاہیے جو دانش مند ہوں، بحرانوں میں بہترین کردار نبھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور حقوق اور ذمہ داریوں میں غیر سنجیدہ اور ان کا مذاق اڑانے والے نہ ہوں۔

بہت سارے لوگ سنی سنائی باتیں، انواہیں اور خلاف حقیقت خبریں پھیلانے میں جلد بازی سے اس لیے کام لیتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خامیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس طرح کارویہ شکوک و شبہات کے وقت پیچیدگیوں کو مزید بڑھا دیتا ہے اور مشکلات کے وقت عقل و خرد سے تہی دامن کر دیتا ہے، لہذا جس مصیبت سے اور مشکل سے نکلنے کی کوشش کی جاتی ہے اس میں انسان مزید پھنستا اور شکار ہوتا جاتا ہے۔

انسانی عقل و فکر کا معیار تو یہ ہے کہ معاملات میں سوچ بچار کرے اور غور و فکر سے کام لے، خصوصاً ان معاملات میں جو لوگوں کے حقوق و فرائض، ان کی آبرو، ان کے مال اور ان کے دین سے متعلق ہو۔

جلد بازی کی مذمت یہی بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جلد بازی کا انجام ندامت و حسرت بتایا ہے اور یہ ندامت آدمی کو اس وقت لاحق ہوتی ہے جب کہ ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصِيبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾

”اے مومنو! اگر کوئی فاسق تمہیں خبر دے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر نادم اور پشیمان ہو جاؤ۔“ (سورۃ الحجرات: 6)

زیادہ تر انواہوں اور بے سرو پا خبروں کے پیچھے فضول شوق اور ٹوہ پسندی کے جذبات

کار فرما ہوتے ہیں۔ بعض لوگ تو بغیر کسی سبب کے خبروں کے حصول کے لیے پیسے تک خرچ کر ڈالتے ہیں۔ حالانکہ کچھ وقت صبر و تحمل سے کام لیا جائے تو وہی خبریں بلا معاوضہ ان تک پہنچ جاتی ہے، پرانے زمانے سے کہا جاتا ہے:

سُئِدِي لَكَ الْاَيَامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا \*\*\* وَيَأْتِيكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدْ

وَيَأْتِيكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَبِعْ لَهٗ \*\*\* بِنَاتَا وَلَمْ تَضْرِبْ لَهٗ وَقْتٌ مَوْعِدِ

”بہت جلد شب و روز کی گردش ایسی خبریں اور معلومات آپ تک پہنچا دے گی جس سے آپ نا آشنا تھے اور جن کے حصول کے لیے آپ نے کسی کو نہیں بھیجا۔ اور خبریں آپ کے پاس وہ لے کر آئیگا جسے آپ نے کبھی خبروں کی ٹوہ لگانے کا نہیں کہا اور نہ ہی کبھی اس کے لیے وقت دیا۔“

ہمیشہ افواہوں اور غیر مصدقہ خبروں کے پیچھے فضول شوق ہی نہیں ہوتا بلکہ اکثر اوقات ان کا بڑا مقصد افراتفری پھیلا کر فکری، سیاسی، اجتماعی، اقتصادی یا مذہبی انتشار کے مقاصد حاصل کرنا ہوتا ہے، تاکہ مستحکم کو غیر مستحکم کیا جاسکے اور نظم و نسق میں انار کی پھیلا کر وحدت کو منتشر کیا جاسکے۔

سنجیدہ معاشرے میڈیا کی فضول باتوں کو اپنے اندر سرایت نہیں کرنے دیتے کیونکہ ان سے وحدت پیدا ہونے کی بجائے شیرازہ بکھرتا ہے، فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے، تعمیر و ترقی کے لیے کی جانے والی ساری محنت اور کاوش رائیگاں چلی جاتی ہے اور اسی طرح افواہیں پھیلاتا اور بے سرو پا خبروں کی ترویج تو بیوقوف، کم عقل اور کند ذہن معاشرے کی علامات ہیں جو اپنے فراغت کے اوقات اس طرح گزارتے ہیں، اور یہ انہیں مزید نکمابنادیتے ہیں۔ ان کے سینے کسی راز کو چھپانے کے قابل نہیں رہتے بلکہ باتیں اگلتا ان کی بڑی کمزوری بن جاتی ہے۔

جو معاشرے اپنی عمر کے قیمتی اوقات کو قیل و قال میں صرف کرنا شروع کر دیں ان میں ذہنی پتھلی نہیں آتی اور نہ ہی ایسے لوگ مشکلات کا بار اٹھانے کے قابل ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قَيْلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، وَكَثْرَةَ

السُّؤَالِ» (صحیح بخاری: 1477)

”اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں تمہارے لیے ناپسند کی ہیں، بلاوجہ گپ شپ، کثرت سوال اور مال کا ضیاع۔“

اللہ آپ کا بھلا کرے! غور کریں کہ حدیث میں قیل و قال، کثرت سوال اور اضاعت مال کو کس طرح پر دیا گیا اور ارشاد کیا گیا کہ مال کا ضیاع افلاس کا سبب بنتا ہے، سوالات کی کثرت مشقت میں پڑنے کا ذریعہ بنتی ہے اور اسی طرح وقت کا ضیاع اپنے قیمتی اوقات سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ان کی تباہی کا سبب بنتا ہے جس سے ماحول میں اور مزید الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ رحمت کرے، فرماتے ہیں کہ

”شاهدتُ خلقًا كثيرًا لا يعرفون معنى الحياة؛ فمِنْهُمْ مَنْ يَقْطَعُ

الزَّمَانِ بِكَثْرَةِ الْحَوَادِثِ مِنَ السَّلَاطِينِ، وَالْعَلَاءِ وَالرُّخْصِ، إِلَى غَيْرِ

ذَلِكَ، فَعَلِمْتُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يُطْلِعْ عَلَى شَرَفِ الْعُمَرِ وَمَعْرِفَةِ قَدْرِ

الْأَوْقَاتِ الْعَافِيَةِ إِلَّا مِنْ وَقْفِهِ اللَّهُ وَالْهَمَّهُ اغْتِنَامَ ذَلِكَ:

«وَمَا يُلْقَاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقَاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ»

(سورة فصلت: 35)

”میں نے بہت سارے لوگوں کو دیکھا جو زندگی کا معنی تک نہیں جانتے۔ اپنا وقت حکمرانوں، ارزانی اور مہنگائی کی باتوں میں ضائع کرتے ہیں۔ تو مجھے سمجھ آگئی کہ اللہ

تعالیٰ نے وقت کی قدر اور انسانی عمر کے شرف کی سمجھ صرف ان لوگوں کو دی ہے جو ان اوقات کو غنیمت جانتے ہیں۔“

”اور یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے ماسوائے بڑے نصیب والوں کے کوئی نہیں پاسکتا۔“ (صید الطیر: 1/241)

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم متانت اور سنجیدگی اپنائیں۔ بغیر سوچے سمجھے اور بغیر تحقیق کے ہر آنے والی خبر کو قبول نہ کریں۔ کیونکہ اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، بدگمانیوں کی بنیاد پر قدم اٹھالیے جاتے ہیں، حقائق ٹپٹ ہو جاتے ہیں۔ برئی الذمہ لوگ مورد الزام ٹھہرتے ہیں جو باتیں انہوں نے نہیں کی ہوتیں، وہ ان کے سر تھوپ دی جاتی ہیں اور ان کی باتوں کو اپنی مرضی کا مفہوم دے دیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سنا کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے چنانچہ وہ اپنے گھر سے نکلے، مسجد میں آئے اور دیکھا کہ لوگ بھی یہی بات کر رہے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”نہیں“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اٹھے مسجد کے دروازے پر آکر بلند آواز سے پکارا اور کہا کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی، تب یہ آیات نازل ہوئی:

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوْ الْحُوفِ إِذْ دَعَاؤُهُمْ وَوَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾

”یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سن پاتے ہیں، اُسے لے کر پھیلا دیتے ہیں، حالانکہ اگر یہ اُسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی

صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔“ (سورۃ النساء: 83)

اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہمارے کان ان لوگوں کی طرح نہیں ہونے چاہئیں جو بغیر سوچے سمجھے سنتے اور خبریں اکٹھی کرتے ہیں پھر بے لگام اور بلا روک ٹوک آگے ان کی ترسیل شروع کر دیتے ہیں۔

کسی بھی خبر میں بنیادی چیز اس کی سچائی اور جھوٹ کی تحقیق ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس خبر کا معنی اور مفہوم کیا ہے، اسے اس کے اصل مفہوم ہی میں دیکھنا چاہئے اور اس کے مفہوم میں اضافہ نہیں کرنا چاہئے جس سے اس کا معنی بدل جائے۔ اگر ہم بے سبکی سنتے سنتے رہیں تو اس طرح انسان جھوٹ بولنے کا عادی بن جاتا ہے اور پھر گناہوں کی دلدل میں دھنسا چلا جاتا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ»

”کسی شخص کو (برباد کرنے کے لیے) اتنا جھوٹ ہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی باتیں

کرنا پھرے۔“ (مقدمہ صحیح مسلم: 5)

اور جب اس خبر کا تعلق دینی معاملات سے ہو تو معاملہ اور بھی گھمبیر ہو جاتا ہے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کے حوالے سے کوئی بات بیان کرنا یا سوشل میڈیا اور اجتماعات میں بغیر تحقیق کے اعمال کی فضیلتیں بیان کرنا، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَذَّبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» (مسلم: 3)

”جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔“

اللہ کے بندو! ہمارے دین نے ہمیں ایسی ہی تعلیم دی ہے۔ کیا کوئی عقلمند ایسا ہے جو ان تعلیمات کو یاد رکھے اور ذرائع ابلاغ میں ان کا لحاظ کرے، موجودہ دور میں یہ اہم ترین چیز ہے کیونکہ واقعات، افواہیں اور خبریں نقل کرنے کے لیے یہ اہم ترین ذریعہ ہے اور انہی کو

مد نظر رکھ کر ہی کوئی دانش مند ذرائع ابلاغ کے سچے یا جھوٹے ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اسی طرح ان تعلیمات کا انفرادی زندگی میں بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ہر فرد اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور ہاتھوں سے لکھی ہوئی ٹھوس تحریر کا ذمہ دار ہے اور اس کا اس نے حساب دینا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (سورۃ ق: 18)

”کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگر اس موجود نہ ہو۔“

اسی طرح اس کا فرمان ہے:

﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ \* كِرَامًا كَاتِبِينَ \* يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾

”حالانکہ تم پر نگراں مقرر ہیں، ایسے معزز کاتب، جو تمہارے ہر فعل کو جانتے

ہیں۔“ (سورۃ الانفطار: 10-12)

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لیے قرآن کو باعث برکت بنائے اور اس میں جو آیات اور ذکر حکیم ہے، اس سے مجھے اور آپ کو نفع و فائدہ دے۔ میں نے جو کچھ بھی کہا اگر وہ درست ہے تو اللہ کی توفیق سے ہے۔ اگر غلط ہے تو محض میری طرف سے ہے اور وہ شیطانی تصور ہے۔ میں اپنے لیے، آپ کے لیے، تمام مسلمانوں کے لیے ہر قسم کی خطا اور گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور آپ بھی استغفار کریں اور توبہ کریں کہ وہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کی تعریف ہے اور اسی کا شکر ہے کہ وہ توفیق دیتا ہے اور احسان کرتا ہے۔



حمہ و ثناء کے بعد، اللہ کے بندو! اللہ کا ڈر اپناؤ اور یہ بات خوب ذہن نشین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے خبروں کی نشر و اشاعت اور ان کے مطابق عملی قدم اٹھانے سے پہلے ان کی تحقیق اور جانچ پڑتال کا جو حکم ہمیں دیا ہے وہ اس کے خطرناک پہلوؤں سے انسانیت کو بچانے کے لیے ہے اور اس لیے بھی کہ ان کی وجہ سے پانچ بنیادی چیزیں یعنی دین، عقل، عصمت و آبرو، اور جان بری طرح متاثر ہوتی ہیں جن کی حفاظت شریعت کا اولین مقصد ہے۔

کتنی ہی جھوٹی خبریں ہیں جن کی وجہ سے ناحق قتل ہوئے یا کچھ لوگ پابند سلاسل ہوئے۔ کتنی ہی جھوٹی خبریں ہیں جن کی وجہ سے میاں بیوی میں طلاق ہوئی اور پورے کے پورے خاندان اجڑ گئے۔ کتنی جھوٹی خبریں اور افواہیں ہیں جن کی وجہ سے پوری قوم خوف و ہراس کا شکار ہو گئی اور کچھ قومیں مفلس اور کنگال ہو گئیں۔ لوگ انکے بارے میں بد ظنی اور بدگمانی کا شکار ہو گئے۔ انہی افواہوں کی وجہ سے کتنے لوگ بے آبرو ہوئے، ان کے مال و جان پر زیادتیاں ہوئیں اور ان کی دینداری کی وجہ سے ان پر ظلم ہوا۔

عمومی طور پر خبروں کے بارے میں غلط روش دو طرح سے ہوتی ہے، خبر دینے والے کے صدق و کذب میں غلطی کی وجہ سے یا پھر خبر کو سمجھنے اور مناسب موقع پر چسپاں کرنے میں غلطی کی وجہ سے۔ اس لیے خبریں حاصل کرنے والوں میں دو بنیادی عناصر کا ہونا ضروری ہے۔ ایک علم اور دوسرا عدل و انصاف۔

علم اس لیے ضروری ہے کہ کسی چیز کے بارے میں صحیح فیصلہ اس کے صحیح تصور ہی کی بنیاد پر لگایا جاسکتا ہے جبکہ عدل کا عنصر اس لیے ضروری ہے تاکہ آنے والی خبر کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا جاسکے۔ نہ تو ذاتی پسند کی وجہ سے اسے پذیرائی دی جائے اور نہ ہی ذاتی رنجش اس کے بارے میں انصاف سے کام لینے میں مانع ہو۔

اگر لوگ سنجیدگی، متانت، وقار اور تحملت سے کام لیں تو بہت ساری پریشانیاں اور

خوف و ہراس ختم ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ بہت ساری خبریں سرے سے درست ہی نہیں ہوتیں، ایسی خبریں پہنچتے ہی ان کی تحقیق کر لی جائے تو غلط ہونے کی صورت میں انکے انجام بد سے بچا جاسکتا ہے۔

اور صحیح ہونے کی صورت میں حالات سے ہم آہنگی اور موزونیت میسر آتی ہے۔ کتنے ہی خاموش لوگ ایسے ہیں جن کی طرف سے بے سرو پا باتیں پھیلائی اور اڑائی جاتی ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے:

وَهُمْ نَقَلُوا عَنِّي الَّذِي لَمْ أَفْهَ بِهِ \*\*\* وَمَا أَفَةُ الْأَخْبَارِ إِلَّا رُؤَاثُهَا  
 ”انہوں نے میری طرف سے ایسی باتیں نقل کیں جنہیں میں کبھی زبان پر نہیں

لایا۔ خبروں میں اصل مصیبت اور آفت تو انہیں بیان کرنے والے ہی ہیں۔“

نبی ﷺ کی سیرت میں ہمیں ایک ایسا واقعہ ملتا ہے جو ایسے معاملات کے متعلق عبرت و نصیحت سے لبریز ہے

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے چار رکعت والی نماز میں دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر

دیا۔

وَخَرَجَ سَرْعَانُ النَّاسِ فَقَالُوا: أَقْصَرَتِ الصَّلَاةُ؟ وَرَجُلٌ يَدْعُوهُ  
 النَّبِيُّ ﷺ دُو الْيَدَيْنِ، فَقَالَ: أَنْسَيْتَ أَمْ قَصُرَتْ؟ فَقَالَ: لَمْ أَنْسَ وَلَمْ  
 تُقْصِرْ، قَالَ: «بَلَى قَدْ نَسَيْتَ، فَصَلِّ رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلِّمْ»

”جلد باز لوگ جلدی جلدی نکل گئے اور کہنے لگے کہ نماز کم کر دی گئی ہے۔ ایک ”ذوالیدین“ نامی شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا نماز میں کمی کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”نہ نماز میں کمی کی گئی ہے اور نہ ہی میں بھولا ہوں۔“ تو اس نے عرض کی کہ، آپ ﷺ بھول گئے ہیں۔ چنانچہ جب

آپ ﷺ کو یہ حقیقت معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے دور کعتیں مزید پڑھائیں اور پھر سلام پھیرا۔“ (صحیح بخاری: 1229)

اللہ آپ کا بھلا کرے! غور فرمائیں، خبر پھیلانے میں جلد بازی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں کبھی کبھار دینی احکام تک کی صورت مسخ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تحقیق کا اثر اور نتیجہ بھی دیکھیں کہ کس طرح نماز میں کمی کی غلط فہمی دور ہوئی اور پتہ چل گیا کہ یہ بھول تھی، نیا شرعی حکم نہیں تھا۔

اے اللہ کے بندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس ذات پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے اس پر درود و سلام بھیجو۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! روشن جبین اور منور چہرے والے اپنے بندے اور پیغمبر محمد ﷺ پر رحمتیں، اور سلامتی نازل فرما۔ اور اے اللہ! آپ ﷺ کے چاروں خلفاء ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اپنے نبی کے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والے تمام لوگوں کو اپنی رضاء عطا فرما اور اے ارحم الراحمین! ان کے ساتھ ساتھ اپنے فضل و کرم اور احسان سے ہمیں بھی اپنی رضاء عطا فرما۔



(21)

## خود غرضی کی تباہ کاریاں

6 جمادی اولیٰ 1435ھ بمطابق 7 مارچ 2014ء

## پہلا خطبہ

ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، وہی سب سے پہلے ہے اور وہی سب سے بعد میں، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن، اس نے ہر چیز کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا اور اس کی تقدیر بنائی، آغاز اور انجام میں اسی کی تعریف ہے،

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾

”اسے نگاہیں نہیں پاسکتیں لیکن وہ تمام نگاہوں کو پارہا ہے اور وہ بڑا ہی باریک بین

اور آگاہ ہے۔“ (سورۃ الأنعام: 103)

میں گوہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، میں یہ بھی گوہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں، سید الاولین والآخرین ہیں اور روشن جبینوں کے قائد ہیں، اللہ تعالیٰ رحمتیں، برکتیں اور سلامتی نازل کرے آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے طیب و طاہر اہل بیت، آپ ﷺ کی ازواج یعنی امہات المؤمنین، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تاقیامت ان کی پیروی کرنے والے ہر شخص پر۔

حمد و ثناء کے بعد: لوگو! میں تمہیں اور اپنے آپ کو وہی نصیحت کرتا ہوں جو اللہ نے پہلے اور بعد والوں کو فرمائی اور کہا:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا

اللَّهَ﴾ (سورۃ النساء: 131)

”تم سے پہلے جنہیں ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب

تمہیں بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو۔“

اس لیے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، خلوت ہو یا جلوت، غصہ ہو یا خوشی، اسی کو نگران

جانو، اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر بجالاؤ کہ بالآخر تمہیں اسی کی جانب لوٹنا ہے۔

اے بندگانِ الہی! چار حرفوں پر مشتمل ایک لفظ ایسا ہے کہ اس میں کوئی پانچواں حرف شامل نہیں ہے لیکن یہ اس قدر تاثیر کا حامل لفظ ہے کہ جب ایک معنوی ہتھوڑے کی شکل میں کسی منظم معاشرے کی بے شمار اینٹوں میں سے ایک اینٹ یعنی کسی ایک فرد پر پڑتا ہے تو لازمی طور پر ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے، اور ایک شگاف پڑتا ہے جس سے اس کے آس پاس کی ساری اینٹیں گرنے لگتی ہیں اور ہوتے ہوتے اس کا اثر بنیاد تک جا پہنچتا ہے۔ اگر مکمل بنیاد یا اس کا کچھ حصہ گرنے سے محفوظ بھی رہے تو ایک مرتبہ ساری بنیاد لرز کر ضرور رہ جاتی ہے۔ لیکن جب صورت حال یہ ہو تو ساری بنیاد کا گرنا بھی کچھ محال نہیں۔

ہاں! اے اللہ کے بندو! بظاہر تو یہ چار حرفوں سے بنا ہوا ایک لفظ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے کئی کتابوں اور جلدوں پر حاوی ہے۔ یہ چار حروف ایک ایسا لفظ بناتے ہیں جو معاشروں کے حلق میں انگ جاتا ہے، جس کی وجہ سے خیر خواہوں اور رہنماؤں کے گلے پیٹھے جاتے ہیں اور جو صبح شام ایک بے لگام گھوڑے کی شکل میں معاشروں کی اخلاقیات پامال کرتا رہتا ہے۔

یہ وہی چار حروف ہیں جسے ہم سب یا ہم میں سے اکثر ”آثرہ“ یعنی خود غرضی کے معروف لفظ سے جانتے ہیں۔ ہاں یہ خود غرضی ہی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اسے انانیت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں جیسا کہ ہمارے ہاں یہ ایک عام رائج لفظ ہے۔ کچھ دانشور اسے انایا خود پسندی سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ بہر حال الفاظ جتنے بھی ہوں، حقیقت ایک ہی ہے اور لوگوں میں خواہ اس کی کتنی ہی تعبیریں یا الفاظ رائج ہوں، مذمت سب پر یکساں انداز سے لاگو ہوتی ہے۔

اللہ کے بندو! یہ خود غرضی ہی ہے یعنی اپنی ذات سے یوں محبت کرنا کہ اس کی خواہشیں اور رغبتیں پوری کرنے کے لیے دوسرے لوگوں کے حقوق کو پس پشت ڈال دیا جائے۔

یہ خود غرضی ہی ہے جو یوں اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے کہ آدمی ہر شے کو صرف ایک ہی نگاہ زاویے سے دیکھنے لگتا ہے، اس کے سامنے صرف اپنی ذات اور اپنا فائدہ ہوتا ہے اور وہ اپنے مفادات پانے کے لیے دوسرے مسلمانوں کے فوائد دیوار پر دے مارتا ہے۔

ایسے آدمی کی لغت میں خاندان یا معاشرے کے فائدے کے نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، پوری زندگی لوگوں کا نہیں بلکہ صرف اپنا فائدہ اس کے پیش نظر رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو ایمان کی مٹھاس سے محروم کر دیتا ہے کیونکہ اس بدترین خصلت کے ہوتے ہوئے ایمان کی مٹھاس موجود نہیں رہ سکتی۔

اور ہو بھی کیسے؟ کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“ (صحیح بخاری: 13)

”میں“ کا لفظ آدمی کے اندر آہستہ آہستہ اتنا غرور بھر دیتا ہے کہ بالآخر یہ غرور عقلی اور اخلاقی ناسور بن جاتا ہے۔ پھر آدمی صرف ”میں“ کا لفظ ہی صحیح طرح سے ادا کر سکتا ہے۔ باہمی معاملہ بندی کے لیے بھی صرف اسی وقت قدم بڑھاتا ہے جب یہ پوچھ لے کہ ”مجھے کیا ملے گا؟“ اس طرح اس کی مثال انا پسندوں کے اس قافلے کی سی ہو جاتی ہے جن میں سے ایک فرعون تھا، جس نے کہا تھا کہ

﴿أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ﴾ (سورۃ النازعات: 24)

”میں“ تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔“

اسی طرح نمرود بھی کہ جس نے کہا تھا:

﴿أَنَا أُخِي وَأُمِّيْتُ﴾

”زندگی اور موت“ میرے اختیار“ میں ہے۔“ (سورۃ البقرۃ: 258)

اس دوڑ میں انا پسندوں کا امام یعنی ”ابلیس“ سب سے آگے ہے جو اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ انا پسندوں کے اخلاق کو روند کر رکھ دیتا ہے۔ اسی نے اپنے خالق اور مالک کو کہا تھا:

﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ﴾ (الاعراف: 12)

”میں“ اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسے مٹی سے۔“

اللہ کے بندو! کسی بھی معاشرے کا دقار اس کے اخلاق میں مضمر ہوتا ہے۔ اگر ہر فرد اپنے آپ کو معاشرے کا ایک حصہ نہ سمجھے تو پھر وہ صرف خود کو ہی سارا معاشرہ سمجھنے لگتا ہے اور یہی خود غرضی کی تباہ کن خصلت ہے۔

ایسا معاشرہ ہر گز کامیاب نہیں ہو سکتا جس کا ہر فرد صرف ”میں“ کہنا جانتا ہو۔ معاشرہ تو ایک خاندان کی طرح ہوتا ہے جس کے تمام افراد اپنے فوائد کے حصول کے لیے اور نقصانات سے بچنے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے یا تو عمومی فائدہ ہوتا ہے جسے حاصل کر لیا جاتا ہے یا عمومی نقصان جس سے بچا جاتا ہے۔ وہ ”میں“ کے لفظ کو دیوار پر دے مارتے ہیں کیونکہ ایسا معاشرہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتا جس کا ہر فرد صرف اپنی ذات کو پیش نظر رکھے۔

بلکہ اس وقت تک معاشروں کی فہرست بھی سیدھی نہیں ہوتی جب تک ان میں دوسروں کے حقوق کا شعور نہ ہو، یہ حقوق اللہ نے ہر فرد پر عائد کیے ہیں تاکہ وہ انہیں نبھا کر اللہ کی رضا حاصل کر سکے اور ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو فراموش کر کے صرف اپنی ہی ذات کو خوش کرنے میں لگا رہے۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے:

«مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللَّهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى

سَفِينَةٍ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِينَ فِي



أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوا عَلَىٰ مَنْ فَوْقَهُمْ، فَقَالُوا: لَوْ أَنَّا  
حَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا حَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ يَتْرُكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا  
هَلَكُوا جَمِيعًا، وَإِنْ أَخَذُوا عَلَىٰ أَيْدِيهِمْ نَجَّوْا، وَنَجَّوْا جَمِيعًا»

”حدود اللہ کی پاسداری کرنے والے آدمی کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے ایک بحری بیڑے پر اپنی نشستوں کا تعین کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی، پھر کچھ لوگوں کے حصے میں اوپر کی منزل آئی اور کچھ کے حصے میں نیچے کی۔ نچلی منزل کے لوگوں کو پانی حاصل کرنے کے لیے جب بار بار اوپر جانا پڑا تو وہ کہنے لگے کہ ”کیوں نہ ہم اپنے حصے کا پانی حاصل کرنے کے لیے پیندے میں سوراخ کر لیں تاکہ اوپر والوں کو ہماری وجہ سے کوئی تکلیف نہ ہو۔ اب اگر اوپر والے انہیں ان کے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیں گے تو لازمی طور پر سب ہلاک ہو جائیں گے لیکن اگر ان کا ہاتھ روک لیں گے تو وہ خود بھی محفوظ رہیں گے اور دوسرے تمام لوگ بھی۔“ (صحیح بخاری: 2493)

جی ہاں، اگر بالائی منزل والوں پر مفاد پرستی غالب آ جائے اور وہ کہیں کہ ”ہمیں ان سے کیا لینا دینا؟“ تو لازمی طور پر سب ہلاک ہو جائیں گے کیونکہ جہاں ایک معاشرے کی عمومی مصلحت کا کوئی تقاضا ہو، وہاں ذاتی فائدے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

ہماری عظیم شریعت نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ اپنی ذات کو ہر ایسی خصلت سے پاک کیا جائے جو اس کے لیے باعثِ عیب ہو۔ چنانچہ ہر ایسی بات کا خاتمہ کیا گیا جس کے اندر تکبر، غرور اور خود پسندی کا کوئی شائبہ ہو اور جو اس بات کی بنیاد بنتی ہو کہ آدمی دوسروں کے فوائد بھلا کر صرف اپنے مفادات پر نظر رکھے۔

چنانچہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي ذَيْنِ كَانَ عَلَى أَبِي، فَدَقَّقْتُ الْبَابَ، فَقَالَ: «مَنْ ذَا» فَقُلْتُ: أَنَا، فَقَالَ: «أَنَا أَنَا» كَأَنَّهُ كَرِهَهَا (صحيح بخاری: 6250)

”میں ایک قرض کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا جو کہ میرے والد کے ذمے واجب الادا تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ ﷺ نے پوچھا ”کون ہے؟“ میں نے جواب دیا ”میں ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ ہمیں ہمیں کیا جواب ہوا؟“ یعنی آپ ﷺ نے اسے برا جانا۔“

اب دیکھئے کہ یہ ہمارے روزمرہ معمولات میں بار بار دہرایا جانے والا کلمہ ہے، عام طور پر اس لفظ کو بولنے کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جاتا کہ بولنے والا اتر رہا ہے یا اپنے تعارف کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد بھی ہے لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے اس لفظ کو ناپسند جانا صرف اس لیے کہ اپنی امت میں عاجزی اور نرم مزاجی کو پروان چڑھائیں اور اسے غرور، تکبر اور خود پرستی کی تمام صورتوں سے دور رکھیں۔ سوائے ان صورتوں کے جو اللہ نے آدمی کے لیے جائز رکھی ہیں۔

سامعین کرام! دعا گو ہوں کہ اللہ آپ کو اپنی پاسبانی میں رکھے!

لیکن دیکھئے کہ کتنے معاشرے ہیں جن میں مفاد پرستی زوروں پر ہے۔ خاندان ہو، پڑوسی ہوں، جان بچان والے ہوں یا بازار سے تعلق رکھنے والے لوگ، ہر جگہ مفاد پرستی اپنے ہٹے گاڑے ہوئے ہے۔ رضا کارانہ کام کا فقدان ہے اور ذاتی مصلحت کا الاؤ بھڑک رہا ہے۔ پائز سفارش کرنے اور لوگوں کا فائدہ سوچنے کی صفات زندہ درگور ہو چکی ہیں جبکہ رشوت، خیانت اور چھینا چھٹی عروج پر ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت پر ذخیرہ اندوزی اور دولت سمیٹنے کی حرص کو حرام قرار دیا ہے۔ مفاد پرستی سے آدمی کے اندر اس قدر ریاس اور پیٹ بھرنے کا اتالا لچ پیدا ہو جاتا ہے

کہ اسے سوائے اس کے کوئی بات ہی نہیں آتی کہ ”اور لاؤ، اور لاؤ“ پکارتا رہے۔ اور یہی باتیں ہیں جن سے معاشرے تباہ ہو جاتے ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وليحذر كل الحذر من طغيان: أنا، ولي، وعندي؛ فإن هذه الألفاظ الثلاثة ابتلي بها إبليس، وفرعون، وقارون، ف﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ (الأعراف: 12) لإبليس، و﴿لِي مُلْكٌ مِّصْرَ﴾ (الزخرف: 51) لفرعون، و﴿إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي﴾ (القصص: 78) لقارون.“

”آدمی کو ”میں، میری“ اور ”میرے پاس“ جیسے لفظوں سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ تین ایسے الفاظ ہیں جن میں ابلیس، فرعون اور قارون مبتلا ہوئے تھے۔ چنانچہ ابلیس نے کہا تھا ”میں“ بہتر ہوں۔“ فرعون نے کہا: مصر کی بادشاہت ”میری“ ہے اور قارون نے کہا: ”مجھے یہ سب کچھ اس علم کے بل بوتے پر ملا ہے جو ”میرے پاس“ ہے۔“

چنانچہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور رہنمائی کے کیا کہنے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تلقین فرمائی کہ خود غرضی کا مقابلہ خود غرضی کے ساتھ نہ کریں کیونکہ یہ تو بیماری کا علاج بیماری کے ساتھ ہی کرنے کے مترادف ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صفات کی جانب ہماری رہنمائی فرمائی جن سے نفس بلندی پاتا ہے اور امت کا اور معاشرے کا عمومی فائدہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف خیر کی جانب رہنمائی فرماتے ہیں، اگر منع کرتے ہیں تو صرف شر سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِنَّهَا سَتَكُونُ بَعْدِي أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ تَأْمُرُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَّا ذَلِكَ؟ قَالَ: تُؤَدُّونَ الْحَقَّ الَّذِي عَلَيْنَاكُمْ، وَتَسْأَلُونَ اللَّهَ الَّذِي لَكُمْ»

”تم میرے بعد خود غرضی اور ایسے ایسے امور دیکھو گے جو تمہارے لیے نئے

ہوں گے۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! تو آپ ﷺ میں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم ان کا حق ادا کرنا اور اپنے حق کے لیے اللہ سے سوال کرنا“ جبکہ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ ”تم صبر کرنا حتیٰ کہ مجھ سے آلمو۔“ (صحیح بخاری: 3603)

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لیے قرآن و سنت میں برکت دے اور مجھے اور آپ سب کو ان کی آیات، ذکر اور حکمت سے فائدہ پہنچائے۔ میں نے اپنی بات کہہ دی ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کا قصور ہے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور خطا سے بخشش کا طلبگار ہوں۔ تم بھی اسی سے بخشش مانگو اور اسی کے حضور توبہ کرو۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

## دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کی تعریف ہے اور اس کی توفیق و امتنان پر اس کا شکر ہے۔ حمد و ثناء کے بعد: اللہ کے بندو! اسلام اگر کسی چیز کی مذمت کرتا ہے تو اس کی ضد کی تعریف بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اگر کچھ ایسے مقامات ہیں کہ جہاں ”میں“ کا لفظ بولنا برا ہے تو کچھ ایسے مقامات بھی ہیں کہ جہاں یہ لفظ باعث تعریف ہے۔ چنانچہ اصلاح کی غرض سے ”میں“ کا لفظ بولنے اور فساد، تکبر اور غرور کے لیے اس لفظ کو استعمال کرنے میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ آسمان اور زمین میں ہے۔ چنانچہ جس نے ایک نبی کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے یوں کہا تھا:

﴿أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾ (سورة النمل: 40)

”میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں۔“

اس کی بات انتہائی خوبصورت تھی۔

اسی طرح وہ بات بھی خوبصورت تھی جو ایک مشکل تھی کو سلجھانے کے لیے کی گئی:

﴿أَنَا أَنْتَبْتُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ﴾ (سورۃ یوسف: 45)

”میں“ آپ حضرات کو اس کی تاویل بتاتا ہوں، مجھے ذرا (قید خانے میں

یوسف علیہ السلام کے پاس) بھیج دیجیے۔“

اسی طرح جس نے امانت داری اور مفاد عامہ کی خاطر یوں کہا تھا:

﴿وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ﴾ (سورۃ النمل: 39)

”میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار ہوں۔“

اس کی بات بھی عمدہ تھی۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی معاملہ ایسا نہیں جس میں مفاد

عامہ کو پس پشت ڈال کر صرف اپنی شخصی اور ذاتی منفعت کو پیش نگاہ رکھا گیا ہو۔

یہی وہ ایثار ہے جس کی تعریف میں اللہ نے فرمایا:

﴿وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر: 9)

”اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔“

بعض اوقات آدمی مفاد عامہ کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ یہ نصلت

صرف اسی آدمی میں پائی جاتی ہے جس پر اللہ کی رحمت ہو اور جس پر اس کی ظاہری اور باطنی

نعمتوں کی فراوانی کی ہو۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اللہ تو ہے ہی

بڑے فضل والا۔ [www.kitabosunnat.com](http://www.kitabosunnat.com)

نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا تھا:

﴿إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصَلِّحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ

مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (صحیح بخاری: 2704)

”میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔“

یہ پیش گوئی یوں پوری ہوئی کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ایثار کرتے ہوئے خلافت کا تب و حی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔

یہی ہے وہ مقام جہاں ایثار نمایاں ہوتا ہے، جہاں ذاتی اغراض و مفادات کا قلع قمع کر دیا جاتا ہے اگر وہ عام مسلمانوں کے مفاد سے ٹکرا رہے ہوں۔ یوں خون بچائے جاتے ہیں اور اتحاد قائم کیا جاتا ہے۔

مورخین نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جب وہ اور کچھ دیگر صحابہ قیصر روم کی قید میں چلے گئے اور قیصر روم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو بدترین آزمائش سے دوچار کیا اور پھر کہا ”اگر تم میرے سر کو بوسہ دے دو تو میں تمہیں رہا کر دوں گا۔“ حضرت عبداللہ نے کہا: ”کیا تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا؟“ قیصر روم نے کہا: ”ہاں، تمام کو۔“

تو حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جی میں سوچا کہ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ میں اللہ کے ایک دشمن کے سر کو بوسہ دوں اور اس کے بدلے میں سارے مسلمان قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کے سر پر بوسہ دیا اور اس نے سارے قیدی رہا کر دیئے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دیا۔

یہ ہے وہ ایثار جو خود غرضی کا سرے سے خاتمہ کر ڈالتا ہے۔ جس کے ساتھ آدمی ایک ایسی شمع کی مانند جیتا ہے جو اس کے اہل و عیال اور معاشرے کے لیے روشنی کا باعث ہوتی ہے۔ انہی کے ساتھ اس کا دل دھڑکتا ہے اور اس کی آنکھ جھپکتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

فرمان ہر وقت اس کے سامنے رہتا ہے کہ

«لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِغْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَكُنُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا»

”آپس میں حسد نہ کرو، ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو، تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بولی پر بولی نہ لگائے اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔“ (صحیح مسلم: 2564)

خوش نصیب ہے وہ شخص جو محمد ﷺ کی بات سنے اور سننے کے بعد اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ اس پاکیزہ ہستی نے خبردار کر دیا ہے کہ میرے بعد تمہیں خود غرضی کا دور دورہ دکھائی دے گا۔

مخلوق میں سب سے بہترین اور انسانیت کی پاکیزہ ترین ہستی صاحبِ حوض و شفاعت محمد بن عبد اللہ پر درود و سلام پڑھو۔ اللہ نے تمہیں ایک ایسے عمل کا حکم دیا ہے کہ جس کی ابتداء اس نے خود کی، پھر اس پر اس کی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں نے عمل کیا اور پھر اے اہل ایمان! تمہیں اس پر عمل کے لیے پکارا اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)





## پہلا خطبہ

ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی توصیف و ثناء بیان کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں، اس سے بخشش کے طلبگار ہیں، اس کے حضور توبہ کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کے شر سے اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“ (سورۃ آل عمران: 102)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ

أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ  
فَوْزًا عَظِيمًا ﴿ (سورة الاحزاب: 70-71)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

حمہ و شام کے بعد، اے لوگو! دنیا غافل کرنے والی اور فریب دینے والی ہے، اس میں انسان خیر و شر کے مابین غلطیاں و پچھاں رہتا ہے، کبھی خوشی ہے تو کبھی غم، کبھی خوشحالی ہے تو کبھی افلاس، کبھی فتح ہے تو کبھی شکست۔ یہاں کے دن بدلتے رہتے ہیں اور یہاں کی راتیں حوادث سے بھری پڑی ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ اس کی کوکھ سے اللہ کیا نکالنے والا ہے۔ اگر ایک وقت اسے خوشی دیتا ہے تو کتنے ایسے اوقات آتے ہیں جو اسے افسردہ رکھتے ہیں۔ اس لیے ایک دن اس کا ہوتا تو ایک دن اس کے خلاف۔

﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ (سورة آل عمران: 140)

”یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔“

اے بندگانِ الہی! ہر بندے پر مسلم معاشرے کا فرد ہونے کے اعتبار سے اور ہر معاشرے پر امت مسلمہ کا جزو ہونے کے اعتبار سے لازم ہے کہ جب تک ان کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور دھڑکنے والا دل موجود ہے، وہ بیدار مغزی اور دور اندیشی کو اپنا شعار بنائیں۔

اللہ کے بندو! دور اندیشی ایک حفاظتی باڑ اور ایک ایسی درازرسی کا درجہ رکھتی ہے جسے ایک فرد، ایک معاشرہ بلکہ پوری امت تھامے ہوئے ہوتی ہے۔ تاکہ ان میں سے ہر کوئی اللہ کی جانب سے عائد ہونے والے فرائض کو بغیر کسی افراط اور تفریط کے مکمل شخصی اور فکری

امن و امان کے ساتھ اور صحت اور غذا کی جانب سے پوری طرح مطمئن ہو کر سرانجام دے سکے۔

اللہ کے بندو! بیدار مغزی سنجیدگی اور احتیاط کی ایسی روش ہے جو آدمی یا معاشرے کی نظرندی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ بچاؤ اور حفاظت کا ایک انداز ہے۔ جس طرح آدمی اپنے خالق و مالک کی نعمتوں سے بغیر کسی حد کے فیضیاب ہو رہا ہے، اسی طرح وہ زندگی کے اتار چڑھاؤ اور پریشانیوں کا بھی مسلسل سامنا کرتا رہتا ہے کیونکہ دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔

﴿ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴾ (سورۃ آل عمران: 185)

”یہ دنیا تو محض دھوکے کا سامان ہے۔“

اے بندگانِ الہی! بیدار مغزی سے مراد یہ ہے کہ حتی المقدور احتیاط کی روش اپنائی جائے اور معاملات کے وقوع سے پہلے ہی ان کا سامنا کرنے کے لیے آدمی پوری طرح تیار ہو، یہ ایک نمایاں خوبی ہے کیونکہ یہ پیشگی حفاظت کا ایسا انداز ہے جس کے ہوتے ہوئے علاج کی نوبت نہیں آتی، پیشگی بچاؤ کا یہ طریقہ کسی آفت سے نپٹنے کی بہ نسبت زیادہ کارگر ہے، جو آدمی بیدار مغز ہو، بہت کم خطا کھاتا ہے اور اس کی زندگی میں غلطی کی بہ نسبت اچھائی کی کار فرمائی زیادہ ہوتی ہے۔

ضروری نہیں کہ دور اندیشی کا طریقہ صرف خونخاک چیزوں سے بچنے کے لیے اپنایا جائے بلکہ کئی بار نہ ختم ہونے والے جھگڑوں سے بچنے کے لیے بھی یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بڑے نقصانات سے بچنے کے لیے چھوٹے چھوٹے فوائد کو نظر انداز کر دینا بھی دور اندیشی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ

ظَافِقَةً لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿ (سورة التوبه: 122)

”اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔“

چو کنا اور ہوشیار رہنا ایسی صفت ہے جس کا اللہ نے اپنے اس فرمان میں حکم دیا ہے:  
﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (سورة البقرة: 235)

”اللہ تمہارے دلوں کا حال تک جانتا ہے لہذا اس کی ناراضی کے اسباب سے بچتے رہو اور یہ بھی جان لو کہ اللہ بردبار ہے۔“

جبکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يُلْدَعُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرِ وَاَحَدٍ مَّرَّتَيْنِ» (صحیح بخاری: 6133)  
”مومن ایک ہی بل سے دو مرتبہ ڈنک نہیں کھاتا۔“

جب آدمی اپنے آپ کو شریعت کی تلقین کی ہوئی دور اندیشی کا عادی بنا لیتا ہے، تو وہ بہت ساری غلطیوں، خطاؤں اور جھگڑوں کے ساتھ ساتھ بد عہدی، خیانت اور فریب کاری سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اپنی بیدار مغزی کی بدولت پالیتا ہے کہ ہر سفید چیز چربی نہیں ہوتی، ہر کالی شے کوئلہ نہیں ہوتی اور نہ ہر چمکتی چیز سونا ہوتی ہے اور معاملات کی حقیقت جیسی بیدار مغزی سے کھلتی ہے، غفلت سے نہیں کھلتی۔

اے مردانہ دور اندیشی تیری عقل مندی کی علامت ہے کیونکہ سب لوگ ایک جیسے

نہیں ہوتے چنانچہ دور اندیشی ہی وہ صفت ہے جو بعض اوقات تجھے خبردار کرتی ہے کہ اگر دشمن سے ایک بار بچے ہو تو دوست سے ہزار بار بچو کیونکہ دشمن کی یہ نسبت دوست تمہارے نقصان سے زیادہ واقف ہے۔

اس لیے غفلت سے بچ، یہی ہے جو تجھے ہلاکت کی کھائیوں میں گراتی ہے اور جب کوئی خوشخوار شیر تیرے سامنے دانت نکال رہا ہو تو یہ تجھے اس وہم میں ڈالتی ہے کہ وہ تجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے، سب سے خطرناک بد عہدی جس کا تلخ گھونٹ آدمی کو لگنا پڑتا ہے، وہ اس آدمی کی بد عہدی ہے جو چہرے پر مسکراہٹ سجا کر بد عہدی کر جائے، اس لیے:

إِذَا كُنْتَ ذَا فَهْمٍ فَكُنْ ذَا نَبَاهِيَةٍ \*\*\* وَكُنْ حَذِرًا لِدَعْوِ الصَّحُوكِ وَحَاسِمًا  
فَلَمْ تَبْتَسِمِ أَعْيَى عَلَيَّ حِينَ لِدَعْوَةٍ \*\*\* وَلَكِنَّ بَعْضَ النَّاسِ يَلْدَعُ بِأَسِيمًا  
”اگر تو سمجھدار ہے تو چوکنا ہو جا اور مسکراتے چہرے والے کے ڈنک سے پوری طرح محتاط ہو جا کیونکہ اڑدھا ڈنک مارتے وقت نہیں مسکراتا لیکن لوگوں میں کچھ ایسے ضرور ہوتے ہیں جو ہنستے ہوئے ڈنک لگاتے ہیں۔“

امت اسلامیہ کے فرمانرواؤں، مفکرین اور علماء بلکہ تمام افراد کے لیے بیدار مغزی اپنائے بغیر کوئی چارہ نہیں، بلکہ ہم سب پر واجب ہے کہ خود فراموش اور مدبوش ہو کر فریب کاروں کے ہاتھوں کا ایک دلچسپ کھلونا بن کر نہ رہ جائیں، وہی فریب جس کا نشانہ سب سے پہلے انسان کا نفس امارہ بنتا ہے اور سب سے آخر میں پوری امت اس کے نشانے پر ہوتی ہے۔ اس لیے آدمی کی ذمہ داری ہے کہ اپنے نفس امارہ سے ہوشیار رہے اور اسے اللہ کے ڈر کی لگام ڈالے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہ اس کے دل میں ٹھکانا بنالیں اور وہ بالکل سیاہ اور اٹلے برتن کی طرح بن کر رہ جائے کہ نہ نیکی کو نیکی جانے نہ برائی کو برائی، جیسا کہ صادق و مصدوق ﷺ نے خبر دی ہے۔

اسی طرح آدمی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اپنی قوت پر بے جا اعتماد کرنے اور اپنی چالبازی اور سرکشی کے متعلق خود پسندی کا شکار ہونے سے بچے کیونکہ شیطان اس کے دل میں وہم ڈالتا ہے کہ وہ بڑا طاقتور اور توانا ہے۔ چنانچہ آدمی اس وہم کا شکار ہو کر ظلم، تکبر اور سرکشی اپناتا ہے، نہ کسی کی آبرو کا خیال رکھتا ہے، نہ اپنی زبان کو کسی کی عزت اچھالنے سے بچاتا ہے اور نہ اپنے ہاتھ کو ظلم سے، اور بھول جاتا ہے کہ اللہ غالب اور انتقام والا ہے، وہ ظالم کو ذلیل دیتا رہتا ہے تاکہ اسے اچانک پکڑے یا اس لیے کہ وہ اپنے گناہ میں اور آگے بڑھ جائے اور اللہ کی قسم! یہی ہے سب سے بڑی تباہی۔

سیدنا ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ ایک بار اپنے ایک خادم کو غصے سے پیٹ رہے تھے۔ نبی

کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا:

«اعْلَمْ، أَبَا مَسْعُودٍ، أَنَّ اللَّهَ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَى هَذَا الْعُغْلَامِ،

قَالَ: فَقُلْتُ: لَا أَضْرِبُ مَمْلُوكًا بَعْدَهُ أَبَدًا» (صحیح مسلم: 1659)

”ابو مسعود! یاد رکھو کہ جتنی قدرت تم اس خادم پر رکھتے ہو، اللہ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔“ یہ سن کر وہ کہنے لگے: ”آج کے بعد میں کسی خادم کو نہیں پیٹوں گا۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلْفَحْتِكَ النَّارُ» (صحیح مسلم: 1659)

اگر تم اپنے قول پر پورے نہ اترے تو آگ تمہیں جھلسادے گی۔“

یاد رکھو کہ جو شخص چوکنار ہے، وہ ڈرتا ہے اور جو ڈرے وہ نجات پا جاتا ہے اور جس

آدمی کی سوچ میں احتیاط اور دور اندیشی نہیں ہوگی، اسے اپنے قدموں کے نشانات دکھائی

نہیں دیں گے اور وہ اُن جانے میں لغزش کا شکار ہو جائے گا۔

احذَرُ وَقِيَّتَ فَتَحْتَ رَجْلِكَ هُوَةً \*\*\* كَمْ قَدْ هَوَى فِيهَا مِنَ الْإِنْسَانِ  
 ”اس لیے ہوشیار ہو جاؤ کہ تمہارے پاؤں تلے گڑھا ہے اور کتنے ہی انسان ہیں جو اس  
 میں گر چکے ہیں۔“

ہوشیاری سے آدمی کو کبھی پشیمانی کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا کیونکہ وہ اسباب اپناتا ہے لیکن  
 غفلت سے آدمی ایسے وقت میں پشیمانی کا شکار ہوتا ہے کہ جب پشیمانی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔  
 پھر ”کاش“ اور ”اگر مگر“ جیسی باتیں کچھ سود مند نہیں ہوتیں۔ دانا دہی ہے جو اپنی خواہش  
 کے پیچھے پیچھے نہ چلتا رہے اور نہ کسی شے کی حقارت کی وجہ سے اسے معمولی جانے، اس لیے  
 چھوٹے بڑے تمام امور میں بیدار مغزی ضروری ہے۔

کسی نے کیا خوب بات کہی ہے کہ

لا تَحْقِرَنَّ صَغِيرًا فِي مَخَاصِمِهِ \*\*\* إِنْ الْبَعُوضَةُ تُدْمِي مُقَلَّةَ الْأَسَدِ  
 ”لڑائی میں چھوٹے کو بھی چھوٹا مت جانو کیونکہ ایک مچھر بھی شیر کی آنکھ زخمی کر  
 سکتا ہے۔“

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ  
 سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ  
 رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ (سورۃ آل عمران: 30)

”وہ دن قریب ہے، جب ہر نفس اپنے کیے کا پھل حاضر پائے گا، خواہ اُس نے  
 بھلائی کی ہو یا برائی، اس روز آدمی یہ تمنا کرے گا کہ ابھی یہ دن بہت دور ہوتا! اللہ  
 تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے“

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لیے قرآن عظیم میں برکت دے اور مجھے اور آپ سب  
 کو اس کی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ پہنچائے۔ میں نے اپنی بات کہہ دی ہے، اگر درست

ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کا قصور ہے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور خطا کی بخشش مانگتا ہوں، تم بھی اسی سے بخش مانگو اور اسی کے حضور توبہ کرو یقیناً میرا رب بہت بخشنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کی ثناء ہے اور اس کی توفیق و فضل پر اس کا شکر ہے۔

حمد و ثناء کے بعد

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ ہماری تابندہ شریعت ایک مکمل اور کامل شریعت ہے جو ہر بھلی بات کا حکم دیتی ہے اور ہر برائی سے منع کرتی ہے اور برائی سے محفوظ رہنے کے لیے ایک بھلی بات یہ بھی ہے کہ ہم احتیاط اور ہوشیاری کی وہ صفات اپنائیں جن کی کیفیت ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے سکھائی ہے، حتیٰ کہ اپنی روزمرہ اور معمول کی زندگی میں بھی، تاکہ آفتوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ آپ ﷺ اسی کا فرمان ہے کہ

«اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ» (جامع ترمذی: 2517)

”پہلے اونٹنی کو باندھ، پھر توکل کر۔“

آپ ﷺ نے ہی ہمیں حکم دیا ہے کہ سونے سے پہلے اپنے چراغ بجھا دیں، مشکیزوں اور برتنوں کے منہ ڈھانپ دیں اور بستروں پر دراز ہونے سے پہلے انہیں جھاڑ لیں۔ اسی طرح آپ کے دیگر بہت سارے فرمان ہیں۔

اللہ کے بندو! سب سے بڑی احتیاط یہ ہے کہ آدمی اللہ کی پکڑ کے متعلق محتاط ہو کیونکہ جو شخص اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہو جائے، تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور خسارے میں رہتا ہے۔

﴿أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ﴾



”کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔“ (سورۃ الاعراف: 99)

کیونکہ نعمتوں کی فراوانی غفلت کا باعث بنتی ہے اور جب لوگ غافل ہو جاتے ہیں تو ایک برائی میں مبتلا ہو کر اس کی لذت کے عادی بن جاتے ہیں، پھر دوسری برائی میں منہ مارتے ہیں حتیٰ کہ ان پر یا انکی آبادیوں کے آس پاس عذاب آپہنچتا ہے۔

﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ \* إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَن خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ۚ ذَلِكَ يَوْمٌ تَجْمُوعٌ لِّلنَّاسِ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ﴾

”اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، فی الواقع اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایک نشانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو عذابِ آخرت کا خوف رکھے وہ ایک دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور پھر جو کچھ بھی اُس روز ہوگا سب کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔“ (سورۃ ہود: 103، 102)

کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب تقدیر کے مقابلے میں ہوشیاری اور احتیاط کوئی فائدہ نہیں دے سکتیں تو پھر ہوشیاری کی وقعت ہی کیا رہ جاتی ہے!؟  
تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ہوشیاری بھی تقدیر کا ایک حصہ ہے، اللہ جب کسی شے سے منع کر کے اس کے لیے کوئی سزا متعین کرتا ہے تو اس سزا سے بچانے کے لیے اس کی ضد کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔ چنانچہ ایسے میں اللہ کی تقدیر سے اس کی تقدیر ہی کی جانب آدمی بھاگتا ہے۔ اسی لیے اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ \* وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ \* فَسَنِيَرُهُ لِلْيُسْرَىٰ

\* وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى \* وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى \* فَسَنُيَسِّرُهُ  
لِلْعُسْرَى ﴿ (سورۃ البیل: 5-10)

”تو جس نے (اللہ کی راہ میں) مال دیا اور (اللہ کی نافرمانی سے) پرہیز کیا۔ اور بھلائی کو سچ مانا۔ اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (اپنے اللہ سے) بے نیازی برتی۔ اور بھلائی کو جھٹلایا۔ اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔“

حتیٰ کہ وہ مقامات بھی کہ جہاں آدمی کی ہلاکت اور موت یقینی ہو، ان کے متعلق محتاط رہنے سے آدمی موت سے بچ سکتا ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء: 29)

”اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔“  
لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی موت سے ڈر کر اپنی ذمہ داریاں ترک کر دے۔  
اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں ارشاد فرمایا:

أَيُّ يَوْمٍ مِنَ الْمَوْتِ أَفْزُرُ \*\*\* يَوْمٌ لَا يُقَدَّرُ أَوْ يَوْمٌ قُدِّرُ  
يَوْمٌ لَا يُقَدَّرُ لَا أَحْذَرُهُ \*\*\* وَمِنَ الْمَقْدُورِ لَا يَنْجُو الْحَذِرُ

”میں دو دنوں میں سے کون سے دن موت سے محتاط رہوں، موت والے دن یا زندگی والے دن؟ زندگی والے دن مجھے موت سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اور موت والے دن ہوشیار کو اس کی ہوشیاری کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔“

اللہ کے بندو! اگرچہ یہ سب باتیں اپنی جگہ بجا ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ احتیاط اور دور اندیشی میں بھی اعتماد اپنانا اور اسے صحیح جگہ پر استعمال کرنا ضروری ہے تاکہ آدمی اپنے اہل و عیال، اپنے احباب اور اپنے معاشرے کے فرزندوں کے متعلق بدگمانی کا شکار نہ ہو جائے

اور ایسا نہ ہو کہ وہ ہر شے کو شک کی نگاہوں سے دیکھے، نہ کسی پر مطمئن ہو اور نہ کسی پر اعتماد کرے، آہٹ سے خوف کھائے اور کوئی اسے ہلکا سا چھو لے تو دادیلا مچا دے، اور اپنے سامنے موجود ہر شخص کو اپنا دشمن سمجھے۔ اس غلطی میں وہ آدمی مبتلا ہوتا ہے جو احتیاط اور دوسو سے کم فرق کو نہیں سمجھتا، احتیاط بلاشبہ امن کا راستہ ہے لیکن جب اپنے دائرے سے تجاوز کرے تو خود آدمی کے لیے نقصان بن جاتی ہے۔

إِن التَّوَسُّطَ فِي الْأُمُورِ سَلَامَةٌ \*\*\* كِي لَا ضِرَارَ يَنَالُ مِنْكَ وَلَا ضَرَرَ

قَدْ يُهْلِكُ الْإِنْسَانَ أَمْنٌ مُفْرِطٌ \*\*\* أَوْ يَعْتَرِيهِ السُّوءُ مِنْ قَرَطِ الْحَذَرِ

”تمام امور میں میانہ روی میں ہی سلامتی ہے تاکہ نہ تجھ سے کسی کو نقصان پہنچے

اور نہ تجھے کوئی نقصان پہنچا سکے۔ بعض اوقات آدمی کو حد سے بڑھی ہوئی بے خوفی

ہلاک کر ڈالتی ہے یا حد سے زیادہ احتیاط بھی اسے نقصان پہنچا دیتی ہے۔“

خیر الخلاق اور انسانیت کی پاکیزہ ترین ہستی اور صاحبِ حوض و شفاعت محمد بن عبد اللہ پر درود و سلام پڑھو۔ اللہ نے تمہیں اس ضمن میں ایک ایسا حکم دیا جس پر سب سے پہلے اس نے آپ عمل کیا، پھر اس کی تسبیح بیان کرنے والے فرشتے اس پر عمل پیرا ہوئے اور پھر اس نے مومنوں کو اس کے لیے پکارا اور فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے مومنو! تم بھی ان پر درود

و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



## پہلا خطبہ

ساری تعریفیں اس اللہ کو زبیا ہیں جو اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے، جس کے سوا کوئی برحق الہ نہیں ہے، ہر شے کو پیدا کرنے والا ہے اور ہر چیز کا نگہبان ہے، آنکھیں اسے نہیں پا سکتیں لیکن وہ آنکھوں کو پارہا ہے اور وہ بہت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے، اس کے پیغمبر، اس کے برگزیدہ، اس کے خلیل اور اس کی مخلوق میں سب سے برتر ہیں۔ جنہوں نے پیغام پہنچا دیا، امانت ادا کر دی، امت کی خیر خواہی کا حق ادا کیا اور ہمیں ایک ایسی روشن شاہراہ پر چھوڑ گئے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس سے وہی بھٹکتا ہے جو ہلاک ہونے والا ہو۔ اللہ کی رحمتیں اور بے پناہ سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی پاک اور طاہر آل پر، آپ ﷺ کے تابندہ وجود صحابہ کرام پر، تابعین پر اور روز قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہر آدمی پر۔

حمد و ثناء کے بعد، میرے اور آپ سب کے لیے کار آمد نصیحت یہی ہے کہ خلوت ہو یا جلوت، غصہ ہو یا رضا مندی، ہر حال میں اللہ کا ڈر اپنایا جائے، یہ ایسی عمدہ بات ہے جو اندھیرے میں نور، پیاس میں سیرابی، تنہائی میں انس اور سفر میں حدی خواں کا درجہ رکھتی ہے بلکہ یہ ہر طرح کے ڈر اور غم سے بھی امان کا باعث ہے۔

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ \* إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾

”جس دن نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد۔ بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم

لے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔“ (سورۃ الشعراء: 88، 89)

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ \* الَّذِينَ

آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ (سورۃ یونس: 62، 63)

”سُنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار

کیا، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔“

لوگو! زندگانی کے گہرے سمندروں میں تھپیڑوں کا سامنا کرنے والے اور دنیا کے حقیر اور بے توقیر سامان کو جمع کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے والے لوگ اس بات کے بہت ہی ضرورت مند ہیں کہ دوری کی راہیں چھوڑ کر ایک دوسرے کے قریب آئیں، لا تعلقی کی روش ترک کر کے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

عصر حاضر کے لوگ اس بات کے بہت ضرورت مند ہیں کہ مفادات کے بجائے اخلاق کی بنیاد پر اکٹھے ہوں اور خالی باتوں کے بجائے مالی اور عملی تعاون کی بنیاد پر ایک دوسرے کے قریب آئیں، وہ ضرورت مند ہیں کہ رنگ، جنس، زبان اور ملک کا فرق کیے بغیر ایک دوسرے سے دلی تعلق اور محبت کا نانا استوار کریں۔

زیادہ واضح لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس بات کی بے پناہ ضرورت ہے کہ اگر مشرق میں بسنے والے کسی آدمی کو چھینک آئے تو مغرب میں رہنے والا اس کی چھینک کا جواب دے، اگر کوئی غریب بیمار ہو تو امیر اس کی تیمارداری کو جائے اور اگر کسی ناتواں پر ظلم ہو تو ناتوانا اس کی مدد کے لیے آگے بڑھے۔

اللہ کے بندو، یہی وہ غمخواری ہے جسے ہر وہ قوم ناگزیر قرار دیتی ہے جو اس کی قدر و قیمت سے واقف ہو، اپنی بنیاد کو مضبوط رکھنا چاہتی ہو اور ایک ایسی قوم بننا چاہتی ہو جس کا کوئی بھی حصہ دوسرے سے علیحدہ نہ ہو۔

ہمدردی و غمخواری ایک نہایت ہی گراں قدر احساس ہے جس سے کسی آدمی کے عالی نسب ہونے کا پتا چلتا ہے اور جس معاشرے میں یہ احساس موجود ہو، وہ ایک ہی جسم کی

صورت اختیار کر لیتا ہے، جس میں باہمی ہمدردی، رحمدلی اور محبت کا چلن عام ہوتا ہے اور وہ معاشرہ خود غرضی اور نفس پروری کی ان عاداتِ بد سے محفوظ ہو جاتا ہے جو اس ایک جسم کو کئی ٹکڑوں میں بکھیر دیتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے کہ

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى»

”باہمی محبت، ہمدردی اور الفت میں اہل ایمان کی مثال ایک بدن جیسی ہے کہ جس کا ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا بدن بے خوابی اور بخار کا شکار ہو جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم: 2586)

ایسی قوم جو ضمواری کے وصف سے نا آشنا ہو، کبھی ایک جسم کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتی، وہ کبھی رفعت، سر بلندی اور کامرانی کو نہیں چھو سکتی جب صورتِ حال یہ ہو کہ وہ خوشی منانے میں مصروف ہو جب کہ اس کے کچھ افراد اپنی محرومی پر آنسو بہا رہے ہوں، وہ پیٹ بھر رہی ہو لیکن ہمسایہ بھوک سے بلک رہا ہے، وہ سیراب ہو رہی ہو لیکن اس کے قریبی پیاسے ہوں اور وہ خود لباس میں ملبوس ہو لیکن اس کے دینی بھائی لباس سے محروم ہوں۔

صادق و صدوق ﷺ کا فرمان ہے:

«لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَبِيتُ وَجَارُهُ إِلَى جَنْبِهِ جَائِعٌ» (المعجم

الکبیر: 12580)

”وہ مومن نہیں جو خود تو شکم سیر ہو لے جبکہ اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔“  
دلوں کا احساس درد سے عاری ہو جانا ایسی مصیبت ہے جس کی بھڑکتی ہوئی آگ میں اچھی صفات بھسم ہو جاتی ہے اور باہمی ہمدردی اور محبت کی عادتیں زندہ درگور ہو جاتی ہیں جس کا خمیازہ بلاشبہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

کیونکہ مثبت معاشرہ وہی ہے جس میں غزواری کا شجر تناور ہو، ورنہ وہ منفی بنیادوں پر قائم ایک جامد معاشرہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آدمی کے لیے اپنے نفس کو عمدہ صفات میں ڈھالنے اور دوسروں کا دکھ درد محسوس کرنے کا عادی بنانے میں رکاوٹ کیا ہے۔ کیا اس مانع ہے کہ وہ کسی کی ضرورت پوری کرے، لغزش پر پردہ ڈالے، عذر قبول کرے، اپنی جانب دست تعاون بڑھانے والے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، سوال کرنے والے کو عطا کرے اور سوال سے بچنے والے پاکباز کو بغیر مانگے دے دے؟!

اے بندگانِ الہی! کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ایک مسلمان جب مال سے محروم ہو تو دوسروں کی غزواری کیسے کر سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ غزواری کے مفہوم کو مال پر یا مالی مدد پر منحصر قرار دینا سنگین غلطی ہے۔ غزواری تو مالی مدد سے پہلے دلی احساس اور اعضاء کی حرکت سے قبل اندرونی طور پر متحرک جذبے کا نام ہے۔ غزواری کی کچھ صورتیں ایسی بھی ہیں جن کے لیے سرے سے مال کی کوئی ضرورت ہی نہیں پڑتی، مثلاً یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، نماز جنازہ میں شرکت، بیمار کی عیادت، مسلمان بھائی کے سامنے مسکراتا اور کسی مصیبت زدہ کو تسلی دینا۔ اس طرح غزواری کی بہت ساری صورتیں ہیں جن میں دوسروں کا درد محسوس کرنے کے لیے صرف ایک ایسے بیدار اور دھڑکنے والے دل کی ضرورت ہوتی ہے جس میں یہ شعور موجود ہو کہ غزواری کا انجام بہت اعلیٰ ہے اور اس سے وہ باغات اور نہریں ملنے والی ہیں جو ایک بڑے قدر والے بادشاہ کے پاس سچ کے مقام میں ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَيْسَ مِنْ نَفْسِ ابْنِ آدَمَ إِلَّا عَلَيْهَا صَدَقَةٌ فِي كُلِّ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ»، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمِنْ أَيْنَ لَنَا صَدَقَةٌ نَتَصَدَّقُ بِهَا؟،



فَقَالَ: «إِنَّ أَبْوَابَ الْخَيْرِ لَكَثِيرَةٌ: التَّسْبِيحُ، وَالتَّحْمِيدُ، وَالتَّكْبِيرُ، وَالتَّهْلِيلُ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالتَّنْهِي عَنِ الْمُنْكَرِ، وَتَمِيِظُ الْأَدْيِ عَنِ الطَّرِيقِ، وَتُسَبِّحُ الْأَصَمَّ، وَتَهْدِي الْأَعْمَى، وَتُدِلُّ الْمُسْتَدِلَّ عَلَى حَاجَتِهِ، وَتَسْعَى بِشِدَّةٍ سَاقِيكَ مَعَ اللَّهْفَانِ الْمُسْتَعِيثِ، وَتَحْمِلُ بِشِدَّةٍ ذِرَاعِيكَ مَعَ الضَّعِيفِ، فَهَذَا كُلُّهُ صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلَى نَفْسِكَ»

”ہر طلوع ہونے والے دن میں ابن آدم کے ذمے ایک صدقہ ہے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ! کس طرح ممکن ہے کہ ہم یہ صدقہ ادا کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”نیکی کی صورتیں بے شمار ہیں، تسبیح، تحمید اور تکبیر کرنا، لا الہ الا اللہ کہنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا، راستے سے کسی تکلیف دہ شے کو ہٹانا، بہرے کو بات سنانا، اندھے کو راہ دکھانا، ضرورت مند کی رہنمائی کرنا، بے کس و لاچار کی مدد کے لیے اپنے بدن کی ساری توانائی لگا دینا اور ناتواں کی اعانت کے لیے اپنی مکمل قوت کھپا دینا، یہ تمام صدقے کی مختلف صورتیں ہیں۔“ (ابن حبان: 3377)

اللہ کے بندو! یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ رحمت کی نمائندہ امت میں ایسے سنگدل ہوں جنہوں نے اپنے لغات سے عمواری کا لفظ ہی مٹا دیا ہو اور ان کے دل اس قدر مردہ ہو چکے ہوں کہ نہ کسی پریشان کو دیکھ کر بے چین ہوں، نہ کسی فریاد خواہ کا درد محسوس کریں اور نہ کسی مظلوم الحال پر ترس کھائیں، جن کے دل سخت اور جگر پتھر ہو چکے ہوں۔

حالانکہ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ دنیا کی اور اس کے نکلوں اور دمڑیوں کی پرستش نہ کرے اور یتیموں اور بے کسوں کے حال سے غافل نہ ہو تاکہ یہ امت مال، زندگی اور جذبات کے بگڑے ہوئے نظریات کی غلام نہ بن جائے، کیونکہ اگر ایسا ہو تو اس کی مثال یہی ہوگی کہ امیر مال سمیٹتا رہے گا اور فقیر کے سینے میں دشمنی چھپتی رہے گی، ایسے میں طاقتور

کمزور کا ہاتھ نہیں تھامے گا اور قوت والا ناتواں کا بوجھ نہیں بٹائے گا، یوں کمزور اور نادار لوگ بھیڑ میں کچلے جائیں گے، پھر انہیں سنگدلی اور بے پروائی کے قدم روند ڈالیں گے۔ جس قوم کی یہ صورت حال ہو، وہ کبھی بھی اپنے دشمن کو زیر نہیں کر سکتی، کیونکہ اس سے پہلے وہ اپنی نفسانی خواہشات پر غلبہ پانے میں ناکام رہی ہے۔

﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا \* وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَى﴾

”مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔“ (سورۃ الاعلیٰ: 16-17)

نبی کریم ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ

«مَنْ أَضْبَحَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ صَائِمًا؟» قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَا، قَالَ: «فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ جَنَازَةً؟» قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَا، قَالَ: «فَمَنْ أَطْعَمَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ مِسْكِينًا؟» قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَا، قَالَ: «فَمَنْ عَادَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ مَرِيضًا؟» قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَا اجْتَمَعَنَ فِي امْرِئٍ، إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ»

”آج تم میں سے کون شخص روزے سے ہے؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”میں اے اللہ کے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ آج تم میں سے کسی جنازے میں شرکت کس نے کی ہے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پھر جواب دیا کہ ”میں نے اے اللہ کے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ آج تم میں سے کس آدمی نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ آج کسی بیمار کی عیادت کس نے کی ہے!

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پھر جواب دیا کہ اے اللہ! کے پیغمبر ﷺ! یہ کام بھی آج میں نے کیا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ کام جس آدمی میں جمع ہو گئے، وہ جنت میں چلا گیا۔“ (صحیح مسلم: 1028)

اس لیے اے بندگانِ الہی! اللہ سے ڈرو اور غنوارى كى روش کو عام کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس کی تلقین کرو، انفرادى اور اجتماعى سطح پر فلاحى اور رضا کارانہ کاموں كى مثالیں قائم کرو اور اوقاف اور امداد باہمی كى تنظیموں كا ہاتھ بٹاؤ، دنیا كا ساز و سامان ہمارے دلوں میں نہیں بلکہ ہمارے ہاتھوں میں ہونا چاہیے اور ہمیں ہر لمحہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس نے مسکراہٹ عطا كى ہے، وہ چھین بھی سکتا ہے اور جس نے مال دیا ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس سے برکت اٹھا دے۔

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ (سورۃ آل عمران: 185)

”یہ دنیا تو محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔“

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ سب کے لیے قرآن و سنت میں برکت دے اور مجھے اور آپ سب کو اس كى آیات و حکمت سے فائدہ پہنچائے۔ میں اپنی بات کہہ چکا ہوں اگر درست ہے تو اللہ كى جانب سے ہے اور اگر كوئى غلطی ہے تو میرے نفس كا تصور اور شیطان كا دوسرہ ہے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور خطا سے بخشش كا طلبگار ہوں، تم بھی اسی سے بخشش مانگو، یقیناً وہ بہت بخشنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس كى تعریف ہے اور اس كى توفیق و رحمت پر اس كا شکر ہے۔

حمد و ثناء کے بعد: اے بندگانِ الہی! اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ اللہ نے انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ اس كى زندگی مشقتوں سے گھری ہوئی ہے، اسے رب سے ملنے کے لیے

محنت کرنی پڑتی ہے۔ زندگی کی ڈور سے بندھا کوئی بھی آدمی مصیبت سے خالی نہیں ہے، کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو کوئی غیر معمولی صورت حال درپیش نہ ہو۔

غمخواری کی روش مصائب سے نمٹنے، آنسو پونچھنے اور ناگوار صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے بہترین راستہ ہے جس سے نہ صرف معاشرے کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے بلکہ اس کے خلا پر ہوتے ہیں اور اس میں باہمی ہمدردی، تعاون اور اتحاد کا رشتہ مزید گھنا ہوا جاتا ہے۔

کوئی بھی آدمی اپنی زندگی میں پریشانی سے پاک نہیں ہے کیونکہ یہ زندگی کا لازمہ ہے۔ البتہ پریشانی کے لیے کوئی ایسا باہر مت آدمی درکار ہوتا ہے جو پریشان حال کی غمخواری کرے، اسے تسلی دے اور اس کا درد محسوس کرے۔

لیکن اے جبتلای مصیبت انسان اتو بھی اس بات کا پابند ہے کہ جب کوئی غمخوار نہ ملے تو اللہ پر اعتماد رکھ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، وہی ہے جو غمخواروں کا رب ہے اور سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے، وہ بعض اوقات تجھ سے چھینتا اس لیے ہے تاکہ تجھے عطا کرے اور تجھے کسی چیز سے محروم اس لیے کرتا ہے تاکہ تجھے اس کے شر سے بچا دے۔

اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پھر یہ پریشانی درجالت کی بلندی اور گناہوں کا کفارہ تو ضرور ہی بن جاتی ہے۔ اسی طرح مصیبت میں گھرے آدمی کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص اپنے مال سے اس کی مدد نہیں کر سکا، اس نے اپنی زبان کے بارے میں بغل سے کام نہیں لیا اور تسلی کے کلمات ضرور کہہ دیئے ہیں یا اس نے اس کے درد کو اپنے دل میں محسوس کیا ہے جس سے اس کو تسلی ہوئی ہے کہ یہ غم میں اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ رونے والے اور اس کے غم پر غمگین ہونے والے لوگ بھی موجود ہیں۔

جب تجھے محسوس ہو کہ میرا مددگار کوئی نہیں ہے تو یاد کر لیا کر کہ صبر کرنے پر ایسے عمدہ انعام ملنے والے ہیں جو شہد سے بڑھ کر لذیذ ہیں۔

﴿إِنَّمَا يُوفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (سورة الزمر: 10)

”صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“

ایک بار کچھ انصاریوں نے آپ ﷺ سے کہا، آپ ﷺ نے انہیں دیا، انہوں نے پھر مانگا، آپ ﷺ نے پھر دیا، حتیٰ کہ آپ کے پاس جو کچھ تھا، ختم ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

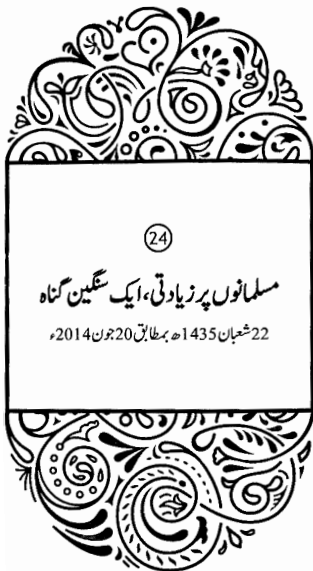
«مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدْخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَعِزَّ بِغَنِيِّ اللَّهِ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفُ يُعْفَهِ اللَّهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللَّهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ شَيْئًا هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ» (جامع ترمذی: 2024)

”میرے پاس جو کچھ ہو گا، میں اسے تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا لیکن جو شخص قناعت اختیار کرے گا، اللہ اسے قانع بنا دیتا ہے۔ جو استغناء اختیار کرے، اللہ اسے غنی کر دیتا ہے اور جو صبر کرے، اللہ اسے صبر کی توفیق دے کر اجر حاصل کرنے والا بنا دیتا ہے، صبر سے بڑی اور بہترین نوازش کبھی کسی کو نہیں دی گئی۔“

خیر الخلاق، انسانیت کی پاکیزہ ترین ہستی اور صاحب حوض و شفاعت محمد بن عبد اللہ پر درود و سلام پڑھو۔ اللہ نے اس سلسلے میں تمہیں ایک ایسا حکم دیا جس پر پہلے اس نے خود عمل کیا، پھر اس کی تسبیح کرنے والے فرشتے اس پر عمل پیرا ہوئے اور پھر اس نے تمہیں اس پر عمل کے لیے پکارا اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورة الاحزاب: 56)



### پہلا خطبہ

ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو بلندی اور کبریائی والا ہے اور اختیار مطلق، عزت اور جلال جس کی صفات ہیں۔

﴿خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ

وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ﴾ (سورة الزمر: 5)

”اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔“

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا﴾

”جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کر لی۔“ (سورة الفرقان: 2)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی، عزت اور کمال کی صفات اسی کے لیے ہیں، میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور پیغمبر اور خصال حمیدہ کا پیکر ہیں، مومنوں کے ساتھ بڑے مہربان اور رحمدل ہیں، پاکیزہ قلب اور راست گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی ازواج اور امہات المؤمنین پر، آپ ﷺ کے صحابہ پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہر آدمی پر رحمتیں، برکتیں اور بے پناہ سلامتی نازل کرے۔

حمد و ثناء کے بعد، لوگو!

میں خود کو اور آپ سب کو اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں، اللہ کا ڈر مومن کے لیے راہِ سلوک کا توشہ ہے، بے قراری میں سکون کا ذریعہ ہے اور فتنوں اور آزمائشوں میں حفاظت کا وسیلہ۔ اس کو اپنی نگاہوں میں بسانے والا اور خلوت و جلوت میں اسے اپنی ذات کا حصہ بنانے والا کبھی ناکام و نامراد نہیں ہوتا۔

تخلیات فضیلت الشیخ ذاکر سور الشریع اللہ

مسلمانوں پر زیادتی، ایک عین منہ

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾

”سفر حج کے لیے زاد راہ ساتھ لے جاؤ، اور سب سے بہتر زاد راہ پرہیز گاری ہے  
پس اے ہوش مندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔“ (سورۃ البقرۃ: 197)

لوگو!

اللہ نے فرزند آدم کو مقام و مرتبہ عطا کیا، اسے بہترین صورت میں تخلیق کیا، اسے  
بہت ساری مخلوقات پر فضیلت سے نوازا، اگر یہ اپنے پروردگار پر ایمان رکھے اور نیکی کی  
روش پر گامزن ہو کر اللہ کے لیے یکسو ہو جائے تو وہ اسے ایک نور عطا کر دیتا ہے جس کی  
روشنی میں یہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، اس طرح اسلام کی وجہ سے اس کا مقام و مرتبہ اور  
زیادہ بڑھ جاتا ہے اور اس کے دینی بھائیوں میں اور اس میں باہم حقوق و واجبات مقرر ہو  
جاتے ہیں۔

چنانچہ ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی پر نہ تو زیادتی کرے اور  
نہ اس کے معاملے میں اللہ کے حق سے تجاوز کرے۔ کیونکہ ہر مسلمان کو اپنی پانچ بنیادی  
 چیزوں کے تحفظ کا حق حاصل ہے جن میں دین، جان، مال، عقل اور آبرو شامل ہیں۔ جیسا کہ  
نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعَيْرُضُهُ» (مسلم: 2564)

”ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور آبرو حرام ہیں۔“

اس لیے اپنے مسلمان بھائی کے مال کو چوری یا ڈاکے کے ذریعے یا اس کی رضا کے بغیر  
کسی بھی ناجائز طریقے سے ہتھیانے کی کوشش نہ کر، نہ بہتان تراشی سے یا کسی اور طریقے سے  
اس کی آبرو پامال کر، نہ اس کی عقل پر کوئی ایسی سوچ مسلط کر جو اسے اللہ کے فرائض سے  
غافل کر دے، نہ اسے نشہ آور اشیاء اور ایسی کیفیتوں میں ڈال جن سے اس کی عقل میں بگاڑ



پیدا ہو کیونکہ عقل ہی کے ساتھ اللہ نے اسے عزت بخشی ہے، نہ اس کے خون پر بغیر حق کے دست درازی کر کیونکہ اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے اور نہ اس کی جانب کوئی ایسا رشتہ منسوب کر جو اس کا نہیں ہے اور نہ اس کو اس کے خاندان کے علاوہ کسی دوسرے خاندان سے نسبت دے۔ کیونکہ مسلمانوں کے کسی بھی حق پر دست درازی کرنا اس ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرنے کے مترادف ہے جس سے اللہ نے ہمیں یہ کہہ کر منع فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (سورة البقرة: 190)

”زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اس لیے اے بندگانِ الہی!

مسلمانوں کے حقوق پر کوئی بھی چھوٹی یا بڑی دست درازی بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ کی حدود پامال کرنے کے مترادف ہے۔ اس فعل کا ارتکاب کرنے والا اور اس کے ساتھ تعاون کرنے والے سب لوگ گناہ میں حصہ دار ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

”جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور

زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔“ (سورة المائدة: 2)

نبی کریم ﷺ نے ہر اس شخص کو وعید سنائی ہے جو عقل پر دست درازی کرنے والے کا تعاون کرے۔

چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَعَنَ اللَّهُ الْخَمْرَ، وَلَعَنَ شَارِبَهَا، وَسَاقِيَهَا، وَعَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَبَائِعَهَا، وَمُبْتَاعَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ، وَآكِلَ ثَمَرِهَا»

”اللہ تعالیٰ نے شراب پر اور اس کے پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے

خطبات فضیلتہ الشیخ ڈاکٹر سعید اشرف رحمہ اللہ

مسلمانوں پر زیادتی، ایک عسکین مناد

پر، خریدنے والے پر، بنانے والے پر، ہوانے والے پر، اٹھانے والے پر، مانگنے والے اور اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔“ (مسند أحمد: 70/8)

اللہ کے بندو!

کسی پر ظلم اور زیادتی ایک نہایت ہی بری خصلت ہے جو دل میں کینہ رکھنے سے اور اللہ اور بندوں کے حقوق کو حقیر جاننے سے جنم لیتی ہے۔ یہ افراد اور جماعتوں کے لیے ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو دوسروں کو کتر سمجھنے، حقوق کے معاملے میں کوتاہی کرنے اور اللہ کی پکڑ کو فراموش کر دینے سے بھڑکتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«يَحْسَبُ امْرِيٍّ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ» (مسلم: 2564)

”آدمی کے لیے گناہ اتنا ہی بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔“

اگر اپنے دل میں کسی کو حقیر سمجھنے کا یہ حکم ہے تو کسی کے مال، جسم، عقل، عزت اور

حسب نسب پر دست درازی کرنا کتنا بڑا گناہ ہو گا؟!

اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عَدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ

عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ (سورة النساء: 30)

”جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا، اُس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں

گے اور یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“

اللہ کے بندو!

ظلم و زیادتی باہمی تعلقات کی عمارت گرانے کے مترادف ہے، یہ ایک ایسی کدال ہے جس سے امن اور خوبصورت زندگی کی بلند عمارت پر ضرب پڑتی ہے۔ زیادتی کی ہر شکل اور ہر نوعیت برائی، شر اور تخریب ہے کیونکہ اس میں بگاڑ ہوتا ہے، بناؤ نہیں۔ ظلم ہوتا ہے،

عدل نہیں، تفریق ہوتی ہے، اتحاد نہیں اور اس میں خود غرض آدمی صرف اپنی ذات کا فائدہ دیکھتا ہے، خواہ دوسرا ہلاک ہی کیوں نہ ہو رہا ہو۔

وہ خود زندہ رہنے کے لیے دوسرے کو قتل کرتا ہے، خود عیش کرنے کے لیے دوسرے کا مال چراتا ہے اور اپنے سکھ کے لیے دوسرے پر ظلم کرتا ہے۔ بعض اوقات ایسے لوگوں کو اس طرح کے مقولوں سے بھی شہ ملتی ہے کہ

”إن لم تتغدَّ بفلانٍ تعشَّي بك! وإن لم تكن ذنبًا أكلتكَ الذناب“

”اگر تو فلاں آدمی پر وار کرنے میں پہل نہیں کرے گا تو اگلا داروہ تجھ پر کر دے

گا۔ اور اگر تو خود بھیڑ یا نہیں بنے گا تو بھیڑیوں کا لقمہ بن جائے گا۔“

اللہ کے بندو!

کسی پر زیادتی کی روش سے معاشرے میں خوف بڑھتا ہے اور امن و امان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ زیادتی سے لڑائیاں بھڑکتی ہیں، بے گناہ لوگ مرتے ہیں اور کھیتیاں اور نسلیں اجڑتی ہیں۔

اللہ کے بندو!

زیادتی جنگل کا دستور ہے جہاں تو انا تو اناں کو کھا جاتا ہے اور خونخوار درندہ چارہ کھانے والے جانور کو نگل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو عزت بخشی ہے تو ان کے لیے چوپاؤں جیسی عادتیں اپنانا حرام قرار دیا ہے، جن کے پاس نہ عقل ہوتی ہے اور نہ عدل۔ اگر انسان کی عقل بیدار ہو، وہ غفلت میں مدہوش نہ ہو، اسے اپنے خالق کی عظمت کا ادراک ہو اور وہ جانتا ہو کہ وہ غالب اور سخت پکڑ والا ہے تو یقینی طور پر نہ کسی کو گالی دے، نہ کسی کا مال ہتھیائے اور نہ کسی کے ساتھ لڑے لیکن ان باتوں کو فراموش کر کے اللہ اور لوگوں کی حدود میں دراندازی کرنے والا اللہ

کے غضب اور پکڑ سے ہر گز نہیں بچ سکتا۔

اسلام نے جہاں ظلم و زیادتی کو حرام قرار دیا ہے، وہیں زیادتی کا ذریعہ بننے والی ہر چھوٹی اور بڑی چیز کو بھی حرام قرار دیا ہے مثلاً عصبیت، گروہ بندی، نام بگاڑنا، کسی کو غصہ دلانا، پریشان کرنا اور برا بھلا سمجھنا کرنا کیونکہ یہی چیزیں لڑائیوں اور ہولناک جنگوں کی آگ بھڑکاتی ہیں۔ شاعر نے کہا ہے کہ

فإن النار بالعيدان تُذكى \*\*\* وإن الحربَ مبدؤها كلام

”آگ لکڑیوں سے بھڑکتی ہے تو جنگ کا آغاز کلام سے ہوتا ہے۔“

جنگوں کی ابتداء تعصب اور نخوت سے ہوتی ہے جبکہ ان کی انتہاء بربادی اور ہلاکت پر ہوتی ہے۔ صحیح بخاری میں تذکرہ آتا ہے کہ سلف صالحین فتنوں کے وقت میں امر و انہی کے ان اشعار سے سبق لیا کرتے تھے کہ

الحربُ أول ما تكون فتيةً \*\*\* تسعى بزینتها لكل جَهول

حتى إذا اشتعلت و شبَّ ضرامُها \*\*\* ولت عجوزًا غیر ذات حلیل

شمطاء یُکره لوئها و تغیرت \*\*\* مکروهةً للشمِّ و التقبیل

”جنگ شروع شروع میں ایک دو شیزہ کی طرح ہر جاہل کو اپنی چھب دکھا کر اپنی

جانب کھینچتی ہے لیکن جب بھڑک اٹھتی ہے تو ایک بوڑھی بیوہ کا بہروپ بھر لیتی

ہے، اس قدر بھدی کہ جس کا نہ کوئی رنگ روپ ہو اور نہ ہی اسے چومنے یا قریب

کرنے کو جی چاہے۔“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عدل اور احسان کا حکم دیا اور ظلم و زیادتی سے منع فرمایا،

تاکہ لوگ ایسی خوش کن زندگی جی سکیں جس میں وحدت اور بھائی چارے کا دور دورہ ہو اور ہر

آدمی دوسرے شخص کے حقوق کو سمجھنے والا ہو۔

امت کسی بھی کوتاہی میں مبتلا ہوگی تو شیطان اس کے درمیان نفرت کو ہوا دے گا اور ظلم، زیادتی، بغض، کشت و خون اور فساد کی آگ بھڑکائے گا اور انہیں کئی گردہوں میں تقسیم کر دے گا جو آپس میں ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے اور ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔

اس لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"المؤمنُ إن قَدِرَ عدلٌ وأحسن، وإن قُهرَ وغلبَ صبرٌ واحتسابٌ"

"مومن کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ اگر وہ قدرت رکھتا ہو تو عدل اور احسان کرتا ہے اور

و اگر مغلوب اور مظلوم ہو تو صبر کرتا ہے اور اجر کی امید رکھتا ہے۔"

اسی طرح کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام کے وصف

میں یہ شعر کہا تھا کہ

ليسوا مفاريحَ إن نالتَ رماحُهم \*\*\* يوماً وليسوا مجازيعاً إذا نيلوا

"اگر ان کے نیزے نشانوں پر پڑیں تو وہ اترتے نہیں اور اگر خود نیزوں کا شکار ہو

جائیں تو وہ اویلا نہیں مچاتے۔"

کسی اعرابی سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خاص صفت بتاؤ تو اس نے جواب دیا:

"رأيتُه يغلب ولا يبطر، ويُغلب فلا يضجر"

"میں نے دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب غلبہ پاتے تو اترتے نہیں تھے اور جب

مغلوب ہوتے تو بے قراری کا اظہار نہیں کرتے تھے۔" (الخصائص الکبریٰ: 2/22)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اس لمحے پر کفار قریش کو آزاد قرار دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر پوری

طرح غلبہ پا چکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے کے لیے انہوں نے جو کردار ادا کیا تھا، وہ

ساری یادیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں تازہ تھیں، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«اذْهَبُوا فَأَنْتُمْ الظَّلَقَاءُ» (الأم للشافعی: 382/7)

”جاؤ، تم آزاد ہو۔“

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ \* فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾

”دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر گراں گزرتا ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔ اب اگر یہ لوگ تم سے منہ پھیرتے ہیں تو اے نبیؐ، ان سے کہہ دو کہ ”میرے لیے اللہ کافی ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہ، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔“ (سورۃ التوبہ: 129، 128)

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لیے قرآن عظیم میں برکت دے اور ہم سب کو اس کی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ پہنچائے۔ میں اپنی بات کہہ دی ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ کی توفیق سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کا قصور ہے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور خطا سے بخشش کا طلبگار ہوں، تم بھی اسی سے بخشش مانگو، یقیناً میرا پروردگار بہت بخشنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کی تعریف ہے اور اس کے فضل و احسان پر اس کا شکر۔

حمد و ثناء کے بعد: ”اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، ظلم و زیادتی سے بچو خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو، کیونکہ اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلتا، اس کے چھوٹے سے چھوٹے نقصانات بغض اور عداوت ہیں جو تشدد، انتقام اور ظلم کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! یوں یہ سارا سلسلہ

اندھیروں در اندھیروں کا مصداق ہے جس کا ازالہ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے سامنے اور اس کے فیصلوں اور حدود کے سامنے سر جھکا دیا جائے اور دوسروں کے حقوق کی پاسداری کی جائے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«وَأَنَّ اللَّهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ»

”اللہ نے میری جانب یہ وحی کی کہ عاجزی اختیار کرو تا کہ کوئی آدمی دوسرے پر غرور نہ کرے اور کوئی شخص دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔“ (صحیح مسلم: 2865)

اس لیے اے بندگانِ اللہ! جان لو کہ زیادتی کا معاملہ بڑا سنگین ہے اور اسے معمولی سمجھنا ایک خطرناک غلطی ہے، یہ ایسے کبیرہ گناہوں تک لے جاتی ہے جو باعث لعنت ہیں اور جن کی وجہ سے دنیا میں حد اور آخرت میں عذاب لازم آتے ہیں۔

اس لیے امت اسلامیہ کے لیے ضروری ہے کہ ظلم و زیادتی کی برائی مٹانے کے لیے ایک مسلمان کے بچپن ہی سے اس کی اچھی تربیت کا اہتمام کرے اور نوجوانوں اور معاشروں سے ہوتے ہوئے ملکوں کی سطح تک اس برائی کو ختم کرنے کے لیے اپنی کوششیں بروئے کار لائے تاکہ امت اسلامیہ میں ہر جانب عدل و انصاف اور مساوات جیسی اچھائیوں کا دور دورہ ہو اور ہم زندگی کے تمام شعبوں میں زیادتی کی برائی سے یکسر پاک ہو جائیں حتیٰ کہ پروردگار کے ساتھ ہمارا تعلق بھی زیادتی سے کلی طور پر پاک ہونا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

«ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ»

”اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے، یقیناً وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا (سورۃ الاعراف: 55)۔“

اس آیت میں حد سے بڑھنے سے مراد دعا میں حد سے تجاوز کرنا ہے مثلاً غیر مسنون

دعائیں کرنا، دعا میں آواز بلند کرنا اور دعائیں پر تکلف عبارت کا اہتمام کرنا، یہ سب اس زیادتی کی مختلف صورتیں ہیں جن سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

حتیٰ کہ حرمت والے مہینوں اور رمضان کے ساتھ بھی ہمارا تعلق ظلم سے پاک ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں کو محترم قرار دیا اور ان کی شان بڑھائی ہے۔ انہی کے متعلق اللہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

﴿فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ (سورة التوبة: 36)

”ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔“

اسلام سے قبل بھی عرب کے اہل عقل و دانش ان مہینوں کا احترام کرتے تھے حتیٰ کہ ان مہینوں میں لڑی جانے والی جنگوں کو ”حروب الفجار“ یعنی نافرمانوں کی جنگ کا نام دیا کرتے تھے۔

اسی طرح ظلم اور زیادتی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ماہ رمضان کے مقدس مہینے میں مختلف ذرائع ابلاغ پر ایسی حیاء سوز فلمیں نشر کی جائیں جن سے اس مہینے کی حرمت اور عظمت پامال ہو اور قرآن اور اللہ کے قرب کے اس مہینے میں لوگوں میں برائی پھیلے اور اس طرح نماز، دعا، قرآن اور روزے اور صدقے کے اس مہینے کو ایک ایسے مہینے میں بدل دیا جائے جس میں لوگ ساری ساری رات فضول جاگیں، ڈرامے دیکھیں اور قول اور عمل میں جھوٹ کے مرتکب ہوں۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ

يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ» (صحیح بخاری: 6057)

”جو شخص جہالت سے، گناہ کی بات سے، اور اس کے مطابق عمل کرنے سے

دستبردار نہ ہو تو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا ترک کیے رکھے۔“



روزوں کا یہ مہینہ دراصل تقویٰ کی صفت پیدا کرنے کے لیے ہے۔ اس لیے تقویٰ کے منافی ہر چیز کو ظلم و زیادتی کا نام دیا جائے گا اور اس مہینے کی حرمت پامال کرنے سے تعبیر کیا جائے گا جس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار راتوں سے بہتر ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ

الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۗ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

”اللہ عدل، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے، بدی، بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔“ (سورۃ النحل: 90)



## پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ وہ یکتائے جلالت ہے اور مکمل خوبصورتی کا مالک ہے۔ قابل تعظیم ہے اور اس کی بڑائی قابل بیان ہے۔ وہی اکیلا سارے معاملات کو اجمالی طور پر اور ہر شے کو باریک بینی کے ساتھ چلاتا ہے۔ وہی ہر چیز کی تقدیر لکھتا ہے اور وہی ہر چیز کا بند و بست کرتا ہے۔ وہ اپنی عظمت اور شان میں انتہائی بلند ہے۔

﴿الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾

”اسی نے اپنے بندے پر کتاب فرقان نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کے لیے خبردار

کرنے اور ڈرانے والے بن جائیں۔“ (سورۃ الفرقان: 1)

میں گو وہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گو وہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے، چنیدہ رسول، ظلیل اللہ، مخلوق الٰہی میں افضل ترین، نمازیوں اور روزہ داروں میں بہترین، تہجد گزاروں اور حاجیوں میں اعلیٰ ترین ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، چمکدار پیشانیوں والے اور نیک سیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور قیامت تک استقامت کے ساتھ ان نقش قدم پر چلنے والوں پر سلامتی بھی نازل ہو!

بعد ازاں اے لوگو!

میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہی سلمان، سفر کے لیے تیار کرنا چاہیے، تقویٰ ہی روز قیامت کے لیے بہترین زادِ راہ ہے اور دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ دار درخت ہے۔ اسی سے نفس کو پاکیزگی ملتی ہے، جس کے بعد نہ وہ گمراہ ہوتا ہے اور نہ جھکتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا

اللّٰهُ

”جنہیں ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب تمہیں بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو۔“ (سورۃ النساء: 131)

اللہ کے بندو!

عمر چاہے لمبی ہی ہو، بہت تیزی سے گزر جاتی ہے، وقت بہت تیزی سے کم ہوتا جا رہا ہے، وقت بہت جلد ختم ہونے والی چیز ہے، وقت ایسی چیز ہے جو کسی کی پرواہ نہیں کرتا، یہ ناقابلِ تاثیر اور کبھی لوٹ کر نہ آنے والا ہے۔ دن بادلوں کی طرح گزرتے جاتے ہیں اور اللہ ہی ہے جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ جنت کی دائمی نعمتوں کے علاوہ ہر چیز زوال پذیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ \* وَالْقَمَرَ

قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ﴾ (سورۃ یس: 38، 39)

”اور سورج، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے اور چاند، اُس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔“

اللہ کے بندو!

کل ہی کی بات ہے کہ ہماری زبانوں پر آمدِ رمضان کی خوشخبریاں چل رہی تھیں، تب سے لے کر اب تک چند لمحے ہی ہوں گے، جو ایسی تیز ہوا کی طرح گزر گئے، جس کے بعد یوں لگتا ہے کہ کچھ تھا ہی نہیں۔ دیکھیں آج اس کے گزرنے کے غم میں ہمارا دم کیسے گھٹتا چلا جا رہا ہے، اس کے خاتمے کے افسوس میں ہمارے آنسو کیسے جاری ہیں۔ ہائے اللہ! اس پیارے سے

خطبات فضیلتہ الشیخ الاکبر سیدنا محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ

انعام رمضان سے پہلے ایک نوکر یہ

جدا ہونا کتنا مشکل ہے! یہ دیکھ کر دل کو کتنا دکھ ہوتا ہے کہ یہ معزز مہمان کوچہ کے لیے زبردستی اپنا سامان باندھ رہا ہے۔ اسے روکنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

اے مسلمانو!

ہم نے ایک بابرکت مہینہ گزارا ہے، جو سکون اور اطمینان سے بھرپور تھا، جس میں اہل ایمان کے نفوس کو سر بلندی ملی، روزوں، نمازوں اور تلاوت کلام پروردگار کی بدولت نفسِ قرپِ الہی سے مانوس کے عروج تک پہنچ گئے، اب دلوں میں تمنائیں اٹھ رہی ہیں کہ کاش سارا سال ہی رمضان ہوتا! لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے!؟

یہ دل و جان کی صفائی اور پاکیزگی کی گنی چنی راتیں تھیں، دنیا کی پریشانیاں اور ادھر ادھر کی باتوں کو ایک طرف چھوڑ دینے کی چند گھنٹیاں تھیں۔ یہ قرآن کی راتیں تھیں اور آپ کیا جانو کہ قرآن کیا ہے؟ یہ پروردگار عالم کا کلام ہے۔ اس میں گزشتہ قوموں کے قصے بھی ہیں، آنے والے لوگوں کی خبریں بھی ہیں اور ہمارے فیصلے بھی۔ یہ حق ہے، ہنسی مذاق نہیں! جو عالم اسے چھوڑتا ہے، اللہ اسے ہلاک کر دیتا ہے، جو اس کے علاوہ کہیں اور عزت تلاش کرتا ہے، اللہ اسے رسوا کر دیتا ہے۔

رمضان کی راتوں میں سب کو علی الاعلان کلامِ الہی سنایا گیا، سب کے کان ایمانی باتوں، اسباق اور نصیحتوں کے عادی بن گئے۔ سب نے زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر جنت اور جہنم میں لوگوں کے داخلے تک سب کچھ سن لیا۔ گزشتہ قوموں کے حالات پر غور کیا اور جان گئے کہ ان سے پہلے عبرت ناک مثالیں گزر چکی ہیں۔ دنیا و آخرت میں فرمان برداروں کو ملنے والی جزا کو بھی سن چکے اور نافرمانوں کی سزا کو بھی جان چکے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا

الْقُرْآنَ وَإِذْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِيعًا الْعَافِلِينَ ﴿۳﴾ (سورۃ یوسف: 3)

”اے محمد ﷺ، ہم اس قرآن کو تمہاری طرف وحی کر کے بہترین پیرایہ میں واقعات اور حقائق تم سے بیان کرتے ہیں، ورنہ اس سے پہلے تو (ان چیزوں سے) تم بالکل ہی بے خبر تھے۔“

اللہ کے بندو!

زمانے کی آندھی رواں رہنے کے سبب رمضان کے پھل دار درخت کے بیشتر پتے اب گر چکے، اگر اب تک غلطی سے کوتاہی ہوتی رہی ہے، توبیہ دنوں میں کوتاہی پر اڑے رہنا زیادہ بڑی غلطی ہے۔

تو اے اللہ کے بندے! دیکھ کہ رمضان کے حوالے سے تیرا کیا رویہ ہے؟ کیا تو نفس پر ظلم کرنے والا ہے؟ یا کیا تو فرائض پر اکتفا کرنے والا ہے؟ یا کیا تو توفیق الہی سے نیکیوں میں سبقت لیجانے والا ہے؟

اگر رمضان میں بھی تم نے قرآن سے نصیحت نہیں پکڑی تو پھر تم کس چیز سے نصیحت پکڑو گے؟

اگر رمضان کے مدرسے سے بھی تو نے کچھ نہیں سیکھا تو پھر تم کس مدرسے سے سیکھو گے؟

اگر رمضان میں بھی تم نے صدقہ خیرات نہیں کیا تو اس کے بعد کب کرو گے؟  
اے اللہ کے بندے!

سن لو! یہ مہینہ یا تو تمہارے حق میں گواہی دے گا، یا پھر تمہارے خلاف، اب سوچ لو کہ اس کی بقیہ راتوں میں تم کیا کرنے والے ہو؟ اللہ کا فرمان ہے:

﴿أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتًا عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ

لَمِنَ السَّاجِرِينَ ﴿ (سورة الزمر: 56)

”کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی شخص کہے: افسوس میری اس تقصیر پر جو میں اللہ

کی جناب میں کرتا رہا، بلکہ میں تو اٹاندا حق اڑانے والوں میں شامل تھا۔“

اف خدا یا! رمضان کو گنوانے والا کتنی بڑی ہلاکت کے درپے ہے، جس کی عقل کو نال  
مٹول کی بیماری لگ گئی ہے اور جو توبہ سے غافل ہے۔ جو اچانک دیکھتا ہے کہ رمضان کے خیمے  
اکھڑ رہے ہیں، اس کے صحیفے بند ہو رہے ہیں اور اعمال کو محفوظ کر کے ساتھ لیجا رہے ہیں۔  
رمضان کی جدائی اور اس کے صحیفوں کی بندش پر یہ جو ہمارے کلیجے منہ کو آرہے ہیں،  
یہ اس لیے نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے جا رہا ہے، ہرگز نہیں! کیونکہ جب تک قیامت نہیں  
آتی، اس نے آتے ہی رہنا ہے، مگر ہماری پریشانی یہ ہے کہ آیا اگر رمضان ہمیں نصیب ہو گا یا  
اس وقت ہماری ذات فنا ہونے کے بعد بس ہمارا ذکر ہی رہ گیا ہو گا، ہماری حقیقت ختم ہونے  
کے بعد ہماری خبریں ہی بچی ہوں گی۔

تعب ہے اس شخص کی بدبختی پر، جو باپ ریان کو گنوا بیٹھا۔ تعجب ہے اس شخص کی بد  
نصیبی پر، جس کے لیے کی گئی بددعا پر رسول اکرم ﷺ نے بھی آمین کہا ہو۔

قال له جبریل - عليه السلام - : «وَرَيْتُ أَنْفَ امْرِئٍ أَدْرَكَهُ رَمَضَانُ

فلم يُغْفَرْ له»، فقال النبي ﷺ : «آمين، آمين، آمين».

”سیدنا جبریل علیہ السلام نے دعا تھی کہ ”وہ شخص ذلیل و رسوا ہو، جو رمضان کو پالے

پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہو۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”آمین، آمین، آمین۔“

لوگو! آپ کا یہ مہینہ گزرنے والا ہے، اس کا باقی حصہ بھی پلک جھپکتے گزر جائے گا۔ اہل  
دانش اسے سائے کی مانند سمجھتے ہیں، جو پہلے وہ خوب پھیلتا ہے پھر وہ سمٹنے لگتا ہے، پہلے بڑھ رہا  
ہوتا ہے پھر وہ کم ہونے لگتا ہے۔ اس مہینے کا جو حصہ بچا ہے، وہی میدانِ مقابلہ ہے جس کے

آخر میں جیت ہونے والی ہے اور جنت کی شکل میں انعام ملنے والا ہے۔

سفر کے آخر میں گھوڑوں کی رفتار تیز ہو جاتی ہے، صاحبِ توفیق وہی ہے جو یہ جان لے کہ اختتام اچھا ہو تو ابتداء کی کوتاہیاں مٹ جاتی ہیں۔ اے اللہ کے بندے! کیا معلوم کہ تمہاری نیکیوں کی برکت مہینے کے آخر میں چھپی ہو؟ نیکیوں کا دار و مدار بھی تو آخری حصے پر ہوتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں، جنہیں بابرکت دنوں کے آخر میں بہترین خاتمہ نصیب ہو گیا! اس شخص کی بربادی کتنی شدید ہوگی جس نے توبہ نہیں کی۔ جنت کے اس امیدوار کی ہلاکت کتنی سخت ہوگی جو غافل رہا، جہنم سے اس بھاگنے والے کی بدبختی کیسی ہوگی جو سویارہ گیا! حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴾ (سورۃ المطففين: 26)

”جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔“

سنو! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ اے روزہ دارو اور تہجد گزارو! سانس اٹھانے سے پہلے سانس لے لو، زبردستی اللہ کی طرف لیجائے جانے سے پہلے خود ہی اس کا رخ کر لو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴾ (سورۃ الحاقة: 18)

”وہ دن ہو گا جب تم لوگ پیش کیے جاؤ گے، تمہارا کوئی راز بھی چھپانہ رہ جائے گا۔“

ہمارے اور جنت یا جہنم کے درمیان بس موت ہی حائل ہے۔ جس اہم ہدف میں اس زندگی کو لگانا چاہیے، اس کے سامنے تو یہ زندگی جتنی بھی لمبی ہو، مختصر ہی معلوم ہوتی ہے۔ اللہ اس شخص کا بھلا کرے جو توبہ کو مقدم رکھے اور اپنی خواہشات کا مقابلہ کرے،



کیونکہ موت کا وقت ہم سے مخفی ہے، امیدیں دعوہ کے میں جتلا کرنے والی ہیں، امیدوں اور موت کے درمیان ایک شیطان موجود ہے جو گناہوں کو مزین کرتا ہے تاکہ بندہ اس کی طرف بڑھے اور توبہ میں ہل سنبول پر آسکتا ہے تاکہ وہ اسے چھوڑ دے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَعِدُّهُمْ وَيَمْنِيئُهُمْ وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا﴾

”شیطان ان لوگوں سے وعدہ کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے، مگر شیطان کے سارے وعدے بے فربہ کے اور کچھ نہیں ہیں۔“ (سورۃ النساء: 120)

سیدنا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

”دعا اللہ إلی مغفرتہ من زعم أن عذیرا ابن اللہ، ومن زعم أن اللہ فقیر، ومن زعم أن ید اللہ مغلولۃ، ومن زعم أن اللہ ثالث ثلاثۃ، یقول لہؤلاء جمیعاً“

”اللہ نے اپنی بخشش کی طرف تو انہیں بھی بلایا ہے جو عزیر کو ابن اللہ کہتے ہیں، انہیں بھی جنہوں نے اللہ کو فقیر کہا، انہیں بھی جنہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہے، انہیں بھی جنہوں نے کہا کہ اللہ تین اہوں کا تیسرا ہے۔ ان سب سے کہا: ﴿أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (سورۃ

المائدہ: 74)

”پھر کیا یہ اللہ سے توبہ نہ کریں گے اور اس سے معافی نہ مانگیں گے؟ اللہ بہت درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ثُبُوبًا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ

يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُم جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

”اے مومنو! اللہ سے توبہ کرو، خالص توبہ، بعید نہیں کہ اللہ تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمادے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔“ (سورۃ التحریم: 8)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! مجھے یہی کہنا تھا۔ اگر درست کہا تو اللہ کی توفیق سے اور اگر غلط کہا تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے۔ اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر میں اسی کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں۔ اس کی توفیق اور نوازشوں پر میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو! یاد رکھو کہ ایک بابرکت عید کی آمد میں بس دو کماتوں یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا ہے، جس پر تمہارے روزوں کی گنتی پوری ہوگی اور تم اللہ کی کبریائی بیان کرو گے، یہ عید اللہ کی طرف سے آپ کو ملنے والے فرصت اور خوشی کے لمحات ہیں، اس میں اللہ نے ایسے انداز میں خوشیاں منانے کا کہا ہے، جو اسے ناراض کرنے کا سبب نہ بنے، ایسی خوشی، جس میں شرانگیزی یا گھمبٹنڈ نہ ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ نے ایسے لوگوں کو ناپسند کیا ہے جو خوشی میں اس حالت تک پہنچ جاتے ہیں۔

فرمان الہی ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴾ (سورة القصص: 76)

”بیشک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

سچا مومن جب خوش ہوتا ہے تو وہ طاقتور متقیوں کی طرح خوشی مناتا ہے، خوشی میں نہ زیادتی کرتا ہے اور نہ راہ سے ہٹتا ہے۔ خوشی کے اس موقع پر جو اللہ کو ناراض کرنے والے طریقے کو اپناتا ہے، تو اگر تو اس نے رمضان میں عبادت کا حق ادا کیا ہو تو یہ شکر گزاروں کا طریقہ نہیں ہے، اور اگر رمضان میں کوتاہی کا شکار رہا ہو، تو یہ ڈرنے والوں کا طریقہ نہیں ہے!

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے!

یاد رکھو کہ تمہارے کچھ بھائیوں پر جنگ کی آندھی بڑی سختی سے چلی ہے، جس کی وجہ سے شاید وہ عید کی خوشی اور مسرت کو بھول ہی جائیں، بھلا انہیں عید کی کیا خوشی ہوگی جنہیں کپڑے دینے والا کوئی نہیں؟! انہیں عید کی کیا خوشی ہوگی جنہیں کھلانے والا کوئی نہیں؟! انہیں عید کی کیا خوشی ہوگی جن کے تیسوں سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں؟! جن بیواؤں کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں!؟

کیا ہم نے ماہ مبارک میں یہ آیت نہیں پڑھی:

﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِنَّ

فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴾ (سورة النساء: 9)

”لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے پس چاہیے کہ وہ اللہ کا خوف کریں اور راستی کی بات کریں۔“

یہ سبق زندگی اور حقیقت کے عین مطابق ہے کہ انسان یہ تصور کرے کہ اس کے اپنے بچے کمزوری اور محتاجی میں اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ انسانی درندوں نے انہیں تنگی زمین پر سونے اور کھلے آسمان تلے لیٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تو اسے پروردگار! تیرا رحم ہو! تیرا رحم! سنو! اللہ کے بندو! اپنے مال، اپنے جذبات اور اپنی دعاؤں سے ان کا ساتھ دو، کیونکہ رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرتا ہے۔

پھر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فطرانہ فرض کیا ہے، جو روزوں میں ہونے والی کیوں اور کوتاہیوں کے کفارے کا باعث ہے، اور مسکینوں کے لیے کھانے کا سامان بھی ہے۔ فطرانہ ایک صاع کے برابر ہوتا ہے جو کھانے، گندم، پنیر، کھجور، منقہ، یا کھانے پینے کی اشیاء میں سے ادا کیا جاتا ہے، یہ ہر مرد اور عورت، آزاد اور غلام، چھوٹے اور بڑے مسلمانوں پر فرض ہے۔

رسول اللہ ﷺ عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے اسے ادا کرتے تھے۔ صحابہ کرام اسے عید سے ایک یا دو دن پہلے ادا کر دیتے تھے۔

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِكُمُ الْعِدَّةُ  
وَلِكُمُ الْبُرْءُ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ \* وَإِذَا سَأَلَكَ  
عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا  
لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (سورة البقرة: 185، 186)

”اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی قعدہ پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو اور اسے نبی ﷺ، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انہیں بتا دو

کہ میں ان سے قریب ہی ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں لہذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں یہ بات تم انہیں سناؤ، شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔“

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو اولادِ آدم میں افضل ترین، انسانوں میں پاکیزہ ترین، حوض کوثر والے اور شفاعت کرنے والے محمد بن عبد اللہ ﷺ پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنی تعریف و تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا۔

اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



## پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ ہم اس کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے معافی مانگتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اپنے نفس کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِيهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“ (سورۃ آل عمران: 102)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (سورۃ النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا • يُصْلِحْ لَكُمْ

أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورة الأحزاب: 70-71)

”اے مؤمنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

بعد ازاں اے لوگو!

میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ کھلے اور چھپے حالات میں، غصے اور خوشی کی حالت میں پرہیز گاری اپنائے رکھو، کیونکہ پرہیز گاری سے پریشانی ختم اور مصیبتیں کافور ہو جاتی ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾ (سورة الطلاق: 4)

”جو شخص اللہ سے ڈرے اُس کے معاملہ میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے۔“

اے مسلمانو!

بندوں پر یہ اللہ کی ایک رحمت یہ بھی ہے کہ وہ انہیں اپنی حکمت کے مطابق نیکیوں کے موقع فراہم کرتا رہتا ہے، تاکہ وہ پرہیز گاری، رجوع الی اللہ اور قرب الہی کا سامان کر لیں۔ جیسے ہی نیکی کا ایک موسم گزرتا ہے تو امتِ اسلامیہ نیکی کے ایک دوسرے موسم کے استقبال کے لیے تیار ہوتی ہے۔ ان پے درپے آنے والے موسموں کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ لوگوں کا رابطہ بحال رہے، وہ ان موسموں سے استفادہ کرتے رہیں، ان کی برکات سے فیض یاب ہوتے رہیں اور انہیں اللہ کی خوشنودی اور رحمت کا زینہ بنائیں۔

ہمارے پروردگار نے ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں بے شمار فضائل، نیکیاں اور برکتیں رکھی ہیں، جن میں بڑا چھوٹا، کمزور اور طاقتور، مرد اور عورت، سب برابر ہیں۔ ان ایام



میں روزے بھی ہیں، ذکر بھی، تکبیر بھی، صدقہ بھی اور بیت اللہ کا حج بھی۔ عرفات کے مجمعے پر تو اللہ خصوصی مہربانی فرماتا ہے اور فرشتوں کو ان کی معافی پر گواہ بنا لیتا ہے۔

اس کا کرم اور احسان یہ بھی ہے کہ اس نے اس دن کے فیوض و برکات صرف حجاج کے لیے نہیں رکھے، بلکہ ان میں ان تمام لوگوں کو بھی شریک رکھا ہے جنہیں بیت اللہ کے حج کا موقع نہیں مل سکا، انہیں اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے روزہ رکھنے کا کہا اور اسے دو سال کے گناہوں کا کفارہ بنایا، ایک گزشتہ سال اور ایک آئندہ سال۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«صیامُ یومِ عرفۃٍ أحتسبُ علی اللہ أنْ یُکفِّرَ السنۃَ الّتی قبلہ  
والسنۃَ الّتی بعدہ» (صحیح مسلم: 1162)

”عرفات کے دن کے روزے کے متعلق میں اللہ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ پچھلے اور اگلے سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔“

اختلاف مطالع کی وجہ سے اگر کسی ملک میں یوم عرفہ آٹھ تاریخ کو ہو تو وہاں اسی دن کا روزہ رکھا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مطلق الفاظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: ”عرفات کے دن کا روزہ“، اور اسے نو تاریخ کے ساتھ نہیں جوڑا۔ اہل علم کا یہی موقف صحیح ہے۔

اے مسلمانو!

نبی اکرم ﷺ کے حج پر تھوڑا سا غور کیا جائے تو ہر عقل و بصیرت والے کو سمجھ آ جاتی ہے کہ حج کی عبادت میں کتنی عظیم برکات ہیں۔ اسے احساس ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حج مبارک میں کتنے سبق، نصیحتیں، احکام، سیاسی اور شرعی حکمتیں، معاشی، معاشرتی اور خانہ دانی پیغامات ہیں۔

ان سب چیزوں میں سر فہرست عقیدہ توحید کا سبق ہے، جس کے بغیر ایمان ہی

درست نہیں ہوتا۔ اللہ عزوجل نے اپنے ظلیل کو تعمیر کعبہ کا حکم اسی لیے دیا تھا کہ توحید کا بول بالا ہو جائے اور حج کی عبادت بھی اسی لیے رکھی ہے کہ توحید کا پرچم لہرائے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا حَرَّمَ

السَّمَاءَ فَتُخَطَفُ السَّيْبُ أَوْ تَهْوَىٰ بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾

”یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اُس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اُس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔“ (سورۃ الحج: 31)

اے مسلمانو! اس پر شکوہ منظر کو دیکھو، عرفات کے عظیم مجمعے کو دیکھو، کس طرح لوگ مختلف زبانوں میں ایک ہی پروردگار کو پکار رہے ہیں، رنگ الگ الگ اور زبانیں مختلف، مگر سب کا لباس اور عبادت ایک ہے۔ کسی کو ٹھہرنے، کنکریاں مارنے، رات گزارنے، طواف یا سعی کرنے میں کوئی برتری حاصل نہیں ہے، کیونکہ اللہ کا قرب کسی وسیلے واسطے سے نہیں ملتا۔ اور اللہ کی شریعت میں کسی کی طرف داری نہیں۔ سب ایک ہی تلمیہ پڑھ رہے ہیں۔

لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، إن الحمد والنعمة

لك والمُلْك، لا شريك لك.

”میں حاضر ہوں۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک

نہیں ہے۔ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں بھی تیرے لیے ہی

ہیں، نعمتیں بھی تیری ہی ہیں اور بادشاہت بھی تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک

نہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الْحُجَّجُ أَشْهُرُ مَعْلُومَاتٍ فَمَنْ قَرَضَ فِيهِنَّ الْحُجَّجَ فَلَا رَفْعَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحُجَّجِ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (سورة البقرة: 197)

”حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے، اُسے خبردار رہنا چاہیے کہ حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بد عملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو اور جو نیک کام تم کرو گے، وہ اللہ کے علم میں ہوگا، سفر حج کے لیے زادراہ ساتھ لے جاؤ، اور سب سے بہتر زادراہ پرہیزگاری ہے پس اے ہوش مند و امیری نافرمانی سے پرہیز کرو۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اپنی بات کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر میں اسی کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں۔ اس کی توفیق اور مہربانیوں پر میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔

بعد ازاں اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو! اے بیت اللہ کے حاجیو! یاد رکھو کہ عرفات کی شام میں حاجی کو دعا کے

لیے وقت نکالنا چاہیے اور اللہ سے دنیا و آخرت کی بھلائیاں مانگنی چاہئیں اور کوئی ایسی دعا نہیں مانگنی چاہیے جو کسی گناہ یا قطع رحمی پر مشتمل ہو۔

عمرات کے دن جب سورج غروب ہو جائے تو حجاج کرام کو پورے تحمل اور سکون سے اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے مزدلفہ کی طرف روانہ ہونا ہوتا ہے، جب وہ مزدلفہ پہنچتے ہیں تو انہیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کرنا ہوتی ہیں، پھر وہاں ٹھہرنا ہوتا ہے، فجر پڑھنے کے بعد انہیں روشنی پھیلنے تک دعا کرنا ہوتی ہے، پھر تلبیہ پڑھتے ہوئے منیٰ جا کر جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنی ہوتی ہیں۔

ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کے الفاظ کہنے ہوتے ہیں، جب وہ سات کنکریاں مار لیں، تو ان کا احرام جزوی طور پر کھل جاتا ہے، کنکریاں مارنے کے بعد حسب ترتیب قربانی کرنا ہوتی ہے، پھر بال کنوانے یا منڈوانا ہوتے ہیں۔ منڈ کرنا افضل ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حلق کرنے والوں کے لیے تین بار دعا کی اور بال کنوانے والوں کے لیے ایک بار۔

یہ وہ کام ہیں جو حجاج کرام کو آج اور عید کی صبح کرنا ہوتے ہیں۔ اللہ حجاج کرام کا حج قبول فرمائے! روزہ داروں سے روزہ قبول فرمائے۔

اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، وَ لِلَّهِ الْحَمْدُ.

”اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں! اللہ

سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔“

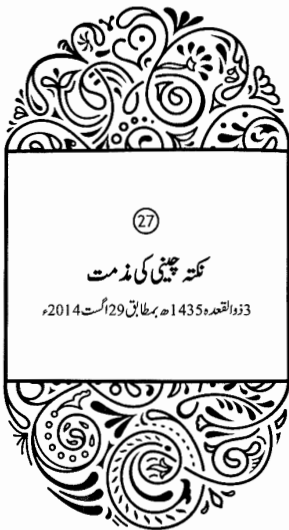
اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو اولادِ آدم میں افضل ترین ہستی، اور انسانوں میں پاکیزہ ترین رسول، حوض کوثر والے اور شفاعت کرنے والے محمد بن عبد اللہ ﷺ پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنی تعریف

کی تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مؤمنو! کہہ کر مخاطب کیا۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مؤمنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ پر رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرما! جو کہ روشن چہرے اور چمکتی پیشانی والے ہیں۔ اے اللہ! خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا! تابعین سے اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے راضی ہو جا۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔



## پہلا خطبہ

تمام حمد اللہ کے لیے ہے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اور اسی کے سامنے جھکتے ہیں، ہم اپنے نفسوں اور بُرے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، جس کو وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی میں ڈال دے اس کو کوئی راہِ راست پہ نہیں لاسکتا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾ (سورۃ آل عمران: 102)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي

تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے

اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اُس اللہ سے

ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت

کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

اسی طرح فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورة الاحزاب: 70-71)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

اے لوگو! امتِ اسلامیہ پر مسلسل اور پے در پے اترنے والی آفات و مصائب کسی صاحب عقل سے مخفی نہیں باوجود اس کے کہ عقل مند لا پرواہ ہیں اکثر تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان مصائب کا آنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ ایک معمول ہے۔ یہ بغیر کسی تعبیر کے اچانک نہیں آتیں اور نہ ہی بغیر کسی سبب کے ہم پر یا ہمارے ارد گرد نازل ہوتی ہیں۔

یہ مصائب جس انداز سے بھی ہوں ہم میں سے کوئی بھی اس سے مبرا نہیں بلکہ ہر کوئی دور یا قریب سے ان مصائب کے آنے کا سبب ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ

كَثِيرٍ﴾ (سورة الشوریٰ: 30)

”تم پر جو مصیبت بھی آئی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے، اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے۔“

عقل مند اور توفیق سے بہرہ مند قومیں ان مصائب کا بڑے غور سے جائزہ لیتی ہیں۔ ان کے اسباب تلاش کرتی ہیں، ان کا علاج دریافت کرتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ خطرناک بیماری سے بچاؤ کی تدابیر بھی کرتی ہیں جو ان مصیبتوں میں اضافہ کا موجب ہو اور اس کا علاج



سے دور دور کا تعلق نہ ہو۔

یہ بیماری اکثر ان معاشروں میں پھیل جاتی ہے جو مصائب اور آفتوں میں مسلسل گرفتار رہتے ہیں۔ یہ بیماری ہے ”باہم الزام تراشی کی بیماری۔“ وہ تنقید اور باہمی الزام تراشی جو تکلیف کو ابھارتی ہے، اسے کم نہیں کرتی۔ وہ باہمی تنقید جو ہر ناکامی، خسارے اور تکلیف کے بعد اس غرض سے کی جاتی ہے کہ اس کی آڑھ میں آکر اپنی ناکامی اور غلطی پر پردہ ڈالا جائے تاکہ شرمندگی کے ساتھ اسے نہ دھرانے کا عزم وارد نہ کرنا پڑے۔

جی ہاں! یہ طعن و ملامت ہی ہے جو ان تمام بھلائیوں کو نابود کر دیتی ہے۔ جبکہ نبی ﷺ نے ہمیں ایسا طریقہ بتایا ہے جس سے اس بیماری کا پھیلاؤ روکا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَائِينَ التَّوَابُونَ» (جامع ترمذی: 2499)

”ہر ابن آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کر لیں۔“

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَدَهَبَ اللَّهُ بِكُمْ، وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ، فَيَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ» (صحیح مسلم: 2749)

”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرو

تو اللہ تمہیں ختم کر دے اور ایسی قوم پیدا کر دے جو گناہ کریں پھر اللہ سے استغفار

کریں اور وہ انہیں معاف کر دے۔“

بندگانِ الہی!

باہم الزام تراشی برائی کو برا کہنے کی منفی شکل ہے کیونکہ وہ مثبت تشبیہ نہیں اور نہ ہی قابل تعریف اظہار ناراضی ہے بلکہ یہ تو انانیت اور تکبر کا حصہ ہے، چنانچہ ہر کوئی دوسرے کو

مورد الزام ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ دونوں برابر کے خطاوار ہیں لیکن ضد اور خود کو ذمہ داری سے بچانے اور اصلاح سے پہلو تہی اختیار کرنے کا یہ انداز ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے کہا تھا کہ ”مجھے اپنی بیماری لگا کر چلتا بنا۔“

اللہ کے بندو!

الزام تراشی خیر خواہی اور اصلاح کے بجائے جھجھکے سے قریب تر ہے، کیونکہ آفات دیکھ کر ان کے علاج اور حل کی تلاش میں لگنا چاہیے، الزام تراشی تو اس تلاش کو شروع میں ہی دفن کر دیتی ہے، یہ آفات و مصائب کے وقت ایک دوسرے سے تعاون کے جذبے سے عاری معاشروں کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے جس کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ ہر کوئی اس کام کا الزام دوسرے پر دھرتا ہے جو درحقیقت خود کر رہا ہوتا ہے۔

اسی لیے کتاب اللہ میں ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنا قابل تعریف نہیں قرار دیا گیا، یہ نصیحت کی طرح نہیں کیونکہ نصیحت تو خیر خواہ کی طرف سے خطا کار کو کی جاتی ہے جبکہ الزام تراشی میں فریقین خطا کار ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہیں اور اپنی اصلاح سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہوتے ہیں۔

گھات لگانے والے دشمن کی سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ وہ اپنے مد مقابل کو قابل رحم حالت میں پائے، اس الزام تراشی کا نشہ معاشرے کو متحد کرنے والی زنجیر کے ایک ایک حلقے کو توڑ دیتا ہے اور ان کی باہم الزام تراشی اسے سرشار کر دیتی ہے۔ اسی لیے معاشروں کے عقل مندوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بری خصلت سے بچیں جو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ کئی دفعہ تو نشانہ آنکھ میں تو لگ جاتا ہے لیکن شکار کو نہیں مارتا، جبکہ ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنا، اختلافی دراز کو بڑھا دیتا ہے حتیٰ کہ دین، امانت اور اخلاق میں بددیانتی تک پہنچا دیتا ہے، یہ الزام تراشی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ایک دوسرے سے ملنا، محبت کرنا اور

رحم کرنا مشکل ہو جاتا ہے، ایک مسلم معاشرے کے لیے اپنی ذمہ داری کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ امت مسلمہ کے اتحاد کے لیے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ

«وَهُمْ يَدُّ عَلَىٰ مَنْ سِوَاهُمْ» (سنن ابی داؤد: 4530)

”اور وہ غیروں کے خلاف ایک ہاتھ کی طرح ہیں۔“

اللہ کے بندو!

الزام تراشی کی مذمت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اخلاص کے سایہ کے نیچے رہتے ہوئے اصلاح اور خیر خواہی ترک کر دی جائے اور دین حقہ کے لیے نرمی، شفقت کو چھوڑ دیا جائے

﴿وَقُلْ لِيَعْبَادِيَ يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ﴾

”اور اے محمد (ﷺ)، میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“ (سورۃ الاسراء: 53)

اللہ کے بندو!

جس نے اس کو سمجھ لیا تو وہ طوفانوں اور فتنوں کے دوران اپنے کندھوں پر عائد ہونے والی ذمہ داری کا ادراک کر لے گا۔ ایسے فتنے جو اس امت پر پتھروں کی طرح برس رہے ہیں یا ان سے بھی بڑھ کر۔ اسی لیے الزام تراشی اس حالت میں اور زیادہ نقصان دہ ہے اور غلطی کا اعتراف کرنے سے فرار ہے اور کوشش ہے چھوٹے کو بڑا اور بڑے کو چھوٹا مقام دینا ہے جیسے کوئی شخص پھوڑے کا تو علاج کرے اور سوزش کی پروا نہ کرے جبکہ ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ مشکلات کے اسباب پر غور کرے کیادہ اخلاقی ہیں یا دینی یا ثقافتی یا تربیتی یا پھر ان سب کا مجموعہ؟

اس کے بعد اس کا علاج تلاش کیا جائے اور اس مرض کی تشخیص کے مطابق دوا دی جائے ورنہ ہم سب الزام تراشی میں شامل ہیں جس کی وجہ سے فائدہ مند علاج ضائع ہو جائے گا، اور ذمہ داری بھی جاتی رہے گی، سو اس کے بعد صرف بد بختی ہے جس کا کوئی چارہ نہیں۔

مالک بن دینار پر اللہ رحم فرمائے جب وہ اپنے حلقہ دُرس میں بیٹھے اور لوگوں کو وعظ کیا تو لوگ رونے لگے پھر اپنے نسخہ مصحف کو دیکھا تو موجود نہ تھا تو انہوں نے کہا: ”تم سب تو رو رہے ہو تو میرا صحیفہ کس نے چرایا ہے؟“

اللہ کے بندو! الزام تراشی کرنے والوں کا یہی حال ہے کہ ان کی اس حرکت کی وجہ سے ذمہ داری، شعور اور غلطی کے اعتراف کرنے کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ معاشرے بے لگام ہو جاتے ہیں۔

فرمان الہی ہے:

﴿أَوْلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ

هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

”اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو گنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے اے نبی! چہر! ان سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی

ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (سورۃ آل عمران: 165)

اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے لیے قرآن عظیم کو باعث برکت بنائے اور اس میں موجود آیات اور ذکر حکیم کو میرے اور تمہارے لیے فائدہ مند بنائے، میں نے اتنا ہی کہنا تھا اگر میں نے درست کہا تو یہ اللہ کی توفیق ہے اگر کہنے میں کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے، میں اپنے لیے تمہارے لیے اور تمام مسلمان مردوں، عورتوں کے

لیے اللہ سے ہر غلطی اور گناہ کی بخشش کا طلبگار ہوں تم بھی اسی سے معافی مانگو اور اس سے توبہ کرو کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

### دوسرا خطبہ

تمام تعریف اللہ کی ہے کہ اس نے احسان کیا اور اس کی توفیق و احسان مندی پر اس کے شکر گزار ہیں۔

اما بعد، اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو اور یقین جانو امت اسلام کے بڑے بڑے اہم امور اور مشترک مصلحتیں اس الزام تراشی میں ہی چھپ نہیں جانی چاہیے کیونکہ بڑے معاملات کا بوجھ بھی بڑے لوگ ہی اٹھاتے ہیں، نبی ﷺ نے معاذ بن جبل اور موسیٰ اشعریؓ کو یمن کی طرف اللہ کا داعی بنا کر بھیجے ہوئے وصیت کی اور فرمایا:

«وَتَطَاوَعْنَا وَلَا تَخْتَلَفَا» (صحیح مسلم: 1733)

”تم دونوں ایک دوسرے کی بات ماننا اور اختلاف نہ کرنا۔“

اللہ کے بندو! الزام تراشی سے ایک دوسرے کی اطاعت اور اتفاق نہیں ہوتا بلکہ لڑائی جھگڑا ہوتا ہے جس میں کبھی خیر نہیں ہوتی۔

اللہ کے بندو! اسی لیے بظاہر یہ الزام تراشی اس سے پہلے ہمارے اسلاف میں نہ تھی کیونکہ انانیت ایک دوسرے پر تکبر، لاپرواہی اس کے اسباب ہیں۔

ان سلف میں ان کی جڑیں نہ تھیں، ان کے نفس صاف اور دل عاجزی والے تھے، کسی بھی کوتاہی کا ہر ایک کو احساس تھا، ذاتی مصلحتوں کی بجائے لوگوں کی مصلحتوں کو مقدم رکھنا ان کا شیوہ تھا۔

ان کا مقصد تو اللہ کی رضا تلاش کرنا اور اس کی ناراضی سے بچنا تھا۔ ان کے حالات بھی

اچھے تھے اور اللہ نے ان کی حالت کو اور اچھا کر دیا چنانچہ انہیں جو بھی تنگی آئی وہ اس سے اس طرح نکل گئے جس طرح بال آٹے سے نکل جاتا ہے وہ فرشتے تو نہیں تھے اور نہ ہی معصوم عن الخطاء تھے بلکہ غلطی بھی کرتے تھے اور درست بھی، جب وہ غلطی کرتے تو توبہ کر لیتے اور جب ٹھیک کام کرتے تو اللہ کا شکر بجالاتے۔

لیکن ہم نے ان کے منہج کی مخالفت کی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہم پر منطبق ہو گیا وہ

فرماتے ہیں:

« يَا أَيُّهَا عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ أَفْضَلُ أَعْمَالِهِمْ بَيْنَهُمُ التَّلَاوُمُ » (الزهد

للإمام أبو داؤد: 182)

”لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ ان کا سب سے اچھا مشغلہ باہم الزام تراشی ہو

گا۔“

اللہ کے بندو!

ان کی تو یہ حالت تھی اور ہماری حالت کیا ہے جب کسی دن قوموں پر آفات آجائیں تو ان آفات کا بہترین علاج یہ ہے کہ فیصلہ کرو لیا جائے اپنے مولیٰ کے کلام (قرآن) اور سنت احمد مصطفیٰ ﷺ سے۔ اس کے مقابلے میں غلط کاروں کا مجوزہ علاج تو باہمی الزام تراشی ہے اور یہ بدترین علاج ہے۔

اللہ کے بندو! کائنات کی بہترین شخصیت انسانوں میں سب سے پاکیزہ صاحب حوض اور صاحب شفاعت محمد ﷺ پر درود و سلام پڑھو جس کا اللہ نے بھی تمہیں حکم دیا ہے اور اس کا آغاز خود سے اور تسبیح کرنے والے مقدس فرشتوں سے کیا ہے فرمایا:

« يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا »

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا» (مسلم: 384)

”جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔“

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ پر رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرما! جو کہ روشن چہرے اور چمکتی پیشانی والے ہیں۔ اے اللہ! خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا! تابعین سے اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے راضی ہو جا۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔





## پہلا خطبہ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو عظمت و بلندی، عزت و جبروت اور جلال و بادشاہی والا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان اسی کی بادشاہی ہے اور وہ سخت پکڑ والا ہے۔ میں گو اسی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی نے ہماری جانب ایک کتاب نازل فرمائی۔ اسے کھول کھول کر بیان کیا اور اس میں مثالیں بیان فرمائیں۔ میں یہ بھی گو اسی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور پیغمبر ہیں جو راست گو اور پاکیزہ اطوار ہیں۔ جنہوں نے ہر حال میں خیر کی جانب بلا یا، اور برائی سے، غفلت سے اور برے انجام سے خبردار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے پایاں رحمت اور سلامتی کا نزول ہو۔ آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی پاکیزہ اور طاہر آل پر، آپ ﷺ کے تابندہ پیکر صحابہ کرام پر، تابعین پر اور ان کی پیروی کرنے والے ہر شخص پر جب تک بارش برستی ہے اور اور شجر سایہ فگن ہیں۔

حمد و ثناء کے بعد، لوگو! میں خود کو اور آپ سب کو اللہ سے ڈرنے، اس کی پختہ تفصیل کو مضبوطی سے تھامنے، اس کی مستحکم رسی کے ساتھ چمٹنے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ جڑے رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے، نئے نئے امور ایجاد کرنے سے بچو کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمْ

الْقَائِمُونَ﴾

”اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کریں اور اللہ سے ڈریں

اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔“ (سورۃ النور: 52)

لوگو! یاد رکھو کہ ایسی مہذب اور خوشحال زندگی جس میں امن نہ ہو، ناقص ہے،

اور حوری ہے، ناتمام ہے اور غیر مکمل ہے، امن سے خالی نیند، بے تابی اور بے خوابی ہے اور امن سے عاری عبادت بھی محض تشویش و اضطراب ہے کیونکہ سب لوگوں کو ایک ایسے امن کی شدید ضرورت ہے جو ان کے ایمان کی بنیاد پر جنم لے چنانچہ جو ایمان لے آتا ہے، امن میں آجاتا ہے اور جو امن پا جائے، وہی بڑھتا اور پھولتا ہے۔

امن ہی وہ بنیاد ہے جس کی فراوانی کے بغیر زندگی کبھی بھی استحکام سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾

”حقیقت میں تو امن انہی کے لیے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔“ (سورۃ الانعام: 82)

یعنی ان کے لیے دنیا اور آخرت میں امن ہے۔

اے ہندوگانِ الٰہی! امن تمام اقوام کی ضرورت ہے، اس سے بے رغبتی وہی کر سکتا ہے جو راحت بھری زندگی سے متنفر ہو اور اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی اور رسول ہونے پر راضی نہ ہو۔

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آخر کار یہی تو وہ نعمت ہے۔ جس کے شکر کے لیے بندوں پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس نعمت کے عطا کرنے والے کی اس طرح عبادت کریں کہ وہ ان سے راضی ہو جائے۔

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا النَّبِيِّ \* الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾

”لہذا انہیں چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ جس نے انہیں بھوک

سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔“ (سورۃ قمریش: 4، 3)

وہ لقمہ جو آدمی خوف اور دہشت کے سائے میں پیٹ میں ڈالے، ہرگز مزہ نہیں دیتا اور وہ عبادت جس کے چاروں جانب خوف پھیلا ہوا ہو، کبھی کامل اور مستحکم نہیں ہو سکتی۔ نماز خوف کا نام نماز خوف رکھے جانے اور اس کی تعداد، شروط اور سنتوں میں کمی ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہاں امن معدوم ہوتا ہے اور خوف پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

بلاشبہ ایمان کے بغیر امن کا کوئی تصور نہیں اور روزمرہ زندگی کی فضا کو گدلا کرنے والے عوامل سے یقینی حفاظت اور امن حاصل کیے بغیر کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔

اے بندگانِ الہی! امن زندگی کے بہتے دھارے کی ایک ایسی ضرورت ہے جس کے لیے نہ بولی بڑھانے کی کوئی گنجائش ہے نہ بازو سیننے کی بلکہ امن ایک ایسی حد ہے جو کسی تاویل کسی غلط فکر اور کسی تعطل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

اللہ کے بندو! امن ایک ایسی ضرورت ہے جو پانچ بنیادی ضرورتوں کی حفاظت کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ پانچ ضرورتیں وہ ہیں جن پر تمام دین اور ملتیں متفق ہیں یعنی دین، جان، مال، آبرو اور عقل۔

امن میں خلل ڈالنے والے آدمی کی مثال ایسے ہی ہے جیسے معاشرے کے تیز رو بحری جہاز میں شگاف ڈالنے والا کوئی شخص۔ چنانچہ جہاز والوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے شخص کو باہر اٹھا پھینکیں تاکہ وہ سب غرق ہونے سے بچ جائیں۔

معاشرے کے امن کے خلاف سازش، دشمنوں اور بدخواہوں ہی کی جانب سے کی جاتی ہے اگرچہ وہ اس مقصد کے لیے معاشرے ہی کے کچھ بے شعور فرزندوں اور خود فروشوں کو استعمال کرتے ہیں جن کے پاس برائے نام سمجھ ہوتی ہے۔

جو شخص معاشرے کا امن تباہ کرتا ہے، وہ دوسری کسی بھی چیز سے پہلے خود اپنا امن

تباہ کرتا ہے، وہ معاشرے کا امن متزلزل کرنے سے پہلے اپنے ماں باپ، بھائی، بہن اور اپنے بیوی بچوں کا امن متزلزل کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے یا تو فکری الحاد پھیلا یا جاتا ہے جس سے دین کا خاتمہ ہوتا ہے یا خون ریزی کی جاتی ہے جس سے معصوم لوگوں کا خون بہتا ہے یا شراب اور نشہ آور اشیاء کو استعمال کیا جاتا ہے جو عقل پر اثر انداز ہوتی ہیں یا مال کو چرایا اور ناجائز طریقے سے ہضم کر لیا جاتا ہے تاکہ معاشرے کے اقتصادی حقوق مجروح ہوں یا آبرو پامال کی جاتی اور بے حیائی کو فروغ دیا جاتا ہے جس سے معاشرے کی عظمت و آبرو ختم ہو جاتی ہے۔

جو شخص ان برائیوں کو اپنا کر اپنے اہل و عیال اور معاشرے کو تباہی کی راہ پر ڈالتا ہے، وہ دراصل خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے خواہ وہ جانبازی، بہادری اور دغا بازی و چالاکی میں کتنا ہی یکتا ہو، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے برتر تدبیر کرنے والا اللہ ہی ہے۔

﴿وَمَكْرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ (سورۃ آل عمران: 54)

”پھر وہ خفیہ تدبیریں کرنے لگے، جو اب میں اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی اور

ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ ایک مجرم کو تہ تیغ کر دینا پوری قوم کو پرسکون زندگی فراہم کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

”اے عقل و خرد رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، امید ہے کہ تم

اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔“ (سورۃ البقرۃ: 179)

ہماری شریعت تباہی نے معاشرے کے امن کی حفاظت کے لیے سخت سزائیں مقرر کی ہیں کیونکہ معاشرے پر کسی ایک ہی فرد کا حق نہیں ہے، ہماری شریعت نے ان

سزاؤں پر دست درازی کا ذریعہ بننے والی ہر رسی کو کاٹنا ہے، خواہ اس دست درازی کی نوعیت کچھ بھی ہو خواہ ان سزاؤں پر مغربی تنقید سے گھبرا کر شرمندگی کا اظہار کیا جائے یا اعتدال پسند لوگ انہیں بے اثر اور ختم کرنے کے لیے اپنی سرگرمی دکھائیں۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے امن کی ضرورت سے دستبرداری کی طرف لے جانے والے ہر راستے کا کلی خاتمہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

« وَائِمُ اللّٰهُ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا »

”اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی

ہاتھ کاٹ دیتا۔“ (صحیح بخاری: 3475)

جو لوگ مسلمان معاشرے کے امن سے کھیلتے ہیں، وہ درحقیقت اپنے ناگزیر اٹانے پر مٹی ڈالتے ہیں، نسل نو کی رگ حیات کاٹتے ہیں اور آئندہ منصوبوں کو خاک میں ملاتے ہیں اور شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے بد طینت دشمن کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہوتے ہیں جو ان کی بیماری کو اور بڑھاتے اور ان کے روگ میں مزید اضافہ کر دیتے ہیں۔

بعض اوقات وہ لوگ ملمع سازی سے کام لیتے ہوئے ان کی نگاہوں میں اس برائی کو نیکی بنا دیتے ہیں اور پھر یہ اسے شیریں سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ کڑوی ہوتی ہے یا نرم سمجھ لیتے ہیں حالانکہ وہ سنگلاخ ہوتی ہے یا لذیذ خیال کرنے لگتے ہیں حالانکہ وہ خون آلود ہوتی ہے۔ جبکہ اس برائی کے بارے میں درست ترین بات یہی ہے کہ یہ اختصار اور تفصیل دونوں صورتوں میں غلط ہے۔ کیونکہ

﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ﴾ (سورۃ یونس: 32)

”حق کے بعد سوائے گمراہی کے کچھ نہیں ہوتا۔“

اے بندگانِ الہی! کسی شے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا اس کے تصور پر مبنی ہوتا

ہے۔ امن کی حقیقی شکل و صورت جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے متعلق ہماری سوچ میں جامعیت ہو اور اس کے دائرہ کار کو ہم عام جرائم کے خاتمے تک ہی محدود نہ سمجھ لیں۔ ہرگز نہیں! اس کا دائرہ کار اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

امن کی ذمہ داری صرف سپاہیوں پر عائد نہیں ہوتی بلکہ مسلمان معاشرے کے ہر فرد کو سپاہی ہونا چاہیے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِيهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْحَادِثُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» (صحیح بخاری 893)

”ہر شخص نگہبان ہے اور ہر کسی سے اسی کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حکمران بھی نگہبان ہے اور اپنی رعایا کے بارے میں جوابدہ، عام آدمی بھی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کا ذمہ دار، عورت بھی اپنے خاوند کے گھر میں نگہبان ہے اور اپنی رعیت کی ذمہ دار اور خادم بھی اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے متعلق جوابدہ ہے۔“

اللہ کے بندو! اس حدیث کی روشنی میں ہمارے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم امن کے مفہوم کی وسعت کو جانیں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ یہ ایک مسلمان معاشرے کے تمام اہم اعضاء کے لیے عام ہے جن میں سرفہرست دینی امن ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خود کو مکمل طور پر اللہ کی بندگی میں سونپ دیا جائے، اس کی رضا کے لیے عمل کیا جائے، اس کے حکم کو مانا جائے اور اس کی نافرمانی سے دامن کش رہا جائے اور اللہ کی بندگی صرف اسی طریقے سے کی جائے جو اس نے خود مقرر

کیا ہے۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ

عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

”رسول اللہ (ﷺ) کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی

فتنہ میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔“ (سورۃ النور: 63)

کسی مسلمان معاشرے میں جب بھی فتنے آتے ہیں تو مسلمانوں کے اپنے ہی گناہوں کی وجہ سے پروردگار کے ساتھ ان کے تعلق میں خلل آتا ہے کیونکہ آزمائش صرف گناہ کی وجہ سے آتی ہے اور صرف توبہ کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔

إِذَا رُزِقَ النَّاسُ الْأَمَانَ فَإِنَّمَا \*\*\* يَطِيبُ لَهُمْ عَيْشُ الْحَيَاةِ مَعَ الْيَمِينِ

وَلَا يَعْمُرُ الْأَرْضَ الْمُخَيَّفَةَ عَامِرٌ \*\*\* لِأَنَّ فِسَادَ الْأَرْضِ مِنْ غِيْبَةِ الْأَمِينِ

”جب لوگوں کو امن نصیب ہو جائے تو زندگی اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ ان

کے لیے راحت افزا ہو جائے گی۔ دہشت سے بھرپور سر زمین پر کوئی آباد

نہیں ہوتا کیونکہ زمین کی بربادی امن کے فقدان سے ہوتی ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ظاہری اور باطنی فتنوں سے بچائے یقیناً اللہ کی توفیق اور قوت کے

بغیر ہمارا کوئی چارا نہیں۔

میں نے اپنی بات کہہ دی ہے! اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے

تو میرے نفس اور شیطان کا قصور ہے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان

مردوں، عورتوں کے لیے ہر گناہ سے بخشش کا طلبگار ہوں۔ تم بھی اسی سے بخشش مانگو اور اسی

کے حضور توبہ کرو یقیناً وہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

## دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اس کی تعریف ہے اور اس کے فضل و کرم پر اس کا شکر ہے۔

حمد و ثناء کے بعد: اے بندگانِ الہی! اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بھی یاد رکھو کہ امن کے وسیع تر مفہوم میں غذائی امن بھی شامل ہے۔ اسی طرح حفظانِ صحت کا میدان اور معاشرتی کفالت، رضا کارانہ کام، معاشی پیداوار اور روزگار کے مختلف مواقع پیدا کرنے کے شعبوں سے متعلقہ امن کے ضابطے اور انتشار اور اضطراب پھیلانے والی بے کاری کا خاتمہ، خاندانی اقدار اور ان میں شکاف ڈالنے والے عناصر کا مطالعہ، یہ سب وہ میدان ہیں جن پر امن کے وسیع تر مفہوم کی عملی تطبیق ضروری ہے کیونکہ میاں بیوی کے مابین قائم ہونے والا امن ہی اولاد، خاندان اور پھر ان سے تشکیل پانے والی قوم کے امن کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح کے امن سے قوم کا ایسا مزاج تشکیل پاتا ہے جس کے ذریعے ان عوامل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو کسی بھی معاشرے کی زندگی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں سرفہرست فکری اور نظریاتی امن ہے جو معاشروں کو ذہنی انتشار سے بچاتا ہے، اندھی خواہشوں کے پیچھے پیاسے اونٹوں کی طرح دوڑنے سے روکتا ہے، اخلاقیات کا پردہ چاک کرنے سے محفوظ رکھتا ہے، اور معاشروں کے افکار و نظریات کو افراط و تفریط سے، دین کے بارے میں غلو سے اور شدت پسندی جیسی گمراہیوں میں پڑنے سے بچاتا ہے۔ نظریاتی امن کے لیے دو عناصر بنیادی حیثیت رکھتے ہیں:

اولاً، تعلیمی امن اور دوسرا ابلاغ کا امن۔

کیونکہ جس طرح مال کے ڈاکو ہوتے ہیں، اسی طرح عقولوں کے ڈاکو بھی ہوتے ہیں بلکہ عقولوں کے رہزن مال کے رہزنوں کی نسبت زیادہ بربادی لاتے اور زیادہ گہرا گھاؤ دیتے ہیں۔ چنانچہ سلامتی کے بغیر امن کا کوئی تصور نہیں اور سلامتی اس وقت تک حاصل نہیں ہو



سکتی جب تک صرف اس اکیلے اور ایک کی مکمل فرمانبرداری نہ کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (سورة البقرة: 208)

”اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

مخلوق میں سب سے برتر اور انسانیت کی پاکیزہ ترین ہستی، صاحب حوض و شفاعت محمد ﷺ پر درود پڑھو، اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیتے ہوئے پہلے خود کی، پھر اس پر فرشتوں نے عمل کیا اور پھر اہل ایمان کو اس پر عمل کے لیے پکارا اور ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورة الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور پیغمبر محمد ﷺ پر رحمتیں اور سلامتی نازل فرما اور اے اللہ! آپ ﷺ کے چاروں خلفاء ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم، آپ ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والے تمام لوگوں کو اپنی رضا سے شاد کام فرما اور اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! ان کے ساتھ ساتھ اپنے فضل و کرم اور احسان سے ہمیں بھی اپنی رضا عطا فرما۔



(29)

## توکل اور تین آسانی میں فرق

20 صفر 1436ھ بمطابق 12 دسمبر 2014ء

## پہلا خطبہ

بلاشبہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی ثناء بیان کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں، اس سے بخشش چاہتے ہیں اور ہدایت مانگتے ہیں اور اسی کے حضور توبہ کرتے ہیں۔ اپنے نفسوں کے شر سے اور برے اعمال سے اس کی پناہ میں آتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور پیغمبر ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (سورۃ آل عمران: 102)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ

أَعْمَالِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿ (سورة الاحزاب: 70-71)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

حمد و ثناء کے بعد، اے لوگو! یہ بات بالکل واضح ہے کہ مال زندگی کا حسن اور اہم ضرورت ہے۔ جب دن چڑھتا ہے تو لوگوں کے دل و دماغ پر روزی کے معاملات چھائے ہوئے ہوتے ہیں، غریب کی تمنا فراموشی کی ہوتی ہے اور امیر کی تمنا ہوتی ہے کہ اور ملے، مالدار لالچ کرتا ہے اور فقیر پریشان ہوتا ہے۔ کچھ تھوڑے سے لوگ ایسے ہیں جو ان دو کیفیتوں کے درمیان میں ہوتے ہیں۔

دنیا میں لوگ رزق کے لیے مختلف وسیلے اور ذرائع اپناتے ہیں۔

﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى \* وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى \* وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى

\* إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَى﴾ (سورة الليل: 1-4)

”قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھا جائے۔ اور دن کی جبکہ وہ روشن ہو۔ اور اُس ذات کی

جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔ درحقیقت تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔“

چنانچہ کچھ لوگ انتہائی کرب اور اندیشے میں ہوتے ہیں، نیند میں انہیں سکون نہیں ملتا بھلے آنکھیں بند ہی ہوں، پانی کے گھونٹ بھرتے ہیں یا کھانا نگلتے ہیں تو حلق سے نیچے نہیں اترتا کیونکہ رزق کی فکر ان کے دل و دماغ پر حاوی ہوتی ہے، نہ کسی وعدے پر اعتبار کرتے ہیں، نہ اللہ کی تقدیر کو دھیان میں رکھتے ہیں اور نہ کسی راہ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ اگر تمام جکڑ بندیوں سے آزاد ہو کر رزق کے لیے مارے مارے نہ پھریں تو اپنی جان موت و حیات کی

کشمکش میں دکھائی دیتی ہے بلکہ جب تک ان کے من کی مراد پوری ہوتی رہے، اس وقت تک حصول رزق کے ذرائع خواہ حلال ہوں یا حرام، ان کے لیے برابر ہیں۔

اللہ کے بندو! یہی وہ لوگ ہیں جو رزق کا پہلا لقمہ دیکھ لیں تو آخری لقمے کے لیے ان کے منہ سے پانی بہنے لگتا ہے، پھر کھاتے ہیں اور سیر نہیں ہوتے، پیتے ہیں اور پیاس نہیں مٹتی، اس طرح نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ان پر صادق آجاتا ہے کہ

«لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِقًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتَوَبُّ اللَّهُ عَلَى مَنْ تَابَ» (صحیح بخاری: 6436)

”اگر ابن آدم کے پاس مال و دولت کی دو وادیاں ہوں تو یہ تیسری ڈھونڈے گا، اس کے پیٹ کو سوائے مٹی کے کوئی شے نہیں بھر سکتی جبکہ اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے۔“

جس آدمی کا یہ حال ہو، حرص اور ہوس اس پر چھا جاتی ہے، پھر وہ تھوڑے کو کافی نہیں جانتا اور زیادہ سے سیر نہیں ہوتا، اپنی جمع پونجی اس کے لیے کافی نہیں ہوتی تو وہ دوسرے کی جانب پلکتا ہے اور خزانہ جمع کر کے اپنے لیے آگ اکٹھی کرتا ہے، نبی کریم ﷺ نے تور وک رکھنے اور مانگنے سے منع فرمایا ہے لیکن ایسے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ مانگتے ہی چلے جاتے ہیں۔

کچھ لوگ اس کے بالکل برعکس ہیں، جن پر تن آسانی اور راحت کا غلبہ ہوتا ہے، گھر کے آگن میں دراز رہتے ہیں، نہ ہاتھ پاؤں ہلاکیں، نہ حرکت کریں اور اس انتظار میں رہیں کہ آسمان سے سونے یا چاندی کی بارش ہوگی، یہ سمجھتے ہیں کہ بیٹھ رہنا اور کوشش کرنا ایک برابر ہے بلکہ کوشش کرنے سے فارغ بیٹھ رہنا زیادہ بہتر ہے اور حصول رزق کے لیے دوڑ دھوپ کرنا ایک رائیگاں کوشش ہے اور توکل اور قناعت کے منافی ہے۔ جبکہ اے بندگانِ الہی!

حقیقت یہ ہے کہ یہ توکل نہیں، لا ابالی پن ہے، قناعت نہیں، بے فکری ہے، ان میں سب سے زیادہ خود فریب وہ ہے جس سے اگر بات کر دو تو وہ جواب میں فوراً کہے گا کہ کیا تم نے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ

«لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرَزَقْنَاكُمْ كَمَا يَرْزُقُ

الطَّيْرُ، تَتَغَدَّوْا خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا» (جامع ترمذی: 2344)

”اگر تم اللہ پر یوں توکل کر لو جیسے توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اسی طرح رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے جو صبحِ خالی پیٹ لٹکتے ہیں اور شام کو شکم میر ہو کر لوٹتے ہیں۔“

چنانچہ دیکھو کہ ان تن آسان لوگوں نے حدیث سے پرندوں کا توکل تولے لیا لیکن ان کا صبح اور شام کا آنا جانا نہ سمجھ سکے۔ ایسے لوگ قناعت کا غلط مطلب لیتے ہوئے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس کا مطلب حقیر شے پر راضی رہنا ہے، انہیں اس کا کوئی دوسرا مفہوم دکھائی ہی نہیں دیتا اور نہ یہ اپنی سوچ کو درست کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں میں بلند یوں تک پہنچنے کی ہمت نہیں ہوتی تو افلاس اور بھوک کو ہی بہتر سمجھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ ہر دور اور ہر قوم میں تھوڑے ہوتے ہیں لیکن اپنے اس نظریے کو اکثر بلند آہنگی سے پیش کرتے ہیں۔ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز جمعہ کے بعد کچھ لوگوں کو مسجد کے ایک گوشے میں گھسے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا اللہ پر توکل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ان پر اپنا درہ لہرایا اور انہیں ڈانتے ہوئے کہا:

«لَا يَقْعُدَنَّ أَحَدُكُمْ عَنِ طَلْبِ الرِّزْقِ وَيَقُولَ: اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي، وَقَدْ

عَلِمَ أَنَّ السَّمَاءَ لَا تُمَطَّرُ ذَهَبًا وَلَا فِضَّةً، وَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ

اللّٰهُ ﴿سورة الجمعة: 10﴾

”کسی آدمی کو یوں ہرگز نہیں کرنا چاہیے کہ رزق کی تلاش سے علیحدہ ہو کر بیٹھ جائے اور دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما کیونکہ آسمان کبھی سونے یا چاندی کی بارش نہیں برساتا۔ جبکہ اللہ کا فرمان ہے:

”پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔“

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد حرام میں کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھتے تو ان سے سوال کرتے کہ کس لیے بیٹھے ہو؟ وہ کہتے کہ ہم کیا کام کریں؟ تو امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ

”اطلبُوا من فضلِ اللّٰهِ، ولا تَكُونُوا عِيَالاً على المُسلمين.“

”جاؤ، اللہ کا فضل تلاش کرو اور مسلمانوں پر بوجھ نہ بنو۔“

خوش بخت مسلمان وہ ہے جو زندگی میں حصولِ رزق کے لیے اعتدال کی راہ اپنائے، کام کرے تو اس طرح کہ اس کے جسم سے ایسا پسینہ نکلے کہ اس کی ساری شن آسانی اور سستی جاتی رہے، اس طرح وہ اپنے لیے پاک اور حلال روزی کمائے کیونکہ مسلمان کسی خانقاہ کے اس راہب کی طرح نہیں جس کے پاس نہ کرنے کو کوئی کام ہوتا ہے اور نہ کمانے کو کچھ۔ اسلام کے نزدیک مومن کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں محنت کش ہوتا اور سرگرم کار رہتا ہے، زندگی سے لیتا بھی ہے اور زندگی کو دیتا بھی۔

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا

مِنْ رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ﴾

”وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو پست و مطیع کر دیا تاکہ تم اس کی راہوں

میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزیاں کھاؤ (پیو) اسی کی طرف (تمہیں) جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے۔“ (سورۃ الملک: 15)

نبی کریم ﷺ نے افلاس سے خود بھی پناہ مانگی اور اس سے پناہ مانگنے کا حکم بھی دیا۔ کیونکہ اسلام مسلمانوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ ثروت مند اور توانا ہوں، کمزور اور بے توقیر نہ ہوں۔ ثروت مند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس طرح کنگال نہ ہوں کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے رکھیں۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو نہ تو ذلت آمیز تنگدستی میں دیکھنا چاہتا ہے اور نہ آپے سے باہر کر دینے والی خوشحالی میں، یہ نہ تو اس کاہل کے ساتھ ہے جو کمائی کے نام پر حیلہ بازی کرتا ہے اور نہ مال و دولت کے ان پجاریوں کے ساتھ ہے جو لوگوں کا مال اس طرح اندھے ہو کر کھاتے ہیں کہ نہ انہیں دین یاد رہتا ہے اور نہ اخلاق۔

اے بندگان الہی! یہ بھی یاد رہے کہ دولت آنے جانے والی اور گھٹنے بڑھنے والی شے ہے، کچھ لوگ اس کے ہونے سے خوشحال ہوتے ہیں تو کچھ نہ ہونے سے بے حال۔

﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فَضَّلُوا

بِرَادِي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ﴾

”اللہ تعالیٰ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں زیادتی دے رکھی ہے، پس جنہیں زیادتی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے ماتحت غلاموں کو نہیں دیتے کہ وہ اور یہ اس میں برابر ہو جائیں“ (سورۃ النحل: 71)

مومن بندے کی ذمہ داری یہی ہے کہ وسائل اپنائے اور رزق الہی کی تلاش میں رہے کیونکہ اسے کچھ خبر نہیں کہ اللہ نے اس کا رزق کہاں چھپا رکھا ہے، رزق کے تمام وسائل برابر نہیں ہیں، لوگ زندگی کے وسائل میں اوپر تلے ہوتے رہتے ہیں اور انہیں آگے پیچھے حاصل کرتے ہیں، ان وسائل پر مکمل اختیار صرف اللہ کا ہے۔



﴿أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (سورة الزخرف: 32)

”کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ہی ان کی زندگی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اس سے آپ کے رب کی رحمت بہت ہی بہتر ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے زمین کو ٹھکانا بنایا ہے تاکہ ان کے لیے وسائل رزق زیادہ سے زیادہ ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ (سورة الأعراف: 10)

”اور بے شک ہم نے تمہیں زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں مسلمان رزق پیدا کیا، تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔“

چنانچہ اللہ ہی ہے جس نے معاش کی تقسیم کی ہے اور رزق کی تقدیر بنائی ہے۔ اے مرد دانا! یاد رکھ کہ تمام لوگ مل کر بھی تجھے کچھ دینے یا کسی چیز سے محروم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ لوگ صرف ایک واسطہ ہیں، اگر تجھے کچھ دیتے ہیں تو اللہ کی تقدیر سے اور اگر کسی چیز سے محروم کرتے ہیں تو وہ بھی اللہ ہی کی تقدیر سے، جو تیرا ہے وہ تیری کمزوری کے باوجود تجھے مل کر رہے گا اور جو دوسرے کا ہے وہ تیری طاقت کے باوجود تجھے نہیں مل سکتا۔

﴿وَإِنْ يَسْأَلِبَهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الظَّالِمِ﴾

وَالْمَظْلُوبُ﴾ (سورۃ الحج: 73)

”اگر کبھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے، بڑا

کمزور ہے طلب کرنے والا اور بڑا کمزور ہے وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔“

اے مسلمان! تیری ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ محنت کرے، کام کرے، زمین کے مختلف گوشوں کو ٹٹولے اور اسبابِ رزق کو اختیار کرے کیونکہ جو کوشش کرے، پالیتا ہے اور جو بوائے، کاٹ لیتا ہے، کام کے بغیر کوئی کمائی نہیں اور بوائی کے بغیر کوئی کٹائی نہیں۔

امام احمد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ دو صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کسی کام کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بنایا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر انہیں فرمایا:

«لَا تَأْتِسَا مِنَ الرَّزْقِ مَا تَهَرَّزَتْ رُءُوسُكُمْ، فَإِنَّ الْإِنْسَانَ تَلِيدٌ أُمُهُ  
أَحْمَرَ لَيْسَ عَلَيْهِ قِشْرَةٌ، ثُمَّ يَرْزُقُهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ»

”جب تک تمہارے بدن میں حرکت باقی رہے، رزق سے مایوس مت ہونا، انسان کو اس کی ماں یوں جنم دیتی ہے کہ اس کے بدن پر ایک تنکا بھی نہیں ہوتا لیکن پھر اللہ تعالیٰ اسے رزق عطا فرماتا ہے۔“ (مسند احمد: 15855)

اللہ کے بندو! رزق کا معاملہ اس قدر پیچیدہ ہے کہ لوگ اس کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتے اور اس معاملے میں اللہ کی حکمتوں کا ادراک نہیں کر پاتے، اللہ ہی رازق، بے پناہ قوت والا اور طاقتور ہے، اگر ہم رزق کے مفاہیم پر غور و فکر کریں اور باریک بین اور داناستی کی حکمت کو سمجھنے کی کوشش کریں تو ہمیں پتا چلے گا کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا رزق صرف سمندروں کی گہرائیوں میں رکھا گیا ہے۔ مثلاً غوطہ خور وغیرہ اور کچھ ایسے ہیں جن کا رزق زمین و آسمان کے درمیان ہوا میں۔ مثلاً ہوا باز اور ملاح وغیرہ اور کچھ ایسے ہیں جو کسی سخت چٹان کو توڑ کر

زمین کی تہہ سے اپنی زندگی کا نوالہ اٹھاتے ہیں۔ بلکہ تعجب تو اس آدمی پر آتا ہے جس کا رزق شیر کے جڑوں میں پنہاں ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ شیروں کو سدھاتا ہے یا ہاتھی کی سونڈ اور لمبے دانتوں میں ہوتا ہے چنانچہ وہ ہاتھیوں کو سکھاتا ہے یا اس بازیگر کی حالت بھی باعث تعجب ہے جو ہوا میں تنی ہوئی رسی پر اس خطرناک طریقے سے چلتا ہے کہ سٹیلیس دنگ رہ جائیں اور بدن پر کچھی طاری ہو جائے، صرف اس لیے کہ اس رسی پر چل کر وہ اپنا لقمہ حیات حاصل کر سکے۔

اللہ کے بندو! کیا ہم تصور کر سکتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا رزق سرطان جیسی خطرناک بیماری سے وابستہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بیماری سے بچاتے اور اس میں مبتلا آدمی کو عافیت دے، کیا سرطان کا کوئی معالج نہیں ہوتا؟ کیا اس کی کوئی دوا نہیں ہوتی؟ کیا اس معالج کو اس دوا سے رزق نہیں ملتا؟ اس معالج کا رزق اسی مہلک بیماری ہی سے تو وابستہ ہوتا ہے۔

کیا ہم جانتے نہیں کہ کچھ لوگوں کا رزق سخت سردی سے وابستہ ہے اور وہ آتش دان اور لحاف بیچتے ہیں اور کچھ لوگوں کی روزی سخت گرمی سے بندھی ہوتی ہے اور وہ برف یا ٹھنڈک پیدا کرنے والے آلات فروخت کرتے ہیں۔

کیا کچھ ایسے لوگ نہیں ہیں جن کی روزی میاں بیوی کی خوشی سے جڑی ہوتی ہے اور وہ ان کے لیے خوشی کے وسائل اجرت پر مہیا کرتے ہیں!؟

کیا کچھ ایسے لوگ نہیں ہیں جن کا رزق لوگوں کی خوشی یا غمی سے وابستہ ہے اور وہ گور کئی کرتے یا کفن بیچتے ہیں۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ جلا دکا، جیلر کا، قصاص نافذ کرنے والوں کا اور چور کے ہاتھ کاٹنے والے کا ہے جن کا رزق انہیں کاموں میں رکھا گیا ہے۔

یہی اللہ کی حکمت و دانائی اور عظمت ہے، وہی بندوں کو ایک دوسرے کے لیے مسخر کر

دیتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَخْتَكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ (سورة المائدة: 1)

”بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے، فیصلہ فرماتا ہے۔“

صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے: «جُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمُحِي»

”میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے۔“ (مسند بزار: 8606)

اس لیے اللہ رحم فرمائے اس بندے پر جو پاکیزہ رزق کمائے، میانہ روی اور اعتدال پر

چلے، اپنے رب کو یاد کرے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھولے۔

کس قدر بد نصیب ہے وہ آدمی جس کا مال اور رزق اسے سرکشی پر ابھارے اور وہ اپنے

دین اور وقار کو گنوا دے اور ان لوگوں میں سے ہو جائے جن کے متعلق اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾

”اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف لپک گئے

اور تمہیں کھڑا چھوڑ دیا۔“ (سورة البقرة: 11)

نبی کریم ﷺ نے آخری زمانے کے کچھ لوگوں کے متعلق خبر دی ہے کہ

«يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا» (صحیح مسلم: 118)

”وہ اپنے دین کو دنیا کے حقیر سے سامان کے بدلے میں بیچ دیں گے۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ

”رَأَيْتَا مِنْ بَاعَ دِينَهُ بِدِرْهَمٍ“ ”ہم نے وہ آدمی دیکھے ہیں جو اپنا دین ایک

درہم کے بدلے میں بیچ دیتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عافیت میں رکھے۔

اللہ کے بندو! سچا مومن اللہ کے دیئے ہوئے رزق پر راضی رہتا ہے اور اللہ نے اپنی

حکمت کے تحت جس طرح رزق تقسیم کیا ہے، اس کے متعلق اسے عدل کا پورا یقین ہوتا ہے۔

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ (سورة البقرة: 255)

”اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت ادراک میں نہیں آسکتی۔“

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے گمراہ ابن راوندی کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو تیسری صدی ہجری میں ذہانت کے اعتبار سے مشہور تھا کہ ایک بار اسے سخت بھوک لگی چنانچہ وہ ایک پل پر جا بیٹھا جبکہ بھوک کی شدت سے وہ نڈھال تھا۔ پاس سے حریر دریشم سے مزین کچھ گھوڑے گزرے تو اس نے پوچھا کہ یہ کس کے ہیں۔ جواب ملا کہ یہ علی بن بلتق کے ہیں جو خلیفہ کا خادم ہے۔ پھر کچھ خوبصورت لونڈیاں گزریں تو اس نے پوچھا کہ ”یہ کس کی ہیں؟“ بتایا گیا کہ علی بن بلتق کی۔ پھر ایک اور آدمی گزرا جس نے اسے پریشان حالی میں دیکھا تو اسے دور روٹیاں کھانے کو دیں۔ ابن راوندی نے یہ روٹیاں لے کر پھینک دیں اور کہنے لگا: ”وہ ساری چیزیں تو علی بن بلتق کے لیے ہوں اور یہ دور روٹیاں میرے حصے میں آئیں۔“ اس گمراہ کو اتنی بھی سمجھ نہ آئی کہ اس اعتراض کے ساتھ وہ اسی بھوک کا مستحق تھا۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فلعن الله الذكاء بلا إيمان، ورضي الله عن البلادة مع التقوى.“

”اللہ ایمان سے عاری ذہانت پر لعنت کرے اور تقویٰ سے مزین کند ذہنی پر رحم

فرمائے۔“

اللہ کے بند و رزق کا انحصار آدمی کی دانائی اور عقل پر نہیں ہے۔ بعض اوقات ہم ایک ایسے آدمی کو دیکھتے ہیں جو دناترین ہوتا ہے اور اپنی ساری عمر کمانے میں کھپا دیتا ہے لیکن علم و دانش اور ذہانت میں اس سے کم درجہ رکھنے والا مال و دولت میں اس سے آگے ہوتا ہے۔ امام

شافعی رحمہ اللہ نے خوب فرمایا ہے:

ومن الدلیل علی القضاء وكونه \*\*\* بؤس اللیب وطیب عیش الأحمق  
 ”عقلند کی جگہ سستی اور احمق کی خوشحالی بھی تقدیر کی ایک دلیل ہے۔“

اللہ کے بندو! اس لیے یاد رکھو کہ نہ ذہانت خوشحالی کا سبب ہے اور نہ کند ذہنی فقر کا باعث۔

﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ  
 النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (سورۃ سبأ: 36)

”اے نبی (ﷺ) ان سے کہو میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے پناہ عطا کرتا ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے۔“

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لیے قرآن عظیم میں برکت دے اور مجھے اور آپ سب کو اس کی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ پہنچائے۔ میں نے اپنی بات کہہ دی ہے، اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کا تصور ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں عورتوں کے لیے اللہ سے بخشش کا طلبگار ہوں۔ تم بھی اسی سے بخشش مانگو اور اسی کے حضور توبہ کرو یقیناً وہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

دوسرا خطبہ

تمام تعریفیں تمہا اللہ کے لیے ہیں اور درود و سلام اس ہستی کے لیے جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

حمد و ثناء کے بعد، اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ اسلام افراط و تفریط

کی دونوں انتہاؤں کے درمیان میں ہے چنانچہ وہ تلاش معاش کا حکم دیتا ہے اور اس کے لیے دوڑ دھوپ کی تلقین کرتا ہے جبکہ تن آسانی، کابلی اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی مذمت کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى» (صحیح بخاری: 1427)

”اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔“

امام ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اليدُ العليا هي المعطية. فالعجب عندي من قوم يقولون: هي

الآخذة، ولا أرى هؤلاء القوم إلا قوماً استطابوا السؤال.“

”اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا ہے۔ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو کہتے

ہیں کہ اوپر والے سے مراد لینے والا ہاتھ ہے، ان لوگوں کے بارے میں میرا یہی

خیال ہے کہ یہ مانگنے کو اچھا سمجھتے ہیں۔“

اے بندگان الہی! کام خواہ کتنا ہی حقیر ہو، وہ بے کاری سے بہتر ہے کیونکہ بغیر سوال

کے ملنے والی عزت سوال کے ساتھ ملنے والی ذلت سے بہتر ہے۔

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا تھا کہ ”کون سی کمائی زیادہ بہتر یا پاکیزہ ہے! تو آپ ﷺ نے

جواب دیا:

«عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ، وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ» (المعجم الكبير: 4411)

”آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر جائز تجارت۔“

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنْ

نَجَّى اللَّهُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»

”اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی نے نہیں کھایا، اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔“ (صحیح بخاری: 2072)

اللہ کے بندو! خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ رزق کے لیے تنگ و دو کرے، اپنی توانائی صرف کرے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ کی تقسیم پر راضی رہے اور فراوانی اور تنگدستی کو دو سواریاں سمجھیں، اسے کوئی پروا نہ ہو کہ اس کے حصے میں کون سی سواری آئی ہے۔ اگر تنگدستی ہو تو بعض اوقات تنگدستی بھی اعلیٰ ہوتی ہے۔ جس طرح جناب مصطفیٰ ﷺ کی تنگدستی اعلیٰ تھی کیونکہ اس سے صبر کرنے اور اجر پانے کا موقع ملتا ہے اور اگر فراوانی ہو تو بعض اوقات فراوانی بھی پستی کا سبب بنتی ہے جیسے قارون کی فراوانی اس کے لیے پستی کا باعث بنی جبکہ دوسری طرف اسی فراوانی کے سبب اللہ کے دیئے ہوئے مال کو خرچ کرنے کا بھی موقع ملتا ہے۔ ان ساری باتوں کا خلاصہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں موجود ہے:

«إِنَّ رَوْحَ الْقُدْسِ نَفَثَ فِي رُوعِي أَنْ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ أَجَلَهَا وَتَسْتَوْعِبَ رِزْقَهَا فَأَجْمِلُوا فِي الظَّلْبِ وَلَا تَحْمِلَنَّ أَحَدَكُمْ اسْتِبْطَاءَ الرِّزْقِ أَنْ يَطْلُبَهُ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُنَالُ مَا عِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ» (صحیح الجامع 2085)

”روح القدس ﷺ نے میرے جی میں یہ بات القاء کی کہ کوئی بھی جان اپنے وقت سے پہلے اور اپنا رزق پورا کیے بغیر فوت نہ ہوگی، اس لیے تلاش معاش میں عمدگی اپناؤ اور رزق کی تاخیر کسی آدمی کو اس بات پر ہرگز آمادہ نہ کرے کہ وہ اسے گناہ کے راستے سے پانے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہو، وہ صرف اس کی فرمانبرداری سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔“

اللہ کے بندو! مخلوق میں سب سے برتر اور انسانیت کی پاکیزہ ترین ہستی، صاحب



فہمات فعلیہ الشیخ ڈاکٹر سعید الزمزمی

ذکر اور ثن آسانی میں فرق

حوض و شفاعت محمد ﷺ پر درود پڑھو، اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیتے ہوئے پہل خود کی، پھر اس پر فرشتوں نے عمل کیا اور پھر اہل ایمان کو اس پر عمل کے لیے پکارا اور ارشاد فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور پیغمبر محمد ﷺ پر رحمتیں اور سلامتی نازل فرما اور اے اللہ! آپ ﷺ کے چاروں خلفاء ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم، آپ ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والے تمام لوگوں کو اپنی رضا سے شاد کام فرما اور اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! ان کے ساتھ ساتھ اپنے فضل و کرم اور احسان سے ہمیں بھی اپنی رضا عطا فرما۔



30

نبی رحمت ﷺ کی رحمت دلی اور بردباری  
17 ربیع الثانی 1436ھ بمطابق 6 فروری 2015ء

## پہلا خطبہ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو دالی مطلق اور قابل ستائش ہے، عرش عظیم والا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔ میں اس کا شاکر ہوں اور شکر گزار ہوں، اس کے حضور توبہ اور استغفار کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور پیغمبر ہیں جو واضح حق پر تھے اور نرم اخلاق اور اعلیٰ کردار والے تھے، جنہوں نے پیغام پہنچا دیا، امانت ادا کر دی، امت کے ساتھ خیر خواہی فرمائی اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا۔ چنانچہ بے پناہ رحمتیں اور سلامتی ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی پاک اور طاہر آل پر، آپ ﷺ کی ازواج یعنی اہمات المؤمنین پر، صحابہ اور تابعین پر اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہر آدمی پر۔

حمد و ثناء کے بعد:

اے لوگو! میں تمہیں اور خود کو وہی نصیحت کرتا ہوں جو اللہ نے اپنے نبی کو اور اگلے پچھلے تمام لوگوں کو فرمائی۔ چنانچہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا

اللَّهُ﴾ (سورة النساء: 131)

”تم سے پہلے جنہیں ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب تمہیں بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو۔“

اس لیے اے بندگانِ الٰہی! اللہ سے ڈرتے رہو اور خلوت ہو یا جلوت، غضبناک ہو یا خوش، رغبت ہو یا بے رغبتی، ہر حال میں اسی کو نگران جانو کیونکہ تقویٰ بندے اور پروردگار کے درمیان ایک معاہدہ ہے، جو اسے نبھائے گا، اللہ اس سے محبت کرے گا۔

﴿بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾

”جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے

گا، کیونکہ پرہیزگار لوگ اللہ کو پسند ہیں۔“ (سورۃ آل عمران: 76)

اے لوگو! روئے زمین پر کوئی ایک بھی آدمی ایسا نہیں جس پر ظلم و ستم توڑنے کے لیے لوگ اس طرح متحد ہوئے ہوں اور اسے جان و مال، اہل و عیال اور تبلیغ کے معاملے میں لوگوں کی طرف سے اس قدر تکلیفیں سہنی پڑی ہوں جس قدر رسول اللہ ﷺ کو برداشت کرنی پڑی، آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اور آپ پر اللہ رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے۔

آپ ﷺ کے لیے جسمانی اور روحانی عداوت کا بازار گرم کیا گیا، آپ ﷺ کو ہاتھ اور زبان سے تکلیفیں دی گئیں، جھوٹا کہا گیا، حالانکہ آپ سب سے سچے تھے، جھوٹا کہا گیا حالانکہ آپ ﷺ سب سے زیادہ عقل مند تھے اور آپ ﷺ پر حرف گیری کی گئی حالانکہ آپ ﷺ سب سے زیادہ پاکباز تھے۔

آپ ﷺ پر گندگی ڈالی گئی، آپ ﷺ کے دانت توڑے گئے، آپ ﷺ کا چہرہ زخمی کیا گیا حتیٰ کہ اس سے خون بہنے لگا اور آپ ﷺ کو پتھر مارے گئے۔

تو اے اللہ کے بندو!

ایسے سچے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جسے اس کی قوم نے جھوٹا کہا ہو؟ ایسے مہربان کے متعلق کیا گمان ہے جس کے معاملے میں اس کی قوم سخت ہو گئی ہو؟ ایسے پاکباز اور عقیف کے متعلق کیا رائے رکھتے ہو جس پر اس کی قوم نے بہتان تراشی کی ہو؟ اور ایسی ہستی کے متعلق کیا خیال ہے جس میں اللہ نے ساری بھلائیاں جمع کر دی ہوں لیکن اس کی قوم نے اس کے خلاف چالیں چلی ہوں۔ اس کے خلاف منصوبے بنائے ہوں اور اسے اس کے گھر اور وطن سے نکال دیا ہو!

کیا یہ ساری باتیں کسی بھی آدمی میں انتقام کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے کافی نہیں؟ کیا ان سے آدمی میں سخت مزاجی اور غصہ پیدا نہیں ہو جاتا اور جن لوگوں نے اس کے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہو، انہیں وہ مخلوق میں سب سے بدترین نہیں سمجھنے لگتا؟ یقیناً ایسا ہی ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کی قوم کی طرف سے جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا، آپ ﷺ نے ان کے رد عمل میں جو کچھ کیا، آئیے اس کا ایک مختصر سا جائزہ لیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! کیا آپ ﷺ پر احد کے دن سے زیادہ سخت دن بھی کوئی آیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكَ وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ، إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كَلَالٍ فَلَمْ يُجِئْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ، فَأَنْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِ، فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظْلَمَتْنِي فَتَنْظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيْلُ، فَنَادَانِي، فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَمَا رُدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ»، قَالَ: فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ وَسَلَّمْ عَلَيَّ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، إِنَّ اللَّهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ وَقَدْ بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ، فَمَا شِئْتَ، إِنَّ شِئْتَ أَنْ أَطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأُخْشَبِينَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا».

”مجھے تیری قوم کی طرف سے سب سے زیادہ تکلیف طائف کے دن سہنی پڑی

جب میں ابن عبد یلیل بن عبد کلال کے پاس گیا لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی۔ میں جب وہاں سے پلٹا تو میرا چہرہ لہو لہان تھا اور مجھے ”قرن ثعالب“ کے مقام پر پہنچ کر کچھ ہوش آئی جو اہل مسجد کا میقات ہے۔“

آپ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ اچانک میں نے نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل مجھ پر سایہ قطن ہے۔ میں نے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ کو جو کچھ کہا اور آپ ﷺ کے ساتھ جو کچھ کیا، وہ سب اللہ نے دیکھ لیا ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کی جانب پہاڑ کے فرشتے کو بھیجا ہے جو حکم کا منتظر ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ”پھر پہاڑ کا فرشتہ مجھ سے مخاطب ہوا، مجھے سلام کیا اور کہا:

اے محمد ﷺ! اللہ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا ہے۔ میں پہاڑ کا فرشتہ ہوں، مجھے آپ کے پروردگار نے آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے بھیجا ہے، اگر آپ حکم فرمائیں تو میں مکہ کے دونوں پہاڑ ان پر گردوں۔“ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: کہ ”(نہیں) مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی نسلوں سے کچھ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کرتے ہوں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔“ (صحیح بخاری: 3231)

لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر!

یہ کون سا سانچہ تھا جس میں سید البشر ﷺ اذھلے تھے۔ اللہ اکبر! برداری کا کون سا لباس تھا جو آپ ﷺ نے پہنا، اللہ اکبر! اللہ اکبر! اس ہستی کے اخلاق سے کس قدر دور ہیں جن کے متعلق اللہ نے ہمیں یوں حکم فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ﴾

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَذَكَرَ اللَّهُ كَثِيرًا﴾ (سورة الأحزاب: 21)

”در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔“

اللہ کے بندو!

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمیں ایک ایسے آدمی کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دے گا جس کی پیروی ناممکن ہوگی؟ کیا ہم میں سے کوئی بھی آدمی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ ظالم کو معاف کرے؟ کیا ہم میں سے کسی آدمی میں یہ طاقت نہیں کہ غصے کا جواب برداشت سے اور جہالت کا علم سے دے؟!

نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ سے امید رکھیں، آخرت کے دن پر یقین کریں اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کریں، ہمارے پروردگار نے ایسے آدمی کے لیے یہی شرائط مقرر کی ہیں جو یہ چاہتا ہو کہ اپنے اور اولادِ آدم کے سردار محمد ﷺ کے نقش قدم پر چلے جنہوں نے اپنی جان، اپنی زندگی، اپنا وقت اور سب کچھ جاہلیت کی تاریکیاں مٹا کر علم اور ہدایت پھیلانے میں لگا دیا اور اپنے حلم اور علم کے ساتھ فساد کو روکا۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾

”اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ

جاتے۔“ (سورة آل عمران: 159)

یہ رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ شفقت تھی جو تبلیغ اور جہاد کے سارے سفر میں بدترین دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلے میں بھی آپ کی ذات کا ایک نمایاں وصف بنی

رہی۔

اے بندگانِ الہ!

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ آپ ﷺ کو اس ذات نے رسول بنا کر بھیجا جو رحمن اور رحیم ہے، بہت بخشنے والا اور بہت ہی محبت کرنے والا ہے۔ جنہوں نے اپنے نبی کے گوشت اور رگوں کو حلیمہ سعدیہ کے حلم سے بھرپور دودھ سے پروان چڑھایا۔ یوں آپ ﷺ کو ان کے ہم سے بھی حصہ ملا۔

ہام مسلم ﷺ نے صحیح مسلم میں بیان کیا ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ: تَلَا قَوْلَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي إِبْرَاهِيمَ. «رَبِّ إِنِّي أَضَلُّنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي» (إبراهيم: 36) الْآيَةَ، وَقَالَ عِيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ: «إِنْ تُعَدِّدْتُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ» [المائدة: 118]، فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ: «اللَّهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي»، وَبَكَى، فَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: «يَا جِبْرِيلُ اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ، وَرَبِّكَ أَعْلَمُ، فَسَلُّهُ مَا يُبْكِيكَ؟» فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: بِمَا قَالَ، وَهُوَ أَعْلَمُ، فَقَالَ اللَّهُ: «يَا جِبْرِيلُ، اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ، فَقُلْ: إِنَّا سُرَّضِيكَ فِي أُمَّتِكَ، وَلَا نُسُوءُكَ» (صحیح مسلم: 202)

”نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ کا یہ فرمان تلاوت کیا ”پروردگار، ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے (ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کر دیں، لہذا ان میں سے) جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے۔“ (سورۃ



ابراہیم: 36) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بات پڑھی۔ ”اب اگر آپ انہیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ غالب اور دانا ہیں۔“ (سورۃ المائدہ: 118) تو نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے اور فرمایا: ”اے اللہ! میری امت، اے اللہ! میری امت۔“

”اور ساتھ ہی آپ ﷺ رونے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ آپ ﷺ کے رونے کی وجہ کیا ہے؟ تو جبریل علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے وجہ دریافت فرمائی۔ پھر جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی بات اللہ کو بتائی اگرچہ اللہ کو پہلے ہی سے علم تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اے جبریل علیہ السلام! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے اور دکھ میں نہیں ڈالیں گے؟“

یہی وہ تڑپ تھی جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور ان کی امت کے لئے مشرق و مغرب کے دروازے کھول دیے، اسی شفقت کی وجہ سے عرب و عجم آپ کے مطیع ہو گئے۔ یہ سب برکتیں تمہی مل سکتی ہیں جب آپ ﷺ کی امت دین اسلام کو علم، رحمت، آسانی، نرمی اور وسعت کا دین بنائے گی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو یہی وصیت فرمائی ہے کہ

«إِنَّمَا بُعِثْتُكُمْ مُبَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ» (صحیح بخاری: 220)

”تمہیں آسانیاں دینے والے بنا کر بھیجا گیا ہے، مشکل میں ڈالنے والے نہیں۔“

یہی وہ راستہ ہے جس کی بدولت امت اسلامیہ کی تبلیغ کو بے پناہ فروغ اور ترقی ملی اور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں بھی یہی بات ہے کہ

«إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرَّفِيقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرَّفِيقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى

الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَىٰ مَا سِوَاهُ» (صحیح مسلم : 2593)

”بے شک اللہ مہربان ہے اور مہربانی ہی کو پسند کرتا ہے اور مہربانی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو تند مزاجی پر نہیں دیتا اور نہ ہی کسی اور رویے پر دیتا ہے۔“

پھر حالات کی چکی گردش میں رہی اور وہ دن آپہنچا جس دن مکہ فتح ہوا اور آپ ﷺ نے ان لوگوں کے شہر کا گھیراؤ کیا جنہوں نے آپ ﷺ کو ستایا تھا۔ آپ ﷺ کی اہانت کی تھی، آپ ﷺ کو برا بھلا کہا تھا اور آپ ﷺ کے ساتھ لڑائی باندھی تھی اور انہی لوگوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو سخت تکلیفیں سہنی پڑی تھیں، چنانچہ آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے، اس کا طواف کیا، پھر مسجد میں بیٹھ گئے اور لوگ آپ کے ارد گرد جمع تھے، نگاہیں آپ ﷺ کی طرف لگی ہوئی تھیں اور سب یہ جاننے کے لیے بے تاب تھے کہ آج آپ ﷺ اپنے دشمنوں کے بوڑھوں اور جوانوں کے ساتھ کیا سلوک فرماتے ہیں، شاید ان کے خلاف آج سخت سزائیں ہوں گی۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے مشہور الفاظ کہے کہ

«مَا تَرَوْنَ أَنِّي صَانِعٌ بِكُمْ؟» قَالُوا: خَيْرًا، أَخْ غَرِيمٌ وَابْنُ أُجْحِ غَرِيمٍ.

قَالَ: «اذْهَبُوا فَأَنْتُمْ الطَّلَقَاءُ» (سنن بیہقی: 18275)

اے قریش کی جماعت! کیا امید رکھتے ہو کہ آج میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ”بھلائی کی، آپ ﷺ ہمارے مہربان بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”آج تم پر کوئی سزائیں نہیں، جاؤ، تم آزاد ہو۔“

تو عین اس موقع پر بڑے بڑے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور توبہ کی مثلاً ہند بنت عتبہ اور عکرمہ بن ابو جہل، آپ ﷺ کی ہجو کہنے والے شعراء آپ ﷺ کے پاس آکر معافی مانگنے

لگے جیسے ابن زبیر اور کعب بن زہیر، چنانچہ سب کو آپ ﷺ کی جانب سے معافی اور چشم پوشی ملی۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے تمام صحابہ کو اپنی رضا عطا فرمائے۔

اے اسلام کی تبلیغ کرنے والے!

یہ ہیں اسلام کے نبی، اے جہاد کی دعوت دینے والے! یہ ہیں جہاد کے رسول، اے محبت کرنے والے! یہ ہیں محبوب، اے علم پھیلانے والے! یہ ہیں علم کے پیغمبر اور اے درشت مزاجی اور اکھڑ پن میں گھرے ہوئے انسان! یہ ہیں رسول رحمت ﷺ۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

”تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا مشکل

میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے

وہ شفیق اور رحیم ہے۔“ (سورۃ التوبہ: 128)

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے لیے قرآن عظیم اور سنت میں برکت دے اور ہمیں ان کی آیات، ذکر اور حکمت سے فائدہ پہنچائے۔ میں نے اپنی بات کہہ دی ہے، اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کچھ غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کا قصور ہے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں، عورتوں کے لیے ہر گناہ سے بخشش کا طلبگار ہوں، تم بھی اسی سے بخشش مانگو اور اس کے حضور توبہ کرو یقیناً وہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

دوسرا خطبہ

تمام تعریفیں تمہا اللہ کے لیے ہیں اور درود و سلام ہو اس ہستی پر جس کے بعد کوئی نبی

نہیں۔

حمود و ثناء کے بعد، اے بندگان الہی! اللہ سے ڈرتے رہو اور بیان لو کہ نبی کریم ﷺ کی شفقت، مہربانی اور بروہاری والی صفات کا عکس ہمیں اپنے اسلاف میں نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ خواہ صلح ہو یا جنگ، تنگی ہو یا آسانی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ان کی کیفیت ایسی تھی کہ

”مومن جب طاقتور ہو تو عدل اور نیکی کرتا ہے اور اگر مغلوب ہو جائے تو صبر کرتا ہے اور ثواب کی امید رکھتا ہے۔“

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے بھی نبی کریم ﷺ کے سامنے آپ کی ساتھیوں کی تعریف میں یہ شعر پڑھا تھا:

ليسوا مفاريح إن نالت رماحهم \*\*\* يوماً وليسوا مجازيعاً إذا نيّلوا  
”اگر کبھی ان کے نیزے نشانوں پر لگیں تو اترتے نہیں اور اگر وہ خود نیزوں کی زد پر آجائیں تو چیتے چلاتے نہیں۔“

کسی بدوی سے نبی کریم ﷺ کی عادت کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا:  
”میں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب غالب ہوتے تو اترتے نہیں تھے اور جب مغلوب ہوتے تو چیتے چلاتے نہیں تھے۔“

اللہ کے بندو! آپ ﷺ کے اسی وصف پر صحابہ اور تابعین گامزن رہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے لشکروں کو وصیت فرمایا کرتے تھے۔

« انظليقوا باسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله، ولا تقتلوا شيخاً  
فانياً ولا طفلاً ولا صغيراً ولا امرأة، ولا تغلوا، وضموا عنائكم،  
وأصلحوا وأحسنوا إن الله يحب المحسنين »

”اللہ کے نام سے اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق چلو، کسی عمر رسیدہ بوڑھے

کو، کسی کم سن بچے کو، کسی چھوٹے لڑکے اور عورت کو قتل نہ کرو، اور نہ تم خیات کرو اور اپنی غنیمت کو جمع کرو اور اصلاح کرو اور احسان کرو بلاشبہ احسان کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے۔“

اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ بات جانتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد مخلوق کے ساتھ شفقت کے لیے اور اسے اندھیروں سے نکال کر نور میں لانے کے لیے شروع کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ سارے افعال جہاد کے مقصد کے خلاف ہیں جبکہ دشمنانِ اسلام اپنی جنگوں میں مسلمانوں کے لیے ان باتوں کا خیال نہیں کرتے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا وَلَا ذِمَّةً ﴾

”مگر ان کے سوا دوسرے مشرکین کے ساتھ کوئی عہد کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ تم پر قابو پا جائیں تو نہ تمہارے معاملہ میں کسی قربت کا لحاظ کریں نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا۔“ (سورۃ التوبہ: 8)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَعْثٍ وَقَالَ لَنَا: «إِن لَقَيْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا - لِرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ سَمَاهُمَا - فَحَرِّقُوهُمَا بِالنَّارِ» قَالَ: ثُمَّ أَتَيْنَاهُ نُودَّعُهُ حِينَ أَرَدْنَا الْخُرُوجَ، فَقَالَ: «إِنِّي كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحَرِّقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا بِالنَّارِ، وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَدُّ بِهَا إِلَّا اللَّهُ، فَإِنْ أَخَذْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا»

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مہم پر روانہ فرمایا اور کہا کہ جب تم قریش کے دو فلاں فلاں آدمیوں کو ملو تو ان دونوں کو آگ سے جلا دینا۔“ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم روانگی کے وقت آپ کو ملنے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے

تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں لوگوں کو آگ میں جلا دینا (لیکن اب ایسا نہ کرنا) کیونکہ آگ کا عذاب اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ اگر تم انہیں گرفتار کر لو تو قتل کر دینا۔“ (صحیح بخاری: 2954)

اے بندگانِ الہی!

یہ ہے محمد ﷺ کی درسگاہ اور یہ ہے آپ ﷺ کی میراث۔۔۔! اور اس امت کی حالت صرف اسی راستے پر چلنے سے سدھر سکتی ہے جس سے اس امت کے پہلے حصے کی حالت سدھری تھی۔

ایسی امت جس پر جہالت، خود غرضی، سخت مزاجی، مفاد پرستی اور انتقام کاراج ہو، وہ یقیناً فتح کے دن سے قریب نہیں بلکہ دور ہوگی اور وہ لائے قدموں واپس لوٹے گی، آگے نہیں بڑھ سکے گی جب تک ایسی امت کا رہبر علم نہیں ہوگا، وہ جہالت کی وجہ سے ذلت اور کسمپرسی کی کھائیوں میں بھٹکتی رہے گی حتیٰ کہ ایک ایسے پیالے کی طرح ہو جائے گی جس پر کھانے والے ٹوٹے پڑتے ہوں۔

فما من صلاح واصلاح إلا والعلم رائدہ

وما من فساد وفساد إلا والجهل موقدہ

”کیونکہ کوئی بھی سدھار اور اصلاح ہے تو اس کا سبب علم ہے اور کوئی بھی فساد اور

خرابی ہے تو اس کی بنیاد جہالت ہے۔“

امت کے دشمن امت میں یہی پھیلا نا چاہتے ہیں اور یہی وہ نوازش ہے جسے ہماری امت کے ظالم عناصر سونے کی طشتری میں رکھ کر دشمنوں کو پیش کر رہے ہیں۔ شاعر نے بالکل درست کہا ہے کہ

ما یبلغ الأعداء من جاهلٍ \*\*\* ما یبلغ الجاهل من نفسه

”جاہل آدمی خود اپنے آپ کو جتنا نقصان پہنچاتا ہے، اس کے دشمن اسے نہیں پہنچا

سکتے۔“

اللہ کے بندو!

مخلوق میں سب سے برتر اور انسانیت کی پاکیزہ ترین ہستی، صاحبِ حوض و شفاعت محمد ﷺ پر درود پڑھو، اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیتے ہوئے پہل خود کی، پھر اس پر فرشتوں نے عمل کیا اور پھر اہل ایمان کو اس پر عمل کے لیے پکارا اور ارشاد فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور پیغمبر محمد ﷺ پر رحمتیں اور سلامتی نازل فرما اور اے اللہ! آپ ﷺ کے چاروں خلفاء ابو بکر، عمر، عثمان اور علی، آپ ﷺ کے تمام صحابہ کرام، تابعین اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والے تمام لوگوں کو اپنی رضا سے شاد کام فرما اور اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! ان کے ساتھ ساتھ اپنے فضل و کرم اور احسان سے ہمیں بھی اپنی رضاء عطا فرما۔





## پہلا خطبہ

باریک بین خبر رکھنے والے اللہ کے لیے ہی ساری تعریف ہے۔ وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر شے پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے۔ زمین و آسمان کی بادشاہت اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ اس کے سوا کوئی الہ نہیں اُس کے سوا ہمارا کوئی پروردگار نہیں۔ وہی ہمارا حامی و مددگار ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے، چنیدہ رسول اور بہترین مخلوق ہیں۔ انہوں نے ہمیں بینائی اور بصیرت کے ساتھ حق کی اتباع کرنے کی تلقین کی اور ہر شر سے خبردار کیا۔ انہوں نے ہمیں واضح اور روشن راستے پر چھوڑا جو رات کی تاریکی میں بھی ویسا ہی روشن رہتا ہے جیسا دن کے اُجالے میں۔ اس راستے سے جو ہٹتا ہے، ہلاک ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو آپ ﷺ پر، آپ کی پاکباز آل پر، اہمات المؤمنین ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، تابعین پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

لما بعد، بہترین بات اللہ کا کلام ہے۔ بہترین طرز زندگی محمد ﷺ کا طرز زندگی ہے جبکہ بدترین امور دین میں نئی ایجادات ہیں۔ اور اس طرح کی ہر نئی ایجاد بدعت ہے۔

جان رکھو کہ اللہ کا تقویٰ بہترین زادراہ اور اعلیٰ ترین غایت ہے۔ فتنوں سے بچنے کی پناہ گاہ ہے اور اللہ کے بعد اسی پر اعتماد ہے۔ اللہ نے اس کی تلقین اولین و آخرین کو فرمائی ہے۔

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا

اللَّهِ﴾

”تم سے پہلے جنہیں ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب

تمہیں بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔“ (سورۃ النساء: 131)

سنجیدہ معاشرے کی خاصیت ہے کہ وہ اپنے استحکام، توازن اور وحدت کی بنیادیں محفوظ رکھنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے ہر وقت چوکنا اور تیار رہتا ہے۔ صلاحیت خواہ دینی ہو یا ثقافتی، سیاسی ہو یا معاشی، وہ اسے اندرونی یا بیرونی امن وامان کی حفاظت پر لگانے سے کبھی نہیں کتراتا نہ اس کے معاملے میں کوئی کوتاہی برتتا ہے۔

اللہ کے بندو! یہ حفاظت کسی معاشرے کی اولین ترجیح نہ ہو جسکے بدلے وہ کوئی قیمت قبول نہ کرے اور نہ اس میں کسی شک یا وہم کا شکار ہو تو وہ معاشرہ ایسی غفلت میں پڑ جاتا ہے کہ جس کے بعد سمجھ بوجھ کی توقع نہیں رہتی، ایسی بے پروائی کا شکار ہوتا ہے کہ ہوشیاری و بیداری کا کوئی سوال نہیں۔ یوں وہ بد نظمی و انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ کہ ان امور کے نتیجے کسی بیرونی دشمن کے لیے آسان نوالہ بن جاتا ہے جو اس پر آنے والے مصائب کے انتظار میں بیٹھا ہوتا ہے یا کسی اندرونی منافق شخص کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوتا ہے جو اس کا حصہ ہونے کے باوجود کسی دوسرے کی حمایت کرتا ہو، اور معاشرے کے جسم کو اندر سے دیمک کی طرح عرصہ دراز سے کھارہا ہو اور مصیبت کے اوقات کو اپنے لیے نعمت جانتا ہو۔

سمجھدار معاشرہ وہی ہے جو اندرونی و بیرونی دشمن میں فرق نہ کرے۔ اس کے حاکم اور عوام ہر طرح کے دشمن سے اپنی حفاظت اولین فرض سمجھتے ہیں کیونکہ امن و سلامتی کی ضرورت میں تو کوئی حاسد یا دشمن ہی شک کر سکتا ہے۔

کسی معاشرے کا جنگوں سے محفوظ ہونا اللہ کی نعمت ہے کہ جس کا شکر لازم ہے۔ بے حد رحم اور شفقت فرمانے والے کی مہربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا يَلَايِفُ قُرَيْشٍ • إِلَّا يَلْفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ • فَلْيَعْبُدُوا

رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ • الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾

”چونکہ قریش مانوس ہوئے۔ (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس۔

لہذا انہیں چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔“ (سورۃ القدر: 1-4)

اللہ کے بندو! انہی مقاصد کے پیش نظر لیے اہل سنت والجماعت کے عقائد میں سے ہے کہ ایسے حکمران کی تقرری لازم ہے جو لوگوں کے حقوق ادا کرے، ان کے دین کی حفاظت کرے اور ان کے دشمنوں کو ان سے دور رکھے۔

اس امت کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ دنیا کا پہلا گھر عطا فرمایا کہ اس پر احسان فرمایا ہے۔ اسی باکمال کعبہ کی طرف لوگ پیدل اور سوار ہر دور دراز علاقے سے چلے آتے ہیں۔ یہ گھر قدیم بلند ارکان والا ہے، مضبوط بنیادوں والا ہے اور ایسا گھر ہے جو کہ ہر زمان و مکان پر غالب ہی آیا ہے۔

تاہم تاریخ کے بعض ادوار میں یہ کعبہ بھی حاسدوں کے حسد سے اور لالچیوں کی لالچ زدہ نظروں سے محفوظ نہیں رہا۔ تخریب کاری کے ہاتھ وقتاً فوقتاً اس کی طرف بڑھتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کی حفاظت اور مسجد نبوی کی نگہبانی کا موقع اس ریاست کو عطا فرمایا۔ تب سے اس ریاست نے حریم کو ہر طرح سے محفوظ و مامون رکھا ہے۔

تاہم بغض و حسد سے بھرے دلوں اور بد مقصد لوگوں پر یہ نعمت بہت گراں گزاری اور وقتاً فوقتاً ان کی لالچ بھری دھمکیاں سنائی دیتی رہیں۔ صرف اس لیے کہ حریم کی پاسبانی ان کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ اس لیے وہ تخریب کاری کی نیت رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے قبلے اور آپ کی جائے اِسرائ میں استحکام و استقرار نہ رہے۔

حسد بھری ان دھمکیوں کے ذریعے وہ چاہتے ہیں کہ بیت اللہ کی حرمت پامال کریں جس طرح پہلے بھی چوتھی صدی ہجری میں ماہ حرام میں مفسدین نے اس کی حرمت پامال کی تھی، حاجیوں کا خون بہایا اور کم و بیش تیس ہزار حاجیوں کو مار ڈالا، ستم ظریفی دیکھیے کہ بعض

کو تو صفارودہ کے درمیان قتل کیا گیا۔ پھر کعبے کا دروازہ توڑا گیا، کعبے کا حسین لباس سلب کر لیا گیا اور حجر اسود کو بائیس سال تک چھپائے رکھا۔ یہاں تک کہ اُس زمانے کے فقہاء، مناسک حج کی کتابوں میں یہ لکھتے رہے: طواف کے دوران حجر اسود کی طرف اشارہ کرنا مستحب ہے۔ اگر وہ پایا جائے۔ یہاں تک کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے حجر اسود کو دوبارہ لوٹا دیا۔

اللہ کے بندو! یہ سب ان گروہوں کا کیا دھرا تھا جن کا اسلام کوئی تعلق یا واسطہ نہیں۔ بلاد حرمین، اللہ اس کی حفاظت فرمائے، آج بھی اس طرح کے گروہوں اور لالچی نگاہوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ یاد رہے کہ یہ ملک کسی گروہ یا مسلک کا ملک نہیں۔ یہ کسی گروہ کا ملک کس طرح ہو سکتا ہے؟ یہ تو ایک مشرق اور مغرب میں پھیلی امت اسلامیہ کا حصہ ہے۔

بلاد حرمین کی قیادت اس ذمہ داری کو خوب سمجھتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے کندھوں پر رکھا ہے کہ مسلمانوں کے قبلے کی حفاظت کرے اور آپ ﷺ کے دارالہجرہ کی نگہبانی کرے۔ آپ ﷺ کے اس قول کو بھی وہ خوب سمجھتی ہے کہ

«الَا تَتَمَنُّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَاِذَا لَقِيْتُمْوَهُمْ

فاصبروا»

”دشمن سے مقابلے کی تمنا کبھی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت ہی کا سوال کرو۔ مگر

جب مقابلہ سر پر آئے تو ثابت قدمی سے کام لو۔“ (صحیح مسلم: 1742)

وہ یہ بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ کچھ لوگ جھاگ پر جھاگ منہ میں لاتے ہیں، انہیں پھیلاتے اور پروپیگنڈا کرتے ہیں اور جو منہ میں آتا ہے بکتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اس ملک میں اتار کی پھیلانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، اس کا امن و امان ختم کرنے کے لیے چالیں چلتے ہیں۔ ان چالوں کا سرغنہ ایک معلوم گروہ ہے جس کی کچھ دوسرے گروہ مدد کر رہے ہیں اور غلط فہمی میں رہتے ہیں کہ بلاد الحرمین اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں!

مشکلات میں فیصلے کرنے کے قابل نہیں!

ایسے لوگوں نے عوام کو ایک تاریک سیاہ رات سے ڈرار کہا ہے جس میں وہ ہمارے عقیدے، بنیادوں اور مقدسات کو نشانہ بنائیں گے۔ اس خوف و ہراس کو ختم کرنے کے لیے اللہ کی توفیق سے ”عاصفۃ الحزم“ شروع کیا گیا جو ایک حلیم انسان کے غصے اور حکیم آدمی کے صبر سے عبارت ہے۔ کیا خوب کہا عربی کے قدیم شاعر نے کہ اس کا کلام اسی موقع کے لیے کہا گیا محسوس ہوتا ہے:

أَنْزَعُمْ يَا ضَخْمَ اللِّغَاوِيْدِ أُنْنَا \*\*\* وَنَحْنُ أَسْوَدُ الْحَرْبِ لَا نَعْرِفُ الْحَرْبَا  
فَوَيْلَكَ مَنْ لِلْحَرْبِ إِنْ لَمْ نَكُنْ

لَهَا وَمَنْ ذَا الَّذِي يُضْجِي وَيُمْسِي لَهَا تَرْبَا

اَثْوَعِدُنَا بِالْحَرْبِ حَتَّى كَأَنَّنَا \*\*\* وَإِيَّاكَ لَمْ يُعْصَبْ بِهَا قَلْبُنَا عَصْبَا  
”اے گلے کے غدو میں مبتلا انسان! کیا تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہمیں جنگ کا کچھ تجربہ نہیں، حالانکہ ہم جنگ کے شیر ہیں! اگر ہم جنگ کے قابل نہیں تو کون جنگ کر سکے گا؟ ہمارے سوا وہ کون ہے جو صبح و شام جنگ کے لیے تیار رہتا ہے؟ ہمیں جنگ سے یوں ڈراتے ہو جیسے ہمارے دلوں کے ساتھ جنگ باندھ نہ دی گئی ہو!“

یہ جنگ اب واجب ہو چکی ہے۔ اسے بیدار ضمیر دھکیل رہا ہے۔ دراصل یہ ان شہسواروں کی وار ہے جو حرمین کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، جو سرزمین یمن کی قدر و قیمت بھی جانتے ہیں، جانتے ہیں کہ یمن تو ایمان و حکمت کی سرزمین ہے۔ مگر افسوس کہ یہ سرزمین گروہ بندی کی وجہ سے ظلم و تشدد کا سامنا کر رہی ہے۔ اس ظلم و ستم نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور ہر شے کو تہس نہس کرنے کی نوید سنارہا ہے۔

اللہ اہل یمن کو امن و امان سے محروم نہ رکھے! اللہ ان سے اور ان کی سرزمین سے دل

ہلا دینے والی اور آنکھ اٹکھار کرنے والی مصیبتیں رفع فرمائے! وہ اہل یمن ہی تو ہیں جن کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان ہر شخص کی زبان پر عرصہ دراز سے ہے کہ  
 ”والحکمة یمانیتہ“ حکمت تو یمنی ہے۔“

”عاصفة الحزم“ تو سرکش بے لگاموں کی لگام ہے۔ یہ حرمین شریفین کی حمایت و حفاظت ہے۔ لاپچی ہاتھوں کے کھیل سے اس کا بچاؤ ہے۔ یہ جنگ حکمت اور ایمان کی سر زمین میں مظلوم بے یار و مددگاروں کی نصرت و مدد ہے۔

العصفُ أبلغُ إيضاحًا من الحظبِ \*\*\* والحزمُ دلٌّ على ساداتنا الشُّجْبِ  
 قد خانَ موطننا رغمَ الجواريدِ \*\*\* كُنَّا نُصافِحُها باللُّطفِ والأدبِ  
 كُنَّا نُكافِئُها باللِّينِ لا خورًا \*\*\* حتَّى غَدَت حَسَدًا حَمَالَةَ الحظبِ  
 فامتدَّ فوقَ سَماءِ الحُزمِ أجنيحةٌ \*\*\* مثلَ النُّسورِ تُرَى في الجوّ كالشُّحْبِ  
 يحمونَ كعبةً من ذلِّ العبادِ لَهُ \*\*\* لم يثنِيهم رَهَبٌ فالكلُّ كالشُّهْبِ  
 فامضوا على ثقةٍ باللهِ أنْ لَكُمْ \*\*\* من عنديهِ مَدَدًا يُفِضِي إلى الأربِ .

”طوفانِ جنگِ خطبوں سے کہیں زیادہ بلند ہے، سخت اور بروقت فیصلے ہمارے سربراہوں کی خصلت ہے۔ پڑوسی ہونے کے باوجود اس ہاتھ نے ہمارے ملک کے ساتھ خیانت کی ہے جس سے ہم ادب و احترام کے ساتھ مصافحہ کرتے تھے۔ ہم ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے رہے لیکن اس کی وجہ کمزوری نہ تھی۔ اب وہی ہاتھ لگائی بجھائی کرنے لگے۔ پھر فیصلے کے آسمان پر عقابوں کی مانند جہاز پھیل گئے جو افق میں بادل کی طرح نظر آنے لگے۔ اس کبے کی حفاظت کرنے لگے جس کے پروردگار کے سامنے ساری مخلوق سر بسجود ہے۔ ان بلند حوصلہ جاناہزوں کو کسی شے نے نہ ڈرایا بلکہ شہابیوں کی طرح دشمن پر برسنے لگے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو اور بڑھتے

جاؤ۔ بالیقین، اس کی طرف سے آپ کو فتح یابی اور مدد حاصل رہے گی!“

اے اللہ! اہل یمن کے حالات کی اصلاح فرما! اے سارے جہاں کے پروردگار! اہل یمن کو حق پر اکٹھا فرما! مسلمانوں کے ملکوں کی ہر دشمن سے حفاظت فرما! بلادِ حرمین شریفین کی ہر بغض رکھنے والے مکار سے حفاظت فرما! مسلمانوں کے تمام ملکوں کی حفاظت فرما!

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

تُفْلِحُونَ﴾ (سورۃ آل عمران: 200)

”اے مومنو! صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی

خدمت کے لیے کمر بستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآنِ عظیم کی برکتوں سے مالا مال فرمائے، اس کی آیات اور ذکر حکیم سے نفع پہنچائے۔ مجھے یہی کہنا تھا۔ اگر ٹھیک کہا تو اللہ تعالیٰ نے کہلویا، اگر غلط کہا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ میں ہر گناہ اور بدی سے اللہ کی معافی مانگتا ہوں اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے۔ آپ بھی اسی سے مغفرت طلب کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ بالیقین، وہی غفور و رحیم ہے۔

دوسرا خطبہ

احسانِ الہی پر اللہ کے لیے تعریف اور توفیق و فضل و کرم پر اس شکر ہے۔

ازال بعد! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عمرو بن معدی کرب سے جنگ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا، اگر شدت اختیار کر جائے تو انتہائی بدذائقہ، جو اس میں صبر کرے، پچھانا جائے اور جو اس میں بزدلی دکھائے، تباہ ہو جائے۔

شاعر نے خوب کہا:

الحربُ أولُ ما تَكُونُ فِتْنَةً \*\*\* تَسَعِي بزيئِها لِكلِّ جَهولٍ

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَعْرَتْ وَشَبَّ صَرَامُهَا \*\*\* وَلَتْ عَجُوزًا غَيْرَ ذَاتِ حَلِيلٍ

شَمَطَاءَ يُكْرَهُ لَوْنُهَا وَتَغَيَّرَتْ \*\*\* مَكْرُوهَةً لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِيلِ

”جنگ ابتدا میں حسین نوجوان لڑکی لگتی ہے، جو بے خبر کے سامنے اپنی زینت

دکھاتی ہے۔ جب شدت اختیار کر جائے، میدان گرم ہو جائے تو یہ بیوہ بڑھیا بن

لگتی ہے۔ سفید بال، ناپسندیدہ رنگ والی بن جاتی ہے۔ دیکھنے والے کو گھن آتی ہے۔

سو گھنے یا قریب جانے سے سلامتی عزیز تر نظر آتی ہے۔“

بلادِ حرمین کی اللہ حفاظت فرمائے! اس نے ”عاصفۃ الحزم“ کی ابتدا کی ہے۔ یہ جنگ در

اصل ایک حلیم کا غضب ہے۔ نادانوں کی زیادتیوں نے اس کی حلیمی ختم کر ڈالی۔ یہ دراصل

ایک صبر کرنے والے کا حکمت بھرا اقدام ہے۔ حاسدوں کی دھمکیوں نے جس کے صبر کا

بیانہ لبریز کر دیا ہے۔ اس کا حال تو شاعریوں بیان کرتا ہے:

أخُو الحَرْبِ إِنْ عَصَّتْ بِهِ الحَرْبُ عَضَّهَا

وَإِنْ شَمَّرَتْ عَن سَاقِهَا الحَرْبُ شَمَّرَا

”ایسا جنگجو ہے کہ اگر اسے جنگ کاٹے تو یہ اس کو چبا ڈالتا ہے اور اگر جنگ اپنی

پنڈلی کھول لے تو یہ بھی پنڈلی کھول کر تیار ہو جاتا ہے۔“

اللہ کے بندو! ہمارا فرض ہے کہ ذہن نشین کر لیں کہ مال کی طرح جنگ کے بھی کچھ

چور ہوتے ہیں۔

جی اللہ کے بندو! جنگ کے چور امن و امان، وحدت و اتحاد اور فتح و کامیابی چرالے جاتے

ہیں، امت کے بدخواہ، ڈرانے اور ہمتیں پست کرنے والے ان چوروں کے سردار ہیں! ایک

طرف بلادِ حرمین کی نصرت و توفیق پر حسد کرنے والے ہیں جبکہ دوسری طرف پر اناکینہ پرور

جو اندرونی اور بیرونی منافقوں کے حال میں جھلکتا ہے۔ نہ یہ (عاصفۃ الحزم) کی کامیابی چاہتے



ہیں اور نہ جنگ کا خاتمہ انہیں خوش کرتا ہے۔ بلادِ حرمین کا امن و امان تو خطرے میں ہے۔ اس کا عقیدہ اور اس کے مقدمات دشمنوں کے حملوں کی زد میں ہیں۔ اگر جنگیں کبھی ایسی ضرورت بن سکتی ہیں کہ ان سے بچنا مشکل ہو، تو حرمین شریفین تو ایسے بابرکت ہیں کہ جن کی حفاظت لازم ہے۔

وَإِذَا لَمْ يَكُنْ إِلَّا الْأَيْسَّةُ مَرْكَبًا \*\*\* فَمَا جِبِلَّةُ الْمُضْطَرِّ إِلَّا رُكُوبُهَا.  
”نیزوں کے علاوہ کوئی سواری نہ ہو، تو انہی کی سواری کے سوا کیا چارہ ہے؟“

بلادِ حرمین اللہ کی توفیق سے حاسدوں اور بد ارادہ لوگوں کے سامنے ایک مضبوط قلعہ ثابت ہوگی۔ یہ ایسی چٹان ہوگی کہ جس پر گھٹیا مقاصد کے حاملوں کے سینگ ٹوٹ جائیں۔ تاہم لازم ہے کہ اللہ کے فضل و کرم پر، اتحاد و اتفاق پر اور تفرقے سے بچاؤ پر اس کا شکر ادا کریں۔ سچ کہا اللہ تبارک و تعالیٰ نے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (سورۃ محمد: 7)

”اے مومنو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جمادے گا۔“

صاحبِ حوض و شفاعت، بہترین مخلوق اور کامل ترین انسان محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔ اللہ نے اس کا حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر فرمایا، پھر اپنی تقدیس و تحمید کرنے والے فرشتوں کا ذکر فرمایا، پھر (اے مومنو!) فرما کر آپ کو حکم دیا۔ اللہ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



(32)

## مسلمانوں کی حالت اور بہتری کی راہ

26 رجب 1436ھ بمطابق 15 مئی 2015

### پہلا خطبہ

الحمد لله، سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو نہایت مہربان ہے۔

﴿الرَّحْمَنُ \* عَلَّمَ الْقُرْآنَ \* خَلَقَ الْإِنْسَانَ \* عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ (سورة

الرحمن: 1-4)

”اسی رحمن نے قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔“

اسی کے ہاتھ میں زمیں و آسمان کے خزانے ہیں، جو ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، وہ دیکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں، اللہ کی بہترین بندگی کرنے والے، بہترین انداز میں دعوت پیش کرنیوالے اور پیغام پہنچانے والے ہیں۔ اللہ کی رحمتیں، اور برکتیں ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر، ازواج مطہرات پر، صحابہ کرام ﷺ اور تابعین پر اور قیامت تک راست روی کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں پر۔

ازاں بعد، لوگو! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں، کیونکہ تقویٰ ہی سب سے بیش قیمت کمائی ہے، یہی قابل اعتماد سہارا ہے۔

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ \* الَّذِينَ آمَنُوا

وَكَانُوا يَتَّقُونَ \* لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ

لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (سورة يونس: 62-64)

”سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں ان کے لیے بشارت ہی بشارت ہے اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہی بڑی کامیابی ہے۔“

مسلمانو! خواہشاتِ نفس کا تسلط، خود نمائی، دنیا کی محبت اور موت کا خوف بہت سے معاشروں میں حد درجہ مایوسی و ناامیدی پیدا کر چکے ہیں۔ لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ امت کا غالب ہونا اور اسے عزت ملنا ایک ناممکن چیز ہے۔ وہ سمجھنے لگے کہ ہمیں ظلم و تشدد، رسوائی اور گناہی کو حقیقت سمجھتے ہوئے اسے تسلیم کر لینا چاہیے، ان کی نظر میں حالات کے بناؤ بگاڑ پر راضی ہو جانا عین حقیقت پسندی ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے احکام کے مطابق دنیا کی جدوجہد کو آخرت کی جدوجہد سے ہرگز الگ نہیں کیا جاسکتا، نہ جسم کو اہمیت دیتے ہوئے روح کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے، اور نہ روح کو جسم ہی پر ترجیح دی جاسکتی ہے۔ بلکہ دین اسلام تو ایسا جامع نظام پیش کرتا ہے کہ جو مسلمان مرد اور مسلم معاشرے کو قیادت کی طرف دھکیلتا چلا جاتا ہے اور اسے رہبر و رہنما بننے پر اکساتا رہتا ہے۔ یہ دین نہ تو رہبانیت کا دین ہے کہ جس میں فطرت ہی کو مسخ کر دیا جائے، اور نہ محض مادیت پرستی کا دین کہ جس میں دل ہی کھوکھلا کر دیا جائے اور روح کی بندگیوں کی طرف بڑھتی ہوئی امیدوں کو جکڑ دیا جائے۔

اللہ کے بندو! اس حقیقت کا مسلمان معاشروں کو بخوبی ادراک ہونا چاہیے۔ امت اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے والوں کا یہی نعرہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ نے انسان کیلئے زمین و آسمان کی ہر شے مسخر کر دی ہے تاکہ وہ زمین کو آباد کرے اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کی بندگی کرتے ہوئے خلافت کا فریضہ سرانجام دے۔ تاکہ وہ مغلوب و مجبور نہیں بلکہ غالب فرمانروا بنے، تابع نہیں بلکہ مقبوع بنے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ  
وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ  
يَغْتَرِ عَلَيْهِمْ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابَ مُنِيرٍ﴾ (سورۃ لقمان: 20)

”کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں؟ اس پر حال یہ ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو، یا ہدایت، یا کوئی روشنی دکھانے والی کتاب۔“

اللہ کے بندو! انسان کیلئے زمین و آسمان کا مسخر کر دینا کوئی بے مقصد کھیل نہیں ہے، نہ وہ ایسی نعمت ہے جس کا صحیح انداز میں شکر کرنا لازم نہیں، یا جس کی بدولت شریعت الہی کا زمین میں نفاذ اولیں فرض نہیں بنتا، یا اللہ کے کلمے کی سر بلندی واجب نہیں ٹھہرتی۔ تاہم ﴿إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكٰفِرَٰٓءَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَىٰ لَكُمْ﴾ (سورۃ الزمر: 7)

”اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے، لیکن وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو تو اسے وہ تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔“

اللہ کے بندو! اس پس منظر میں امت اسلام پر لازم ہے کہ دو اہم اور عظیم امور کو اچھی طرح سمجھے۔ یہ دونوں امور کبھی تو معاشرے کی لازمی ضرورت بن جاتے ہیں اور اکثر اوقات دین ان کی تلقین کرتا ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ کے بندو! ان دو امور میں پہلا ہے: بھائی چارہ۔ ایسا اتحاد و اتفاق کہ جس میں کسی قسم کا اختلاف باقی نہ رہے۔ اور دوسرا سر بلندی اور قیادت تھامنے کی ہمت اور ایسا جذبہ کہ جس میں کسی قسم کی کمزوری یا غیر اللہ کے سامنے کوئی ضعف نظر نہ آئے۔ اللہ کے بندو! یہی دو چیزیں ہیں جن کی بدلت امتیں قائم رہتی ہیں اور جب تک اللہ کی مشیت سے ان میں یہ دو اشیاء رہتی ہیں، امتیں بھی زندہ رہتی ہیں۔

یہ بات بھی قابل انکار نہیں کہ جب امت اسلامیہ وحدت و تمکین کی راہ پر سچے ارادے سے گامزن ہو جائے، تو لا محالہ کامیابی اسی کی ہوگی کیونکہ یہ دنیا کا اصول بھی ہے اور دین کا ضابطہ بھی۔

جو شخص قرآن وحدیث میں مذکور اور کتب تاریخ میں منقول امتوں اور ریاستوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرتا ہے اس پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ گزشتہ امتوں کی زندگی اتحاد و اتفاق سے مشروط رہی ہے، ان کی بلندی اور غلبہ اسی قدر تھا جس قدر ان کے اندر غلبے کے لیے ہمت اور تڑپ تھی۔

تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے والے پر یہ بات بھی کھل جائے گی کہ ہلاک ہونے والی قومیں مذکورہ اوصاف کو چھوڑنے، نعمتوں کی فراوانی کی وجہ سے غفلت میں پڑ جانے اور ہلاکت میں گھر جانے سے پہلے ہی تفرقہ و اختلاف میں پڑ چکی تھیں، ان کی ہمتیں پست ہو گئی تھیں، شکست خوردہ ہو چکی تھیں، باہمی جھگڑوں میں پڑ گئی تھیں اور دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئی تھیں۔ حالانکہ

﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ (سورة التوبة 38)

”دنوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا ہے۔“

مسلمانو! اتحاد و اتفاق ایک ایسا وصف ہے جو امت کے مفاد اور اسے درپیش مسائل کے شعور و ادراک سے پیدا ہوتا ہے۔ تاہم شعور ایسا ہونا چاہیے کہ جو ہر فرد کو احوال امت کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دے، ہر فرد کے وقت اور ہمت پر گہرا اثر ڈالے، دماغ کی دیواروں تک محدود نہ رہے بلکہ امت کے احوال کے بارے میں ہر شخص کو کم از کم اتنا رنجیدہ کرے جتنا وہ اپنے معاش کے متعلق رنجیدہ ہوتا ہے، اپنے ساتھ عمل کو کھینچ لائے اور ساتھ ہمت و عزم بھی اس کا مصاحب ہو اور پھر اس پر ڈٹ جائے۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو بیکجہتی اور بھائی چارے کی تلقین فرمائی ہے:

«الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا» (صحیح البخاری: 6026)

”مومنوں کے تعلقات تو ایسی دیوار کی مانند ہیں جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو تقویت

پہنچاتا ہے۔“

یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ملا

دیں۔ اسی طرح فرمایا:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا

اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرَ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحَتَّى»

”مومنوں کی مودت، رحم دلی اور ہمدردی کی مثال ایک جسم کی سی ہے، جس کا

ایک حصہ تکلیف میں ہو تو سارا جسم اس حصہ کے لیے بے خوابی اور بخار میں رہتا

ہے۔“ (صحیح بخاری: 6011)

پہلی مثال میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک دیوار کی مانند قرار دیا جس کا ایک حصہ

دوسرے حصے تک پہنچایا جاتا ہے، اور اسکی مختلف اینٹوں کو باہم جوڑ کر اسے تعمیر کیا جاتا ہے۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے مومن کو جسم کا عضو قرار دیا ہے، جو دوسرے عضو

کی تکلیف محسوس کر کے بے چین رہتا ہے۔

واہ! کیا شہر بصورت مثال ہے! آپ ﷺ کو تو جوامع الکلم عطا فرمائے گئے تھے۔ میرے

ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، بھلا بھائی چارے کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ بھائی چارے اور اتحاد و اتفاق کا یہ سبق حفاظت کے بغیر نہیں چھوڑا

گیا۔ بلکہ اسے ڈرا دے کی چار دیواری میں محفوظ کیا گیا ہے اور اس کی ضد سے خبردار کیا گیا۔

اختلاف اور مومن جماعت سے الگ ہونے سے منع فرمایا گیا۔ ایسا کرنے والوں کو سخت وعید

سنائی گئی۔

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ

الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء 115)

”مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور

روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں

گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے“

یہ تمہارے عزت اور بلندی کے پہلے غصے کے بارے میں اسلام کا موقف۔ یعنی ہدایت

ایمانی والوں میں بھائی چارے اور اتحاد و اتفاق کا عنصر۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ • وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا

وَتَذْهَبَ رِجَالُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

”اے مومنو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت

سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ

کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی

اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ

ہے۔“ (سورۃ الانفال: 45، 46)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن مجید میں برکت عطا فرمائے، اس کی آیات اور ذکرِ حکیم سے

نفع پہنچائے۔ مجھے یہی کہنا تھا۔ اگر درست کہا تو اللہ کی توفیق سے، اگر غلط کہا تو اپنے نفس اور

شیطان کی وجہ سے، میں اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ

کی معافی مانگتا ہوں، تم بھی اسی کی طرف رجوع کرو۔ بالیقین، وہ غفور و رحیم ہے۔



## دوسرا خطبہ

ہر قسم کی حمد و ثناء اللہ وحدہ کے لیے خاص ہے، اور درود و سلام اس ہستی پر کہ جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔

امام بعد، اللہ کے بندو! بڑی ہی اہمیت کا حامل ایک اور عنصر بھی ہے، یعنی عزت و بلندی تک پہنچنے کی ہمت و جستجو اور سچی جدوجہد کے ذریعے دین اسلام کی نشر و اشاعت اور روئے زمین پر اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کا جذبہ۔ کرۂ ارضی کو عدل و انصاف سے بھرنا اور اس پر دین اسلام کو غالب کرنے کے لیے سر توڑ کوشش و محنت کرنا بھی اس اہم عنصر کا حصہ ہے۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اس عظیم مشن کی طرف بڑے کھلے انداز میں دعوت و ترغیب سے بھری پڑی ہیں۔ مسلمانوں کو پست ہمتی، ذلت، پسپائی اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں سستی سے بڑی شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

عالم اسلام کو آج کل جن مصائب کا سامنا ہے اور آئے روز جو مسلمانوں کی قدر و قیمت کم ہوتی جا رہی ہے، ان مصیبتوں اور زخموں کا سبب کوئی اور نہیں، بلکہ خود ان کے اعمالِ سیئہ اور باہم قطع تعلقی ہے کہ جس سے انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے پیغمبر ﷺ نے منع کر رکھا تھا۔ اگر مسلمان دین کے تمام مطالبات کو اسی طرح ادا کرتے کہ جس طرح ان سے تقاضا کیا گیا تھا اور خود ان کے دل بھی ان کے تذکرے سے مطمئن ہوتے، تو بیرونی دشمن کو کبھی یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ ان کا شیرازہ بکھیرتا، انہیں تتر بتر کرتا یا ان کے سامنے ظلم و زیادتی کرتے ہوئے اپنا اسلحہ لہراتا، حالانکہ مسلمان تو طویل عرصے تک اپنے دشمن پر اپنی دھاک بٹھا کر اور اپنی طاقت کا لوہا منوا چکے تھے! کیا مسلمان یہ پسند کریں گے کہ وہ سینکڑوں سال بے وقعت اور کمزور زندگی گزارتے رہیں، حالانکہ انہیں بخوبی علم ہے کہ دنیاوی عیش و عشرت کو ذرہ برابر اہمیت نہ دینا ہی ایک مومن آدمی کی نشانی ہے؟ کیا اپنا عروج دیکھ چکنے کے بعد، اب مسلمان یہ پسند کریں گے کہ انہیں خوف اور فاقہ کشی کا پھر سے سامنا ہو؟ یا ان کے

دلوں میں دشمن کا ایسا رعب بیٹھ جائے کہ جس سے ان کے کلیجے منہ کو آنے لگیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ جائیں؟ یا ان کے گھروں، اموال اور اراضی پر ایسا مطلق العنان دشمن مسلط ہو جائے کہ جو دین، اخلاق اور سیاست، غرض یہ کہ ہر لحاظ سے ان کے لیے اغیار ہے؟ اس دشمن کا حال تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملے میں نہ کسی قربت کا لحاظ کرتا ہے اور نہ کسی عہد کی پاسداری کا خیال کرتا ہے، بلکہ اس کا اصلی ہدف مسلمانوں کو ان کے دیس سے نکالنا، ان کا شیرازہ بکھیرنا اور سفاکی و ظلم کے ذریعے انہیں ان کے اپنے ہی آبائی گھروں کہ جن میں ان کی پرورش ہوئی، سے نکال کر ان کے مال اور زمینوں کو آپس میں تقسیم کرنا ہے۔

اتفاق و اتحاد، غلبے کے لیے پیش رفت اور حدود اسلامی کی حفاظت کی سچی تڑپ۔ ماسوائے چند بد نصیبوں کے۔ ہر مسلمان کے دل کی آواز ہے، مگر انہیں ایسی مصیبتوں نے آیا کہ جن کے ہوتے ہوئے یہ اپنے اس جذبے کو برقرار نہ رکھ پائے اور اس کے احکامات پر بھی ثابت قدم نہ رہ سکے، چنانچہ حق و انصاف کی کوشش کرنے والوں کی آواز سننے سے انہیں غافل کر دیا گیا، پس یہ لوگ غفلت کا شکار ضرور ہوئے ہیں لیکن بے شک نہیں، ان کے قدم لڑکھڑائے ضرور ہیں مگر گمراہ نہیں ہوئے۔ دراصل دنیاوی آفات، رنگینیوں اور اس کی خیالی تصویروں میں کھو کر یہ لوگ اپنے ہوش حواس پہ قابو نہ رکھ پائے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ مدد مانگنے لگے حالانکہ مدد ان کے پاس تھی لیکن انہیں مدد تک پہنچنے کا کوئی راستہ سمجھائی نہیں دیتا تھا، ان کی حالت اس عمدہ نسل اونٹ کی سی ہو گئی جو صحرا میں پیاس سے مر رہا ہو حالانکہ اس کی پشت پر پانی بھی لدا ہوا ہو!

ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے دشمن کی دشمنی کی ضخامت کا احساس کریں، دشمن کو ہم سے نہ پیار ہے اور نہ ہی ہمارے کسی معاملے کی اس کے ہاں کوئی اہمیت ہے۔ اسی طرح ہمیں چاہیے کہ ان وسائل اور طریقوں کا کھوج لگائیں جن کی تاز میں ہمارا دشمن بیٹھا ہوا ہے، پھر ان منفی وسائل کی جگہ ایجابی اور مثبت وسائل کو اختیار کرتے ہوئے رجوع الی اللہ، باہمی الفت و محبت، پختہ ارادی، شخصی خواہشات و ترجیحات پر کنٹرول اور اسلام اور مسلمانوں

کی مصلحت کو کسی بھی دوسری مصلحت پر مقدم کرنے جیسی صفات سے متصف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ • فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحَسَّنَ ثَوَابَ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾

”ان کی دعائیں یہ تھیں کہ اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیری حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اسے معاف کر دے، ہمارے قدم جمادے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر، آخر کار اللہ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت بھی عطا کیا اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔“ (سورۃ آل عمران: ۱۴۷، ۱۴۸)

جن وسائل کے ذریعے ہمارا دشمن ہمارے ملکوں، ہمارے دین اور تہذیب و ثقافت پر یلغار کرتا ہے، ان وسائل کی جسامت اور حجم کا ادراک کرنا بڑی اہمیت والا معاملہ ہے۔ مخالفین کے نبلے اور قوت کو اگر ہم صرف ان کی جنگی مہارت تک محدود سمجھیں گے تو یہ ہماری کج فہمی اور ناقص عقل کی دلیل ہوگی کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دشمنوں کے وسائل تو اب متعدد جہات اور اقسام پر مشتمل ہیں، جس کی ایک جھلک تہذیب و ثقافت، احساسات و مشاعر، میڈیا اور فیکر پر ان کے کنٹرول کی صورت میں ہمیں صاف دکھائی دیتی ہے، بلکہ اب تو بیان، تصویر، اخبار میگزین اور نشریات کو یہ لوگ اپنے طے شدہ اہداف کے حصول کے لیے بڑی باریک بینی اور ہوشیاری سے وسیلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ بغیر تیر چلائے امت مسلمہ کی چیر پھاڑ میں مصروف ہیں، اسلحہ اور چھری کے بغیر ہی ان کا قتل عام جاری ہے، بغیر کسی جنگ کے ہی مسلمانوں کو ذہنی غلام بنایا جا رہا ہے اور

کسی قاعدے ضابطے کے بغیر ہی دشمن اپنے فیصلے کیے جا رہا ہے۔

دشمن کے منفی اور سلبی وسائل جب اس حد کو پہنچ چکے ہیں تو ہم مسلمان ایجابی اور مثبت وسائل کے اختیار کرنے میں کیوں اتنے سست ہیں؟ جب ان کی ہمتوں اور کوششوں کا تسلسل ہمارے سامنے ہے تو کیا بات ہے کہ ہمارے جذبے کھو گئے، ہمارے مقاصد ہوا کی مثل اور ہمارے عزم جھاگ کی مانند بے کار ثابت ہو رہے ہیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ دشمن جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے کامیاب ہوتا ہے اور ہم جس کام کو ہاتھ لگائیں وہ معاملہ بگڑ جاتا ہے؟ مسلمانوں کے مستقبل کی آبیاری ان کے اپنے ملک میں، اپنے اخلاق، فکر اور قوت کے تحت ہونی چاہیے۔ انہیں اپنی طاقت، میڈیا اور تہذیب میں کسی قسم کی ڈھیل اور سستی سے خود کو دور رکھنا ہو گا۔ اسی طرح انہیں تاسیس کی بجائے تباہی کا سبب بننے والی زیادہ تیز عقل سے بھی خود کو بچانا ہو گا، ورنہ انہیں بالجبر قیادت و سیادت سے الگ کر دیا جائے گا اور اس وقت کوئی حیلہ کام نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ • إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ (سورۃ آل عمران 139، 140)

”دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو چھانت لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں کیونکہ

ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔“

اب تمام کائنات کی افضل اور پاک ترین ہستی، حوضِ کوثر اور شفاعتِ کبریٰ والے نبی حضرت محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا اور فرشتوں کا تذکرہ کر کے تمہیں مخاطب کرتے ہوئے اس کا حکم دیا ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الأحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور پیغمبر محمد ﷺ پر رحمتیں اور سلامتی نازل فرما اور اے اللہ! آپ ﷺ کے چاروں خلفاء ابو بکر، عمر، عثمان اور علی، آپ ﷺ کے تمام صحابہ کرام، تابعین اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والے تمام لوگوں کو اپنی رضا سے شاد کام فرما اور اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! ان کے ساتھ ساتھ اپنے فضل و کرم اور احسان سے ہمیں بھی اپنی رضا عطا فرما۔



### پہلا خطبہ

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، وہ کریم، بخشنے والا، زمین و آسمان پیدا کرنے والا، اپنے علم کی بدولت جہاں کی تقدیر بنانے والا، بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کی تعداد جاننے والا اور زمین پر چلنے والی یا آسمان پر اڑنے والی ہر شے کا جاننے والا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ﴾

”رات اور دن کا الٹ پھیر وہی کر رہا ہے اس میں ایک سبق ہے آنکھوں والوں

کے لیے۔“ (سورۃ النور: 44)

یقیناً وہ بے حد اعلیٰ و ارفع ذات ہے جس کی نظر سے کوئی شے او جھل نہیں۔

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾

”نکاحیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک

بین اور باخبر ہے۔“ (سورۃ الانعام: 103)

میں گو ای دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

میں یہ بھی گو ای دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے، چنیدہ پیغمبر اور اللہ کی طرف بلانے

والے ہیں۔ راست بازوں کے لیے آپ نے راستہ واضح تر فرما دیا ہے۔ اور ہدایت کے طالبوں

نے آپ ﷺ کے اسوہ کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ جب تک رات و دن کی گردش جاری ہے،

آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی نیکی کار اور پاکیزہ آل پر، پرہیزگار صحابہ کرام پر اور عہدگی سے ان

کے نقش قدم پر چلنے والوں پر رحمت اور سلامتی کی برکھابرتی رہے۔

اما بعد، لوگو!

میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہوں، کیونکہ تقویٰ مومن

کا حصار، امن کا سامان اور پیاس سے حفاظت ہے، ڈرنے والے کے لیے امن کا سامان ہے اور پیاس کے لیے سیراب کر دینے والا جاں فزا مشروب ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (سورۃ ہود: 49)

”انجام کار متقیوں ہی کے حق میں ہے۔“

اے مسلمانو!

رمضان المبارک ایسا بابرکت مہمان آیا ہے کہ جس سے ملاقات کے لیے نیکوکار لوگوں کے دل بے تاب تھے۔ ایسا مہمان، کہ جس نے اہل بصیرت کے دلوں میں گھر کر لیا ہے۔ چنانچہ اب وہ اس کا والہانہ استقبال کر رہے ہیں۔ یہ ایسا مہمان ہے کہ جس کی ملاقات سے پرہیز گاروں کو دلی بلندی نصیب ہوتی ہے اور دلوں کی بیماریاں دور ہوتی ہیں اور ان میں نور پھوٹ نکلتا ہے۔ یہ ایسا مہمان ہے، کہ جس کے ساتھ ہر نیک صفت مانوس ہو جاتا ہے اور ہر بد طبع بے زار ہو جاتا ہے۔

مومنو! ایسا ماہ آیا ہے جس میں مساجد پر نور ہو جاتی ہیں اور ذکر و حمد کی آوازیں ان میں گونج اٹھتی ہیں۔ ایسا ماہ مبارک آیا ہے، جو کامیابیوں اور عظیم معرکوں کا ماہ ہے، جو نفس، شہوت اور شیطان سے جہاد کا ماہ ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ

الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾

”رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہ راست دکھانے والی اور حق و



باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔“ (سورۃ البقرہ: 185)

مسلمانو! امت اسلامیہ اس مبارک ماہ کا استقبال اس حال میں کر رہی ہے کہ اس وقت امت بیمار یوں، مصیبتوں اور دل کی کدورتوں کا سامنا کر رہی ہے۔ جبکہ امت کی وحدت بکھر گئی ہے اور قریب قریب نفرتوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ خانن اب امین ٹھہرے ہیں اور امین خائن گئے جاتے ہیں، جھوٹے اب سچے ٹھہرے ہیں اور سچے کو جھوٹا کہا جا رہا ہے۔ ان بیماریوں کے علاج میں مصروف عمل امت رمضان المبارک کا استقبال کر رہی ہے۔ ایسے احوال میں ماہ رمضان اس کی آمد، بھٹکنے کے بعد لوٹ آنے، کمزوری کے بعد قوت پانے اور غفلت کے بعد بیدار ہونے کا موقع ہے۔

اگر رمضان المبارک امت کے زخمی ماضی اور طاقت، سمجھ داری اور عقلمندی سے مالا مال مستقبل کے درمیان فیصلہ کن مرحلہ نہ بنا اور امت نے اس موقع کو غنیمت نہ جانا تو پھر رمضان سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔

یہ مہینہ، زندگی کی زیب و زینت سے دلوں کو پاک صاف کرنے کا مہینہ ہے۔ یہ بھوک اور پیاس کے ذریعے نصیحت والا مہینہ ہے۔ یہ ماہ مبارک جانوروں کی طرح شہوت نفس کی پیروی سے روکتا ہے۔ یہ مہینہ، سنجیدگی کے ساتھ نفس کے محاسبہ کا مہینہ ہے۔ یہ بد اخلاقی اور برائی سے چھٹکارا حاصل کر لینے کا مہینہ ہے۔

یہ مہینہ، گناہوں سے آزادی کا مہینہ ہے، شیطان کی چالوں اور اس کے سواروں اور پیادوں سے دفاع کا مہینہ ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَعِدُّهُمْ وَيُمَيِّنِيهِمْ وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا﴾ (سورۃ النساء: 120)

”شیطان ان لوگوں سے وعدہ کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے، مگر شیطان

کے سارے وعدے بجز فریب کے اور کچھ نہیں ہیں۔“

اللہ کے بندو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اعمال صالحہ کی انجام دہی کا حق تمام لوگوں کو یکساں دیا ہے۔ اس لیے روزے تمام لوگوں پر فرض کیے گئے ہیں۔ یہ صرف امیروں پر نہیں، اور صرف غریبوں پر بھی نہیں، صرف عبادت گزاروں پر ہی نہیں، بلکہ یہ تمام امت پر فرض ہیں۔ یہ روزے عبادت گزاروں کے دل کا سکون ہیں، امیروں کی تجارت اور ذاکروں کی خلوت ہیں اور ہر شخص کے لیے حسب استطاعت اس میں حصہ ہے۔ مالدار کے لیے بھی اس میں حصہ ہے، غریب کے لیے بھی اس میں حصہ ہے، قرآن پڑھنے والے کے لیے بھی اس میں حصہ ہے اور قیام کرنے والے کا بھی اس میں حصہ ہے۔

تاہم یہ جان لینا چاہیے کہ اس عظیم عبادت کا مقصد پرہیزگاری پیدا کرنا ہے اور یہی روزوں کا اصلی مقصد ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ

مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورة البقرة 183)

”اے مومنو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر

فرض کیے گئے تھے، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔“

اللہ کے بندو! شیطانوں کے بندھ جانے اور روزے کے ذریعے شہوت نفس توڑ ہونے کے علاوہ بھی رمضان میں بڑی عظیم اور اعلیٰ صفت ہے، جس میں نیکوکار لوگ مسابقت کرتے ہیں، وہ اعلیٰ خصلت رحم دلی اور بھائی چارے کی خوبی ہے۔ جو رمضان کے ایام میں اپنے عروج پر ہوتی ہے، یہ صفت نفس کو پاک اور طبیعت کو نرم کرنے پر آکساتی ہے اور یوں روزہ دار اپنے خطا کار نفس سے بڑھ کر لوگوں کی عزت کرنے لگتا ہے اور اس طرح وہ بڑا پن دکھاتے ہوئے دوسروں سے بہتر ہو جاتا ہے، پھر ایسا عظیم النفس بلا تکبر و فخر نفس کی گندگی سے پاک

ہو جاتا ہے اور اسی میں اس کی عظمت ہے۔

اور جب نفس انسانی عظمت کو چھونے لگتی ہے تو پھر مال و دولت بے معنی ہو جاتی ہے۔ عطا اور سخاوت آسان ہو جاتی ہیں۔ عظیم دل کا مالک، بجلی کا کھنچہ پاش پاش کر ڈالتا ہے اور خود نمائی کو دبا دیتا ہے اور یوں وہ بجلی، ناپسندی، حرص، عجز اور مال مٹول کے کھنچے توڑ ڈالتا ہے۔ تدبر و تمعن کے ساتھ نبی ﷺ کے اس فرمان کو سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ فِي الْجَنَّةِ عُرْفًا تُرَى ظُهُورُهَا مِنْ بُطُونِهَا وَبُطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا، فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: لِمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ، وَأَطَعَمَ الطَّعَامَ، وَأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ»

”جنت میں کچھ ایسے کمرے ہیں جن کا بیرونی حصہ اندر سے اور اندرونی حصہ باہر سے نظر آتا ہے۔“ صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کس کے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ کمرے اچھے بولنے والوں، کھانا کھلانے والوں، کثرت سے نفل روزے رکھنے والوں اور رات میں جب لوگ سو رہے ہوں، اس وقت نماز ادا کرنے والوں کے ہیں۔“ (جامع ترمذی: 1984)

اے مسلمانو! روزہ دارو!

قیام کرنے والو! اگر رمضان المبارک کی بیت اور حرمت مد نظر نہ ہو، اللہ کی حدود کا خیال نہ ہو اور اس کی حرمت پامال کرنے والی اور اس سے پھیر دینے والی اشیاء سے پرہیز آدمی کی اولیٰ ترجیح نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نفس کی گندگی اس ماہ کی حرمت اور اس کے روحانی ماحول کو آلودہ کر دیتی ہے اور بے مقصد تضادات کا ماحول پیدا کر دیتی ہے۔ پھر نیوی چینلز میں حیا و پاکدامنی کو گدلانے والی اشیاء دکھانے، بے حیائی کو عام کرنے اور برائی کو عجیب و حنائی کے ساتھ پیش کرنے میں حیرت انگیز طور پر بدترین مقابلہ ہوتا نظر آتا ہے۔

اس طرح وہ عفت و حیا ختم کرنے سے پہلے دین کو ختم کر ڈالتے ہیں۔ ایسا فحش مواد پیش کیا جاتا ہے جو آنکھوں اور کانوں کو اور غلاتا اور انہیں دائرہ فحش میں لیجاتا ہے اور اس طرح میڈیا میں رمضان المبارک کو تفریح، کھیل کود اور بد نظمی کا ماہ بنانے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے۔ اس میں وہ اخلاقیات سے عاری فلمیں دکھاتے ہیں جو اصلاح نہیں فساد پیدا کرتی ہیں، دلوں کو جمع نہیں منتشر کرتی ہیں۔ گویا ان کا کردار بندھے ہوئے شیطانوں کے وکیل کا ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف سے اس مبارک ماہ کی فضائے اقدس کو یہ پورا زور لگا کر خراب کرتے ہیں۔ نہ جانے ایسے لوگ ماہ مبارک کی حرمت پامال کرنے کی سزا سے کیونکر غافل ہو جاتے ہیں؟ یہ ایسے اعمال کرتے ہیں جو رمضان اور غیر رمضان میں یکساں حرام ہیں۔ اف۔ اف اور پھر اف۔ یہ آپ سچے کے اس قول کو کیوں نہیں سمجھتے کہ

«مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ، وَالْعَمَلَ بِهِ، وَالْجَهْلَ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ»

”جو جھوٹ بولنے، اس پر عمل کرنے اور بد اخلاقی کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ کو

کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔“ (صحیح بخاری: 1903)

اے امت کی عبادات کے موسموں کے لئیرو! اللہ سے ڈرو! برکت اور رحمت بھرے اس ماہ کی فضا خراب کرنے اور لوگوں کا دھیان ہٹانے سے باز آ جاؤ۔ اگر عبادت اور اخلاق کے معاملہ میں یہ اذیت رسائی نہیں ہے تو پھر بتا دیجیے کہ اذیت رسائی ہے کیا؟ اور اگر یہ زیادتی نہیں ہے تو بتا دیجیے کہ زیادتی کیا ہے؟

نیکو کاروں نے روزہ، طاعت اور ذکر کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے اخلاق کی عمارت گرا دینے اور اہل ایمان کو اذیت پہنچانے کی ٹھان لی ہے۔ نیکو کاروں نے رحمتیں اور برکتیں سینٹے اور حدود الہی کی پابندی کرنے کو ترجیح ہے جبکہ انہوں نے اس مبارک ماہ کی حرمت پامال کر

کے اور اہل ایمان کو اذیت دے کر ناکامی و نامرادی اختیار کی ہے۔  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ  
اِحْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِنَّمَا مُبِينًا﴾ (سورة الأحزاب: 58)

”اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے

ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔“

اللہ اس پر رحم فرمائے جو روزہ رکھے تو حیا اور عفت کو بھی ملحوظ رکھے اور قیام کرے تو

رجوع اور خضوع سے کرے۔ جو اللہ کے اس قول کو مد نظر رکھے۔

﴿اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ مَا

لَكُمْ مِنْ مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ﴾ (سورة الشورى: 47)

”مان لو اپنے رب کی بات قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس کے ٹلنے کی کوئی

صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے اُس دن تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی اور

نہ کوئی تمہارے حال کو بدلنے کی کوشش کرنے والا ہوگا۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن کریم سے نفع پہنچائے اور آیات و ذکر حکیم میں برکت عطا

فرمائے۔ میں نے جو کہا آپ نے سن لیا، اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور

اگر غلط ہے تو نفس اور شیطان کی طرف سے۔ میں اللہ سے اپنے لیے آپ کے لیے اور تمام

مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر نفعی اور کوتاہی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اللہ

سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ بالیقین میرا رب غفور و رحیم ہے۔

## دوسرا خطبہ

میں اللہ کے احسان پر اس کی تعریفیں بیان کرتا ہوں۔ اس کی عطا کردہ توفیق اور کریم و فضل پر اس کا شکر گزار ہوں۔

اما بعد، اے اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈر جاؤ۔ خوب جان لو کہ ماہ رمضان اللہ کی محبت کے لیے دلوں کو الگ کر لینے، دلوں کے تزکیہ اور تہذیب کا مہینہ ہے۔ دلوں کو نورانیت سے منور کرنے کا مہینہ ہے، کیونکہ جو دل کسی اور کی محبت میں مشغول ہو وہ اللہ کی محبت کے لیے آمادہ نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کا دل دنیا کی مصروفیت اور مشغولیت میں لگا ہو وہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ ایسا موسم بہار ہے جس میں ایک رات ایسی بھی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

جبکہ بابرکت ماہ رمضان دعا اور لمبے قیام کا مہینہ ہے تو دینی غیرت رکھنے والے مومن کو چاہیے کہ دنیا کی کوئی مصروفیت اسے رمضان میں دعا اور قیام سے روکنے نہ پائے، تاکہ وہ ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہو جائے جن کی دعائیں ان کا رب قبول کرتا ہے۔ وہ لوگ جنہیں اللہ نے روزوں کی آیات کے درمیان راہنمائی فرمائی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا

دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾

”اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (آپ کہہ دیں) میں یقیناً قریب ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا و پکار کو سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں تو ان پر لازم ہے کہ وہ میری آواز پر لبیک کہیں

اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ نیک راستہ پر آجائیں۔“ (سورۃ البقرہ: 186)

اس آیت میں دعائے مستجاب سے مراد اللہ سے ڈرنے والے گریہ زاری کرنے والے کی دعا ہے، جسے اپنی دعا کی قبولیت کا پورا یقین ہوتا ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءَ مَنْ قَلْبٌ غَافِلٌ لَّاهٍ»

”خوب جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ غافل اور مشغول دل سے مانگی ہوئی دعا قبول

نہیں کرتا۔“ (جامع ترمذی: 3479)

اس کے بعد اے مومن روزہ دارو! خبردار رہو کہ تم اس بابرکت مہینے میں نہایت شفقت کرنے والے، بے حد سخی، بہت قریب اور انتہائی محبت کرنے والے رب کی طرف متوجہ ہونے والے ہو۔ جس کے ہاتھ بخشش و عطا سے لبریز ہیں۔ رات دن خرچ کرتے چلے جانا اس میں چنداں کمی کا باعث نہیں بنتا۔ وہ رات کو اپنا دست مبارک پھیلاتا ہے تاکہ دن کو غلطیاں کرنے والا توبہ کر لے اور دن کو اپنا دست مبارک کھولتا ہے تاکہ رات کا خطا کار توبہ کر لے۔ وہ توبہ کرنے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ اسے اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بڑھ کر خوشی ہوتی ہے جس کی سواری تباہ کن صحراء میں گم ہو گئی ہو اور پھر اچانک اسے مل جائے۔

لہذا اس مبارک مہینے میں اپنی محنت و محبت اپنے رب کو دکھا دو، اس سے پہلے کہ یہ مبارک موتیوں کی لڑی بکھر جائے اور اس کی بابرکت راتیں اور دن ختم ہو جائیں کیونکہ یہ مبارک مہینہ ہاتھوں سے نکلنے میں اس اونٹ سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے جس کی رسی ٹوٹ گئی ہو۔ ابھی لوگ ایک دوسرے کو ماہ مبارک کی مبارکباد دے رہے ہوں گے اور پھر اس کے فراق پر ایک دوسرے کو تسلی دیتے دکھائی دیں گے۔

اس دوران کچھ لوگ اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہوں گے، کچھ میاں رو اور کچھ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہوں گے۔

کیونکہ جو چیز شروع ہو جائے وہ کم ہو جاتی ہے اور جو مکمل ہو جائے وہ ختم ہو جاتی ہے۔  
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَا مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ﴾

”اور (ایک نشانی) چاند بھی ہے جس کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک

کہ وہ (آخر میں) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔“ (سورہ یس: 39)

ہر شخص صبح کے وقت خود کو فروخت کرتا ہے، یا تو وہ نجات پا کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیتا ہے یا پھر خسارہ پانے والوں میں شامل ہو کر برباد ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ (سورۃ الزمر: 15)

”کہہ دیجئے کہ اصلی خسارے والے تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر

والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈالا آگاہ ہو جاؤ کہ یہی کھلا ہوا خسارہ ہے۔“

اب تمام کائنات کی افضل اور پاک ترین ہستی، حوض کوثر اور شفاعت کبریٰ والے نبی حضرت محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا اور فرشتوں کا تذکرہ کر کے تمہیں مخاطب کرتے ہوئے اس کا حکم دیا ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور پیغمبر محمد ﷺ پر رحمتیں اور سلامتی نازل فرما اور اے اللہ!



آپ ﷺ کے چاروں خلفاء ابو بکر، عمر، عثمان اور علی، آپ ﷺ کے تمام صحابہ کرام، تابعین اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والے تمام لوگوں کو اپنی رضا سے شاد کام فرما اور اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! ان کے ساتھ ساتھ اپنے فضل و کرم اور احسان سے ہمیں بھی اپنی رضا عطا فرما۔



(34)

عفو و درگزر بہترین عادت ہے

8 شوال 1436ھ بمطابق 26 جولائی 2015ء

## پہلا خطبہ

سب تعریفات اللہ کیلئے ہیں۔ ہم اسی کی حمد و ثناء کرتے ہیں، اس سے مدد کے طلبگار ہیں اس سے بخشش مانگتے ہیں اور اس کے حضور توبہ بجا لاتے ہیں۔ اپنے نفس کے شر اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ راہ ہدایت پر چلا دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ اندھیروں میں دکھیل دے اسے کوئی راہ ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾ (سورہ آل عمران: 102)

”اے مومنو، اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے، اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ

أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ  
فَوْزًا عَظِيمًا ﴿ (سورة الاحزاب 70-71)

”اے مومنو، اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

ابا بعد اے لوگو! عقل مند وہ ہے جو ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ اس دور میں کامل انسان کوئی نہیں، وہ یہ جانتا ہے کہ لوگوں میں کوتاہیاں ہیں۔ انسان اور اس کی زندگی میں کمی کو تباہی رہتی ہے اور اگر کوئی چیز خوش کن ہے تو کافی اشیاء پریشان کن بھی ہیں، ہر ایک کی لغزشیں بھی ہیں اور مصیبتیں بھی ہیں کیا کوئی ایسا ہے جس کی ہر عادت اچھی ہو اور اس نے کبھی کوئی غلطی نہ کی ہو۔

اسی لیے ہر انسان کی کچھ فطری عادات ہوتی ہیں جنہیں کوئی چیز تبدیل نہیں کر سکتی۔ یہ حتمی بات ہے کہ لوگ ثابت قدمی، بردباری، سنجیدگی اور خلوص میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ خاص طور پر ایسے حملوں اور سازشوں کے سامنے جو کم عقل لوگوں کو حماقت اور جلد بازی کی طرف دھکیل دیتے ہیں اور ان کی وجہ سے انسان کی خود اعتمادی، متانت و سنجیدگی اپنے آپ کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ مختلف ہوتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ ایسے اسباب سے ہوتا ہے جنہیں اکثر لوگ سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں لیکن دانشوروں نے ان اسباب کو لا یعنی اور بے مقصد چیزوں سے اجتناب کرنے میں جمع کیا ہے۔ ایسی بے مقصد اور لا یعنی چیزوں سے اجتناب کرنے میں جمع کیا ہے۔ ایسی بے مقصد اور لا یعنی عادات عام و خاص کی زندگی، قوموں اور ان کے سربراہوں، خاندانوں اور معاشرے کے افراد کو داغدار کرتی ہیں۔

جی ہاں! بے مقصد چیزوں سے بے توجہی برتنا قوت ہے ضعف نہیں، بردباری ہے کمزوری نہیں، صبر ہے لاچارگی نہیں۔ ہر سنی سنائی بات پر کان دھرنا اور ہر چیز کی تہہ میں جانا یہ دونوں عادتیں شکوک و شبہات، بغض و کینہ اور نفرتوں کی تند و تیز آندھیوں کے موسم میں خلوص کو پر اگندہ کرنے اور اجتماعیت کو پاش پاش کرنے، دلوں میں بدگمانی کے خبیثے نصب کرنے میں کافی ہے۔

بعض اوقات لایعنی، بے مقصد اور فضول چیزوں سے اجتناب کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا تاکہ امن و امان کا قافلہ جاری رہے۔ اگر منزل دور ہو تو سفر طے کرنے کیلئے ہر طرف متوجہ ہونا نقصان دہ ہوتا ہے۔ کثرت سے ہر طرف متوجہ ہونا جلد سفر طے کرنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اور جو ہر ایک کی ہر چھوٹی بڑی غلطی کا مواخذہ کرے اس دنیا میں نہ اس کے پاس اس کی بیوی رہتی ہے اور نہ کوئی دوست نہ بھائی اور نہ ہی کوئی ہمسایہ (وہ اکیلا رہ جاتا ہے۔) غفلت کو یقین ہوتا ہے کہ فضول اشیاء کی طرف توجہ نہ دینا انتہائی خوبصورت ادب میں شامل ہے اور یہ انسان کو بے مقصد کاموں سے دور رکھنے میں معاون ہے، ایسا انسان یہ سب کچھ مصلحت کو رائج کرنے اور فساد کو ختم کرنے کیلئے کرتا ہے اور یہی نبی کریم ﷺ کا اخلاق ہے۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”مَا اسْتَقْصَى كَرِيمٌ قَطُّ“

”کبھی بھی معزز آدمی کسی کی غلطیوں پر اس کی گرفت نہیں کرتا۔“

جب بعض ازواج مطہرات سے خطا سرزد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے متعلق فرمایا:

﴿وَإِذْ أَسْرَ التَّيْبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ

اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ﴾ (سورة التحريم: 3)

”وہ وقت یاد رکھنے کے لائق ہے جب نبی (ﷺ) نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی ایک بات کہی اور جب اس نے وہ بات (کسی اور کو) بتادی اور اللہ نے آپ (ﷺ) کو اس (خیانت کاری) سے آگاہ کر دیا تو آپ (ﷺ) نے اس (بیوی) کو کچھ بات جتا دی اور کچھ سے اعراض کیا (چشم پوشی کی)۔“

ہر معاملہ کی ٹوہ میں نہ جانا، لوگوں کے عیب نہ ڈھونڈنا اور دوسروں کے متعلق اپنے دل کو صاف رکھنا اور کسی کا عیب اپنے کانوں تک پہنچنے کو ناپسند کرنا منہج نبوی ہے۔

آپ (ﷺ) نے فرمایا:

«لَا يُبَلِّغُنِي أَحَدٌ عَنَ أَحَدٍ مِّنْ أَصْحَابِي شَيْئًا؛ فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أُخْرَجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمٌ الصَّدْرِ» (مسند احمد: 3759)

”کوئی بھی کسی صحابی کے متعلق مجھے کچھ نہ بتلائے میں چاہتا ہوں جب میں تمہارے پاس آؤں تو تمہارے متعلق میرا دل صاف ہو۔“

بندگانِ الہی! قابلِ تعریف وہ انسان ہے جو لوگوں کے عیبوں سے بے توجہی برتے اور ذہین و فطین ہو، نہ کہ نام نہاد دانشور اور غافل انسان ہو۔ کیونکہ پہلی خوبی ذہانت اور عقلمندی ہے اور دوسری عادت، جہالت اور حماقت ہے۔

زمانہ قدیم میں کہا گیا ہے:

ليس الغيبي بسيد في قومه \*\*\* لكن سيد قومه المتغابي  
”کوئی بے وقوف قوم کا سربراہ نہیں بن سکتا لیکن قوم کا سربراہ وہ ہے جو تجاہل عارفانہ سے کام لے۔“

ابن الوردي کی لامیہ میں اس کا دانش سے بھرپور قول ہے:

وتغافل عن أمور إنّه ليس \*\*\* يسعد بالخيرات إلا من غفل

”فضول کاموں سے اجتناب برتو کیونکہ بھلائیوں صرف وہی خوش بخت سمیٹتا ہے جو فضول کاموں سے لاتعلقی اختیار کرے۔“

بند گانِ الہی! خلاصہ یہ کہ ناپسندیدہ کاموں سے غفلت برتنا اور انہیں ناقابلِ اعتناء سمجھنا قابلِ تعریف ہے، وہ اپنے دامن میں معافی، نرمی، جھکاؤ سمیٹے ہوئے ہے۔ جب غفلت برتنا اس معنی سے خالی ہو تو وہ مشکلات کا حصہ بن جاتی ہے نہ کہ آسانیوں کا اور یہ بہت سے جھگڑوں، نفرتوں اور دوسروں کے درپے ہونے کا سبب ہے۔ مردت و خوش بختی دوسروں کی لغزشوں میں کھو جانے، انہیں تلاش کرنے اور ڈھونڈنے میں خوشی محسوس کرنے اور ان کی نیت کو کھوجنے اور انہیں بڑھا چڑھا کر بیان کرنے میں نہیں ہے بلکہ یہ عادات تو عذر و معذرت قبول کرنے سے روکیں گی اور کسی کی چھوٹی سی غلطی اور لغزش کو تمہارے ہاں بد گمانی میں بدل دیں گی اور نیتوں میں بگاڑ پیدا کر دیں گی اور دلوں کو جدا جدا کر دیں گی۔ اللہ تمہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ عافیت لانے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ اس سے تو عافیت جاتی رہتی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا، عافیت کے دس حصے ہیں ان میں سے نو بے مقصد امور سے بے توجہی برتنے میں ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”العافیۃ عشرۃ أجزاء کلھا فی التغافل“

”عافیت کے دس حصے ہیں اور سب کے سب ان جان بننے میں ہیں۔“

امام ابو محمد ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”احرص علی أن تُوصف بِسَلَامِہِ الجَانِبِ، وَتَحْفَظْ مِنْ أَنْ تُوصَفَ

بِالدَّهَاءِ، فَيَكْثُرَ الْمُتَحَفِّظُونَ مِنْكَ، حَتَّى رُبَّمَا أَضْرَكَ ذَلِكَ وَرُبَّمَا

قَتَلَكَ“

”کوشش کیا کرو کہ اپنا دامن اعتراضات سے بچا کر رکھو اور اس بات سے بچو کہ آپ کو چالباز کہا جائے کیونکہ ایسا ہو گیا تو تم سے بچنے کی کوشش کرنے والوں کی تعداد بڑھے گی، تمہاری یہ عادت تمہارے لیے نقصان دہ، بلکہ بعض اوقات باعثِ ہلاکت بن سکتی ہے۔“

امام اعظم ؒ نے فرمایا:

”التغافل يُطفئُ شراً کثیراً“

”(بے مقصد امور سے) بے توجہی بہت سے شر کو مٹا دیتا ہے۔“

بندگانِ الہی! بے مقصد کاموں کی طرف کان نہ دھرنے والا اپنے مخالف کو خاموش کر دیتا ہے۔ اس کی تکلیف میں اضافے کا سبب بنتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی بد خصلت کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ گالیاں بکتا ہے اور یہ ایسے گزرتا ہے گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں اور یہ زبانِ حال سے کہہ دیتا ہے کہ اس نے کسی اور کو گالی دی ہے۔

ولقد أمرُ علی اللثیم یسُبُّنی فمضیتُ ثم قُلْتُ لا یعنینی

”میں ایک بد خصلت کے قریب سے گزرا تو اس نے گالیاں بکنا شروع کر دیں۔“

میں وہاں سے ایسے گزرا جیسے یہ کسی اور کو گالیاں دے رہا ہے۔“

اس بے توجہی سے جھگڑے کم ہوتے ہیں، دل بامقصد امور کی طرف راغب ہوتا ہے اور بے فائدہ کاموں سے ہٹ جاتا ہے، جو آدمی ان امور سے بے توجہی نہیں برت رہا، وہ لوگوں کی ڈانٹ ڈپٹ کا مرکز بن جاتا ہے۔ اس کے اہل و عیال، پڑوسی، دوست و احباب اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے:

إذا كنتَ فی کلِّ الأمور مُعَاتِبًا \*\*\* صدیقک لم تلقَ الذی لا تُعَاتِبُه

فِعِشْ واحداً أو صِلْ أخاکَ فإنه \*\*\* مُفَارِقُ ذَنْبٍ مرَّةً و مُجَانِبُه



إذا أنت لم تشرب مِرًا على القذى

ظمیت وأبی الناس تصفو مشاربہ؟

”جب ہر معاملے میں تو اپنے دوست کو ڈانٹے گا تو ہر ملنے والا تجھے بھی ڈانٹے گا۔ تو اکیلا رہے یا بھائی کے ساتھ رہے، اگر کبھی اس سے لظمی ہوتی ہے تو کبھی وہ غلطی چھوڑ بھی دیتا ہے۔ جب تو بار بار آلودہ پانی نہ پئے تو پیسا سا رہے گا اور ایسے کون لوگ ہیں جن کے مشروبات دائمی صاف رہتے ہیں؟“

باد نسیم بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کی نرمی اور خوشگوار سی نہیں چلتی بلکہ لازمی طور پر اس کے جھونکوں میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے۔ کبھی تو آپ اس کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے ہیں تو کبھی اس کی شدت سے بچنے کیلئے پناہ ڈھونڈتے ہیں، بالکل یہی معاملہ زندگی کا بھی ہے، دوسرے لوگوں کی حالت بھی ہمیشہ یکساں نہیں رہتی، چنانچہ جو شخص دوسروں کی لغزشوں اور غلطیوں کے پیچھے پڑ گیا اور پھر ان کا کڑا محاسبہ اور انتقام لینے لگ گیا اور چشم پوشی سے اکثر غافل رہا تو وہ ایک دن خود کو بالکل تنہا پائے گا کہ لوگوں کی اکثریت جس سے بچنے کی کوشش کرے گی۔ بڑی مصلحت کے مقابلے میں بہت ہی گھٹیا چیز کے حصول کیلئے اس نے جو اپنا قیمتی وقت برباد کیا، وہ اس کے علاوہ ہے، جو وقت ضائع ہو گیا اس کی تلافی اور ازالہ ممکن نہیں، کیونکہ اب تو سوائے چند اجزاء اور باقی ماندہ چند جزئیات کے کچھ بچا ہی نہیں ہوتا۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ جو ساری محنت بچھو مارنے پر خرچ کر دے وہ قافلہ زندگی میں پیچھے رہ جائے گا اور جو ہمیشہ شکار کے تعاقب میں رہے وہ باقی امور زندگی سے غافل رہتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوبصورت بات کہی:

”ومن اعتاد الانتیقام ولم یصبر لا بُدَّ أن یقع فی الظلم.“

”جو آدمی انتقام کو عادت بنالے اور صبر نہ کرے تو وہ بہر صورت ظلم کر بیٹھتا

ہے“

انہی باتوں پر اکتفا کرتا ہوں، اپنے لئے، آپ کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے ہر نفلٹی اور گناہ کی معافی کا طلبگار ہوں۔ تم بھی اسی رب سے بخشش مانگو اور اس کے حضور توبہ کرو کیونکہ میرا رب بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

ہر قسم کی تعریف کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ہمیں احسانات، انعامات اور توفیق سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالاتے ہوئے میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کی خوشنودی کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر، ان کی آل و اولاد پر، ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام پیروکاروں پر اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔

اما بعد! سب سے بہترین بات اللہ تعالیٰ کا کلام مجید ہے اور سب سے بہترین طریقہ سنت نبوی ہے، بدترین اعمال خود ساختہ عبادتیں ہیں اور ایسا ہر نیا عمل بدعت ہے اور ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے۔

ازال بعد! اے بندگانِ الہی! اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ بعض معاملات میں تجاہل عارفانہ ایک ایسی کشادہ صفت ہے کہ جو ہر طبقے کے لیے یکساں مفید ہے۔ بعض افراد کو چھوڑ کر معاشرے کے بعض مخصوص افراد کے ساتھ ہی صرف اس کا تعلق نہیں ہے بلکہ اس میں معزز، کم رتبے والا، حاکم، محکوم، رئیس، عوام، استاذ، شاگرد، باپ، اولاد، شوہر اور بیوی ہر کوئی شامل ہے۔ دنیاوی زندگی میں جو کوئی بھی اپنے آپ کو دیگر لوگوں اور خود کے ساتھ ہم آہنگ کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اس صفت سے راہ فرار ممکن نہیں ہے۔

قصداً اعراض برتنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، تباہی عارفانہ برتنے بغیر اتفاق و اتحاد اور وحدت کا حصول ممکن نہیں اور نہ ہی عمداً بے توجہی برتنے بغیر جذبہ کبار و قربانی پروان پاسکتا ہے۔ دانائی اور عمدہ انداز تعامل پر مبنی یہ ایسی اچھی عادت ہے جس سے لوگوں کو گردیدہ کیا جاسکتا ہے، اس کے ذریعے تکلیف دہ بات کی حدت بھی کم ہو جاتی ہے، ادب کی بلندی حاصل ہوتی ہے، مقام و مرتبے میں اضافہ ہوتا ہے اور قصداً سمجھ بننے والا ادب کے بلند زینے طے کر لیتا ہے۔

اسی لیے جان بوجھ کر غفلت برتنے اور اعراض کرنے کا بہترین ڈھنگ وہی لوگ جانتے ہیں جن کے دماغ روشن اور دل فراخ ہوں، جبکہ ان کے علاوہ لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس صفتِ حسنہ اور ان کے درمیان مشرق و مغرب جتنی دوری ہوتی ہے۔ کیا ای برے دل پائے ہیں ان لوگوں نے!! اور کیا ہی بری عقلیں ان کے حصے میں آئی ہیں!! ان کی عادت یہ ہو چکی ہے کہ لوگوں کی لغزشوں کو شمار کرتے اور انہیں گنتے رہتے ہیں۔ بات کا بنگلہ بناتے اور پہلے سے موجود مصیبت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں، لوگوں کی غلطیاں گنتے گنتے اور ان پر طعنہ زنی کرتے کرتے ان کی طبیعتوں میں اشتعال آ چکا ہے اور ان کی عقلوں پر پردے پڑ چکے ہیں۔

صحیح معنوں میں غور و فکر کرنے والا عقل مند انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قول بیان فرمایا ہے کہ

﴿قَالُوا إِن يَسْرِقَ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسْرَهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ﴾

”ان لوگوں (برادرانِ یوسف) نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو اس پر کیا تعجب اس سے پہلے اس کے ایک حقیقی بھائی نے بھی چوری کی تھی یوسف نے اس بات کو

اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور ان پر ظاہر نہیں کیا۔“ (سورۃ یوسف: 77)

اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے، اچھی طرح جان لو کہ مومن بڑا ہی دانا اور زیرک ہوتا ہے، نصیحت و خیر خواہی کرنا اس کا شیوہ ہوتا ہے اور بڑا ہی تیز نگاہ ہوتا ہے کہ وہ کند ذہنی اور قصد آہے توجہی کے درمیان فرق کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے کیونکہ قصد آہے توجہی ایک اعلیٰ صفت جبکہ غفلت اور لاپرواہی قابل گرفت ہے۔

یہاں پر بہت سے لوگوں کو معیار تغافل (قصد آہے توجہی) برتنے میں غلطی لگی، وہ اچھی چیز سے بے توجہی برتنے اور قبیح چیز کا اظہار کرنے لگے، حق بات کو حق اور باطل کو باطل کہنے کو بھی انہوں نے قصد آہے توجہی جیسی پسندیدہ صفت میں شمار کر لیا۔ یہاں تک کہ صفت تغافل (قصد آہے توجہی اختیار کرنا) ان کے ہاں ایک فضول سی چیز بن گیا کیونکہ اس میں وہ اعلیٰ چیز کے بدلے ادنیٰ اور گھٹیا چیز کا انتخاب کر بیٹھے ہیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«لَمْ يَكُنْ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مُنْحَرِفِينَ وَلَا مُتَمَاعِزِينَ،

وَكَانُوا يَتَنَاسَدُونَ الشُّعْرَاءَ فِي مَجَالِسِهِمْ، وَيَذْكُرُونَ أَمْرَ جَاهِلِيَّتِهِمْ، فَإِذَا

أُرِيدَ أَحَدُهُمْ عَلَى شَيْءٍ مِنْ دِينِهِ ذَارَتْ حَمَالِيْقُ عَيْنِيهِ كَأَنَّهُ يَجْتَنُونَ»

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ تو راہ راست سے انحراف کرنے والے تھے اور نہ ہی زندہ

ہوتے ہوئے خود کو مردہ ظاہر کرتے تھے، بلکہ اپنی مجلسوں اور محفلوں میں اشعار

پڑھتے اور اپنے دور جاہلیت کی کئی باتوں کو یاد کیا کرتے تھے، البتہ اگر اللہ تعالیٰ کے

دین کی کوئی بات آتی اور اس کے خلاف کوئی ان سے امید کرتا تو وہ اسے گھور کر

دیکھتے۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: 26058)

قصد آہے توجہی اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان فتنے میں پڑ جائے اور اپنے

آپ کو دھوکے اور سازشوں کا شکار بننے سے نہ روک پائے اور ایک ہی معاملے میں ایک سے

زائد مرتبہ دھوکہ کھا جائے، کیونکہ فاضل اور کند ذہن انسان دھوکہ کھا جاتا ہے اور قصداً ہے تو جہی اختیار کرنے والا انسان دھوکے والے معاملے سے بچ نکلتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے کہ

«لَا يُلْدَعُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ» (صحیح مسلم: 2998)

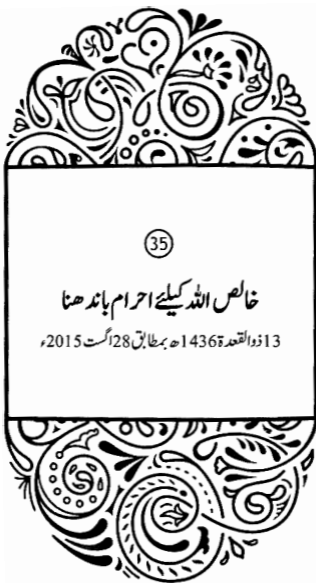
”مومن انسان ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا۔“

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، مخلوق کی افضل ترین اور انسانیت کی بہترین ہستی رسول اللہ ﷺ، حوض اور شفاعت والے نبی، حضرت محمد ﷺ پر درود و سلام پڑھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیتے ہوئے اپنی ذات بابرکات سے آغاز کیا، پھر فرشتوں کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد اپنے مومن بندوں کو اس کا حکم ارشاد فرمایا:

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا» (الأحزاب: 56)

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو جس طرح بھیجے کا حق ہے۔“

اے اللہ، اے الرحم الرحیم! اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر، ان کے چاروں صحابہ حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم پر یعنی رحمتیں اور سلامتی نازل فرما۔ رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ان کے تابعین اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں اور اپنے فضل و کرم سے ان نیک ہستیوں کے ساتھ ساتھ ہم سے بھی راضی ہو جا!



35

خالص اللہ کیلئے احرام باندھنا

13 ذوالقعدة 1436ھ بمطابق 28 اگست 2015ء

## پہلا خطبہ

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جو اہل ایمان کا دوست اور بہت زیادہ قابل تعریف ہے، جو عرش مجید کا مالک ہے اور وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اگلے اور پچھلے سارے معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہی ہر شے کی ابتدا کرتا ہے اور وہی ہر چیز کو قائم دائم رکھتا ہے۔ یقیناً وہ بہت معاف کرنے والا اور بڑی محبت کرنے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ عمدہ ترین نماز پڑھنے والے، تہجد گزار اور اس مقدس گھر کا حج کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا، امانت الہی بہترین انداز میں ادا کر دی، امت کو اعلیٰ ترین نصیحت فرمائی، اللہ کی راہ میں کماحقہ جہاد فرمایا اور امت کو ایسا راستہ دکھایا کہ جو رات اور دن میں یکساں روشن ہے۔ جو اس راستے سے ہٹ گیا، تو یقیناً وہ ہلاک ہو گیا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو، آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے پاکباز اور نیک اطوار گھر والوں پر، امہات المؤمنین پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، تابعین عظام اور قیامت تک راست ہادی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں پر۔

ابابعد، لوگو! میں خود کو اور آپ سب کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ ہی بہترین زاد راہ ہے اور آخرت کی زندگی کا بہترین دوست ہے۔ جو اسے اوڑھنا بچھونا بنالیتا ہے، اس کے عیب اس مبارک ذریعے سے چھپ جاتے ہیں اور جو اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھتا ہے، وہ ہلاکت سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَأَن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا \* ثُمَّ نُنتِجِي

الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا﴾ (سورة مريم: 71-72)

”تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر پیش نہ ہو، یہ تو ایک طے شدہ بات ہے،

جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے۔ تاہم پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو (دنیا میں) متقی تھے اور ظالموں کو اسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔“

اے مسلمانو! اے بیت اللہ کے حاجیو! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یکے بعد دیگرے ایسے مبارک ایام سے نوازا ہے جن سے دل زندہ اور نفس پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ایام کو اللہ کی رضا کا سامان تیار کرنے، اللہ تعالیٰ سے کیے گئے وعدہ کو تازہ کرنے اور دنیا اور اس کی زیب و زینت سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے ایک خصوصی موقع بنایا ہے۔

ابھی کچھ ہی وقت گزرا کہ اللہ کے بندے رحمتوں اور برکتوں بھرے ایک مہینے کو خیر باد کہہ رہے تھے کہ افق پر ایک دوسرا ذکر اذکار، تسبیح و تہلیل اور تکبیر و تلمیہ سے بھرپور مہینہ نمودار ہوا۔ یقیناً بہت جلد و قوف عرفات، حج اکبر، حجرات، میل کچیل دور کرنے اور اس پاکیزہ کعبے کے طواف کا مہینہ آرہا ہے۔ اور یہ شعائر الہی کی تعظیم جیسی عظیم نیکی کا مہینہ ہے، کہ جس کے ذریعے سے تقویٰ کی تکمیل ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کے متعلق فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾

”اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ کی نشانی ہے۔“ (سورۃ الحج: 32)

مسلمانو! حج میں اللہ تعالیٰ نے تین طرح کی عبادتیں جمع کر رکھی ہیں: قوی عبادت، جسمانی اور مالی عبادت اور چونکہ یہ تینوں قسم کی عبادتیں بہت ہی بلند مرتبہ اور عظیم الشان ہیں، اس لیے انہیں ادا کرنے سے پہلے دنیا کی کدورتوں سے پاک ہونا اور ان عبادتوں کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو ہٹانا لازم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حاجی نیت اور تلمیہ پڑھنے سے بھی پہلے، سلعے ہوئے کپڑے اتار دیتا



ہے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ عمل پاکیزگی اور ہر برائی سے براءت کا اعلان ہے۔ گویا کہ یہ ظاہری شکل و صورت سے بالاتر ہو کر باطن پر توجہ دینے کی نوید ہے کہ پرہیز گاری اور تقرب الی اللہ ہی انسانوں کی عظمت جانچنے کے لیے بہترین معیار ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ، وَلَا إِلَى صُورِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ

إِلَى قُلُوبِكُمْ»

”اللہ تعالیٰ آپ کا جسم اور شکل و صورت نہیں دیکھتا بلکہ آپ کا عمل اور حال دل

دیکھتا ہے۔“ (مسلم: 2564)

سلے ہوئے کپڑے اتار دینے کا عمل مختلف رنگ و نسل کے تمام حاجیوں کو یک رنگ کر دیتا ہے۔ اس کے ذریعے سردار اور کم مرتبہ مزدور، مال دار اور فقیر اور ہر مرتبے کے لوگ بالکل یکساں اور برابر ہو جاتے ہیں۔ اگر سب لوگ اپنے اپنے عام لباس ہی میں ملبوس رہتے تو ان کی نظریں بھی کپڑوں اور ظاہری شکل و صورت ہی پر مرکوز رہتیں، اس وجہ سے ان میں رشک اور حسد پیدا ہو جاتا، اور اس کا نتیجہ بغض اور دل کی کدورتوں کی شکل میں ظاہر ہوتا اور یوں دلوں میں نفرت پیدا ہو جاتی اور یوں وہ بالآخر اپنے خالق اور پروردگار سے دور ہو جاتے۔

سلے ہوئے کپڑوں کو اتار کر ان سلی دو چادریں پہننا، دراصل شہوت پرستی، خود نمائی اور دنیا پرستی سے بے زاری کا پیغام ہے۔ یہ نفرتوں اور کدورتوں سے، عیب جوئی سے اور بے انصافی سے توبہ کا عزم ہے۔ اس کا مقصد نفس کو ظلم و ستم سے باز رکھتے ہوئے ان عیبوں کی ضد یعنی عدل جیسی بھاری ذمہ داری کے لیے انسانوں کو تیار کرنا ہے، تاکہ احرام پہننے والا اس افضل ترین مقام تک پہنچ جائے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ، صَدُوقِ اللِّسَانِ. قَالُوا: صَدُوقِ اللِّسَانِ نَعْرِفُهُ، فَمَا مَخْمُومِ الْقَلْبِ؟ قَالَ: «هُوَ التَّقِيُّ التَّقِيُّ، لَا إِثْمَ فِيهِ، وَلَا بَغْيَ، وَلَا غِيْلَ، وَلَا حَسَدَ»

”مخمووم دل والا اور سچی زبان والا۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: سچی زبان کی تو سمجھ آگئی، لیکن یہ مخمووم دل والا کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پرہیزگار اور پاکیزہ دل والا، جس میں نہ کوئی کدورت ہو اور نہ کوئی حسد۔“ (سنن ابن ماجہ: 4216)

اللہ کے بندو!

سے ہوئے لمبوسات سے علیحدگی، ہر قسم کی ملاوت سے پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے۔  
سے ہوئے کپڑوں سے الگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کپڑوں کی جگہ احرام پہن لیا جائے اور شرک سے پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت چھوڑ کر بس اللہ وحدہ لا شریک ہی کی عبادت کی جائے، اور بدعت سے الگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے راستے کے علاوہ تمام راستوں سے براءت اختیار کی جائے اور اللہ کی عبادت صرف اور صرف طریقہ نبوی ﷺ کے مطابق کی جائے۔

سے ہوئے کپڑوں سے علیحدگی میں واضح اشارہ ہے کہ زیبائش سے پہلے آلائش ہٹا دینا ضروری ہے۔ کیونکہ دل کو سنوارنے سے پہلے اسے ہر خامی و برائی سے پاک کرنے کا مرحلہ آتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح جو خالص دودھ چاہے، اسے جھاگ اتار دینا لازم ہوگا۔  
فرمانِ الہی ہے:

«وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا»

”اور جو آخرت کا خواہشمند ہو اور اس کے لیے کما حقہ سعی کرے، اور ہو وہ

مومن، تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی۔“ (سورۃ الاسراء: 19)

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! حاصل کلام یہ ہے کہ تجرُّد کے صرف دو لازمی حصے ہیں، تیسرا کوئی نہیں۔

پہلا، محض اخلاص، اور دوسرا صرف بیرونی۔

محض اخلاص کا مطلب ہے کہ شرک کے ہر چھوٹے بڑے، چھپے یا کھلے شاخہ تک سے خود کو پاک کر لیا جائے۔ کیونکہ شرک سے پاکیزہ لوگ ہی حقیقی اخلاص اپنا سکتے ہیں۔

حج میں موجود توحید کے نمایاں تمام پہلوؤں کا احاطہ تو یہاں ممکن نہیں، تاہم قرآن کریم کی یہ آیت اس معاملے میں بڑی جامع ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَيَّمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ (سورۃ البقرۃ: 196)

”حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔“ یعنی: صرف اور صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لیے پورا کرو۔

حاجیوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو دکھاوے کی نیت سے یا شہرت کی خاطر حج کرتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دنیا سینیٹا چاہتے ہیں، کچھ دوسری خواہشات کی تکمیل کی غرض سے حج کرتے ہیں۔ لیکن صرف اور صرف اخلاص کے ذریعے ہر طرح کے دیگر مقاصد کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! نبی کریم ﷺ کی خالص اطاعت تو عظیم خصلت اور مضبوط قلعہ ہے۔ اصلی اخلاص کو اسی کے ذریعے سے قائم دائم رکھا جاسکتا ہے اور بھلا اس اخلاص کا کیا فائدہ جس میں نبی اکرم ﷺ کی بیرونی اور اطاعت ہی نہ ہو! اخلاص موزوں ترین اوصاف ہی سے جزا رہنا چاہیے، یعنی آپ ﷺ کے طریقے کے ساتھ اخلاص ہونا چاہیے۔

دونوں چیزوں میں اخلاص ٹھیک سے اپنالینے والوں کے حسن قول و فعل کے متعلق

مت پوچھیے! محض اخلاص اپناتے ہوئے طریقہ کی کوئی پر عمل کرنے والے سے یہی امید ہو سکتی ہے کہ وہ بولے تو درست اور حکمت کے بول بولے، فیصلے کرے تو منصفانہ، کسی کا کوئی وصف بیان کرے تو عین حقیقت، فضول باتیں نہ تو دور ہٹ جائے اور رائے قائم کرے تو خواہشات سے دور رہتے ہوئے منطقی اور منصفانہ طریقہ کار اپناتے ہوئے کرے۔ لوگ رضا مندی کا اظہار کریں تو عیب ماننے سے انکار نہ کرے، لوگوں کی آنکھوں میں ناراضی جھلکے تو ظلم و زیادتی اور الزام تراشی پر نہ اترے۔

سلف صالحین نے فرمایا:

"لا تَكُنْ مِمَّنْ إِذَا رَضِيَ أَدْخَلَهُ رِضَاهُ فِي الْبَاطِلِ، وَإِذَا غَضِبَ أَخْرَجَهُ غَضَبُهُ مِنَ الْحَقِّ."

"ان لوگوں جیسا مت بنو جو خوش ہوں تو باطل کی طرف لپکتے ہیں اور ناراض ہوں تو حق سے دور بھاگتے ہیں۔"

سنو! اللہ کی قسم! اور پھر اللہ کی قسم! اور ایک بار پھر اللہ کی قسم!

اگر یہ دونوں طرح کا اخلاص اور تہجد اپنایا جائے تو زمین میں فساد برپا ہو، فتنے بڑھیں اور نہ دلوں میں نفرتیں اور کدورتیں جگہ پائیں۔ تفرقہ بازی ختم ہو جائے اور خون محفوظ ہو جائے۔ مال، جان اور آبرو پر نہ گھر میں حملے ہوں اور نہ گھروں سے باہر کے علاقوں میں ان پر ہاتھ اٹھانے کی کسی کو جرأت ہو۔ طبعی باز نظر آئیں نہ چغل خور ملیں کہ جو حصول مقاصد کے لیے ہر راہ اپنانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، چاہے ظلم و زیادتی کا راستہ ہو یا لوگوں کے مال غصب کرنے کا۔ اور نہ نصیحت کے نام پر غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھانے والے نظر آئیں، اور حقیقت میں نصیحت نہیں بلکہ یہ تو عیب جوئی کرنے والے ہوتے ہیں، غیرت کے نام پر یہ گھناؤنا اور مذموم عمل کرنے والے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حسد کرنے والے، رہنمائی

کے نام پر اس جرم میں ملوث ہونے والے بلکہ فساد برپا کرنے والے بھی نظر نہ آئیں۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”ومن تلبیس إبلیس: قدح بعضهم في بعض طلبًا للتشغی،  
ويخرجون ذلك مخرج الجرح والتعديل، الذي استعمله قدماء هذه  
الامة للذب عن الشرع، والله أعلم بالمقاصد.“

”ابلیس کے وسوسوں کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے بدلہ لینے کے لیے عیب جوئی کرتے پھریں اور پھر اسے جرح و تعدیل کا نام دے دیں۔ جرح و تعدیل کو تو امت کے اسلاف نے شریعت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے استعمال کیا تھا اور اللہ تو نبیوں کے حال سے خوب واقف ہے۔“

اللہ کے بندو! ان ساری مصیبتوں کی وجہ دل کی بیماریاں اور نفسانی خواہشات ہیں، دنیا سے محبت اور موت کا ڈر ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ثُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

”تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔“ (سورۃ الأنفال: 67)

شاعر نے کیا خوب کہا:

هنيئًا مريئًا للنقي إذا اتقى \*\*\* وما قال زورًا أو طغى وتمردًا

فذلك مخموم الفؤاد \*\*\* وإنه لطاعة رب العالمين تجردًا

”متقی اور پاکباز شخص تو مستحق مبارک ہے، جس نے کبھی جھوٹ بولا ہو اور نہ زیادتی کی ہو اور نہ کبھی حد سے بڑھا۔ یہی مخموم دل والا ہے، جس نے پروردگار عالم کے لیے حقیقی اور اصلی اخلاص اپنایا ہے۔“

اللہ تعالیٰ میرے لیے اور آپ کے لیے قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کو باعث برکت بنائے۔ آیات اور ذکر حکیم سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں نے جو کہا، وہ آپ نے سن لیا، اگر درست کہا تو اللہ نے کہلوایا۔ اگر غلط کہہ گیا تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے کہا۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمین و مسلمات کے لیے ہر غلطی اور کوتاہی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اس سے معافی مانگو! بالیقین امیر رب معاف کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

اللہ کے بے پایاں احسانات پر سب تعریفیں اسی کیلئے ہیں۔ اس کی عنایت اور توفیق پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔

بعد ازاں، بلاشبہ بہترین بات اللہ کی بات ہے اور بہترین راہنمائی محمد ﷺ کی راہنمائی ہے۔ بدترین معاملات نئے ایجاد شدہ کام ہیں اور دین میں ہر ایجاد بدعت ہے۔ یقیناً وہ عظیم ترین حقوق جن کی حفاظت کے لئے کوشش کرنا واجب ہے، ان میں سے مسلمانوں کے خون کی حفاظت کرتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے خون اسی طرح محترم اور مقدس ہیں جس طرح یہ دن مکہ مکرمہ کے شہر، ذوالحجہ کے مہینے میں حرمت والا ہے۔

صادق و مصدوق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا يَجِلُّ دَمُ امْرِيٍّ مُسْلِمٍ، بِشَهْدَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ، إِلَّا يَأْخُذِي فَلَائِي: النَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيْبُ الرَّائِي، وَالْمَارِقُ مِنَ الَّذِينَ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ»

”جو مسلمان یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون بہانا صرف تین صورتوں میں جائز ہے: یہ کہ کوئی شادی

شدہ شخص زنا کرے، قتل کے بدلے میں اور دین اسلام سے مرتد ہو کر مسلمانوں

کی جماعت کو چھوڑنے والے کو۔“ (صحیح بخاری: 6878)

لہذا کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کا خون کس حق یا جواز کے تحت بہاتا ہے؟ کس حق یا کس گناہ کی وجہ سے بے گناہوں کا خون بہانا درست ہے بھلا؟ بھلا پر امن اور خوشگوار نظام زندگی کو درہم برہم کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

انسانی جانوں سے کھیلنے والوں کو یہ علم نہیں کہ انسانی جان کی حفاظت دنیاوی امن کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ جب امن کی یہ صورت ضائع ہو جائے تو باقی امن کیا رہ جائے گا۔ وہ یقیناً زیادہ ضائع ہو گا۔ کیا آج دنیاوی اغراض کے لیے بے گناہوں کا خون نہیں بہایا جا رہا اور اس بے وقعت دنیاوی مال و متاع کے لیے بے گناہوں کا قتل عام نہیں ہو رہا؟

آخر امت اسلامیہ کب خوابِ غفلت سے بیدار ہوگی تاکہ اسے اس فتنے کی خطرناکی کا اندازہ ہو، جس نے دل خون خون کر دیئے ہیں اور آنکھیں حزن و ملال سے چمک گئی ہیں۔ بغیر کسی وجہ اور دلیل کے پوری دنیا میں ہمارے مسلمان بھائیوں کا خون ناحق بہایا جا رہا ہے۔ قاتل سرکشی اور دشمنی میں اندھے ہو کر مسلمانوں کی گردنیں کاٹ رہے ہیں۔ ان کا خون بہہ رہا ہے اور اعضاء اڑ رہے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ بڑے پتھر دل اور سخت جگر ہیں۔ یہ ظالم و سرکش جماعتیں ہیں جنہوں نے اپنے لیے طرح طرح کے جرائم حلال کر لیے ہیں۔ مثلاً قتل و غارت، مسلمانوں کے مال لوٹنا اور امن عامہ کو تباہ کرنا۔ ان کی نظروں میں زندہ رہنا صرف انہی کا حق ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو جینے کا حق نہیں ہے۔ یہ اپنے لیے انقلاب، قتل و غارت، بے گناہوں کا خون بہانا اور ہمسائیگی کے حقوق غصب کرنا جائز سمجھتے ہیں، حتیٰ کہ خون بہانا ان کا شیوہ بن گیا ہے اور وہ اسی پر خوش و خرم ہیں۔

خبردار! قاتل کو بدترین موت کی خوشخبری سنا دو اگرچہ اس کا یہ انجام ایک طویل وقت

خاص اللہ کے لیے اہرام پڑھنا  
کے بعد ہی ہو۔ یہ قیامت کے روز عدل و انصاف کرنے والے کون سا اخلاق لے کر اللہ کے حضور پیش ہوں گے!؟

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ﴾ (سورة الشعراء: 88)

”جبکہ اس وقت نہ مال کوئی فائدہ دے گا اور نہ اولاد۔“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَن كَانَ خَافَ الْعَذَابَ الْآخِرَةَ﴾ (سورة هود: 103)

”حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایک نشانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو عذاب

آخرت کا خوف کرے وہ ایک ایسا دن ہو گا جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور پھر جو کچھ بھی اُس روز ہو گا سب کی آنکھوں کے سامنے ہو گا۔“

کیونکہ اس دن سب سے پہلا فیصلہ قتل کا ہو گا۔ بربادی ہے، سخت تباہی ہے اس شخص کیلئے جو اس دن اللہ کے دربار میں اس حال میں حاضر ہو کہ وہ کسی مسلمان کا قاتل ہو۔ اس شخص کا کیا حال ہو گا جس نے کئی کئی مسلمانوں کو ناحق قتل کیا ہو گا؟ وہ دن جب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی عملی تعبیر ہوگی اور اللہ کا فرمان سب سے بڑھ کر سچا ہے۔

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَعَظِيبٌ

اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَتُهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ (سورة النساء: 93)

”رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اُس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اُس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔“

میں انہی کلمات پر گفتگو ختم کرتا ہوں۔ تم ساری انسانیت کے سردار اور افضل البشر محمد بن عبد اللہ صاحب حوض کوثر اور شافع محشر پر درود بھیجو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم



دیا ہے۔ وہ اللہ خود بھی اپنے نبی پر رحمتیں نازل کرتا ہے، اس کے فرشتے بھی درود و سلام بھیجتے ہیں۔ لہذا تم بھی درود و سلام بھیجو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! نورانی چہرے والے، حسین و جمیل، کشادہ پیشانی والے اپنے حبیب محمد پر درود و سلام بھیج۔ اور اس کے چاروں خلفاء راشدین حضرات ابو بکر، عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم اور اپنے نبی محمد ﷺ کے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تاقیامت نیکی میں ان کی اتباع کرنے والوں سے راضی ہو جا۔



36

## نعمتِ اسلام کی تکمیل

18 ذوالحجہ 1436ھ بمطابق 02 اکتوبر 2015ء

## پہلا خطبہ

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں۔ اسی پر بھروسہ کرتے، اسی سے معافی مانگتے اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اپنے نفس کے شر سے اور اپنی بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے اللہ ہدایت عطا فرمادے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر ڈالے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

”اے مومنو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“ (سورۃ آل عمران: 102)

اسی طرح فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و زن دنیا میں پھیلا دیے، اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت

کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ \* وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورة الاحزاب: 70-71)

”اے مومنو، اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو، اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا، جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“  
اباعد، اے لوگو!

بیت اللہ شریف کے حاجیو! اللہ کے فضل و کرم سے حجاج کرام اسلام کا پانچواں رکن ادا کر چکے ہیں۔ مشاعر مقدسہ کے عظیم میدانوں میں وقوف کر چکے، اپنا میل کچیل دور کر چکے ہیں اور بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد فضل اور بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمارے لیے اور ہم سے پہلے لوگوں کے لیے ان سارے اعمال میں آسانی فرمائی۔  
اللہ کے بندو!

مناسک حج کا اتمام ہمیں اتمام دین کی یاد دلاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حجۃ الوداع میں اپنے نبی ﷺ کی زندگی تمام ہونے کا اشارہ فرمایا۔

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ \* وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا \* فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾

”جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے۔ اور (اے نبی ﷺ) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو اپنے رب کی حمد کے

ساتھ اس کی تسبیح بیان کرو، اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔“ (سورۃ النصر: 1-3)

اس حج میں آپ ﷺ کو بیک وقت دو چیزوں سے خبردار کیا گیا۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کی وفات کے ایام قریب آگئے ہیں، آپ ﷺ نے اسے جیزہ الوداع میں یوں بیان فرمایا:

”أَيُّهَا النَّاسُ! اسْمَعُوا قَوْلِي، فَإِنِّي لَا أُدْرِي لِعَلِّي لَا أَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَاجِي هَذَا“

”لوگو! میری بات سنو! شاید اس سال کے بعد میں آپ سے دوبارہ نہ مل سکوں!“۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے دین کے مکمل ہونے کا اعلان فرمادیا کیونکہ ایسا تو ناممکن تھا کہ آپ ﷺ اللہ کا مکمل پیغام ادا کیے بغیر ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے کوئی حجت باقی نہیں رکھنا چاہتا کہ کوئی دین کے ناقص ہونے کا اعتراض کر ڈالے۔

اسی لیے حضرت سلمان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جو شخص اسلام بس کسی شے کو بہتر سمجھتے ہوئے شامل کر دے تو گویا اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ محمد ﷺ نے پیغام کی ادائیگی میں خیانت کی ہے۔“

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (سورة المائدة: 3)

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔“

مفسرین نے بالاتفاق بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل کی گئی تھی۔ لیکن کس قدر شرم کی بات ہے کہ بعض مسلمان نوجوانوں کے ذہنوں سے اس آیت کا مفہوم دانستہ یا غیر دانستہ اوجھل رہے۔ یہاں تک کہ ان کی زبانیں پتھر اگئیں، قلم پھسل گئے اور شکوک و شبہات انہیں گمراہ کرنے لگے۔ حق کو باطل سے خلط ملط کر گزرے اور ان کے اقوال و افکار سے ہر ایک کی ہاں میں ہاں ملانے والے اور علم کے بغیر ہر میدان میں کود پڑنے والے متاثر ہونے لگے۔ ایسے لوگوں نے ہر اس چیز کو درست ٹھہرایا ہے جو ان کی شہوت نفس کے مطابق ہے اور یہ دعویٰ کرنے لگے ہیں کہ اسلام میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ یہ بدلتے احوال میں زندہ رہ سکے چنانچہ اسلام اس زمانے کی تہذیبوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے یہ بھی کہہ ڈالا کہ اسلامی احکام کو بدل دینا چاہیے کیونکہ یہ ان کے دعویٰ کے مطابق، ہر جگہ اور ہر زمانے میں چلنے کے قابل نہیں ہے۔

حالانکہ، اللہ کے بند و حقیقت یہ ہے کہ یہ انتہائی شرمناک اور بے حد رسوا کن چیز ہے کہ اس آیت کا مفہوم غیر مسلم آج کے مسلمان نوجوانوں یا اسلامی گھروں میں چلنے والوں سے بہتر سمجھتے ہوں۔

صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے ایک یہودی نے

کہا:

اے امیر المؤمنین! آپ اپنی کتاب کی ایک ایسی آیت تلاوت کرتے ہیں کہ اگر یہ آیت ہمارے اوپر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منایا کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کونسی آیت؟ یہودی نے بتایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (سورة المائدة: 3)

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے، اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے۔“  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”قد عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ، وَالْمَكَانَ الَّذِي أَنْزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.“

”اللہ کی قسم! ہمیں معلوم ہے یہ آیت کب اور کہاں نازل ہوئی۔ یہ آیت آپ پر جمعہ کے دن عرفات کے میدان میں وقوف کے دوران نازل ہوئی تھی۔“  
اللہ کے بندو!

اس روایت کو یہاں نقل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اس دن میں جشن منانا چاہتے ہیں۔ بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے لیے مشعل راہ بن جائے۔ اسے ہم قوی دلیل کے طور پر ہر چال بازیوں کرنے والے لاپرواہ شخص کے منہ پہ دے ماریں جو ایک دوسرے کی آڑ میں یہ بہانہ بنا کر دین سے نکلنا چاہتے ہیں کہ دین میں کچھ حقائق کا حل نہیں پایا جاتا۔

آج جو اس طرح کی باتیں سن رہے ہیں یا اس سے ملتی جلتی تحریریں پڑھ رہے ہیں جو اللہ کے ڈر سے عاری ضمیر والوں نے رقم کی ہیں، یہ ٹھیک انہی چیزوں میں سے ہے جن سے آپ ﷺ نے خبردار فرمایا تھا اور بتایا تھا کہ بعد کے زمانے میں یہ چیزیں رونما ہونے والی ہیں۔  
فرمایا:

«فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسِيرِي اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَصُوا عَلَيْهَا بِالتَّوَّاجِدِ» (سنن ابی داؤد: 4607)

”سنو! تم میں سے جسے زندگی نصیب ہوگی، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ ایسے حالات میں میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو تمہارے رکھنا، اسے داڑھوں سے پکڑ لینا (کہ کہیں یہ آپ سے چھوٹ نہ جائے)۔“

جان رکھو! بہترین طریقہ آپ ﷺ کا طریقہ ہے۔ بعید! بالکل بعید بات ہے کہ بعد کے زمانے میں کوئی شخص ایسا طریقہ ایجاد کر لے جو طریقہ نبوی سے بہتر ہو کہ جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل کرتے رہے۔

دین کی کمزوری کی ایک صورت یہ ہے کہ اس میں ایسی چیزیں مل جائیں جو اس کی خوبصورتی پر اثر انداز ہوں اور جو اس کے خدوخال چھپادیں جبکہ یہ دین تو خود ساختہ عبادات کے سچے ایک تکمیل کی دعوت ہے۔ جب کوئی دو راستوں میں سے ایک چننے کے لیے پریشان ہوتا ہے تو دین ہمیشہ اسے اس راستہ کی طرف بلاتا ہے جو ان میں زیادہ بھلا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص حق و باطل کی کشمکش میں ہوتا ہے تو دین ہمیشہ حق ہی کی طرف لیجاتا ہے۔

انسانی نفس کے لیے دین اسلام کا راستہ ہمیشہ دو راستوں میں مشکل تر اور دو طریقوں میں فیصلہ کن طریقہ ہوتا ہے کیونکہ گھائی میں نیچے اترنا تو آسان ہوتا ہے تاہم اوپر چڑھنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس میں سنجیدگی اور محنت درکار ہوتی ہے۔

﴿وَلَوْ أَتَّبَعَ الْخَلْقُ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾ (سورۃ المؤمنون: 71)

”اور حق اگر کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی

ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔“

اللہ رب العزت نے جب اس امت کے دین کی تکمیل فرمائی تو ہر خیر کی طرف رہنمائی کی اور ہر برائی سے خبردار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت علم و قدرت اور حکمت کے ساتھ اس



امت کے دین کے لوازمات، اس کی بنیادیں اور اس کی خوشنمائی کی حفاظت فرمائی ہے تاکہ یہ امت اللہ کو رب ماننے، اسلام کو دین ماننے اور محمد ﷺ کو نبی اور رسول ماننے کی گھنٹی چھاؤں میں راحت کی زندگی بسر کرتی رہے۔

اللہ کی حفاظت کی وجہ سے اس امت تک وہ چیزیں نہیں پہنچ پاتیں جو اس کی پاکیزگی کو گدلا اور اس کی عمارت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر ڈالتی ہیں۔ اس امت کی بنیادوں کو گھات لگا کر بیٹھے دشمنوں کے شکنجے اکھاڑ نہیں سکتے اور مکاروں کے بچے اسے زخمی نہیں کر سکتے، بشرطیکہ اس کے افراد کے درمیان اخوت، عدل، انصاف، قربانی، ایثار اور اللہ اور اس کی مخلوق کے لیے تواضع زندہ رہے۔

اللہ کے بندو!

جب امت یہ اوصاف اپنالے گی تو یہ امت دشمنوں کی مکاری سے بچ جائے گی اور اپنے دفاع کے لیے ایک کلمے پر اکتھا ہونے میں کامیاب ہو جائے گی۔ کلمہ توحید «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ» پر اکٹھی ہو جائے گی۔ پھر کسی بھی زبان یارنگ و نسل سے تعلق رکھنے والی کوئی بھی دوسری قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

جب اس امت میں مصائب و آلام کی وجہ سے، آزمائشوں اور دشمنوں کے حملوں کی وجہ سے بے چینی اور بخار کی کیفیت نظر آئے گی تو یہ سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ یہ امت ایک ہی جسم کی مانند ہے جسے نفرتیں، بیماریاں اور شہوات نفسانی بکھیرنے میں ناکام رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (سورة البقرة: 208)

”اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی

پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا اکلاد دشمن ہے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن کریم میں برکت عطا فرمائے۔ آیات اور ذکر حکیم سے نفع پہنچائے۔ مجھے یہی کہنا تھا۔ اگر درست کہا تو اللہ کی طرف سے تھا اور اگر غلط کہہ گیا تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے کہا۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مردوں اور عورتوں کے لیے معافی طلب کرتا ہوں۔ آپ بھی اس سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ بالیقین وہی معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر ہم اس کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔ اس کے فضل و احسان پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو! جان رکھو کہ امت کو جتنی کمزوری، پریشانی اور بے چینی درپیش ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ ہی بغیر اسباب و وجوہات اچانک آجانے والی حالت ہے۔ بلکہ یہ کیفیت اس کے مضبوط قلعے میں شکاف اور اس کی عمارت میں کئی ایک سوراخ ہونے کی وجہ سے رونما ہوئی ہے اور وہ اس لیے کہ اس کی اصلاح اور نگہداشت میں کوتاہی برتی گئی۔ پھر مصیبتوں کے پہاڑ اس پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ ہر نکتہ دوسرے کو بلاتے ہوئے کہتا رہا کہ اے میری بہن!!! شام کے واقعات طغیانی، ظلم، سفاکی اور حد سے گزر جانے کی عکاسی ہے۔

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ (سورۃ آل عمران: 57)

”خوب جان لے کہ ظالموں سے اللہ ہرگز محبت نہیں کرتا۔“

سنو!

کامیاب امت وہی ہے جو ذہن نشیں رکھتی ہے کہ ہر بعید و قریب کا حسد دشمن کی

دشمنی سے بھی بدتر ہو سکتا ہے۔ اس امت کو جتنا نقصان ضعیف عقیدے کے حامل اپنے لوگوں نے پہنچایا ہے جن پر شہواتِ نفس اور شکوک و شبہات نے اپنا رنگ دکھایا ہے، وہ دشمن کے نقصان سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ حسد میں مکاری اور کینہ جیسی بیماریاں پائی جاتی ہیں جو عداوت میں نہیں ہوتیں۔ اور کیا ہی خوب کہاوٹ ہے کہ

"کل ذي نعمة محسود"

"ہر نعمت والے سے حسد کیا ہی جاتا ہے۔"

اس کی سب سے بڑی مثال حضرت یعقوب عليه السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت ہے کہ

﴿قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْضُ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا

إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (سورة يوسف: 5)

"بیٹا، اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں گے،

حقیقت یہ ہے کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔"

سنو! سرزمینِ حرمین کی اللہ نگہبانی فرمائے، یہ بھی حاسدوں، مکاروں اور گھات لگا کر بیٹھنے والے دشمنوں کے شر سے محفوظ نہ رہ سکی۔ کچھ لوگ بغض اور حسد میں جلتے ہیں اور پھر ہر گھات میں بیٹھے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرمین شریفین، وحی کے نزول کی جگہ اور نبی صلى الله عليه وسلم کی جائے ہجرت کی خدمت کے شرف سے نوازا ہے، حجاج کرام اور معتمدین اور زائرین کی نگہبانی کا شرف عطا فرمایا ہے۔ یہ دیکھ کر حاسدوں کی زبانیں منہ میں نہ رہ سکیں اور ان کے قلم و رغلانے اور تخریب کاری اگتے ہوئے کبھی خشک نہ ہوئے۔

تاہم۔ الحمد للہ۔ یہ ساری کوششیں ناکام رہیں۔ یہ تخریب کاری زور نہ پکڑ سکی۔ بلکہ ان کی مثال تو ایک سخت پتھر پر کدال مارنے والے کی سی ہے جو اپنا ہاتھ کمزور کرنے کے سوا کچھ

حاصل نہیں کر پاتا۔

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ بلاد حرمین کے یہاں کچھ ایسی طے شدہ چیزیں ہیں جن سے کھلوڑ کر تاہر گز برداشت نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان پر کوئی نئے تجربے کیے جاسکتے ہیں۔ جو اس کے اجتماع کو بکھیرنا، اس کے سکون کو برباد کرنا اور اس کے امن کو خوف میں بدلنا چاہے گا تو ہمارے درمیان اس کی کوئی جگہ نہیں ہے بلکہ ہمارے دل اسے باہر نکال پھینکیں گے اور ہماری زبانوں کے کوڑے اس پر ضرور رسید ہوں گے اور اس سے بڑھ کر، وہ بدترین شکست سے دوچار ہو کر رہے گا۔ ہمیں اللہ پر مکمل اعتماد ہے اور پھر ایسے ہاتھ پر کہ جو سخت فیصلے کرنے والا ہے، امن کے معاملے میں مذاق نہیں جانتا، لکڑی مگر ایساں اسے قبول نہیں اور نہ ہی وہ پُر خطر اور پُر فریب بے ترتیبی برداشت کرتا ہے۔

یقیناً اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو جماعت سے الگ ہوتا ہے، وہ آگ میں جا گرتا ہے۔ اللہ سے بڑھ کر کچھ بولنے والا کون ہے؟

اللہ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

”مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار

ہے۔“ (سورۃ النساء: 115)

میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں! اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجیے بہترین مخلوق، پاک ترین انسان، محمد ﷺ پر جو حوضِ والے اور شفاعت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

آپ کو اس کا حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر فرمایا ہے، پھر اس کی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کر پکارا ہے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! نورانی چہرے والے، حسین و جمیل، کشادہ پیشانی والے اپنے حبیب محمد پر درود و سلام بھیج۔ اور اس کے چاروں خلفاء راشدین حضرات ابو بکر، عمر، عثمان و علی اور اپنے نبی محمد ﷺ کے سارے صحابہ اور تا قیامت تکلی میں ان کی اتباع کرنے والوں سے راضی ہو جا۔



(37)

لا پروائی اور امت پر اسکے اثرات

1 صفر 1437ھ بمطابق 13 نومبر 2015ء

## پہلا خطبہ

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو پہلی دفعہ پیدا کرنے والا اور مرنے کے بعد پھر زندہ کرنے والا ہے۔ اسی نے ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا اور اسی نے مخلوقات کی تقدیر لکھی ہے۔ جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔ جو ہو چکا اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو ہونے والا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے۔ آئندہ ہونے والی شے کے بارے میں وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ جب واقع ہوگی تو کیسے ہوگی۔ وہی علم رکھنے والا اور دانا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور چنیدہ رسول ہیں اور مخلوقات میں سے اللہ کے محبوب ترین ہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا، امانت احسن انداز میں ادا فرمادی، امت کو بھرپور نصیحت فرمائی اور اللہ کی راہ میں کما حقہ جہاد فرمایا، اور آپ ہمیں ایسے روشن راستے پر چھوڑ گئے کہ جس پر رات کی تاریکی بھی دن کے اجالے کی طرح روشن ہے۔ جو اس راہ سے ہٹتا ہے، ہلاک ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رحمتیں، برکتیں اور بہت سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی پاکباز نیک اطوار آل پر، امہات المؤمنین پر، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں پر۔

امام بعد، اللہ کے بندو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، دین کی مضبوط رسی کو تھامے رکھو، گناہوں سے بچے رہو کیونکہ گناہ پیچھے دکھیل دیتے ہیں، آگے نہیں بڑھنے دیتے، یہ انسان کو چھوٹا کرتے ہیں، عظیم نہیں ہونے دیتے، ذلت کی طرف لے جاتے ہیں، عزت کی طرف نہیں لے جاتے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾

”جسے اللہ ذلیل و خوار کر دے اُسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں ہے، اللہ جو

چاہتا ہے، وہ کرتا ہے۔“ (سورۃ الحج: 18)

اے مسلمانو! کیاں اور کوتاہیاں انسان کا خاصا ہیں، ہر ابنِ آدم غلطی کرتا ہے۔ تاہم غلطی کرنے والوں میں بہترین وہ ہے جو جلد توبہ کر لے۔ کمال تو صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لیے ہے۔ گناہوں سے حفاظت صرف انبیاء اور رسولوں کی، کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے حال پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم معاشرے کو اس وقت جسے دین و دنیا کے متعلق بہت سے عملی اقدامات کی ضرورت ہے، اسے اپنی ترجیحات پھر سے متعین کرنے کی بے حد ضرورت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہم اور اہم ترین چیزوں کو، درست ترین اور محض درست چیزوں کو خلط ملط نہ کیا جائے۔ مسلم معاشرے کو اپنی قابلیت کا تخمینہ لگانے اور پھر موجود نعمتوں پر قناعت کا رویہ اختیار کرنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اسے یہ احساس ہونا چاہیے کہ اس معاشرے کا شمار عمومی طور پر مثبت نہ کہ منفی، سنجیدہ نہ کہ بے مقصد اور محنت کش نہ کہ لاپرواہ معاشروں میں کیا جاسکتا ہے۔

کوئی معاشرہ ایسے مقام تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ کسی ایسے خاص پیمانے پر یقین نہ رکھتا ہو کہ، جس کے ذریعے سے منفی اور مثبت اور کامیابی اور ناکامی کو پایا جاسکے۔ یہ معیار لاپرواہی ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے لوگوں کا رویہ ہے۔

جی ہاں! یہ لاپرواہی ہی ہے جو ناکامی اور نامرادی کا، پیچھے رہ جانے کا اور ہر شے کو بے وقعت سمجھنے کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہے۔ لاپرواہی! کہ جو سوائے ان چند لوگوں کے جن پر اللہ نے رحم فرمایا ہے، ہر گھر پر طاری ہو چکی ہے، ہر دل میں دھڑکنے لگی ہے اور ہر معاشرے کو اس نے دیمک کی طرح چاٹ کھایا ہے۔

جی! اللہ کے بندو! لاپرواہی، ترقی کی بجائے تنزلی کا ذریعہ ہے۔ امت میں آج اتنی صلاحیت ہے کہ وہ اپنے جوانوں کے ذریعے نام نہاد تہذیبوں کا مقابلہ کر سکے اور اپنے محنت



کشتوں کے پاتھوں اور دلوں کی سوچی سے شان دار بین الاقوامی مستقبلاً ترمیم دے گئے، بشرطیکہ امت اپروائی سے جان چمڑائے۔

افسوس بہت ہی افسوس ہے، نہ امت بہت نہ امت ہے! کہ امت کے پاس کھربھنی ہو اور اسٹھ غت بھی ہو مگر اس کے باوجود دو امت ہادیٹھے اور اس میں اپروائی اور غلت آٹھے اور اسے زہر و زہن میں مجزہ سے شاعر نے یہ خوب کہا تھا:

وہ زرفی عبوب اندیس عیبہ کنفص المفادین علی نصدہ

”یہوں میں یہ عیب نہیں عیبہ کنفص المفادین علی نصدہ کے باوجود چنوں اور پاپے کھسکتے پہنچنے کے کا عیب ہے۔“

فد کے بند واپروائی ایک ایسا مٹھی رویہ ہے کہ جس سے شریعت کوئی موثر و محکم قرار بنا ہو۔ کسی موثر سے اس یہ عنصر پیدا ہوتا ہے تو کسی میں زیادہ۔ جس صورت یہ نقصان ہے۔ امت ایسا کمال ذہنیت سے جس میں اپروائی کا عنصر یا کمال نہ ہو، اسی طرح۔ اپروائی میں تہذیب جاتا ہے سنجیدگی نہ آئے، یہ محرومی اور غمگینوں کے ساتھ ہے۔ درست ہے کہ انسان کسی کو شش کرتا ہے۔ لکن کوشش کہ جس میں نہ مزبور انسانیت فطرت کو نظر انداز کیا جائے اور نہ اپروائی کو ترجیح دیا جائے کہ کچھ اور سنجیدگی ذہنیت سے بھی متنی دشمن رہے۔

جرات انسان کی جمعیت کا نام ہے۔ زمان نڈ ہے:

﴿وَأَمَّا حَكْمٌ فَصَلُّوا جَهْدًا﴾ (سورۃ الأحزاب: ۱۰)

”بے شک انسان بذاتہ ہے۔ چاہے۔“

اپروائی میں یہ دونوں خصوصیتیں بہت وقت نظر آتی ہیں، ایسا کہ اپروائی میں خرابی نظر کرتا ہے اور اپروائی کے پر مشرک اور جو جتنے ہیں، وہ اس کا متبادل نہیں کرتا۔ ہی صورت

جہاں یہ ہے کہ لاپرواہی کے نتائج سے مکمل طور پر یا نتائج کی سنگینی سے بے خبر رہا جائے۔  
دونوں خصالتیں منفی اور قابل مذمت ہیں۔

اس رویہ کی بہترین عکاسی حدیث نبوی میں یوں ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَايِعَ نَفْسَهُ فَمُعْتَبِقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا»

”سب لوگ صبح صبح یوں نکلے ہیں کہ ہر کوئی خود کو بیچ ڈالتا ہے، کوئی تو اسے آزاد

کر دیتا ہے اور کوئی خود کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔“ (صحیح مسلم: 223)

خود کو بیچنے والے سے مراد وہ شخص ہے جو محنت کشی سے کام کرتا ہے۔ خود کو ہلاک  
کرنی والے سے مراد وہ شخص ہے جو لاپرواہ اور سست ہے اب خواہ وہ اپنے معاملے میں لاپرواہ ہو  
یا اپنے معاشرے کے معاملے میں۔ یعنی معاشرے کے عملی اور علمی معاملات لاپرواہ ہونے  
کے ساتھ ساتھ وہ شخص اپنے معاملے میں بھی لاپرواہ ہو۔ اصل تو یہی مسئلہ ہے جس کا اس  
وقت امت کو حل درکار ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امت کی رفرمگری کرنے والے کیلئے سوراخ  
مزید کھلا ہوتا جاتا ہے۔

اللہ کے بندو لاپرواہی کو ہمیشہ برا کہا گیا ہے۔ آیات و احادیث، عقلی دلائل، دلائل  
کے اقوال اور شعرا کے دیوانوں میں غفلت و لاپرواہی کی مذمت کی گئی ہے کہیں اس کی حد  
نہیں کی گئی، سوائے سست لوگوں کی دشمنیوں میں، یا کامل بزدلوں کی لغات میں۔

لاپرواہوں میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو دین کے معاملے میں تو لاپرواہی کرتے ہیں مگر دنیا  
کے معاملے میں بڑی محنت کرتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو دنیاوی معاملے میں لاپرواہی کرتے ہیں  
اور دین کے معاملے میں محنتی ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو دونوں میدانوں میں لاپرواہ ہیں اور  
یہ سب سے بڑھ کر گھانا پانے والے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أَضْرُّ مَا عَلَى الْمُكَلَّفِ: الإهمال، وتركُ مُحَاسَبَةِ النَفْسِ، وَالِاسْتِرْسَالُ،

وتسهیل الأمور وتمشيئتها، فهذا يؤولُ به إلى الهلاك، وهذا حال أهل العُور."

"انسان کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ چیز لاپرواہی اور خود احتسابی سے پہلو تہی ہے۔ اسی طرح معاملات کو ان کے حال پر چھوڑ دینا، سہل اندام ہو جانا اور "جو جیسا ہے ٹھیک ہے" کا رویہ اپنالینا بھی سخت نقصان دہ ہے کیونکہ یہ انسان کیلئے ہلاکت خیز ہیں اور فریب خوردہ لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔"

عام طور پر امت یا امت کے کسی فرد کی کسی بھی مصیبت اور ناکامی کے پیچھے لاپرواہی کا عمل دخل ہوتا ہے یا تو غفلت میں پڑی ہوتی ہے یا وہ جانتے بوجھے لاپرواہی کرتی ہے۔ مصیبتیں لاپرواہی کی وجہ سے ہی آتی ہیں۔ یا تو مصیبت آنے سے پہلے اسکے اسباب دور کرنے میں لاپرواہی ہوتی ہے یا کم از کم مصیبت کے بعد اس کے تدارک میں لاپرواہی برتی جاتی ہے۔ اللہ کے بندو! انسانی نفس جب آرام اور سکون کا عادی ہو جاتا ہے، تو ہلاک کر دینے والی مصیبتیں اور آزمائشیں اس پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ان مصائب و مشکلات کا اسیر ہو کے رہ جاتا ہے، پھر اس کی لاپرواہی میں اس کے پاکیزہ برتن میں غفلت کا کتا منہ مار جاتا ہے۔ اس کے بعد نفس کو نہ کسی چیز کا ڈر رہتا ہے اور نہ کسی مصیبت کا خدشہ، وہ کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

إذا لم يُغَبَّرْ حَائِظٌ فِي وَقوعِهِ فليس له بعد الوقوع عُبار

"اگر دیوار گرتے وقت گرد نہ اڑی تو پھر بعد میں کہاں اڑے گی۔ مطلب کہ عین

موقع پر اگر کسی چیز کا احساس نہیں ہو سکا تو بعد میں کیسے ہو گا؟"

اللہ کے بندو! امت کے افراد کا فرض ہے، معاشروں کا، رہنماؤں کا، علما کا، والدین کا، اساتذہ اور دیگر افراد معاشرہ کا فرض ہے کہ لاپرواہی کی اس بڑھتی ہوئی بیماری کے خطرے کو

بھانپیں، کیونکہ اغیار ہم سے آگے بڑھنے میں کامیاب ہوئے ہیں تو لاپرواہی چھوڑ کر، ہم دنیا و آخرت کے معاملے پیچھے رہ گئے ہیں، تو لاپرواہی کے باعث!

اگر امت لاپرواہی کے اس معاملے کو سمجھ لے تو وہ اپنے دوست اور دشمن کو پہچاننے میں کامیاب ہو جائے گی۔ کامیابی اور ناکامی کے راستے جان لے گی، کسی نام نہاد طاقت کو بڑا نہ سمجھے گی، ہر کالی چیز کو کوکلا اور ہر چمکتی چیز کو سونا نہ سمجھے گی۔ ان شاء اللہ پھر امت دین و دنیا کے میدان میں اللہ کی عطا کردہ ہنرمائی کے عین مطابق دوڑنے لگے گی۔

ایسی امت کو زیب دیتا ہے کہ وہ طاقتور ہو، ناتواں نہ ہو، بننے والی نہ ہو بنانے والی ہو، کہے تو کر گزرے، جب کر گزرنے کی شان لے تو صلاحیت کے ساتھ ساتھ اللہ کی توفیق بھی اس کے ہمرکاب ہو جائے۔ شاعر نے کیا خوب کہا:

ترجو نوال الأمر دون عزيمة\*\*\* ولذیک أطياف من الآمال  
أقصر ففیک من الحمول کفایة\*\*\* ما ضرَّ شیء فیک کالاهمال  
”کامیابی کے منتظر ہو، اور ہمت تم میں موجود نہیں ہے، آہ! اس کے باوجود تم امیدیں لگائے بیٹھے ہو! رک جا اور امیدیں کم کر کہ اتنی تم میں ہمت نہیں، تجھے لا پرواہی کے علاوہ کسی اور دشمن کی ضرورت نہیں۔“  
اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ \* فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (سورة الجمعة: 9-10)

”اے مؤمنو، جب نماز جمعہ کے دن پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور

خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔“

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن کریم اور سنت رسول میں برکت عطا فرمائے، آیات اور ذکر حکیم سے نفع پہنچائے۔ میں نے جو کہا وہ آپ نے سن لیا! اگر درست کہا تو اللہ کی طرف سے تھا اور اگر کچھ نادرست کہہ گیا تو یہ اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے تھا۔ میں اللہ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں، اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ بالیقین! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

اللہ تعالیٰ کے احسانات پر سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں، اس کی توفیق اور مہربانیوں پر میں اس کا شکر گزار ہوں۔

بعد ازاں اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈر جاؤ۔ خوب جان لو کہ ایسی غفلت، لاپرواہی اور کوتاہی کہ جس سے نیک اعمال ضائع ہو جائیں اور امت کا نقصان ہو، ایسی غفلت نیکی کا اہتمام کرنے والے مومنوں کی صفات نہیں، کیونکہ صالح امور کا اہتمام کرنے والا مومن بخوبی جانتا ہے کہ دینی اور دنیاوی مصالح کو ضائع کرنے پر اس کا محاسبہ ہو گا، خواہ یہ ضیاع پورا معاشرہ کرے، کوئی ادارہ کرے یا کوئی فرد بہر حال ہر کسی کا محاسبہ ہو گا۔ اس حکم میں سبھی برابر ہیں، کیونکہ عزیمت و شہادت، غفلت و کوتاہی کو اسی طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔

اے اللہ کے بندو! اعزم و شہادت ہی کے ذریعے سے انسان مصنوعی کمال کی بیماری سے

محفوظ رہتا ہے۔ خود کو کامل سمجھنے والے اس دھوکے کا شکار ہوتے ہیں کہ انہیں اصلاح اور تصحیح کی کوئی ضرورت نہیں۔

عزیمت و ثبات ہی میں سے اہم ترین امور اور اہم امور میں فرق کیا جاسکتا ہے، مزید برآں افضل اور غیر افضل امور میں بھی فرق کیا جاسکتا ہے۔

عزیمت و ثبات ہی سے آج کا کام کل پر چھوڑنے کی بری عادت پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ جو لوگ اس بری عادت کے عادی ہو چکے ہیں انہوں نے اپنا شعار ہی یہ بنالیا ہے کہ ”جو کام تم پر سون کر سکتے ہو اسے کل مت کرو۔“

جبکہ شریعت اسلامیہ تحقیق و جستجو اور محنت و کوشش کے وجوب پر دلالت کرنے والی نصوص سے بھری ہوئی ہے۔ کوتاہی، غفلت اور لاہروائی سے منع کرنے والی نصوص بکثرت موجود ہیں۔ افراد کی سطح پر اصلاح کیلئے رسول اللہ ﷺ کا یہ جامع فرمان ہے:

«الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلِّ خَيْرٍ آخِرٌ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِينِ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ، فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ قُلْ قَدَرَ اللَّهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنْ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلِ الشَّيْطَانِ» (مسلم 2664)

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک طاقتور مومن کمزور مومن کی نسبت بہتر اور زیادہ محبوب ہے اور دونوں میں خیر ہیں۔ نفع مند چیز کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اللہ کی مدد لو اور سستی مت دکھاؤ اور اگر تیرا کچھ نقصان ہو جائے تو یہ مت کہو: ”اگر میں ایسے ایسے کر لیتا تو مجھے یہ حاصل ہو جاتا، اس کے بجائے یوں کہو: ”جو اللہ کو منظور تھا وہی ہوا، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کیونکہ ”اگر مگر“ سے شیطانی راہ کھلتی ہے۔“

امت کے اجتماعی معاملات کی درستی کیلئے رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان بہت جامع ہے۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْحَاذِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» قَالَ - وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ - «وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي مَالِ أَبِيهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»

”تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ حاکم وقت ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے عوام کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ گھر کا سربراہ اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ بیوی اپنے خاندان کے گھر کی ذمہ دار ہے۔ اس سے اس بارے میں سوال ہو گا۔ خادم اپنے مالک کے مال کا نگران ہے، اس سے مال کے متعلق پوچھا جائے گا۔ بیٹا اپنے والد کے مال کا محافظ ہے اس سے اس بارے میں پوچھا جائے گا اور تم سب ہی ذمہ دار ہو ہر کسی سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا۔“ (صحیح

بخاری: 893)

میں انہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں۔ اے اللہ کے بندو! اللہ تم پر رحم فرمائے، محمد بن عبد اللہ ﷺ پوری مخلوق کے سردار اور پاکیزہ ہستی، صاحب حوض و شفاعت پر درود و سلام بھیجو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا تذکرہ کیا ہے، پھر اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول فرشتوں کا تذکرہ کیا ہے، پھر تمہیں یہ حکم دیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



38

## دانش مندی اور احتیاط

27 ربیع الاول 1437ھ بمطابق 08 جنوری 2016ء



## پہلا خطبہ

تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے، وہی رحمن ورحیم ہے، وہی روز جزا کا مالک ہے۔ اس کی اتنی تعریف جتنی اسے پسند ہے، اس کی رضامندی کے بعد بھی اسی کی تعریف ہے، اور ہر حال میں تعریف اسی کے لیے ہے۔ اس نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اس میں تناسب قائم کیا، تقدیر لکھی اور ہدایت کی راہ دکھائی۔ اسی کی بادشاہت ہے اور سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بشیر و نذیر اور روشن چراغ بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ہم تک پیغام الٰہی پہنچایا، امانت ادا فرمائی، امت کو نصیحت کی، اللہ کی راہ میں کما حقہ جہاد فرمایا یہاں تک کہ موت نے انہیں آلیا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں آپ ﷺ پر، پاک بازار اہل بیت پر، نیک اطوار امہات المؤمنین پر، صحابہ و تابعین پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

اما بعد، لوگو! مجھے اور آپ کو تقویٰ ہی کی تلقین کی گئی ہے۔ ظاہر اور باطن میں ہر طرح تقویٰ اختیار کرنے کی، جلوت میں بھی اور خلوت میں بھی تقویٰ ہی کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلوں اور بعد والوں کو یہی نصیحت فرمائی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا

اللَّهُ﴾ (سورة النساء: 131)

”تم سے پہلے جنہیں ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب

تمہیں بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو۔“

لوگو! اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو تین عظیم صلاحیتوں سے نوازا ہے، عقل، سماعت اور

بیٹائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾ (سورة السجدة 78)

”اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، اُس نے تمہیں کان دیے، آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیے۔“

ہر ابن آدم ان نعمتوں سے لطف اندوز تو ہوتا ہے، تاہم تمام لوگ ان سے وہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے جس فائدہ کے حصول کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کے لیے یہ صلاحیتیں تفکر، آگاہی اور ہدایت کا ذریعہ نہیں بنتیں بلکہ وہ ان نعمتوں کے ذریعے بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور شاید پھر گمراہ کرنے بھی لگتے ہیں۔ اس طرح وہ ان صلاحیتوں کے مثبت استعمال، اللہ کو راضی کرنے والے اور آخرت میں کامیابی و نجات کے ضامن استعمال کی لذت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

فرمان الہی ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آدَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْعَافِلُونَ﴾

”حقیقت یہی ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جنہیں ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے

نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں۔“ (سورۃ الاعراف: 179)

جان رکھو! جن لوگوں کی صلاحیتیں انہیں بھلائی کی طرف نہ لاسکیں وہ واضح خسارے اور ہلاکت میں ہیں۔ ان صلاحیتوں کا درست استعمال یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان کو مکمل دانشندی اور حالاتِ حاضرہ سے آگہی حاصل ہو جائے، اس کی سمجھ درست ہو جائے اور وہ توجہ کے ساتھ ہر اس چیز سے بچنے کی کوشش میں لگ جائے جو منطق اور حقیقت پر اثر انداز ہو سکتی ہو۔

کوئی شک نہیں کہ بہتر دانشمند، بہتر انداز میں برائیوں سے بچ سکتا ہے کیونکہ وہ واقعات اور سوانح کی داستانوں کے بین السطور اور پوشیدہ امور تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اس طرح دانشندی اور احتیاط محض سماعت و بصارت سے بڑی چیزیں ہیں کیونکہ ہر دیکھنے یا سننے والا دیکھی اور سنی چیز کو نہ مکمل طور پر سمجھتا ہے اور نہ اس سے محتاط رہتا ہے۔

فرمان الہی ہے:

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي

الضُّوْرِ﴾ (سورۃ الحج: 46)

”حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔“

اب چونکہ امتِ اسلامیہ مصیبتوں سے دوچار ہے، بڑھتی ہوئی آفتوں میں گھری ہوئی ہے، آئندہ کی مزید مصیبتیں بھی نظر آرہی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نہ جانے کیا لکھ رکھا ہے، چنانچہ ان حالات میں اگر لوگوں کو دانشندی عطا ہو جائے تو پھر بچاؤ کی توفیق بھی مل جائے گی۔ اس طرح پورا معاشرہ مصیبتوں اور آزمائشوں کے وقت اتحاد و اتفاق کی اہمیت سے

آگاہ ہو جائے گا، پھر نقطہ نظر میں اختلافات کو ایک طرف چھوڑ دے گا اور شاید متضاد آراء کے معاملات کو بھی ملتوی کر لے گا کیونکہ بالکل سامنے لاکارنے والا خطرہ انتہائی خوفناک ہے اور اسے دور کرنا نہایت ناگزیر ہے۔

مجموعی اعتبار سے ایسی قوم، دانشمند قوم ہے اور ایسا معاشرہ کامیاب معاشرہ ہے جو برائی اور بھلائی میں، دوست اور دشمن میں فرق جان سکے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہمہ وقت مستعد رہنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ (سورة النساء: 71)

”اے مومنو!! مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہو۔“

دانشندی اور احتیاط امت کو اس کی مصیبتوں کے مختصر دشمنوں اور بد خواہوں کے مقابلے میں مضبوط اور محفوظ کرنے کی ضامن ہے۔ اس کے ذریعے امت نرمی اور سختی کے مناسب مواقع، بچاؤ اور حملے کا مناسب ترین وقت جانچنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ کیونکہ بہر حال، نرم اور حلیم طبیعت لوگوں کو ضعیف اور بے قیمت بھی سمجھا جاسکتا ہے جبکہ سختی میں بہت، رعب اور دبدبہ ہوتا ہے اور، بعد از توفیق الہی، اسی میں قوت اور کامیابی ہوتی ہے۔

إِذَا كُنْتَ ذَا رَأْيٍ فَكُنْ ذَا عَزِيمَةٍ فَإِنْ فَسَادَ الرَّأْيِ أَنْ تَتَرَدَّدَا

”تو اگر درست فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو عزم و ہمت بھی اپنا کیونکہ تردد فیصلے

کو نفل بنا ڈالتا ہے۔“

اللہ رب العزت نے امت اسلامیہ کو قوت کے تمام تر وسائل اپنانے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ گھٹ لگا کر بیٹھے دشمنوں اور لالچیوں کا ہدف نہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ (سورة الأنفال: 60)

”تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا

رکھو۔“

قوت کے تمام تر وسائل اپنانے چاہیں، معاشی، سیاسی، علمی اور معاشرتی کے ساتھ ساتھ فوجی قوت کو بھی اپنانا چاہیے کیونکہ طاقتور ملک وہی ہے جو دوسروں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان اسباب کو اپنانے اور طاقت کے وسائل اختیار کرنے کے بعد دانشندی اور مستعدی ہی امت کیلئے اثر انداز ہونے اور اپنا وجود منانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اپنے ان وسائل کے استعمال سے امت ایک ایسا سانچہ بنا سکتی ہے جس سے وہ امن کے زمانے میں اور آزمائشوں کے وقت کے طرز عمل کو جانچ سکے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ووضعُ النَّدى في موضعِ السَّيفِ بِالْعِلا مُضِرٌّ كَوْضِعِ السَّيفِ فِي

موضعِ النَّدى

”جس طرح تلوار کی جگہ نرمی برتا ہلاکت خیز ہے، اسی طرح نرمی کی جگہ تلوار کا

استعمال بھی تباہ کن ہے۔“

اگر امت اسلامیہ دانشندی کو اہمیت دے اور اسے اپنی ترجیحات میں شامل کر لے تو یقیناً، یہ آزمائشوں کے مقابلے میں کبھی ناکام نہ ہوگی کیونکہ وہ جان لے گی کہ کب نظر اٹھانی اور کب جھکانی ہے، یہ جان لے گی کہ خطروں کو قبل از وقت روکنے کی اہمیت کیا ہے اور کس طرح ان کی بروقت روک تھام، بعد کی تلافی سے بہتر ہے۔

اللہ کے بند و دانشمند مسلمان معاشرہ وہ ہے جو داخلی دشمن کو آزاد نہیں چھوڑتا کہ وہ بیرونی دشمنوں سے مل کر مزید قوت بن جائے۔ جی ہاں! اور تاکہ وہ اپنی خود پسندی اور غرور کی وجہ سے اتنا ہی بڑا اندرونی دشمن بن جائے، وہ اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کے ذریعے سے

مستقل داخلی دشمن بن جائے اور ایسا لگنے لگے کہ وہ بیرونی دشمن کا آلہ کار ہے۔ شریعت اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جب بیرونی دشمن نظر آجائے اور اس کی بری نیتیں ظاہر ہو جائیں تو اسے روکنا لازم ہو جاتا ہے۔

فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

”اے مومنو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت

سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔“ (سورۃ الانفال: 45)

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن کریم میں برکت عطا فرمائے، آیات اور ذکر حکیم کے ذریعے ہمیں نفع پہنچائے۔ میں نے جو کہا، آپ نے سن لیا۔ اگر درست کہا تو اللہ کی رحمت سے اور اگر کچھ غلط کہہ گیا تو شیطان اور اپنے نفس کی وجہ سے۔ میں اللہ سے اپنے، آپ کے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگیے اور اسی کی طرف رجوع کیجیے۔ بالیقین! میرا رب معاف کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ تعالیٰ کے احسانات پر سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ اس کی توفیق اور احسان پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔

بعد ازاں!

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈر جاؤ، آگاہ رہو کہ سب سے اعلیٰ بات اللہ کی کتاب قرآن مجید کی ہے اور بہترین سیرت و کردار محمد ﷺ کا ہے۔ بدترین امور دین میں نوا ایجاد شدہ ہیں اور دین میں ہر نوا ایجاد شدہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کے

ساتھ وابستہ رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُضَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

(سورۃ النساء: 115)

”مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جموں کھیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔“

اللہ کے بند و اخواب جان لو، اللہ تمہاری حفاظت فرمائے۔ ارض حجاز کے حاسدین نے اسے اپنی مذموم کارروائیوں کا نشانہ بنا لیا ہے، طمع کرنے والوں نے اس ارض حجاز کی خیر و برکت اور امن و سکون اور حریم شریفین پر اپنی بری نظریں جمالی ہیں۔

وہ فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتے ہیں، وہ ارض حجاز کی اقتصادیات، سیاست اور جغرافیائی حدود کو لپٹائی نظروں سے دیکھ رہے ہیں، درحقیقت وہ سارے علاقے پر اپنا غلبہ اور اس پورے خطے کی خیر و برکات، مقدسات اور دیگر اہم چیزوں پر اپنا قبضہ چاہتے ہیں۔ حریم شریفین کی خدمت و حفاظت اور ان کی وجہ سے ملنے والے شرف کو ہتھیالینا چاہتے ہیں۔

ان کے دل کبھی مطمئن نہیں ہوئے، حاسدین کی آنکھ پر سکون نہیں ہوئی بلکہ اس نے آگے بڑھ کر بد امنی کے فروغ اور غیر متعلقہ امور میں دخل اندازی شروع کر دی ہے۔ اور اب وہ معصوم لوگوں کے قاتلوں کی حمایت میں الجھ رہے ہیں۔ بے گناہ لوگوں کے قتل کو مشغلہ سمجھنے والے حرم میں مکھی کے قتل سے پرہیز کرتے ہیں۔ انہوں نے احسان کا بدلہ

ظلم و ستم کے ساتھ، ظلم و بردباری کا جہالت کے ساتھ، تحمل و مہلت کا بدلہ حماقت و بے مہربانی کے ساتھ دیا ہے۔

پلاشبہ بلادِ حرمین شریفین، اللہ اس کی حفاظت فرمائے، پوری احتیاط، عزم اور اللہ کی توفیق و قوت کے ساتھ ان چیلنجوں کے سامنے کھڑی ہے۔ یہ مملکت اپنے حکمرانوں، علمائے کرام اور عوام کی قوت کے ساتھ اپنے منہج و عقیدے پر قائم ہے۔ بجا طور پر یہ چیز ان کے لیے باعثِ فخر ہے، اللہ کے فضل و کرم اور مہربانی سے فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کے شور و غل سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنے والا، حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا کہ گلا پھاڑنے والوں کی آوازیں دم توڑ جائیں گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ﴾

فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿سورة يوسف: 64﴾

”انہوں (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے جواب دیا، کیا میں اُس کے معاملہ میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اِس سے پہلے اُس کے بھائی کے معاملہ میں کر چکا ہوں؟ اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔“

اور اللہ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے اور ہم اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس کی توفیق کے بغیر نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کی ہمت نہیں ہے۔ ہماری پناہ گاہ اور سہارا وہی ہے، وہ ہمارا مولیٰ ہے، وہ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے۔

میں انہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں، پوری انسانیت کے سردار اور پاکیزہ ترین ہستی محمد ﷺ حوضِ کوثر کے مالک اور سفارش کے حقدار پر درود و سلام بھیجو۔ اللہ تعالیٰ نے جب تمہیں حکم دیا تو اپنے سے ابتدا کی ہے، پھر تسبیح کرنے والے مقدس فرشتوں پر اور پھر آخر



میں مومنوں کا ذکر کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورة الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول صاحب حوض و شفاعت پر درود و سلام بھیج۔ اے اللہ! اپنے نبی کے خلفائے راشدین ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین کرام رضی اللہ عنہم اور تاقیامت تک کے پیروکاروں سے بھی راضی ہو جا۔ اے ارحم الراحمین اپنے فضل و کرم اور مہربانی و بخشش سے ہمیں بھی معاف فرما دے۔



(39)

عجلت پسندی اور جلد بازی سے اجتناب

9 جمادی الاولیٰ 1437ھ بمطابق 19 فروری 2016ء

## پہلا خطبہ

ہر قسم کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے جو اول، آخر، ظاہر اور باطن ہے۔ اسی نے ہر شے پیدا فرمائی اور ہر کسی کی تقدیر لکھی۔ نعمتوں اور نوازشات پر ہم اس بلند و برتر ذات کی حمد بجا لاتے ہیں، ہم تو شیک طرح اس کی تعریف بھی نہیں کر سکتے، اسی نے اپنی تعریف فرمائی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول، اولین و آخرین کے سردار، چمکتے ہاتھوں اور دھکتی پیشانیوں والوں کے امام ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں واضح اور پر نور راستہ پر چھوڑا کہ جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے اور جس سے جو ہمتا ہے ہلاکت میں جاگرتا ہے۔ اللہ کی بہت رحمتیں اور سلامتیاں ہوں آپ ﷺ پر، نیک نام اور پاکیزہ اہل بیت پر اور ازواج مطہرات، امہات المؤمنین پر۔ اللہ تعالیٰ نیک نام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، تابعین عظام سے اور یوم جزاء تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے راضی ہو جائے۔

اما بعد، اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! جان رکھو کہ یہ دنیا جائے قیام نہیں بلکہ ایک گزرگاہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں خلیفہ بنایا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ آپ کیسے اعمال کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (سورہ

الأعراف: 35)

”جو کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنے رویہ کی اصلاح کر لے گا اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔“

اے مسلمانو! انسانی زندگی کا بہترین زیور دین اور عقل ہے۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ

نے انسان کو عطا کر کے بہت سی مخلوقات پر اسے برتری نصیب فرمائی ہے۔ دین کے ذریعے سے انسان اخلاقی برائیوں اور ایسی حقیر اشیاء سے بچ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتی ہیں اور عقل کے ذریعے سے وہ نفس پر نر اثر چھوڑنے والی ہر شے سے رک جاتا ہے۔ ہر اس عمل اور ہر اس فیصلے سے دور رہتا ہے جو اس کے وقار اور اس کی مروت کے منافی ہو۔ اسی طرح وہ ہر چیز کی ابتدا اور انجام کو مد نظر رکھتا ہے۔

اللہ کے بندو ایہ بات تو طے شدہ ہے کہ جب پے در پے حادثات پیش آنے لگتے ہیں، حالات تنگ ہو جاتے ہیں اور ادھوری اشیاء باہم الجھنے لگتی ہیں تو ان کے مقابلے میں اللہ کی توفیق اور نگہبانی کے بعد محتاط ہو جانا، اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہونا اور نتائج پر غور و خوض کرتے ہوئے اقدام سے قبل چیزوں کی جانچ پڑتال کر لینا ہی معقول رویہ ہوتا ہے۔

اس رویے کی بدترین دشمن اور وہ بیماری جو دانشمندیوں کی عقل کھائے جا رہی ہے، جو رسوائی کے سوا کچھ نتیجہ نہیں لاتی، بلکہ سلامتی کی جگہ درد اور اجر کی جگہ گناہ لازم کر دیتی ہے، وہ ہے بن سوچے خطروں میں کود پڑنا، مہم جوئی کرنا، لاپرواہی اختیار کرنا، خطرے مول لینا یا ہلاکت میں پڑ جانا۔ یہ سب ایک ہی نتیجے کے گرد گھومنے والی چیزیں ہیں۔ وہ رویہ ہے بغیر احتیاط، بلا تحقیق یا بلا تامل، بلکہ ایسی لاپرواہی کے ساتھ ہر چیز میں ہاتھ ڈال لینا کہ جسے ہر دانشمند برا سمجھے کیونکہ وہ صبر، حلم، حکمت اور سمجھداری کے منافی ہے۔

جی ہاں! اللہ کے بندو!

یہ بیماری فکر، سیاست، میڈیا، معاشیات اور معاشرتی مسائل میں لاپرواہی، جلد بازی اور بے فکری کی بیماری ہے۔ یہ مدح کرنے والے سے عیب اور برائیاں چھپانے والی چیز ہے۔ یہ انصاف کا قتل کرنے والی ہے اور بھلائیوں کو برائیوں میں بدلنے والی ہے۔

جی ہاں! بے احتیاطی اور لاپرواہی ہی انسان کی زبان اور عمل کو عقل و شعور کی تمام

حدیں عبور کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ ایسی محسوس اور غیر محسوس برائیوں میں گھر جاتا ہے جن سے خلاصی پانا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ پھر کوئی بھی تعمیری کوشش اس تخریب کو درست نہیں کر سکتی اور تعمیر نو بھی اسے ہموار نہیں کر سکتی۔

ذرا سوچئے کہ کتنی زبانیں لا پرواہی کا شکار ہوئیں اور پھر انہیں طویل بے فائدہ معذرتیں پیش کرنی پڑیں جبکہ پانی سر سے گزر جانے کے بعد کوئی عذر کام نہیں آتا۔

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا:

« وَلَا تَكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ » (سنن ابن ماجہ: 4171)

”وہ بات کرو ہی نہیں کل جس پر معذرت کرنی پڑے۔“

بے پرواہی اور عاقبت ناندیشی کے متعلق ایک ہی طرح بات کی جا سکتی ہے۔ یعنی ان کی صرف اور صرف مذمت کی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں عقل کی حدود سے باہر ہیں۔ انتہائی افسوس کہ بے پرواہی اور عاقبت ناندیشی کی چند مثالیں ذرائع ابلاغ میں عام ہو چکی ہیں، انہیں بہت پذیرائی بھی مل چکی ہے، انہیں عالمی ریکارڈ میں شمار کرنے کا اعزاز بخشا جا رہا ہے اور عوام میں فروغ دے کر انہیں مقبول کیا جا رہا ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ریکارڈ قائم کرنے کی کوشش میں مارے گئے ہیں، جن کی امیدیں دھری کی دھری رہ گئیں، جو گاڑیوں کو بہت تیز رفتاری سے چلا کر یا ہلاکت خیز مہم جوئی کر کے غیر ذمہ دارانہ بے پرواہی کی مثالیں رقم کر چکے تھے۔

اللہ کے بندو! اور تو اور، کچھ لوگ دوسروں کے مالی اور اخلاقی حقوق کے معاملے میں بھی مہم جوئی کرنے سے باز نہیں آتے ہیں۔ کتنے لوگوں نے دوسروں کا سرمایہ ایسی میدان میں لگایا ہے کہ جن کے وہ ماہر نہیں، بلکہ جن کی انہیں الفب تک معلوم نہیں، جن سے ان کا کوئی واسطہ تک نہیں۔ بے انتہا منافعوں کا لالچ دے کر یہ اعتماد کرنے والوں کو ورغلائے ہیں

جہالت پسندی اور جلد بازی سے اجتناب

اور ان کے زبانی دعوے سن کر مال دار لوگوں کی جیبیں بننے لگتی ہیں، پھر ان کے مال بھی اس شخص کی عقل اور امانت کی طرح اچھلنے لگتے ہیں۔ اللہ کے بندو! یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، کیونکہ جہالت کے باوجود کسی معاملے میں کوڈ پڑنا یقینی ہلاکت میں چھلانگ لگانے کے مانند ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ إِثْلَاقَهَا، أَثَلَفَهُ اللَّهُ» (صحیح

بخاری: 2387)

”جو لوگوں کا مال ضائع کرنے کی نیت سے لیتا ہے، اللہ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔“

معاشرے کی بدترین بیماریوں میں ایک یہ ہے کہ فیملی چند مخصوص مظاہر سے چسپی رہے، لباس غیر پہنے رکھے اور ایسے رسم و رواج اپنائے رکھے کہ جس کی وجہ سے فیملی کا بہت سا سرمایہ صرف ہو جائے اور بہت سے حقوق ضائع ہو جائیں، یہ سب کچھ صرف اس لیے کیا جائے کہ اس فیملی کی شہرت عام ہو جائے اور لوگ واہ واہ کرنے لگیں۔

دلیموں، خوشیوں اور لباس میں بے پروائی کا حال دیکھ لیجئے! کتنے لوگ نفع سے دور، بلکہ نقصان دہ رسومات کی زد میں ہیں، کتنے لوگ اس سواری کے سوار ہیں اور ان رسومات کا فضول بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں، جس کا نتیجہ قرض، طلاق اور فیملی لڑائیوں کی شکل میں نکلتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر اسراف، فضول خرچی اور تکبر کا گناہ بھی سرزد ہو جاتا ہے۔ ایسی چیزوں کے بارے میں نشان دہی کی جانی چاہیے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اللہ کے بندو! بے پروائی اور جلد بازی کی بدترین صورتوں میں سے ایک وہ بھی ہے جو دوسروں کی عزت و وقار اور ان کے حقوق سے وابستہ ہوتی ہے۔ یعنی دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرنا اور ان کی نیتوں کو ہدف تنقید بنانا، حالانکہ نیتوں کا حال تو صرف وہی جانتا ہے جو ہر

گلت پسندی اور جلد بازی سے اجتناب  
پوشیدہ بلکہ پوشیدہ ترین چیزوں سے بھی واقف ہے۔ کچھ لوگ دوسروں پر بڑی بے پروائی سے بغیر کسی دلیل یا حجت کے تنقید کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ ناروا زبان استعمال کرتے ہیں اور بہت بے ہودہ الفاظ بک جاتے ہیں اور مسلمان بھائیوں کے حقوق سے بے پروا رہتے ہیں۔

اللہ کے بند و ابرائی میں اس طرح کو دہڑانا انسان کو تباہ کن مبالغہ آرائی اور مذموم تشدد کا مرکب بنا دیتا ہے اور وہ گمراہی پھیلانے اور تکفیر کے فتوے لگانے میں ایسی بے پروائی برتا ہے جو اسے ان شروط و موانع سے غافل کر دیتی ہے جن کا تکفیر کے باب میں علم ہونا ضروری ہے۔

بہت سے ایسے لوگ بھی اس ہلاکت خیز دروازے میں گھس گئے ہیں، جنہیں اگر طلاق یافتہ عورت کی عدت کے بارے میں پوچھا جائے، یا ستر اونٹوں یا دس گائے کی زکاۃ کے متعلق پوچھ لیا جائے تو وہ کوئی جواب نہ دے پائیں۔

عجب یہ کہ وہ لوگ بھی تکفیر کے میدان میں بے پروائی سے کود پڑے ہیں جنہیں اسلام میں داخل ہونے کی شرطیں بھی ٹھیک طرح سے معلوم نہیں۔ اللہ کی قسم! یہ ایک عظیم مصیبت ہے۔

کتنی عجیب بات ہے! ایک بے پروا شخص کس دیدہ دلیری سے دوسروں کو کافر کہہ رہا ہوتا ہے؟! کیونکہ اگر وہ شخص واقعتاً کافر نہ ہو جسے وہ کافر کہہ رہا ہے تو، اللہ معاف فرمائے، کفر کا فتویٰ اسی پرواہیں لوٹ آئے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أَيْمًا زَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ، فَقَدَ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا »

”جو شخص اپنے بھائی کو، اے کافر! کہہ کر مخاطب کرتا ہے، تو دونوں میں سے ایک

تو کافر ہو ہی جاتا ہے۔“ (صحیح بخاری: 6104)

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! جان رکھو کہ نرمی جس چیز میں بھی پائی جائے، وہ اسے خوبصورتی بخشتی ہے، اور جس چیز سے ہٹالی جائے اسے بد صورت کر دیتی ہے۔ اللہ سے ثابت قدمی، معافی اور عافیت کا سوال کرتے رہو!

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا

أَنْ تَكُونَ بِيحَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (سورة النساء: 29-30)

”اے مؤمنو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ،

ہاں لین دین ہونا چاہیے مگر آپس کی رضامندی سے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو کتاب و سنت کے ذریعے سے برکت عطا فرمائے، آیات، ذکر اور حکمت سے نفع پہنچائے۔ مجھے یہی کہنا تھا، اگر درست کہا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے، اگر غلط کہا تو شیطان اور نفس کی خرابی وجہ سے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی معافی مانگیے اور توبہ کیجیے۔ بالیقین! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات پر سب تعریفیں اس کے لیے ہیں، اس کی عطا کردہ توفیق اور فضل و کرم پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔

بعد ازاں:

اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ بہترین بات اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ اور بہترین سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے۔ بدترین معاملات دین میں نئے ایجاد شدہ ہیں اور ہر نئی ایجاد شدہ چیز بدعت ہے۔ تم مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لگے رہو،



کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو جماعت سے الگ ہوتا ہے وہ جہنم رسید ہو جائے گا۔

اللہ تم پر رحم فرمائے، آگاہ رہو کہ جب اسلام نے بے پروائی اور جلد بازی سے منع کیا ہے تو اسلام نے ان کے اور حزم و احتیاط کے درمیان فرق بھی ملحوظ رکھا ہے۔ کچھ ایسے امور ہوتے ہیں جن میں سستی اور کوتاہی مناسب نہیں ہوتی۔ ایسے امور میں حزم و احتیاط اور عزم ضروری ہوتا ہے۔ اسے بے پروائی اور جلد بازی شمار نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ یہ موقع محل کے اعتبار سے ہر چیز کے ساتھ نمٹنے کا طریقہ ہے۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مرتدین کے خلاف جہاد اسی باب سے ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو مرتدین کے ساتھ جہاد کو جلد بازی پر مشتمل مہم جوئی شمار کرتے ہیں۔

اللہ کے بندو!

واضح معاملات میں حزم و احتیاط اور عزم ہی کارگر ہوتا ہے۔ ایسے معاملات میں تاخیر اور کوتاہی مناسب نہیں ہوتی۔ اگر تم صاحب رائے ہو تو تمہیں پر عزم بھی ہونا چاہیے کیونکہ تردد سے رائے بے وقعت ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ارشاد فرمایا:

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ (سورۃ آل عمران: 159)

”پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔“

اے اللہ! کے بندو!

اسلام میانہ روی اور اعتدال کا مذہب ہے۔ اس میں افراط و تفریط نہیں ہے۔ اسلام جب لاپرواہی سے منع کرتا ہے تو عزم و حزم کا حکم بھی دیتا ہے۔ اگر بے شمار معاملات میں جلد بازی کی مذمت کی گئی ہے تو دیگر بہت سارے معاملات میں عزم و حزم کا حکم بھی دیا ہے۔ خصوصاً وہ امور جن میں تاخیر اور کوتاہی نقصان کا باعث بنے۔ بعض اوقات عزم و ارادے کو

ترک کرنا ہی لا پرواہی بن جاتا ہے اور دانش ور وہ ہے جو ان دونوں حالتوں سے واقف ہوتا ہے اور حالات کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

یہ خیال نہایت غلط ہے کہ عزم و حزم کا مطلب شدت اور سختی ہے۔ بلکہ ان کا مطلب ہر موقع پر مناسب حکمت عملی طے کرنا ہے۔ سختی کے موقع پر سختی کرنا اور نرمی کے موقع پر نرمی کرنا ہی ان کی حقیقت ہے۔ عزم اور مہم جوئی میں فرق نہ کرنے سے امت اسلام نے بے شمار معاملات میں نقصان اٹھایا ہے۔ جہاں فوری عمل کی ضرورت تھی وہاں تاخیر سے کام لیا اور جہاں تاخیر کرنا مناسب تھا، وہاں جلد بازی سے کام لیا۔ اس طرح ان کے اندازے اور منصوبے ناکام ہوئے اور امت کی خطائیں زیادہ ہو گئیں۔ اسے مسلسل خسارہ ہونے لگا اور امت اپنے شکاف پر کرنے کے لیے سخت مشکلات کا شکار ہو گئی۔

یقیناً ہر دن اور ہر حادثہ اپنے اندر متعدد سبق اور عبرتیں رکھتا ہے، خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں کے تجربات سے سیکھتا ہے۔ اللہ کی توفیق سے وہ ان تجربات سے سبق لے کر سیدھی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (سورة النور: 46)

”صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت اللہ ہی جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔“

برادرانِ اسلام!

اللہ تم پر رحم فرمائے، میں انہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں، تم اپنے نبی حضرت محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجو، جو ساری بشریت کے سردار، شافعِ محشر اور صاحبِ حوضِ کوثر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔ اس حکم نامے میں خود سے ابتدا کی ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا ہے اور آخر میں تمہیں ارشاد فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول، نورانی چہرے والے، کشادہ جبیں محمد ﷺ پر درود و سلام بھیج۔ اے اللہ! اپنے نبی کے چاروں خلفائے راشدین ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا۔ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور نیکی میں تاقیامت ان کے پیروکاروں سے بھی خوش ہو جا۔ اے ارحم الراحمین! اپنے فضل و کرم سے ہم سے بھی راضی ہو جا۔



40

سرکشی اور تکبر سے بچاؤ

8 جمادی الثانی 1437ھ بمطابق 18 مارچ 2016ء

## پہلا خطبہ

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولَى أَجْنِحَةٍ مَّثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (سورۃ فاطر، 1)

”سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا بنانیوالا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے، جن کے دودو اور تین تین اور چار چار بازو ہیں وہ اپنی مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

میں اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں اور اس کا شکر بجالاتا ہوں، میں اپنے گناہوں اور خطاؤں کی بخشش مانگتا ہوں اور اسی سے معافی مانگتا ہوں۔ تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں جیسا اس کے جلال و عظمت اور سلطنت و قدرت کے شایان شان ہے۔ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے رب کی رسالت امت تک پہنچا دی اور اس کی امانت کا حق ادا کر دیا۔ امت کی خیر خواہی کا فریضہ ادا کر دیا۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو۔ آپ کے پاکیزہ اور ظاہر اہل بیت اور اہمات المؤمنین آپ کی ازواج مطہرات پر بھی اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم پر جہان والوں میں سے منتخب کرتے ہوئے رحمت و سلامتی نازل فرمائی گئی۔

اما بعد، اے لوگو! تقویٰ الہی بہترین زادراہ ہے، یہ دنیا میں رغبت کی چیز اور آخرت میں کامیابی کی دلیل ہے۔

﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (سورۃ المائدہ: 100)

”اے پیغمبر ﷺ! ان سے کہہ دیجئے کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو، پس اے لوگو جو عقل رکھتے ہو! اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔“

بندگانِ الہی! یقیناً تمام انسان خطا کار ہیں، کمال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے، عصمت صرف اللہ کے انبیائے کرام اور رسولوں کو حاصل ہے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ان پر نازل ہو۔ بے شک تمام لوگ خطا کار ہیں اور غلطیاں کرتے ہیں اور یہ ان کی فطرت کا لازمی حصہ ہے۔ البتہ خطاؤں پر اصرار کرنا اور ڈٹ جانا، گناہوں کے لیے عذر تراشنا اور ان پر جے رہنے کے بہانے ڈھونڈنا، اور حق کی طرف نہ لوٹنا بدترین عادت اور برا اخلاق ہے، یہ ایسی فطرت ہے جس سے ہر عقل مند اور صاحبِ شرافت نفرت کرتا ہے۔ عقل و دانش والے اس عادت کو سرکشی اور تکبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور کیوں نہ کریں، وہ خطا کار جسے اپنی خطاؤں کا علم ہو، اسے حق معلوم ہو جائے اور پھر بھی وہ اپنی حالت نہ بدلے تو یہ اس کی گھنیا طبیعت اور تکبر کے باعث ہوتا ہے، جسے واضح حق اور بہترین نصیحت بھی بدل نہیں سکتی۔ اگر خطاؤں پر ڈٹ جانے والا سرکش نہیں تو پھر سرکش کون ہے؟ اور اگر یہ شخص تکبر نہیں تو پھر تکبر کون ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَآلَىٰ مُسْتَكْبِرًا كَان لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي

أُذُنِيهِ وَقْرًا فَبَسَّرَهُ بِعَذَابِ أَلِيمٍ﴾ (سورة لقمان: 7)

”اسے جب ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ بڑے گھمنڈ کے ساتھ اس طرح رخ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے انہیں سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے کان بہرے ہیں اچھا، مژدہ سنا دو اسے ایک دردناک عذاب کا۔“

رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ نے اسے حکم دیا:

كُلُّ بَيْمِينِكَ»، قَالَ: لَا أَسْتَطِيعُ، قَالَ: «لَا اسْتَطَعْتَ»، مَا مَنَعَهُ إِلَّا  
الْكِبَرُ، قَالَ: فَمَا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ (صحيح مسلم: 2021)

”اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔“ اس نے جواب دیا: میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا  
سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہیں دائیں ہاتھ سے کھانے کی توفیق نہ ملے۔“ اس نے  
یہ بات تکبر کی بنا پر کہی تھی۔ لہذا اس کے بعد وہ کبھی دائیں ہاتھ سے نہ کھا سکا۔“

بندگانِ الہی! سرکشی نہایت گھٹیا عادت ہے۔ جس شخص کا دل اللہ تعالیٰ نے ایمان،  
حکمت اور علم سے منور کیا ہو، سرکشی اور تکبر اس کا وصف ہو ہی نہیں سکتا۔ سرکشی اور تکبر  
میں وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جن کے دلوں میں تکبر، حسد اور غرور ہوتا ہے، وہ اپنی غلطی  
تسلیم نہیں کرتے، نہ انہیں حق بات مطمئن کرتی ہے، بلکہ وہ حق کی طرف رجوع کرنا اپنے  
لیے ذلت و رسوائی اور مقام و مرتبہ میں تنزلی شمار کرتے ہیں۔ آگاہ رہو! ایسے سرکش لوگ  
ذلت و رسوائی اور تنزلی میں گر چکے ہیں اگرچہ وہ کیسی ہی ملمع سازی کرتے پھریں اور بظاہر  
خوشنما کام کرتے رہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهَ عَلَىٰ  
مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ \* وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ  
فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ \* وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَاسِدَ \* وَإِذَا قِيلَ لَهُ  
اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ \* فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ \* وَلَيْسَ الْبِهَادُ﴾

”انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے، جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی  
معلوم ہوتی ہیں، اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے، مگر حقیقت میں  
وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے۔ جب اُسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے، تو زمین میں اُس  
کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلانے، کھیتوں کو غارت کرے اور

نسل انسانی کو تباہ کرے حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر، تو اپنے وقار کا خیال اس کو گناہ پر جمادیتا ہے ایسے شخص کے لیے تو بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔“  
(سورۃ البقرۃ: 204-206)

بلاشبہ ہر سرکش اور متکبر انسان کا لیزر ابلیس ہے۔ اللہ کی لعنتیں اس پر برسیں، کیونکہ ابلیس ہی پہلا سرکش تھا جس نے حق جانتے ہوئے سرکشی اور تکبر کیا۔ ارشادِ ربانی ہے:  
﴿قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيدِيَّ﴾  
اَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ﴾ (سورۃ ص: 75)  
”اے ابلیس! تجھے کیا چیز اس کو سجدہ کرنے سے مانع ہوئی جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے؟ تو بڑا ابنِ رہا ہے یا تو ہے ہی کچھ اونچے درجے کی ہستیوں میں سے؟“

یہی تکبر و غرور ہے جو حق کے ساتھ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔  
بندِ گانِ الہی! سرکشی کسی عمل کو بجالانے سے انکار کا نام ہے، اگرچہ وہ عمل واجب ہی کیوں نہ ہو۔ یا کسی کام سے نہ رکنے کا نام ہے، اگرچہ وہ حرام ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے باوجود وہ اس پر ڈنار ہے اور حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اسی طرح سرکشی میں گھنچا پن بھی داخل ہے، کیونکہ سرکشی بہترین انسانی طبیعت کے منافی ہے۔ ایسی طبیعت جو شریعت کی پابند ہو۔ لہذا جب دشمنانِ اسلام نے تکبر و سرکشی سے اپنے دلوں کو بھر لیا تو وہ لوگوں میں سب سے گھنچا شمار ہونے لگے۔ وہ سب سے بڑے متکبر بنے جنہیں کوئی دلیل یا برہان قائل نہ کر سکی۔ کوئی نصیحت ان پر کارگر نہیں ہوتی۔ ان پر ترغیب و ترہیب کا کوئی اثر نہیں ہوتا، کیونکہ سرکشی اس سب کے مخالف ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ



عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾ (سورۃ النمل: ۱۴)

”انہوں نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے ان نشانیوں کا انکار کیا حالانکہ دل ان کے قائل ہو چکے تھے اب دیکھ لو کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا۔“  
اسی لیے کچھ اہل علم فرماتے ہیں:

”أصعبُ الرجاء: رجاءُ رِقَّةِ الْمُعَايِدِ؛ لِأَنَّ الْعِنَادَ يُنْشِئُ عَلَى الْقَلْبِ رَانًا يَجْعَلُهُ لَا يَقْبَلُ إِلَّا مَا يَرَاهُ وَلَوْ كَانَ بَاطِلًا، وَيَرُدُّ مَا يَرَاهُ غَيْرَهُ وَإِنْ كَانَ حَقًّا“

”سب سے مشکل امید سرکش کے نرم ہونے کی ہوتی ہے۔ کیونکہ سرکشی سے دل پر ایسا زنگ چڑھتا ہے کہ سرکش آدمی صرف اپنی ہی رائے کو درست سمجھتا ہے، اگرچہ وہ باطل ہی ہو اور وہ دوسروں کی ہر بات کو رد کر دیتا ہے، اگرچہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو۔“

خواہ دلائل کتنے ہی زیادہ ہوں، سرکش سرکش ہی رہتا ہے، اور اس کی سرکشی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اگرچہ تم اسے سارا قرآن پڑھ کر سنا دو، یا اسے لقمان حکیم خود آ کے نصیحت کرنے لگے، کیونکہ اس کا دل غلاف میں بند ہو چکا اور لا حاصل گفتگو اس کا وتیرہ بن چکا۔

بندگانِ الہی! ایسے لوگ اسلامی معاشرے میں دیمک کے کیڑے ہیں۔ یہ ہر چیز کو اندر سے کھوکھلا کر کے برباد کر دیتے ہیں۔ یہ سرکشی کے ساتھ تین مزید غلطیاں جمع کرتے ہیں۔ غلطی، پھر اس غلطی پر اصرار اور پھر اس غلط اصرار کے ساتھ امت کو ایذا رسانی۔

ہائے افسوس! ایسے لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

”وَيُنْزِلُ لِلْمُصْرِئِينَ، الَّذِينَ يُصِرُّونَ عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ“

”بربادی اور ہلاکت ہے اصرار کرنے والوں کے لیے، جو جانتے بوجھتے اپنے

برے اعمال پر اصرار کرتے ہیں۔“ (مسند احمد: 7041)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت نگاروں کے حوالے سے دلائل نبوت سے نقل کیا ہے:

لَمَّا رَأَتْ قَرِيْشُ أَمْرَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَعْلُو وَالْأُمُورُ تَتَزَايِدُ، أَجْمَعُوا أَنْ يَتَعَاقَدُوا عَلَى بَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَبَنِي عَبْدِ مَنَافٍ، أَلَّا يُبَايِعُوهُمْ وَلَا يُنَاكِحُوهُمْ وَلَا يُكَلِّمُوهُمْ وَلَا يُجَالِسُوهُمْ، حَتَّى يُسَلِّمُوا إِلَيْهِمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، وَكَتَبُوا بِذَلِكَ صَحِيفَةً وَعَلَّقُوهَا فِي سَقْفِ الْكَعْبَةِ. فَانْحَازَتْ بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ مُؤْمِنُهُمْ وَكَافِرُهُمْ إِلَّا أَبَا لَهَبٍ، فَإِنَّهُ ظَاهَرَ قَرِيْشًا عَلَى رَسُولِهِ ﷺ وَبَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ، وَحَبَسَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَمَنْ مَعَهُ فِي شِعْبِ أَبِي طَالِبٍ، لَيْلَةَ هَلَالِ الْمُحَرَّمِ سَنَةِ سَبْعٍ مِنَ الْبِعْثَةِ، وَبَقُوا مُحْضَرِينَ مُضَيِّقًا عَلَيْهِمْ جَدًّا، مَقْطُوعًا عَنْهُمْ الْعِيْرَةُ وَالْمَادَّةُ نَحْوَ ثَلَاثِ سِنِينَ، حَتَّى بَلَغَ بِهِمُ الْجُهْدُ. ثُمَّ أُطْلِعَ اللَّهُ رَسُولَهُ ﷺ - عَلَى أَمْرِ صَحِيفَتِهِمْ، وَأَنَّهُ أَرْسَلَ إِلَيْهَا الْأَرْضَ فَأَكَلَتْ جَمِيعَ مَا فِيهَا مِنْ جَوْرِ وَقَطِيعَةٍ وَظَلْمٍ، إِلَّا ذَكَرَ اللَّهُ عِزَّ وَجَلَّ. فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ عَمَّهُ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ ابْنَ أَخِيهِ قَالَ كَذَا وَكَذَا، فَإِنْ كَانَ كَذِبًا خَلَيْنَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ، وَإِنْ كَانَ صَادِقًا رَجَعْتُمْ عَن ظَلْمِكُمْ لَنَا. قَالُوا: لَقَدْ أَنْصَفْتَ، فَانزَلُوا الصَّحِيفَةَ، فَلَمَّا رَأَوْا الْأَمْرَ كَمَا قَالَ وَأَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ -، إِزْدَادُوا كُفْرًا وَعِبَادًا.

”قریش نے رسول اللہ ﷺ کے معاملے کو مضبوط اور توانا ہوتا ہوا دیکھا تو

انہوں نے بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور بنو عبدمناف کے خلاف گٹھ جوڑ کر لیا کہ وہ ان کے ساتھ خرید و فروخت نہیں کریں گے۔ ان کے ساتھ رشتہ داریاں نہیں جوڑیں گے۔ ان سے بات چیت نہیں کریں گے اور ان کی مجلسوں میں نہیں بیٹھیں گے۔ تب تک کہ جب تک وہ رسول اللہ (ﷺ) کو ان کے حوالے نہیں کر دیتے۔ انہوں نے یہ معاہدہ لکھ کر بیت اللہ کی چھت کے ساتھ لٹکا دیا۔ اس معاہدے کے بعد بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے سب مومن و کافر اکٹھے ہو گئے، سوائے ابو لہب کے۔ وہ رسول اللہ (ﷺ) اور بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کے خلاف قریش کا ہمنوا بن گیا۔ رسول اللہ (ﷺ) اور آپ کے ہمنوا شعب ابی طالب میں محرم کی یکم تاریخ کو بعثت نبوی کے ساتویں سال مجبوس ہو گئے۔ آپ اور آپ کے ساتھی تین سال تک نہایت مشکل حالات میں مجبوس رہے۔ خوراک اور دیگر ضروریات زندگی پر مکمل پابندی رہی حتیٰ کہ آپ اور آپ کے ساتھی دشوار ترین حالات میں جینے پر مجبور ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) کو خبر دی کہ اس نے صحیفے پر دیکھ بھیج دی ہے۔ جس نے صحیفے میں موجود ہر چیز ختم کر دی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔ اس معاہدے کی ظالمانہ اور قطع رحمی پر مشتمل تحریر دیکھنے پر چاٹ کھائی ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے یہ بات اپنے چچا ابو طالب کو بتائی۔ ابو طالب نے قریش کو اپنے بھتیجے کی بات بتائی اور کہا: تم صحیفہ چیک کرو، اگر وہ جھوٹا ثابت ہو تو ہم اس کے اور تمہارے درمیان سے نکل جائیں گے اور اگر وہ سچا ثابت ہو تو پھر تم اپنے ظلم و ستم سے باز آ جاؤ۔

قریش نے کہا: تم نے بڑی انصاف کی بات کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے صحیفہ اتار کر

دیکھا تو اس میں ہر چیز ختم ہو چکی تھی۔ سوائے اللہ کے نام کے۔ اللہ کے رسول کی اطلاع بالکل درست تھی لیکن پھر وہ کفر و سرکشی میں مزید بڑھ گئے۔

اللہ کے بندو! اسے سرکشی کہتے ہیں اور یہ وہ زنگ ہے جو دلوں پر چھا جاتا ہے۔ پھر ان کی حالت ایسی ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا \* اسْتَكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئِ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن نَحْدِلْ إِلَّا سُنَّتَ اللَّهِ تَنْدِيلًا وَلَن نَحْدِلْ إِلَّا سُنَّتَ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ (سورة فاطر 42-43)

”یہ لوگ کزی کزی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی خبردار کرنے والا ان کے ہاں آگیا ہوتا تو یہ دنیا کی ہر دوسری قوم سے بڑھ کر راست رو ہوتے مگر جب خبردار کرنے والا ان کے پاس آگیا تو اس کی آمد نے ان کے اندر حق سے فرار کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔ یہ زمین میں اور زیادہ استکبار کرنے لگے اور بری بری چالیں چلنے لگے، حالانکہ بڑی چالیں اپنے چلنے والوں ہی کو لے بیٹھتی ہیں اب کیا یہ لوگ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ پچھلی قوموں کے ساتھ اللہ کا جو طریقہ رہا ہے وہی ان کے ساتھ بھی برتا جائے؟ یہی بات ہے تو تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سرکشی سے محفوظ فرمائے۔ بلاشبہ سرکشی بدترین صفت ہے، اور اللہ ہم سب کو تکبر سے بچائے۔ یقیناً تکبر بھی نہایت برا وصف ہے۔

میں انہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں۔ میں اپنے، تمہارے اور تمام مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش کی دعا کرتا ہوں، تم بھی اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگو، توبہ کرو، بلاشبہ میرا رب بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

میں اللہ کے احسانات پر اس کی بہت تعریف کرتا ہوں اور اس کی نوازشات اور توفیق پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں!

بعد ازاں، اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ ہٹ دھرمی اس وقت بڑھتی ہے جب عقل و دانش کی جگہ خواہش نفس لے لیتی ہے۔ اس طرح نہ صرف حق سے ہٹنا ناگوار نہیں رہتا بلکہ اسلامی جماعت اور امت کی اکثریت سے الگ ہو جانا بھی گوارا ہو جاتا ہے۔

بچے کی ابتدائی عمر میں ہٹ دھرمی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت بچے کی سوچ انتہائی محدود ہوتی ہے، تاہم بھلی تعلیم اور اچھی تربیت کے ذریعے سے اسے درست نہ کیا جائے تو یہ بقیہ زندگی برباد کر دیتی ہے۔ پھر انسان عالم بنے یا حاکم، ڈاکٹر بنے یا سیاست دان یا کچھ اور بنے، بہر حال ہٹ دھرمی اس کے مستقبل پر اثر انداز ہو کر رہتی ہے۔

امت کی ہر مصیبت اور مشکل کی وجہ کچھ نہ کچھ ہٹ دھرمی ضرور ہوتی ہے۔ انسان کی ذاتی زندگی میں، گھر میں، بازار میں، علم میں اور ہر شے میں اس کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے، تاہم صاحب توفیق وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور دانشمندان اور اہل ایمان کی سی دنیا کشادگی سے نوازے۔ صاحب توفیق وہ ہے کہ جو مسلمان جماعت کے ساتھ مضبوطی سے چمٹا رہے، غلطی کے بعد معافی مانگ لے، گناہ کر بیٹھے تو توبہ کر لے، جو خوب جانتا ہو کہ برائی کا اعتراف کر لینا باطل پر ہٹ دھرمی برتنے سے بہتر ہے۔ جو جانتا ہے کہ ہم سے پہلے گزرنے والے ائمہ دین، جیسے چاروں ائمہ اور دیگر ذی قدر علماء، سب اپنی غلطیوں سے برات کا اعلان کرتے تھے اور دوسروں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے طریقے کے خلاف ان کی

کوئی بات نہ مانی جائے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غلطی پر قائم رہنا دراصل ہٹ دھرمی ہے۔ ہٹ دھرمی نرم مزاجی کی دشمن ہے۔ چنانچہ ہٹ دھرم کبھی نرم مزاج نہیں ہو سکتا، اور نرم مزاج کبھی ہٹ دھرم نہیں ہو سکتا۔ نرم مزاج تو رحمت الہی کا حقدار ہے اور ہٹ دھرم کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى»

”اللہ اس پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت اور اپنے حق کا تقاضا کرتے وقت نرم مزاج ہو۔“ (صحیح بخاری: 2076)

یہ جزا دنیا کی ہے، آخرت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاَسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ لَهُ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (سورۃ آل عمران 135)

”اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ انہیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔“

اللہ کے بندو! افسوس کہ آج ہم بہت سے لوگوں کا حال دیکھتے ہیں کہ ہٹ دھرمی ان کے دل میں رچ بس گئی ہے اور وہ ہٹ دھرمی کو فخر اور بڑائی سمجھنے لگے ہیں۔ جن کا مقصد حق کی نہیں بلکہ محض نفس کی فتح ہے۔ ایسی مثالوں سے سوشل میڈیا بھر پڑا ہے۔ یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے تعمیر نہیں، تخریب کرتے ہیں۔ لوگوں میں اختلاف پھیلاتے ہیں، یہ لوگوں کو جوڑتے نہیں توڑتے ہیں۔ اصلاح نہیں کرتے، نفرتیں پھیلاتے ہیں۔

جب تک ہٹ دھرمی انسان کی رہنمائی کرتی ہے، تکبر اس کی خصلت ہوتی ہے تو آپ کبھی اسے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں حصہ ڈالنے والا نہ پاؤ گے۔ اس مذموم صفت کی برائی میں یہ بات ہی کافی ہے کہ اس کا مرتکب اس شخص کی مشابہت اختیار کرتا ہے جس کے متعلق قرآن کا یہ تبصرہ ہے:

﴿كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا \* سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا﴾

”ہرگز نہیں، وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔ میں تو اسے عنقریب ایک کٹھن

چڑھائی چڑھاؤں گا۔“ (سورۃ المدثر: 16-17)

یعنی ایسے عذاب میں کہ جس میں کبھی آرام نصیب نہ ہو گا۔ یہی ہٹ دھرمی کی سزا ہے کہ جس کے ساتھ حق کی طرف لوٹنا ممکن نہیں رہتا۔ اللہ ہم سب کو محفوظ فرمائے۔

من سرّہ ألا یبوءَ بیاتیمہ\*\*\* ویما جنتہ یداءُ یوم معادِ

فلیعترف بالحقّ دون غضاضۃ\*\*\* ما ضرّ أهل الحسبِ غیرَ عینادِ

”جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کے روز اسے گناہوں اور اپنے برے اعمال کا بوجھ نہ اٹھانا پڑے، تو وہ بلا تردد حق کا اعتراف کر لے۔ گھانا پانے والوں کو ہٹ دھرمی ہی ہلاک کرتی ہے۔“

اللہ آپ پر رحم فرمائے اور دو سلام بھیجیے بہترین مخلوق، افضل ترین بشر، شفاعت اور حوض کوثر والے محمد ﷺ پر، اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورۃ الأحزاب: 56)

”اللہ اور اس کے ملائکہ نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں، اے مومنو، تم بھی ان پر درود

سلام بھیجو۔“



41

لا حول ولا قوة إلا باللہ کی فضیلت

15 رجب 1437ھ بمطابق 22 اپریل 2016ء



## پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اس کی حمد بجالا لے ہیں، اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، اسی سے معافی مانگتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اپنے نفس کے شر سے اور اپنی بد اعمالیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمادے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر ڈالے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں، اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“ (سورۃ آل عمران: 102)

اسی طرح فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي

نَسَأَ لُؤُنَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے

اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اس اللہ سے

ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت

کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

اسی طرح فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورة الاحزاب: 70-71)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول جیسی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

اما بعد!

بہترین کتاب اللہ کا کلام ہے، بہترین نمونہ نبی اکرم ﷺ کا نمونہ ہے، خود ساختہ اعمال بدترین اعمال ہیں اور ہر خود ساختہ عمل بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ میں خود کو اور آپ سب کو اللہ کے تقویٰ کی اور امت مسلمہ کے ساتھ جڑے رہنے کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو اس سے الگ ہوتا ہے وہ جہنم میں جا گرتا ہے۔

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

”مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور طریقے پر چلے، حالانکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔“ (سورة النساء: 115)

لوگو! اللہ نے انسان کی تخلیق کی اور انتہائی خوب صورت شکل بنائی اور پھر جسم کو خوب

توازن بنجھا۔ اب انسان ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے صبح و شام بھاگ دوڑ میں رہتا ہے، کوئی تو ایسی تجارت کرتا ہے کہ اپنا آپ بیچ کر خود کو ہلاک کر ڈالتا ہے اور کوئی خود کو بچائے رکھتا ہے۔ ہر شخص محنت کرتا ہے کہ بھوک مٹ جائے اور مشقت کرتا ہے کہ آرام حاصل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمَلَأْ قَبِيهَ ﴾

” اے انسان، تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، اور اُس سے ملنے والا ہے“ (اشفاق: 6)۔

انسان کے وجود سے اگر ایمان کو خارج کر دیا جائے تو انسان انتہائی کمزور مخلوق ثابت ہوتا ہے۔ وہ مصیبت پر پریشان ہو جاتا ہے، فائدے سیننے اور اسے محفوظ رکھنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ پریشانی اور خوف کے عالم میں رہتا ہے، تھکا ہوا، چھوٹے دل والا اور اللہ کی رحمت کے سوا ہر کسی سے مایوس ہو جانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿ وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا ﴾ (سورة النساء: 28)

” انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

ہم میں سے ہر ایک پر تنگیاں، پریشانیاں اور خوف طاری ہوتے رہتے ہیں، حالات زندگی ہر ایک کو دائیں بائیں پھیرتے رہتے ہیں۔ گھر والوں، بچوں اور دوستوں سے معاملات کے دوران کچھ ایسے مسائل کا سامنا ہوتا ہے جن کا اثر یوں ہوتا ہے جیسے بادل کا سورج کی روشنی پر ہوتا ہے۔

وہ اس کی روشنی روک لیتے ہیں۔ پھر وہ چھٹکارے کی تلاش میں لگ جاتا ہے اور مصیبت

سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ، کوئی کونہ یا کوئی بیٹھنے کی جگہ ڈھونڈنا ہوتا ہے۔

پھر سارے بند دروازے کھٹکھٹاتا ہے مگر اندہ کا کھلا دروازہ بھول جاتا ہے۔ پریشانیوں اور مشکلات لوگوں کو سنا تا ہے تاکہ وقت گزر جائے حالانکہ لوگ انتہائی ضعیف اور مدد سے قاصر ہوتے ہیں، مگر وہ اس ہستی کے سامنے مسائل رکھنے سے غافل ہو جاتا ہے جس پر کوئی خفیہ چیز بھی پوشیدہ نہیں رہتی، جسے زمین و آسمان کی کوئی عاجز نہیں کر سکتی، جو بے قرار کی دعا سنا ہے اور تکلیفیں دور کرتا ہے، جس کے قبضے میں ساری بادشاہت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

حالانکہ اگر ایسی کیفیت میں مبتلا لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں تو ان کے ضمیر جاگ جائیں، نفس صاف ہو جائیں، دل پاکیزہ ہو جائیں، انہیں مدد بھی مل جائے اور توفیق بھی حاصل ہو جائے۔ علم کے کئی دروازے ان پر کھل جائیں اور مشکلات سے نکلنے کے کئی طریقے بھی معلوم ہونے لگیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی جنت کے کسی ایسے خزانے کی طرف یا جنت کے دروازے کی طرف رہنمائی فرمادے کہ دنیا کے لالچ میں اور رب سے لاتعلقی کے باعث جس سے وہ ابھی تک غافل رہے تھے۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ، قُلْ: «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، فَإِنَّهَا كُنُوزٌ

مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ» (صحیح بخاری: 6384)

”اے عبد اللہ بن قیس! کہو، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، یہ جنت کے خزانوں

میں سے ایک خزانہ ہے۔“

امام حاکم رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے یہ لفظ بھی روایت کیے ہیں کہ

«بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ؟» (مستدرک حاکم: 7787)

”جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔“

اللہ اکبر! اللہ کے بندو! یہی تو وہ خزانہ ہے کہ جس کی ہم سب کو ضرورت ہے۔ یہی تو وہ خزانہ ہے کہ جس کی ہمارے معاشرے کو ضرورت ہے۔ یہ وہی عظیم خزانہ ہے کہ جس کی قیمت ادا کرنا بہت آسان ہے۔ یہ ایسے الفاظ ہیں جن میں توحید، اللہ کی طرف رجوع، کمزور بندے کی طاقت اور قوت سے عاجزی کے اظہار کے ساتھ عظیم اللہ کی طاقت اور قوت پر بھرپور بھروسے کا اظہار ہے۔

یہ الفاظ توفیق کے متلاشی کسی بھی شخص کا زادراہ ہیں۔ پریشان حال کے لیے باعثِ تسلی ہیں۔ رنج میں مبتلا افراد کے لیے سببِ راحت ہیں۔ جو ان سے چمٹا رہتا ہے وہ منافع پاتا ہے اور سعادت حاصل کر لیتا ہے اور جو انہیں چھوڑ دیتا ہے وہ نامراد ہو جاتا اور گھٹانا پاتا ہے۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اسْتَكْبَرُوا مِنَ النَّاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ» قِيلَ: وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟  
قَالَ: «الْمِلَّةُ»، قِيلَ: وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «الْمِلَّةُ»، قِيلَ: وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «الْكِبْرُ، وَالتَّهْلِيلُ، وَالتَّسْبِيحُ، وَالتَّحْيِيدُ،  
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» (مسند أحمد: 11713)

”ہمیشہ رہنے والے نیک کام زیادہ سے زیادہ کیا کرو“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا، ہمیشہ رہنے والے نیک کام کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کبیر، تہلیل، تسبیح، الحمد للہ اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔“

انسان کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے! لوگوں کی طاقت اور قوت کے پیچھے لگ کر یہ اللہ کی قوت اور طاقت سے غافل ہو جاتا ہے کس قدر عجیب ہے! کہ جنت کے دروازے سے وہ غافل ہو جاتا ہے، ایسے خوبصورت عمل سے دور ہو رہتا ہے جو اسے جنت کے خزانے کی طرف

بچانے والا ہے!

سنو! اگر ظلم اور تنگی کے شکار لوگ ان الفاظ کو کثرت سے پڑھیں اور یقین کے ساتھ ان کا ورد کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے رضامندی کے وہ دروازے کھول دے کہ جن کے سامنے سارے غم اور ساری پریشانیاں اور ہر طرح کا خوف کافور ہو جائے۔ یہی ایمان کی کنجی ہیں۔ یہی مدد کی چابی ہیں۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ نے بیان کیا ہے۔ جب انسان لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ لیتا ہے تو وہ سارے معاملات اس پروردگار کے حوالے کر دیتا ہے جو اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے اور جو دانا اور باخبر ہے۔

در اصل لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کہنے والا یہ کہتا ہے: اللہ کی قدرت اور طاقت کے بغیر نہ میں کوئی حرکت کر سکتا ہوں نہ مجھ میں کوئی طاقت ہے اور نہ میں ایک حال سے دوسرے حال میں جا سکتا ہوں۔

چنانچہ بہت سی احادیث میں صرف انہی الفاظ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور بہت سی احادیث میں دیگر اذکار کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔ جو شخص یہ الفاظ ادا کر لیتا ہے، وہ لازمی طور پر اللہ کی مدد کا حق دار بن جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے جواب میں، جب مؤذن «حی علی الصلاة، حی علی الفلاح» کہے تو «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» کہنا مسنون ٹھہرایا ہے۔

اے پریشانی میں پڑنے والے! اذرا رک جا! ان الفاظ کے عظیم معانی پر غور و خوض کر! یہ الفاظ اس عظیم ہستی کی طرف رجوع کرنے پر مشتمل ہیں کہ جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، جس کے پاس کسی چیز میں کوئی کمی نہیں ہے، وہ دن رات عطا ہی کرتا رہتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرمائے ہیں، تب سے اس نے کتنا خرچ کیا ہو گا؟ اس سارے خرچ کے باوجود اس کی ملکیت میں ذرا بھی کمی نہیں آئی جیسا کہ

رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

مفسرین اور محدثین نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کی سند حسن درجے کی ہے۔  
واقعہ یہ ہے کہ سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے بیٹے مالک کو مشرکین قید کر کے لے گئے۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور بتایا: اے اللہ کے رسول! دشمن میرے بیٹے کو قید کر کے لے گئے ہیں اور ساتھ ہی فقر وفاقہ کی شکایت بھی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سے ڈرو اور صبر کرو! کثرت سے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھتے رہو۔" سیدنا عوف نے آپ ﷺ کے فرمان پر عمل کیا۔ ایک روز وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ بیٹا آ گیا وہ۔ دشمن کو غافل پا کر بھاگ نکلا تھا، راستے میں دشمن کے کچھ اونٹ نظر آئے تو وہ بھی لے آیا۔

اللہ اکبر! کتنے عظیم الفاظ ہیں! اللہ اکبر! ان کا اثر کتنا بھلا ہے! اللہ اکبر! اللہ اکبر! ان الفاظ کہنے اور ان پر عمل کرنے سے ہم کتنے غافل ہیں حالانکہ یہ انتہائی آسان ہیں۔ انہیں کہنے کی قدرت طاقتور اور ضعیف، مال دار اور فقیر، سب رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ شخص بھی ان الفاظ کو ادا کر سکتا ہے جو بیماری کے بستر پر ہو۔

يَا رَبُّ أَنْتَ كَمَا رَزَقْتَنِي \*\*\* رَأَيْتُ خَيْرًا سَابِقًا لَا حَدَّ لَهُ

رَزَقْتَنِي وَأَنْتَ خَيْرُ رَازِقٍ \*\*\* أَزَحَّتْ يَا قَدِيرُ كُلَّ مُعْضَلَةٍ

تَطَوَّفُ بِي مَضَائِقُ أَخَاهَا \*\*\* لَا تَنْتَهِي فِتْنَتِي بِالْحَوْقَلَةِ

يَأْتِي إِلَيْكَ الْمُسْتَجِيرُ مَا شِئْنَا \*\*\* وَأَنْتَ يَا ذَا الْجُودِ تَأْتِي هَرَوَلَةً

"اے پروردگار! تو جب بھی مجھے رزق دیتا ہے، مجھے بے انتہا خیر نظر آنے لگتی ہے۔ تو نے مجھے رزق دیا، تو ہی بہترین رزق عطا کرنے والا ہے، تو نے ہر مشکل دور فرمائی ہے۔ کبھی ایسی پریشانیاں آتی ہیں کہ ان سے نجات ممکن نظر نہیں آتی، تاہم لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ سے وہ بھی کافور ہو جاتی ہیں، تو عظیم رب ہے! مدد مانگنے والا تیری طرف چل کر آتا ہے

اور تو اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہے۔“

حدیث قدسی میں اللہ رب العزت نے سچ فرمایا کہ

« أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي »

”میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے

یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن و سنت کے ذریعے سے برکت عطا فرمائے، آیات مبارکہ اور حکمت بھرے ذکر حکیم سے نفع پہنچائے۔ میں نے جو کہا، آپ نے سن لیا۔ اگر درست کہا تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط کہہ گیا تو میرے نفس اور شیطان کی وجہ سے۔ میں اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اس سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو! بالیقین! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے احسانات پر ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی توفیق پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔

اما بعد، اے اللہ کے بندو!

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور خفیہ و علانیہ ہر جگہ اس سے ڈرو۔ یہ کیسی حیران کن چیز ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے دنیاوی گھر کی تزئین و آرائش کے لیے کس قدر دھوڑ دھوپ کرتا ہے، مختلف رنگوں اور طرح طرح کے پھلدار پودوں سے اسے سجاتا ہے۔ اس کے لیے اسے کس قدر مال اور کتنی محنت خرچ کرنی پڑتی ہے، وہ اس کی بالکل پروا نہیں کرتا۔

کاش کہ ہمیں آخرت کے گھر کی سجاوٹ بھی یاد ہوتی، تو کیا آج میں تمہیں آخرت کے



گھر کی تزئین و آرائش کے لیے عظیم ترین پودا پیش نہ کروں؟! وہ گھر کہ جس میں ایسی نعمتیں ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے ان کے بارے میں سنا نہیں اور نہ کسی انسانی دل میں ان کا خیال گزرا ہے۔

یہ ایسا پودا ہے کہ جس کا تصور کرنا بھی محال ہے خواہ کوئی کتاب بڑا دانشور اور مفکر ہی اس کی کوشش کرے، اس کی اس حقیقت کا ادراک نہ خواب میں ہو سکتا ہے اور نہ حالت بیدار میں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بلاشبہ یہ جنت کا پودا ہے، اور وہ ہے:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ (صحیح ابن حبان: 821)

لہذا ہمیں اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو حالات سے دل برداشتہ ہوتا ہے حالانکہ اس کے پاس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ جیسا عظیم و عظیمہ موجود ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو پریشان ہوتا ہے جبکہ اس کے پاس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کا ورد موجود ہے۔

اس شخص پر بھی بڑا تعجب ہوتا ہے جو کسی چیز کے حصول میں مشکل محسوس کرتا ہے یا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مطلوب لیٹ ہو رہا ہے حالانکہ اس کے پاس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کا مضبوط و عظیمہ موجود ہے۔ آگاہ رہو! اللہ کی قسم، اللہ کی قسم، اللہ کی قسم! یقیناً لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کی فضیلت و اہمیت سے لاعلمی بہت بڑی کوتاہی ہے۔

اس کے بعد جان لو! اللہ تم پر رحم فرمائے۔ کچھ لوگ اس کلمے کے بارے میں دو بڑی غلطیاں کرتے ہیں۔

پہلی غلطی یہ ہے کہ لوگ مصیبت اور تکلیف کے وقت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھتے ہیں، حالانکہ مصیبت کے موقع پر «إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ» پڑھا جاتا ہے۔ یہ

رسول اللہ ﷺ کے فرامین کے بالکل خلاف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وذلك أن هذه الكلمة أي: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ هي كلمة استعانة لا كلمة استرجاع، وكثير من الناس يقولها عند المصائب بمنزلة الاسترجاع، ويقولها جذعًا لا صبرًا"

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ مد طلب کرنے والے کا وظیفہ ہے۔ یہ تکلیف پر دکھ اور صبر کے اظہار کے لیے نہیں ہے۔ بے شمار لوگ اسے مصیبتوں پر دکھ اور صبر کے اظہار کے لیے پڑھتے ہیں۔ جو غم اور مصیبت کے موقع پر (إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ) کے بجائے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھتا ہے اس کا مقصود صبر کرنا نہیں بلکہ بے صبری اور ناشکری کرنا ہوتا ہے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ

لوگ اسے پڑھتے وقت تسابلی یا جہالت کی بنا پر غلط پڑھتے ہیں۔ وہ کہتے: (لا حول الله) صرف اتنا پڑھنے سے اس کلمے کا معنی بگڑ جاتا ہے۔ لہذا پورا جملہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ" پڑھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اطاعت پر ثابت قدم فرمائے۔ اپنے ذکر، شکر اور بہترین عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بلاشبہ اللہ کی توفیق کے بغیر نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی ہمت نہیں ہے۔ ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

میں انہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں، تم انسانیت کے سردار، بشریت کے علمبردار محمد بن عبد اللہ حوض و شفاعت کے حقدار پر درود و سلام بھیجو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔ اپنے مقدس تسبیح خواں فرشتوں کو حکم دینے کے بعد مومنوں کو بھی حکم دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول، نورانی چہرے والے، کشادہ جبین محمد ﷺ پر درود و سلام بھیج۔ اے اللہ! اپنے نبی کے چاروں خلفائے راشدین ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا۔ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور نیکی میں تاقیامت ان کے پیروکاروں سے بھی خوش ہو جا۔ اے ارحم الراحمین! اپنے فضل و کرم سے ہم سے بھی راضی ہو جا۔



42

رمضان ماہ قرآن

27 شعبان 1437ھ بمطابق 3 جون 2016ء

## پہلا خطبہ

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ بہت عزت والا اور بخشنے والا ہے۔ وہ ظاہر اور چھپی چیزوں کا حال جاننے والا اور لوگوں کے حال تبدیل کرنے والا ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ﴾  
 ”رات اور دن کا الٹ پھیر وہی کر رہا ہے۔ اس میں سبق ہے آنکھوں والوں کے لیے۔“ (سورۃ النور: 44)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ روزہ کی حالت میں، باقی بھی ہر حالت افضل ترین تھے۔ آپ ﷺ نے امت کو سیدھا راستہ دکھایا اور بہترین شاہ راہ پر چھوڑا۔ اللہ کی رحمتیں، برکتیں اور سلامتی نازل ہو آپ ﷺ پر، آپ کی پاکیزہ، نیک اور بزرگی والی آل پر، آپ ﷺ کی بیویوں اور مسلمانوں کی ماؤں پر، مہاجر اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔

بعد ازاں اللہ کے بندو! مجھے اور آپ کو جو بہترین نصیحت کی گئی ہے وہ تقویٰ کی نصیحت ہے کیونکہ اسی کے ذریعے گناہوں سے بچا جاسکتا ہے اور اللہ کے فضل و کرم کے بعد اسی سے بھلائیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا \* وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

”جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اُس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا فرمادے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جہاں اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔“ (سورۃ الطلاق: 2-3)

اللہ کے بندو! ان دنوں انسانوں کے دل اور رومیں شوق اور انتظار میں ڈوب چکی ہیں۔ لوگ دھیمی اور بلند آواز میں دعائیں کر رہے ہیں کہ اللہ انہیں وہ مہینہ نصیب فرمائے جس میں اس نے بڑی منفرد اور عظیم خیر و برکت اور رحمت رکھی ہے۔ یہ مہینہ، رمضان کا مہینہ ہے، فرقان کا مہینہ ہے، جنت کے ”ریان“ دروازے کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ، مساجد کی آبادی کا مہینہ ہے، ذکر اور حمد و ثنا کا مہینہ ہے، توبہ، رجوع اور دعا کا مہینہ ہے۔

اس مہینے کی بابرکت اور معطر ہوائیں آسمان میں چل پڑی ہیں۔ ہم ان کے جھونکوں کے عطر سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ان خوشگوار جھونکوں میں روزہ داروں، قیام کرنے والوں اور صدقہ دینے والوں کے لیے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں۔ یہ رمضان المبارک کے جھونکے ہیں۔ خلوت و جلوت کے گناہوں کی وجہ سے بیمار پڑ جانے والے نفس ان خوشبودار جھونکوں سے خوش ہو گئے ہیں۔ ان جھونکوں سے سختی، فضول خرچی، خود نمائی اور شدت کے دھبے دھل جانے والے ہیں۔ فرمان الہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ

الهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾

”رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔“ (سورۃ البقرہ: 185)

یہ بابرکت مہینہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت پر آہی جاتا ہے، لیکن کچھ لوگ اس مہینے میں بھی نیک لوگوں میں شامل ہونے سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو اس ماہ کا احترام کرتے ہوئے روزہ رکھتے ہیں اور روزے کا اجر ضائع کرنے والی تمام چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ وہ فیبت سے رکے رہتے ہیں۔ چغل خوری سے اجتناب کرتے ہیں۔ جھوٹ،

کبکبر، خود پسندی جیسی برائیوں سے اپنا دامن صاف رکھتے ہیں جبکہ کچھ لوگ روزے تو رکھتے ہیں لیکن انہیں روزوں سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اس مہینے میں لوگ رب کے حضور خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ ریز ہوتے ہیں، قرآن کریم کی دن و رات تلاوت کرتے ہیں، رکوع اور سجدے کرتے ہیں، اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور اس سے دعائیں مانگتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ رات کو جاگتے تو ہیں مگر انہیں بے خوابی اور تھکاوٹ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اس مہینے میں، کہ جس میں قرآن کریم نازل ہوا تھا، امت اسلامیہ بڑے جوش و جذبے کے ساتھ اللہ کی کتاب سے عظیم تعلق، وابستگی اور تلاوت و تدبر کی خاطر ہے۔ اس مہینے میں امت اسلامیہ قرآن کے ساتھ تعلق کی ایسی شاندار مثال پیش کرتی ہے کہ وہ کسی دوسرے مہینے میں نظر نہیں آتی۔ وہ قرآن کریم کی آیات مکمل خشوع و خضوع، پورے وقار اور توجہ کے ساتھ سننے کی منتظر ہے۔

رمضان المبارک میں امت اسلامیہ قرآن کریم کی تلاوت بڑے ذوق و شوق سے کرتی ہے۔ وہ اپنے خالق کے کلام کی تلاوت کرتی ہے، وہ کلام کہ جسے سن کر عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں، دانشمند غش غش کرنے لگتے ہیں اور دل و جان توانائی سے بھر جاتے ہیں۔

یہ وہی قرآن ہے کہ جس نے مشرک عقبہ بن ربیعہ کو حیران اور بے خود کر دیا تھا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس گیا اور آپ کو دین چھوڑ دینے پر مال و دولت اور بادشاہت کی پیشکش کیا۔ عقبہ پیشکش کر پکا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "عقبہ! تم نے جو کہنا تھا، کہہ لیا؟" عقبہ نے کہا: "نہیں! کہہ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لو پھر! اب میری بات سنو" عقبہ نے کہا: "جی بہتر! آپ ﷺ نے سورہ حم السجدہ کی پہلی آیات کی تلاوت کی۔

﴿حَم \* تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ \* كِتٰبٌ فُصِّلَتْ آيٰتُهُ قُرْآٰنًا

عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿ (سورة فصلت: 1-3)

”حم۔ یہ اللہ رحمان اور حیم کی طرف سے نازل کردہ کلام ہے۔ ایک ایسی کتاب کہ جس کی آیات خوب واضح کر کے بیان کی گئی ہیں، یہ قرآن عربی زبان میں ہے۔ اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔“

آپ ﷺ اس سورت کی آیات پڑھتے گئے اور عتبہ ہاتھ پیچھے کیے بیٹھا سنا رہا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

پھر عتبہ مشرکین کی طرف لوٹا تو مشرکین نے دور سے دیکھ کر ہی کہہ دیا کہ اللہ کی قسم! عتبہ وہ چہرہ لے کر نہیں لوٹا، جو وہ لے کر گیا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا: ابو الولید! کیا بنا؟ عتبہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے قبل کبھی اس طرح کا کلام نہیں سنا۔ یہ نہ تو شاعری ہے، نہ جادو اور نہ ہی شعبدہ بازی۔ اے قریش کے لوگو! اس معاملے میں میری مانو۔ اس کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ اس بندے کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ جو کلام یہ پڑھتا ہے، عنقریب تم اس کی کوئی عظیم خبر سنو گے۔

اللہ کے بندو! اس کلام کو جو پڑھتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ یہ بہترین کلام ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِي تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن هَادٍ﴾ (سورة الزمر: 23)

”اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں اور جس میں باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں اُسے سن کر اُن



لوگوں کے روٹگئے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں، اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہ راست پر لے آتا ہے، جسے چاہتا ہے اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں۔“

یہ بہترین قصوں پر مشتمل کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کیا ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا

الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾ (سورۃ یوسف: 3)

”اے محمد (ﷺ)! ہم اس قرآن کو تمہاری طرف وحی کر کے بہترین پیرایہ میں واقعات اور حقائق تم سے بیان کرتے ہیں، ورنہ اس سے پہلے تو (ان چیزوں سے) تم بالکل ہی بے خبر تھے۔“

یہ عظیم قرآن ہے کہ جسے اگر پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو وہ بھی اللہ کے ڈر سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

کاش میں جان لوں کہ اللہ کا کلام سنتے ہوئے ہمارے دل کیوں سخت رہتے ہیں؟! یہ کلام لوگوں کی زبانوں سے نیچے کیوں نہیں اترتا؟ یہ کتاب سننے کے باوجود لوگوں کی ہنسی زیادہ اور ان کا رونام کیوں ہے؟! کیا لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھتے:

﴿أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ \* وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ \*

وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ﴾

”اب کیا یہی وہ باتیں ہیں جن پر تم اظہار تعجب کرتے ہو؟ ہنستے ہو اور روتے نہیں

ہو؟ اور گاہ بجا کر انہیں ٹالنے ہو؟“ (سورۃ النجم: 59-61)

سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے سورہ مریم کی تلاوت کی تھی۔ اس

وقت نجاشی عیسائی تھا، اس کے باوجود نجاشی اور ان کے ساتھیوں کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔  
فرمان الہی ہے:

﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ  
مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾

”جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے  
اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم  
ایمان لائے، ہمارا نام گو اسی دینے والوں میں لکھ لے۔“ (سورۃ المائدہ: 83)

اللہ کے بندو! یہ قرآن کا مہینہ ہے۔ یہ تراویح کا مہینہ ہے۔ تراویح کے ذریعے سے  
اصحاب ہدایت کے دلوں کو تسلی اور عزت نصیب ہوتی ہے۔ امت بڑے شوق اور جذبے  
سے شب بیداریوں میں قرآن کریم کی تلاوت سے لطف اندوز ہونے کی منتظر ہے۔  
عجب ہے کہ وعید اور تنبیہات پر مشتمل آیات سن کر بھی لوگوں پر خشوع و خضوع  
طاری نہیں ہوتا اور کوئی رجوع نہیں کرتا بلکہ قرآن کی عظیم آیات ایک کان سے سنتے ہیں اور  
دوسرے سے نکال دیتے ہیں۔

اللہ کے بندو! کیا آپ کو حیرانی نہیں ہوتی کہ بعض جن بھی انسانوں سے زیادہ نرم دل  
ہوں کیونکہ جب جنوں نے آپ ﷺ سے قرآن کریم کی تلاوت سنی تھی تو وہ اپنی قوم کو اس  
بارے میں آگاہ کرنے کے لیے نکل پڑے تھے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِمَا  
بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ \* يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا  
دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيَجْعَلْكُمْ  
عَدَابَ اللَّهِ﴾ (سورۃ الأحقاف: 30-31)

”انہوں نے جا کر کہا، اے ہماری قوم کے لوگو، ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے، وہ اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، حق اور راہِ راست کی طرف وہ رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم کے لوگو، اللہ کی طرف بلائے والے کی دعوت قبول کر لو اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔“

جب دل غفلت میں پڑ جاتے ہیں تو وہ سخت ہو جاتے ہیں۔ جب دل سخت ہو جاتے ہیں تو ان میں تدبر، خشوع اور عاجزی کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾ (سورۃ محمد: 24)

”کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا، یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔“

اللہ مجھے اور آپ کو دل کی سختی اور غفلت سے محفوظ فرمائے۔

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن و سنت کے ذریعے سے برکت عطا فرمائے۔ آیات اور ذکر حکیم سے ہمیں نفع پہنچائے۔ مجھے یہی کہنا تھا۔ اگر درست کہہ سکا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اگر غلط کہہ دیا تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیے اور اسی کی طرف رجوع کیجیے۔ یقیناً امیرِ عرب بہت معاف کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ تعالیٰ کے بے پناہ احسانات پر سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں، میں اس کی توفیق اور

فضل و کرم پر اس کا شکر گزار ہوں۔

حرم و ثناء کے بعد، اے بندگانِ الہی! اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ ماہِ رمضان سر پر آپہنچا ہے۔ لہذا اللہ سے ڈرو اور نیک اعمال سر انجام دینے میں جلدی کرو۔ اللہ کے فضل و کرم سے رمضان المبارک مہینہ آچکا ہے، لہذا خوشی اور مسرت کے ساتھ اس کا استقبال کرو۔

رمضان المبارک کو مصیبت سمجھنے والوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اس مبارک مہینے کو بھی لبو و لعب میں گزارتے ہیں۔

بے ہودہ کھیل کود سے وقت ضائع کرتے ہوئے انہیں شرم و حیا نہیں آتی۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مبارک مہینے کا تقدس اور حرمت کو ہمارا کرنے میں کچھ عار محسوس نہیں کرتے، بلکہ یہ مہینہ تو ایسا ہے کہ اس میں دنیا کی زیب و زینت اور سرگرمیوں کو ترک کر دینا چاہیے۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے کہ اللہ والے اپنی سواریاں روک کر اللہ کے حضور پیش ہو جاتے ہیں، خوب گڑگڑا کر اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگتے ہیں۔

یہ وہ مہینہ ہے جس میں عالی ہمت حضرات اپنے ان دینی بھائیوں کی مدد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو آج حالات کی وجہ سے گردشِ کاشکار ہیں۔ وہ اس طرح روزے نہیں رکھ پارہے جیسے کبھی رکھتے تھے۔ وہ اس طرح نمازیں بھی پڑھنے سے قاصر ہیں جیسے کبھی پڑھا کرتے تھے۔ ان کی افطاریاں بھی پہلے جیسی نہیں، ان کی سحریاں بھی تبدیل ہو چکیں۔ انہیں جنگوں نے زخموں سے چور کر دیا ہے۔ انہیں قتل و غارت نے خوفزدہ کر دیا ہے، وہ فقر و قاتے سے دوچار ہیں، قحط سالی اور بھوک نے انہیں نڈھال کر دیا ہے۔ روزے دار قرآنی تلاوت سن کر سوتے ہیں جبکہ وہ میزائلوں کی گھن گرج اور ہڈیوں کے چنچنے کی دلدوز آوازوں میں بے آرام رہتے ہیں۔

بندگانِ الہی! اللہ سے ڈرو، رحم کرنے والے اور شفقت کے جذبات کے ساتھ ماہ

سقاوت کا استقبال جو دو سقا سے کرو، ماہ قرآن کو قرآن کی محبت سے خوش آمدید کہو، ماہ دعا و استجاب کا استقبال دنیاؤں کے ساتھ کرو، ماہ توبہ و بخشش کو معافی اور توبہ سے بھر دو۔ یقیناً رمضان پانچ قریب آجیے عمر و دہمت جلد پلٹ جاتا ہے۔ وہ نہ کسی سست رو کا انتظار کرتا ہے اور نہ کسی نفل کو بہت دیتا ہے۔ رمضان المبارک سے فائدہ اٹھانے والوں کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

(صحیح بخاری: 37)

”جس شخص نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے قیام رمضان کیا تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“

جبکہ نفل اور کوتاہیوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«وَرَغِمَ أَنْفٌ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ ائْتَلَعَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ»

(جامع ترمذی: 3545)

”وہ شخص رسولؐ ہوا جس کی زندگی میں رمضان آیا اور چلا گیا مگر اس کو گناہوں کی بخشش نہ ملی۔“

برادرانِ اسلام! سید البشر، سردار انسانیت محمد ﷺ صاحبِ حوضِ کوثر اور شائعِ محشر پر درود و سلام بھیجو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے، خود اپنی ذات سے ابتداء کی پھر فرشتوں کو حکم دیا اور پھر تمام مسلمانوں کو حکم دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



## پہلا خطبہ

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔

﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ  
وَالْهُدَىٰ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا  
فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

”جس اللہ نے مکان محترم، کعبہ کو لوگوں کے لیے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا  
ذریعہ بنایا اور ماہ حرام اور قربانی کے عام جانوروں اور جن جانوروں کے گلے میں  
(بطور نشانی) پٹہ ڈال دیا گیا ہو، ان سب کو بھی (اس کام میں معاون بنا دیا) تاکہ  
تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کے سب حالات سے باخبر ہے اور  
اُسے ہر چیز کا علم ہے۔“ (سورۃ المائدہ: 97)

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس گھر کی محبت ڈال دی، وہ پیدل چل کر، سوار ہو  
کر اور دیپے پتلے جانوروں پر بیٹھ کر اس گھر تک پہنچتے ہیں۔ میں اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں  
اور اس کا شکر بجالاتا ہوں۔ میں اس توبہ کرتا ہوں اور گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ اور میں  
گو اسی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ  
ایسی گواہی ہے جس کی بدولت ہم دین پر ثابت قدمی اور آخرت میں اللہ سے ملاقات کے دن  
نجات کی امید رکھتے ہیں اور میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول  
ہیں۔ اس کے خلیل اور مخلوق میں چنے ہوئے انسان ہیں۔ اگلے اور پچھلے تمام لوگوں کے  
سردار ہیں۔ روشن و بابرکت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مومنوں کے قائد ہیں۔

آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔ آپ کی پاکیزہ آل پر، آپ کی ازواج  
مطہرات اہمات المؤمنین پر بھی اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو۔ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم،

تاجعین عظام اور تاقیامت ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے راضی ہو جائے اور ان پر بے شہر سلامتیاں نازل فرمائے۔

حمد و ثناء کے بعد، اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو! دن بدلتے رہتے ہیں اور وقت بادل کی سی تیزی سے گزر جاتا ہے۔ جو گزر گیا وہ تمہارے ہاتھ سے نکل گیا۔ آنے والا وقت ابھی نامعلوم ہے۔ اس طرح تمہارے پاس صرف آج ہی کا وقت بچا ہے۔ لہذا اللہ کے تقویٰ کے حصول اور اللہ کے دین کے مضبوط کڑے کو مضبوطی سے تھامنے میں خوب جلدی کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ اتَّبَعَ هَذَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى﴾

”جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہو گا۔“

(طہ: 123)

اے مسلمانو! اے بیت اللہ کے حاجیو! یہ بے مثال موقع ہر سال آتا ہے۔ اس خوبصورت موقع کو دیکھتے ہوئے بے شہرا متیں گزر چکیں اور لا تعداد صدیاں بیت چکیں۔ اسی طرح طواف کرنے، تلمیہ کہنے، سعی اور وقوف کرنے، منیٰ میں راتوں کا قیام کرنے اور جبرات کو کنکریاں مارنے کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ یہ وہ مقامات مقدسہ ہیں جن کی زیارت کیلئے اللہ کے نبی اور رسول، مسلمان حکمران اور خلفاء، رؤساء، علماء اور ان گنت لوگ آتے رہے ہیں۔ یہ سارے لوگ وفد در وفد آتے رہے اور اللہ کا فضل و کرم حاصل کرتے رہے۔ ان کی آمد ابراہیم خلیل اللہ ﷺ کی دعوت پر لیک کہتے ہوئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ﷺ کو حکم دیا تھا۔

﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ

كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾



”اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار ہو کر چلے آئیں۔“ (سورۃ الحج: 27)

یہ مکہ مکرمہ ہے، اور یہ وہ بیت الحرام ہے جس کی بنیاد توحید و اطاعت پر رکھی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ  
\* فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى  
النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ  
عَنِّي وَعَنِ الْعَالَمِينَ﴾

”بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا، اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، یہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبادت ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا، مامون ہو گیا، لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔“ (سورۃ آل عمران: 96-97)

اللہ تعالیٰ کا فرمان سچ ہے: ﴿وَمَنْ أَضْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ (سورۃ النساء: 122)

”اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہو گا۔“

نیز فرمایا:

﴿وَمَنْ أَضْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ (سورۃ النساء: 87)

”اور اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے۔“

یقیناً اللہ نے سچ فرمایا، بیت اللہ میں بڑی واضح نشانیاں ہیں۔ یہ ایسی واضح نشانیاں ہیں جن پر مرور ایام کا کوئی اثر ہوا اور نہ ہی ترقی اسے ختم کر سکی۔ یہ واضح نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے تقدس کی دلیل ہیں اور اس کا فضل و کرم ہر دور میں جاری و ساری ہے۔ بیت اللہ میں (ایک نشانی) مقام ابراہیم ہے، جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کی، ان کے بیٹے اسماعیل (علیہ السلام) انہیں پتھر پڑاتے اور وہ تعمیر کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا

إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (سورة البقرة 127)

”اور یاد کرو (سیدنا) ابراہیم (علیہ السلام) اور (سیدنا) اسماعیل (علیہ السلام) کو کہ جب وہ اس

گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے، تو دعا کرتے جاتے تھے: ”اے ہمارے رب، ہم سے

یہ خدمت قبول فرمائے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر بغیر جوتوں کے سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) کے تازہ قدم لگے ہوئے ہیں۔ یہ مقام ان کی ہمت، حوصلے، اخلاص اور اللہ کے حکم کی سچے دل سے تعمیل کی نشانی ہے۔

بیت اللہ میں واضح نشانیوں میں سے صفا اور مردہ پہاڑیوں کی سعی بھی ہے تاکہ حجاج کرام ام اسماعیل علیہا السلام کی قربانیوں کا احساس حاصل کر سکیں۔ ایک ایسی وادی میں جو غیر آباد تھی۔ جب ان کے خاندان انہیں الوداع کرنے لگے تو انہوں نے عرض کی:

”اللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟، فيقول: نَعَمْ، فَتَقُول: إِذَا لَا يُضِيْعُنَا“

”کیا آپ اللہ کے حکم سے ہمیں اس وادی میں چھوڑے جا رہے ہیں؟ ابراہیم

علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں! اس پر ام اسماعیل علیہا السلام نے کہا: تب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔“ (صحیح البخاری: 3364)

بلاشبہ سعی، قوت، جو انمردی اور توکل کی عظیم نشانی ہے۔ یہ اللہ پر اعتماد اور بھروسے کی نشانی ہے۔ وہ توکل جس نے ام اسماعیل علیہا السلام کے دل کو گھیر لیا تھا تاکہ اللہ انہیں جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے عزت سے نوازیں۔ جنہوں نے پیر مارا تو زمین سے پانی نکل آیا۔ انہوں نے خود پیا اور اپنے بچے کو دودھ پلایا۔ یہ ہے وہ مبارک زمزم جو بھوکے کے لیے کھانے اور بیمار کے لیے دوا کا کام کرتا ہے۔ یہ وہ زمزم ہے جو نہ کبھی رکا اور نہ کبھی خشک ہو۔ یہ وہ معجزہ ہے جس نے علماء اور ماہرین کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ یہ وہی پانی ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَاءٌ زَمْزَمٌ لِعِمَا شَرِبَ لَهُ» (مسند أحمد: 14849)

”زمزم کا پانی جس مقصد کیلئے پیا جائے وہی پورا ہو جاتا ہے۔“

بیت اللہ شریف کے حاجیو! یہ بیت الحرام ہے جس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ اس میں برکت کی نشانی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو عطا کی ہے۔ اس کے کھانے پینے میں، اس میں زندگی گزارنے میں اور اسکی زمین میں برکت ہے۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قصہ آیا ہے کہ

أن إبراهيم عليه السلام لما جاء إلى زوج إسماعيل عليه السلام سألهما: ما طعامكم؟ قالت اللّحم، قال فما شربكم؟ قالت الماء.

قال: اللهم باريك لهما في اللّحم والماء، قال النبي ﷺ: «ولم يكن لهما يومئذ حب، ولو كان لهما دعا لهما فيه». قال: فهما لا تخلو عليهما

أحدٌ بغير مَكَّةَ إِلَّا لَمْ يُؤَفِّقَاهُ» (صحیح بخاری: 3364)

(ایک عرصے کے بعد) جب وہ ۱۰ میل پہنچا کی بیوی کو طے تو پوچھا: ”تم کھاتے کیا ہو؟ اس نے جواب دیا: گوشت کھاتے ہیں۔ پھر پوچھا: پیتے کیا ہو؟ اس نے جواب دیا: (زہرم) پیتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ سن کر دعا کی: ”اے اللہ! ان کے مشروب اور گوشت میں برکت ڈال دے۔“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مکہ مکرمہ کے علاوہ کسی جگہ پر اگر کوئی شخص صرف پانی اور گوشت پر جینا چاہے تو یہ دونوں اسے موافق نہ آئیں گے۔“ یعنی اگر کوئی شخص صرف گوشت کھائے اور پانی پیے تو وہ بیمار ہو جائے۔“

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رب سے دعا کی تھی کہ اے پروردگار:

﴿فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الشَّمْرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾

”لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے، شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔“ (ابراہیم: 37)

بیت اللہ شریف کے حاجیو:

مکہ مکرمہ ان واضح نشانیوں کا گواہ ہے، ان سے مومنوں کو اپنے خالق کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ پھر اس بیت اللہ کی عظمت و شان معلوم ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بصیرت والوں کے لیے کھلی نشانیاں رکھی ہیں۔

یہ کھلی نشانیاں مسجد حرام اور دیگر مقامات مقدسہ پر ہیں۔ حاجی بیت اللہ پہنچ کر سب سے پہلے طواف شروع کرتا ہے اور طواف کی ابتداء حجر اسود سے کرتا ہے اور حجر اسود بھی ایک واضح نشانی ہے۔ اس پتھر کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ مَسْحَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَالرَّكْنَ الْيَمَانِيِّ يُحْطَانِ الْخَطَايَا حَطًّا﴾

”حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونے سے گناہ خوب معاف ہوتے ہیں۔“ (الجامع

الصغیر للسیوطی: 2432)

حجر اسود نبوی کریم ﷺ کی شان اور مقام کی گواہ نشانی ہے۔ یہ حکمت و دانائی، سچائی اور امانت دار نبی کی گواہ ہے جس نے بکھرے ہوئے لوگوں کو جوڑ دیا۔ جو رحمدل ہے، سخت مزاج نہیں، اصلاح کرتا ہے اور فساد سے پوری طرح دور ہے۔ بلاشبہ کعبہ کی تعمیر کے وقت قریش کے مختلف قبائل نے اس میں حصہ لیا اور اپنے اپنے حصے کی تعمیر مکمل کی۔ حتیٰ کہ جب حجر اسود نصب کرنے کی باری آئی تو وہ جھگڑ پڑے۔ ہر قبیلہ یہ شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ حتیٰ کہ لڑائی جھگڑا باقاعدہ جنگ کی شکل اختیار کر گیا۔ بالآخر ایک دانائے مشورہ دیا کہ اسکا فیصلہ اس شخص سے کرالو جو سب سے پہلے مسجد کے دروازے میں سے اندر آئے۔ اس پر سب راضی ہو گئے۔ پھر سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ اندر داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے جھگڑے کے متعلق بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَلُمَّ إِلَيَّ تَوْبًا، فَأْتِي بِهِ، فَأَخَذَ الرَّكْنَ، فَوَضَعَهُ فِيهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ: لِنَأْخُذَ كُلَّ قَبِيلَةٍ بِنَاحِيَةٍ مِنَ الثُّوبِ، ثُمَّ أَرْفَعُوهُ جَمِيعًا، فَفَعَلُوا، حَتَّى إِذَا بَلَغُوا بِهِ مَوْضِعَهُ، وَضَعَهُ هُوَ بِيَدِهِ، ثُمَّ بَنَى عَلَيْهِ» (السيرة النبوية لابن هشام: 138/1)

”ایک چادر لے آؤ۔ چادر لائی گئی تو آپ نے حجر اسود اس پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا: ہر قبیلہ ایک ایک کونا پکڑ لے۔ پھر سب نے مل کر حجر اسود اٹھایا اور نبی کریم ﷺ نے اسے مطلوبہ جگہ پر نصب کیا۔ پھر باقی تعمیر مکمل ہوئی۔“

یقیناً یہ ایسی واضح نشانی ہے جسے ہر وہ شخص محسوس کرتا ہے جو حجر اسود کو دیکھتا ہے، اسے بوسہ دیتا یا چھوتتا ہے۔ یہ نبی رحمت، بشیر و نذیر اور سراج منیر پیغمبر کی نشانی ہے۔ آپ

پیغمبر پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔ آپ تکلم صادق و معقول ہیں اور آپ اللہ نے فرمایا:

«نَزَلَ الْحَجْرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ

حَطَايَا بَنِي آدَمَ» (جامع ترمذی: 877)

”حجر اسود جنت سے نازل ہوا تو یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، پھر لوگوں کے گناہوں نے

اسے سیاہ بنا دیا۔“

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”في بقايا أسود عبرة، لمن له بصيرة؛ فإن الحطايا إذا أثرت في الحجر

الصلب، ساءت بها في القلب أشد.“

”اس پتھر کے سیاہ ہونے میں بھی بصیرت والوں کیلئے عبرت ہے۔ کیونکہ اگر

گناہوں کا اثر صلب پتھر پر ظاہر ہو سکتا ہے تو دل پر ان کا اثر کتنا شدید ہو گا۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”واعترض بعض المُلجدين على هذا الحديث فقال: كيف سَوَدَتْه

حَطَايَا الْمُشْرِكِينَ، وَلَمْ تُبَيِّضْهُ طَاعَاتُ أَهْلِ التَّوْحِيدِ؟“ (فتح الباری

لابن حجر: 463/3)

”کچھ ملحدوں نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس پتھر کو مشرکوں کے

گناہوں نے سیاہ کر دیا ہے تو اہل توحید کی نیکیوں سے یہ سفید کیوں نہیں ہوا؟“

امام ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے:

”إن الله أجرى العادة بأن السواد يصبغ ولا ينصيف، على العكس

من البياض.“ (فتح الباری لابن حجر: 463، 3)

”اللہ تعالیٰ نے سیاہ رنگ میں یہ خصوصیت رکھی ہے کہ سیاہ رنگ بغیر رنگے ختم

نہیں ہوتا جبکہ سفید رنگ بغیر رنگے بھی ختم ہو جاتا ہے۔“

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس پتھر کی کوئی خصوصی برکت بھی ہے۔ یا یہ کسی نفع اور نقصان کا مالک ہے۔ اسی طرح اس کے بوسے کیلئے دھکم پیل کرنا بھی درست نہیں ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجر اسود سے مخاطب ہو کر کہا تھا:

«وَأِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُقَبِّلُكَ، مَا قَبَّلْتُكَ» (سنن ابن ماجہ: 2943)

”یقیناً میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں، اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔“

نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی تھی:

«يَا عُمَرُ إِنَّكَ رَجُلٌ قَوِيٌّ لَا تُزَاحِمُ عَلَى الْحَجَرِ، فَتُوذِي الضَّعِيفَ، إِنْ وَجَدْتَ خَلْوَةً فَاسْتَلِمَهُ، وَإِلَّا فَاسْتَقْبِلْهُ فَهَلَّلْ وَكَبِّرْ»

”بلاشبہ تم ایک مضبوط آدمی ہو، لہذا دھکم پیل کر کے کمزور لوگوں کو تکلیف نہ دینا۔ اگر موقع مل جائے تو حجر اسود کا بوسہ لے لو ورنہ اس کی طرف منہ کر کے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اللَّهُ أَكْبَرُ پڑھو (اور گزر جاؤ)۔“ (مسند أحمد: 190)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ\* فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ

عَنْ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿ (سورة آل عمران: 96-97)

”بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا، اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبادت ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مومن ہو گیا لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔“

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن مجید سے برکت دے اور اس کی آیات اور ذکر سے نفع پہنچائے۔ میں نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ اگر یہ درست ہے تو میرے اللہ کی توفیق سے ہے اور اگر اس میں کوئی فطی ہوئی ہے تو وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ میں اپنے تمہارے اور تمام مسلمانوں کیلئے تمام گناہوں کی معافی مانگتا ہوں تم بھی اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو۔ بے شک میرا رب خوب بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

میں اللہ کے احسانوں پر اس کی تعریف کرتا ہوں، اس کی توفیق اور مہربانیوں پر اس کا شکر بجالاتا ہوں۔

بعد ازاں: بیت اللہ کے حاجیوں! مکہ مکرمہ میں خوش آمدید، یہ مکہ مکرمہ ام القریٰ ہے۔ بلد الامین ہے۔ اللہ نے اسے فریضہ حج کی ادائیگی کا مقام بنایا ہے۔ یہ وقت اور جگہ دونوں کو حرمت والا قرار دیا ہے۔ ان دو حرمتوں کی بدولت سکون، امن، تواضع اور باہمی رحم دلی نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے حج کا وقت اور علاقہ دونوں ہی توحید کے اعلان سوا کسی بھی



دوسرے نعرے کا انکار کرتے ہیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (مسند أحمد: 4628)

”اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ساری بادشاہی اور تمام تعریفیں اسی کی ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“  
اور تلمیہ کا اعلان یوں ہے:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالتَّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ (صحیح بخاری: 1549)

”اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ یقیناً ساری تعریف اور تمام نعمتیں تیری ہی ہیں۔ بادشاہی بھی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔“

اللہ کے بندو! حج تو طواف (بیت اللہ کے 7 چکر لگانے)، سعی (صفا مرودہ کے 7 چکر لگانے)، وقوف (عرفات میں ٹھہرنے)، بیت (منیٰ میں راتیں گزارنے)، رمی (حجرات کو ننگریاں مارنے) اور حلق (بال منڈوانے) یا تقصیر (بال کٹوانے) ہی کا نام ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے ہر دور میں حجاج کرام کی میزبانی کیلئے لوگ تیار کیے ہیں۔ عرب قبائل بیت اللہ کی خدمات آپس میں تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ کوئی حاجیوں کو پانی پلاتا، کوئی کھانا کھلاتا اور کوئی ان کی حفاظت کے فرائض سنبھالتا۔ یہ کام نسل در نسل چلتا رہا۔ مختلف لوگ اور حکومتیں یہ کام کرتی رہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بلاد حرمین شریفین کی خدمت کا شرف مملکت سعودی عرب کو دیا۔ سعودی حکومت حجاج کرام کے سفر اور رہائش کی سہولیات مہیا کرنے کو اپنی سعادت سمجھتی ہے، وہ اپنی بھرپور کوششوں

سے بیت اللہ کی تعمیر و ترقی کرتی ہے۔ اس بات کا اعتراف دور و نزدیک کا ہر شخص کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک اور تمام اسلامی ملکوں کو پر امن بنائے۔

بیت اللہ کے حجاج کرام! تمہارا یہ حق ہے کہ حکومت تمہیں خوش آمدید کہے، تمہارے امن و سکون کیلئے بھرپور کوششیں کرے۔ تاکہ تم سلامتی کے ساتھ رہو اور اجر و ثواب کے ساتھ واپس جاؤ۔ جبکہ اس حکومت کا تم پر یہ حق ہے کہ تم مقامات مقدسہ کا احترام کرو، نرمی اور برداشت سے کام لو۔ حجاج کرام کے فائدے کیلئے جو قوانین بنائے گئے ہیں ان کا احترام کرو، حاجیوں کے آرام کا خیال رکھو اور انہیں مناسک حج کی ادائیگی کے دوران تکلیف نہ دو۔

لہذا آپ حج کے دوران سیاسی نعروں سے گریز کریں۔ عبادت حج کو خراب کرنے والی چیزوں سے بچیں۔ جیسا کہ جاہلیت میں مشرک ان مقامات مقدسہ پر کھڑے ہو کر اپنے آباء اجداد اور ان کے کارناموں پر فخر و غرور کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اسلام نے ان کے اس کام کو باطل قرار دے دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتْمْ مَنَاسِكُكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ

أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ

مِنْ خَلْقٍ \* وَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ

حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورة البقرة 200-201)

”پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو، تو جس طرح پہلے اپنے آباء اجداد کا ذکر

کرتے تھے، اُس طرح اب اللہ کا ذکر کرو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر (مگر اللہ کو یاد

کرنے والے لوگوں میں بھی بہت فرق ہے) اُن میں سے کوئی تو ایسا ہے، جو کہتا ہے

کہ اے ہمارے رب، ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دیدے ایسے شخص کے لیے

آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی

بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔“

میں انہی کلمات پر بات ختم کرتا ہوں۔ تم انسانیت کے سردار اور سر تاج، صاحب حوض کوثر، شافع محشر، حضرت محمد ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔ اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔ اس کام کے کرنے والوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سب سے پہلے اپنی ذات مبارک کا ذکر کیا، پھر فرشتوں کو حکم دیا اور پھر تمہیں بھی حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الأحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول صاحب حوض کوثر اور شافع محشر ہستی پر درود و سلام

بھیج۔ اے اللہ! اپنے نبی کے خلفائے راشدین ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین کرام اور تاقیامت نیکی میں ان کی پیروی کرنے والوں سے بھی راضی ہو جا۔ اے ارحم الراحمین اپنے فضل و کرم اور مہربانی و بخشش سے ہمیں بھی معاف فرما دے۔



44

گھریلو تشدد... شکلیں، اسباب اور علاج

13 محرم 1438ھ بمطابق 14 اکتوبر 2016ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہی ہمارا دوست ہے، بہت قابل تعریف ہے، انتہائی معاف کرنے والا اور بے حد محبت کرنے والا ہے، وہ شدید عذاب دینے والا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسے زمین و آسمان کی ہر چیز کا علم ہے حتیٰ کہ وہ آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے حال بھی بخوبی جانتا ہے۔ وہ عظیم عرش کا مالک ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے ہیں۔ وہ اندھیری راتوں کا روشن چراغ ہیں، اولاد آدم کے سردار ہیں، حوض کوثر والے ہیں، سفید پیشانی والوں کے سردار ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے پاکیزہ گھر والوں پر، آپ ﷺ کی بیویوں اور مسلمانوں کی ماؤں پر اور نیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! مجھے اور آپ کو سب کے سامنے بھی اور علیحدگی میں بھی، غصہ کی کیفیت اور خوشی کی حالت میں بھی، نرم معاملات میں اور سخت حالات میں بھی تقویٰ ہی کی نصیحت کی گئی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن

كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

”تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست رکھو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔“ (سورۃ الانفال: 1)

اے مسلمانو! مسلمان گھر اسلامی معاشرے کا بنیادی جزو اور اہم ترین حصہ ہے۔ مسلمان گھر ان جن حالات سے بھی گزرے، یعنی خواہ سکون و چین سے یا بے چینی اور بے

سکونی سے، وہ بے سمجھی میں ہو یا سمجھ داری میں، نرمی ہو یا اسے سختی کا سامنا ہو، بہر حال اس کے اثرات اسلامی معاشرے پر واضح نظر آتے ہیں۔ اگر گھرانہ بڑا ہو گا تو زیادہ اثر نظر آئے گا اور اگر گھرانہ چھوٹا ہو گا تو کم۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے چھوٹے سے گھرانے کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور بتایا ہے کہ گھرانے کا اسلامی معاشرے پر اچھا یا برا اثر ضرور پڑتا ہے۔ بھلا کس طرح نہ پڑے؟ یہ تو انسانی نسل کی بنیاد ہے۔ نسل کے بغیر کوئی گھرانہ نہیں بنتا اور گھرانے کے بغیر کوئی معاشرہ نہیں بنتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے گھرانے کی اصل بنیاد کی قسم قرآن کریم میں کھائی ہے۔

﴿لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ \* وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ \* وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدٌ \*

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ﴾ (سورۃ البلد: 1-4)

”نہیں، میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ اور حال یہ ہے کہ (اے نبیؐ) ! آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں۔ اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اس اولاد کی جو اس سے پیدا ہوئی۔ درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔“

مفسرین کا کہنا ہے کہ

”لَا الْمُقْسَمِ بِهِ فِي الْآيَةِ: آدَمُ - عَلَيْهِ السَّلَامُ - وَمَا وَلَدٌ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ ؛ فَإِنَّ اللَّهَ - جَلَّ شَأْنُهُ - لَمَّا أَقْسَمَ بِالْبَلَدِ الَّذِي هُوَ أَصْلُ السَّاكِنِ ، أَقْسَمَ بَعْدَهُ بِسَاكِنِ الْبَلَدِ ، فَكَأَنَّهُ أَقْسَمَ بِأَصُولِ الْمَوْجُودَاتِ“ (أضواء التَّيَّانِ فِي إِبْطَاحِ الْقُرْآنِ بِالْقُرْآنِ: 531/8)

”اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آدم اور آدم کی اولاد کی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہر کی قسم کھانے کے بعد، جس میں لوگ جتے ہیں، شہر میں رہنے والوں کی قسم کھائی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کی قسم کھائی ہے۔“

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«وَالرَّجُلُ رَاجِعٌ فِي أَهْلِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ أَهْلِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا» (صحیح ابن حبان: 4490)

”ہر بندہ اپنے گھر کا ذمے دار ہے اور اسے اس کی ذمے داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر میں ذمہ دار ہے اور اس سے بھی ذمے داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

اللہ کے بندو! جب گھرانے کی اہمیت واضح ہو چکی ہے تو ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ گھریلو تشدد امت مسلمہ کے گھرانوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ یہ گھرانوں کو توڑ کر اس کے ارکان کو بکھیر دیتا ہے۔ پھر یہ بیماری اس گھر سے وابستہ دوسرے قریبی گھروں اور گھرانوں تک پھیل جاتی ہے اور بے سمجھی، سختی اور حقوق و واجبات سے ناشائسی کی وجہ سے پورے معاشرے میں ایک پریشان کن خاموشی اور بے سکونی چھا جاتی ہے۔

اللہ کے بندو! تشدد سراسر برائی ہے اور نرمی سراسر بھلائی ہے۔ سختی اور تشدد جس چیز میں بھی ہو وہ تباہ ہو جاتی ہے اور جس چیز سے بھی سختی نکالی جائے وہ درست ہو جاتی ہے، نرمی جس چیز میں ہوتی ہے وہ اسے سدھار دیتی ہے اور جس معاملے سے نرمی نکالی جائے وہ اسے بگاڑ دیتی ہے۔

اللہ کے بندو! تشدد ایسی بیماری ہے کہ جس میں ذرہ برابر خیر نہیں۔ اس کی برائی اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے، جب یہ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ کیا جائے۔ تشدد بدترین ظلم ہے اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا جائے تو نفسیاتی طور پر اس کا نقصان تیز دھار تلوار سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

اللہ کے بندو! تشدد بدترین رویہ ہے جس سے متاثر ہونے والے افراد کو بہت بڑے

نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تشدد جسمانی بھی ہو سکتا ہے، مالی بھی اور نفسیاتی بھی۔ یہ بیماری کچھ معاشروں میں تو ایک وبا کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ چونکہ یہ معاملہ اب بہت پھیل چکا ہے، اس کے نتائج انتہائی سنگین ہیں، اس کے متعلق سوشل میڈیا پر بہت بحثیں ہونے لگی ہیں اور یہ معاشرے کے معاشرتی مسائل اور اخلاقی برتری کے لیے سنگین خطرہ بن چکا ہے تو اس موقع پر ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی روک تھام کے لیے مستعد ہو جائیں۔ اس کے اسباب بیان کریں، اسے فروغ دینے والی چیزوں کی طرف توجہ دلائیں، ریسرچ پر مبنی مثبت حل پیش کریں جو اسے جڑ سے اکھاڑ ڈالے یا اس کے اثرات کو کم ہی کر دے۔

یہ بیماری کوئی نئی نہیں، تاہم کثرت سے اس کا پھیل جانا اور تاریخ میں اس کی جڑیں مضبوط ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے علاج میں کوئی ترقی ہوئی جائے۔ کوئی اسے جانے یا نہ جانے، اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کا کوئی نہ کوئی علاج ضرور رکھا ہے۔

ہمارے دین نے ایسی کوئی خیر نہیں چھوڑی کہ جس کی طرف ہماری توجہ نہ دلائی ہو اور ایسی کوئی برائی بھی نہیں چھوڑی کہ جس سے روکا نہ ہو۔ روئے زمین پر پہلے گھریلو تشدد کی مثال سیدنا آدم کے بیٹوں کے قصے میں ملتی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے جس میں کوئی باطل بات نہیں ہو سکتی۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ پاک کلام ہے۔ اللہ نے بہترین کلام میں گھریلو تشدد کی سب سے پہلی مثال یوں بیان فرمائی:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبِلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ \* لَئِن بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدَيْ إِلَىٰ نَبِيٍّ لَأَقْتُلَنَّكَ \* إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِذْنِي وَاتِّمَامِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ \* وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ \*



فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۰﴾

”اور ذرا انہیں آدم ﷺ کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بغیر کسی کی بیشی کے سنا دو جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی، تو اُس نے کہا: ”میں تجھے مار ڈالوں گا۔“ اس نے جواب دیا: ”اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تو تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔“ آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔“ (سورۃ المائدہ: 27-30)

یہ گھریلو تشدد کی ایک واضح مثال ہے۔ یہ مثال سب سے پرانی بھی ہے اور خطرناک ترین بھی کیونکہ اس میں بغیر حق کے انسانی خون بہا دیا گیا تھا۔ اس سنگین جرم سے ہلکے درجے کے گھریلو تشدد کا تو احاطہ ممکن ہی نہیں ہے۔ ان جرائم کی نمایاں ترین مثالوں میں مار پیٹ، طلاق کی دھمکی، خرچہ نہ دینا، اولاد یا بیویوں کے درمیان خرچے کی غیر منصفانہ تقسیم جیسے جرائم شامل ہیں۔ یہ مثالیں اس صورت میں ہیں کہ جب تشدد کرنے والا خاوند ہو۔

اگر تشدد کرنیوالی عورت ہو تو اسکی نمایاں مثالوں میں خاوند کے حقوق پورے نہ کر کے اسے اذیت میں مبتلا کرنا، اولاد کو والد کی بات نہ ماننے پر اکسانا، اسے والد کو جسمانی، مالی اور نفسیاتی طور پر اذیت پہنچانے پر اکسانا اور ایسی ہی دیگر گھٹیا حرکتیں کرنا شامل ہے۔ تشدد کی اسی طرح کی کئی مثالیں اولاد کی جانب سے والدین یا ان میں کسی ایک کے ساتھ بھی ہو سکتی ہیں۔ اللہ کے بندو! یہ بھی جان رکھو کہ تشدد کے کئی اسباب ہیں، جن میں اہم ترین تشدد

نہایت نسبتاً الفیخ از کرمہ اللہ علیہ وسلم

کرنے والوں کے دل میں دینی معلومات کم ہونا ہے۔ اسی طرح اپنے حقوق اور فرائض کے بارے میں بے علم ہونا بھی اس تشدد کی ایک اہم وجہ ہے۔ اسی طرح نشہ آور یا دیگر ایسی ہی نقصان دہ چیزوں کا استعمال تشدد پسند افراد میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکا ہے۔

تشدد کی ایک بڑی وجہ میڈیا میں آنے والی فلمیں اور ڈرامے بھی ہیں کہ جن میں گھریلو تشدد کے مناظر دکھائے جاتے ہیں جو دیکھنے والے کو اسی طرز کو اپنانے اور اسی چال میں ڈھل جانے پر اکساتے ہیں۔ ان چیزوں کے نفسیاتی اور ذہنی اثرات انتہائی سنگین ہیں۔

اللہ کے بندو! ان اسباب کے ساتھ ساتھ انسانوں کی نفسیاتی اور معاشرتی بیماریاں بھی اس تشدد کی ایک اہم وجہ ہیں۔ اسی طرح میاں بیوی کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو ازدواجی تعلق میں کسی پریشانی کا سامنا ہونا بھی اس کی ایک اہم وجہ ہے۔

ان اسباب کی وجہ سے گھرانوں میں اور پھر پورے معاشرے میں گھریلو تشدد کی بیماری پھیل جاتی ہے۔ پھر مت پوچھو کہ یہ بیماری اس گھریلو زندگی میں کتنا بڑا شگاف ڈال دیتی ہے کہ جس کی بنیاد پر حقیقت مودت، محبت، رحمت اور سکون پر رکھی گئی تھی۔ فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا  
وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْتَقِرُونَ﴾  
(سورۃ الروم: 21)

”اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

تشدد کے علاج کبھی تو تمام تر حدیں پار کرتے ہوئے انسان کو خود کشی تک لے جاتے

ہیں۔ وہ یوں کہ متاثرہ فرد ایسے بے رحم تشدد سے نجات پانے کے لیے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اسی طرح والدین کے تشدد کے نتیجے میں اولاد میں بھی ایک بیماری اور نفسیاتی کمی پیدا ہو جاتی ہے اور جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو وہ بھی تشدد پر اتر آتے ہیں۔ اس طرح یہ بد اخلاقی و راشت میں نخل ہونے لگتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تشدد کے نتیجے میں اولاد پر ہمیشہ رہنے والی پریشانی طاری ہو جاتی ہے اور وہ نفسیاتی بے قراری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ مستقبل سے ڈرنے لگتے ہیں، شادی سے ڈرنے لگتے ہیں اور اس طرح وہ معاشرتی طور پر، امن و امان کے لحاظ سے اور اجتماعی، اقتصادی اور تربیتی لحاظ سے معاشرے پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول مکرم ﷺ جیسی کریم اور حلیم ہستی کو فرمایا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ

لَأَنْفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ﴾

”اے پیغمبر ﷺ! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تلخ اور سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔“ (سورۃ آل عمران: 159)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن کریم میں برکت عطا فرمائے، آیات اور ذکر حکیم سے نفع پہنچائے۔ مجھے یہی کہنا تھا۔ اگر درست کہا تو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے، اگر غلط کہا تو یہ میرے اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے ہے۔ میں اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اللہ سے معافی مانگیے اور اسی کی طرف رجوع کیجیے۔ بالیقین میرا رب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

مخلوق پر اللہ کے بے شمار احسانات کے بدلے میں اس کے لیے بہت سی حمد و ثناء، اس کی

عظیم توفیق اور انتہائی کرم نوازی پر اس کا بہت شکر ہے۔

بعد ازاں اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو! جان رکھو کہ اسلام ایک کامل دین ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بندے کا رب سے تعلق واضح کیا ہے اور مخلوق کے درمیان تعلقات کو درست کرنے کا طریقہ بھی واضح فرمایا ہے۔ دین اسلام میں جس برائی سے روکا گیا ہے اس کے بدلے بھلائی کے کئی دروازے کھول دیے گئے ہیں۔ ہر بیماری کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوا رکھی ہے کہ جو بیماری کو ختم کر ڈالتی ہے۔

گھریلو تشدد کی یہ بیماری اس قابل ہے کہ اس کی روک تھام اسلامی معاشرے کی اولین ترجیحات میں جگہ پائے، کیونکہ معاشرے کا نفسیاتی اور معاشرتی استحکام گھرانے کے استحکام کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ گھرانہ معاشرے کی اساس ہے۔ اس لیے تعلیمی، میڈیکل اور معاشرتی اداروں کی ذمہ داری ہے، چاہے وہ حکومتی ہوں یا پرائیویٹ، کہ وہ اس بیماری کو بھر پور توجہ دیں، گھرانوں میں معاشرے کے استحکام کی ضرورت کی آگاہی پھیلائیں۔ اس کے اسباب فراہم کرنے کی کوشش کریں۔ گھرانے کے پھول بکھرنے سے قبل ان کا علاج کریں یا ان کے بکھرنے کے بعد ان کے نقصان کی تلافی کریں۔

اس حوالے سے تحقیقات کرائیں، معلوماتی اور عملی کورسز کرائیں تاکہ گھریلو تشدد کا خاتمہ ہو سکے یا کم از کم اس میں حتی الامکان کمی واقع ہو سکے۔

یہ قانون ساز اداروں کی ذمہ داری ہے کہ گھرانوں کو مستحکم بنانے کے لیے مثبت قانون سازی کریں اور اولاد، والدین اور میاں بیوی میں غیر ذمہ دارانہ رویوں کی روک تھام کے لیے اقدامات کریں۔ اللہ کی شریعت سے انحراف کرنے والوں کو روکیں اور اختیارات کا غلط استعمال ختم کریں۔ تاکہ گھرانے اپنے حقیقی مقصد کو پورا کر سکیں۔

اسی طرح تعلیمی اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام تعلیمی مراحل میں ریسرچ کے

لیے ایسے موضوعات کا انتخاب کریں کہ جو اسلامی گھرانوں سے متعلقہ ہوں، جن میں تشدد کی روک تھام پر غور کیا جائے اور ان کے علاج کے لیے تجاویز دی جائیں۔

اس طرح کی تحقیقات گھروں اور گھرانوں کو آگاہی دیتی ہیں اور ایسی معلومات فراہم کرتی ہیں کہ جن کے ذریعے سے تشدد کے اس گھناؤنے جرم کا علاج ہوتا ہے۔ یہ معاشرے کے استحکام میں مثبت کردار ادا کرتی ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (سورة التحريم: 6)

”اے مومنو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔“

درود و سلام بھیجیے نبی ہدایت اور نبی رحمت پر اور پاک ترین ہستی پر، محمد بن عبد اللہ ﷺ پر کہ جو حوض کوثر والے اور مومنوں کے حق میں شفاعت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر کیا ہے اور اپنی تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا اور پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کر پکارا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورة الاحزاب: 56)



45

رفاہی کاموں کے معاشرے پر اثرات

10 ربیع الاول 1438ھ، 09 دسمبر 2016ء

## پہلا خطبہ

سب تعریفیں، کبریائی و بلندی عزت و کمال اور جلال والے اللہ کیلئے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں زمین و آسمان کی کنجیاں ہیں۔ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ اسی کی طرف لوٹتا ہے اور نتیجہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور عظیم فضائل و مناقب والے رسول ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ آپ کی ازواج مطہرات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، آل اور تاقیامت ان کے نیکو کار پیر و کاروں پر بھی اللہ کی رحمتیں، برکتیں اور سلامتی نازل ہو۔

حمد و ثناء کے بعد اے لوگو!

مجھے اور تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ جس نے تقویٰ کو مضبوطی سے تھام لیا وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ جس نے خوشحالی، تنگ حالی، خوشی اور غصے کی حالت میں اللہ کا تقویٰ تھامے رکھا وہ کامیاب ہو گیا۔ تقویٰ اندھیروں میں نور ہے۔ دینی دوری اور گمراہی میں راہبر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْقَائِمُونَ﴾ (سورۃ النور: 52)

”اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔“

www.kitabosunnat.com

اے لوگو!

ایک کامیاب اور مکمل معاشرے کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس کی بنیادیں چونے

سے پختہ کی گئی اینٹوں پر مشتمل عمارت جیسی ہوتی ہے۔ وہ اینٹیں افراد اور نسلوں کی نمائندہ ہیں۔ ایک اینٹ دوسری سے مختلف نہیں ہوتی۔ اس کی عمارت اوپر سے نیچے تک بالکل ہموار ہوتی ہے، کیونکہ وہی عمارت مضبوط اور محفوظ ہوتی ہے جس کی تعمیر ایک جیسی برابر اینٹوں سے کی گئی ہو۔

جب بھی کوئی اینٹ کمزور ہوتی ہے یا ٹوٹی ہے تو اس سے عمارت کا کمزور ہونا اور ٹوٹنا لازم آتا ہے۔ جبکہ یہ اس عمارت کے بتدریج گرنے اور ٹوٹنے کی ابتداء ہوتی ہے۔ اور یہی حال ہر معاشرے کا ہوتا ہے۔ جی ہاں! اگر معاشرہ باہم مضبوط اور متحد نہ ہو تو وہ بکھرنا اور ٹوٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ معاشرہ خود پسندی اور خود غرضی کے کلبھاڑوں کی راہ ہموار کر دیتا ہے۔ ایسے معاشرے میں دوسروں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اور جس معاشرے میں تعمیر کی نسبت اہم زیادہ ہو جائے اس کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ کوئی ملک جتنی مرضی دولت اکٹھی کر لے، معاشرتی اور اقتصادی ترقی کر لے، وہ اپنے تمام افراد کی ساری ضروریات پوری کرنے کے لیے قادر نہیں ہو گا۔ حاجت کے لمحات میں وہ ان کی حاجات پوری نہیں کر پاتا چہ جائیکہ وہ ہمیشہ ان کی ضروریات و حاجات پوری کرنے پر قادر ہو۔

باہم متحد اور مضبوط معاشرے کا کردار اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ اپنے پہلو میں رفاہی کاموں کا جوش و جذبہ لیے ہوتا ہے جو کہ معاشرے کی درازیں پر کرنے کا بنیادی اور اساس رکن ہے۔ وہ معاشرے کے مادی، اجتماعی، غذائی، فکری اور دیگر ضروریات پوری کرتا ہے۔ وہ ان کی حاجات اور اصلاح کے کاموں کی تکمیل کرتا ہے۔

رفاہی عمل معاشرے کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ اپنے اور معاشرے کے افراد کو نہایت بلند شعور عطا کرتا ہے تاکہ خود غرض، بخل، ذخیرہ اندوزی اور غربت پر قابو پایا جائے۔ لیکن اس کی شرط یہی ہے کہ گروہی، ملکی اور نسلی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھا



رہتی کاموں کے معاشرے پر اثرات  
جائے، رفاہی کاموں سے ہر شخص مستفید ہو سکتا ہے۔ اس کی کوئی خاص حد بندی نہیں ہے۔  
نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”فِي كُلِّ كَيْدٍ رَطْبِيَةٌ أُجْرٌ“ (صحیح البخاری: 2363)

”ہر جاندار میں تمہیں اجر ملے گا۔“

اللہ کے بندو!

رفاہی کاموں کی کوئی حد بندی نہیں، اور نہ ہی یہ کسی وقت اور زمانے سے خاص ہے بلکہ جہاں ضرورت ہوگی وہیں شروع ہوگا۔ ہر وہ کام جس میں اجرت اور احسان مندی کا لالچ نہ ہو بلکہ ثواب کی نیت سے کیا جائے وہ رفاہی عمل ہے۔

اسے خیر کی نیت سے سرانجام دیا جائے، رفاہی عمل ہر خیر و بھلائی کے کام کو شامل ہے۔ رفاہی عمل، خیراتی عمل سے کچھ مختلف بھی ہے۔ رفاہی عمل وہ ہے جو لوگوں کے طلب کرنے سے پہلے شروع ہو اور خیراتی عمل وہ ہے جو دوسروں کے تعاون مانگنے پر شروع کیا جائے۔ لیکن دونوں کام ایک ہی اسکے کے دورخ ہیں۔ دونوں کا مقصد لوگوں کی خیر خواہی کرنا ہے احسان مندی اور اجرت لینا مقصود نہیں۔ بلکہ اسکا اجر اللہ سے طلب کیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا نُنْظِعُكُمْ لَوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا﴾

”اور اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہمیں نہ

کوئی بدلہ چاہیے نہ شکر یہ۔“ (سورۃ الانسان: 9)

ہر صاحب بصیرت شخص جانتا ہے کہ کسی معاشرے کی قدر و قیمت اس کی ترقی اور ہلاکت و بربادی سے محفوظ رہنے میں ہے۔ ہر ذی شعور یہ بھی بخوبی جانتا ہے کہ رفاہی کاموں کو تمام آسمانی مذاہب اور رائج قوانین میں خاص اہمیت دی گئی ہے۔ رفاہی کام کرنے والے کی

بڑی نشانی اس کی نیک نامی، محبت و الفت اور نرمی ہے۔ یہ ان لوگوں کی صفات ہیں جنہیں اللہ نے فطرت سلیمہ عطا کر رکھی ہے۔ جن کی فطرت کو شیطان نے بدل دیا ہے وہ خود غرضی اور تکبر کرتے ہیں۔

اس کی سب سے بڑی دلیل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے، جب رسول اللہ ﷺ غار حرا میں جبریل علیہ السلام آکر دیکھنے کے بعد خوفزدہ حالت میں کانپتے ہوئے لوٹے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي» فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْرِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّجِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ»

”مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔“ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”ہرگز نہیں، آپ خوش ہو جائیے! اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ اللہ کی قسم بے شک آپ رشتہ داری جوڑتے ہیں۔ دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ بے روزگار کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے کاموں میں مدد کرتے ہیں۔“ (صحیح بخاری: 3)

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس بات کی تائید کرتی ہے کہ رفاہی کام اسلام سے پہلے اور اسلام میں بھی اچھی عادت ہے۔

سیدنا حکیم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی:

يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّنُ أَوْ أَتَحَنَّنْتُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَلَاةٍ وَعَتَاقَةٍ وَصَدَقَةٍ، هَلْ لِي فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ حَكِيمٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَ لَكَ مِنْ خَيْرٍ»

”اے اللہ کے رسول! میرے ان اعمال کا کیا ہو گا جو میں زمانہ جاہلیت میں کرتا

تھا؟ میں صدقہ دیتا، غلام آزاد کرتا اور صلہ رحمی کرتا تھا۔ کیا مجھے ان کا اجر ملے گا؟  
تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تو اپنی گزشتہ نیکیوں (کے اجر) کے ساتھ مسلمان ہوا ہے۔“ (صحیح بخاری: 2220)

یہ ہے اسلام کی وسعت، رحمت، بخشش! اسلام نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنے کا حکم دیتا ہے۔ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کا حکم دیتا ہے۔ رفائی عمل اسلام کی خوبصورت ہمیشہ رہنے والی شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔ رفائی تمام عمل بھلائی کے تمام کاموں پر مشتمل ہے تاکہ تعمیر و ترقی کے اہداف بھی اس میں شامل ہو جائیں۔

مثلاً اقتصادی میدان میں رفائی عمل یہ ہے کہ مختلف چیزیں وقف کی جائیں، لوگوں کو وقف کرنے کی ترغیب دلائی جائے۔ کیونکہ اس سے اقتصادی ترقی پر گہرا اثر پڑے گا۔ مال و دولت حرکت میں آئے گی اور نفع بخش اشیاء کو خراب ہونے سے بچایا جاسکے گا۔

اسی طرح فکری، اجتماعی اور دعوت کے میدان میں ضروری اشیاء کو وقف کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اسے بے ترتیبی اور بد نظمی سے بچایا جائے۔ ان وقف شدہ چیزوں کو منظم طریقے سے، زمانے کی دوڑ سے ہم آہنگ کیا جائے، تعلیمی اور تحقیقی مراکز قائم کیے جائیں تاکہ معاشرے کی ضروریات کا حل تلاش کیا جاسکے۔ مختلف مسائل کے حل کیلئے تحقیقات کرائی جائیں، لوگوں کو رفائی عمل اور اس کے معاشرے، معیشت اور دینی احساسات پر اثرات سے آگاہ کیا جائے۔

اور اگر ہم رفائی عمل کا صرف ایک فائدہ مد نظر رکھیں کہ اس سے غربت و فقر کی روک تھام ہوتی ہے، ناداروں کی مدد ہوتی ہے، تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ہمارے مالدار لوگ جتنا مال عیش و عشرت اور تزئین و آرائش پر خرچ کرتے ہیں، اتنے مال سے پورے ملک کے فقراء کی ضروریات پوری کر سکتے ہیں، اور اگر ہم مالداروں کی خوشی کی تقریبات کو دیکھیں تو ہمیں

معلوم ہو گا کہ اس خرچ کے نصف سے ہم قرمبی قریبوں کو کھانا اور نہایت غریبوں کی ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں۔ اس سے ان مالداروں کو بھی برکت ملے گی اور نئے شادی شدہ جوڑوں کو بھی، فقراء کی دلجوئی ہوگی، حاسد کی نظر بد کا علاج ہوگا، فضول خرچی اور اسراف کی سزا سے بچ جائیں گے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَأَيُّ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تَبْذُرْ قَبْذِيرًا  
\* إِنَّ الْمُبْتَدِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾

(سورۃ الاسراء: 26-27)

”رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو، فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ

شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے۔“

ہمارا دین ہے اور یہی ہمارے نبی ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم احسان کرنے والے خیر خواہ بن جائیں، ہم عمل کریں اور تھک جا کر نہ بیٹھیں، دوسروں کا احساس کریں اور گونگے بہرے نہ بنیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ. قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: فَيَعْمَلُ بِيَدَيْهِ  
فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ. قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: فَيُعِينُ  
ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ. قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ - أَوْ قَالَ:  
بِالْمَعْرُوفِ - قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ؛ فَإِنَّهُ لَهُ  
صَدَقَةٌ“ (صحیح البخاری: 6022)

”ہر مسلم پر صدقہ کرنا لازمی ہے۔“ آپ ﷺ سے عرض کی گئی: اگر کسی کے پاس

صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اپنے ہاتھوں سے کمائے، خود پر خرچ کرے اور صدقہ بھی کرے۔“ آپ ﷺ سے عرض کی گئی: ”اگر وہ یہ بھی نہ کر سکتا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ضرورت مند کی مدد کرے۔“ آپ ﷺ سے عرض کی گئی: ”اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نیک کا حکم دے اور برائی سے روکے!“ آپ ﷺ سے عرض کی گئی: اگر وہ یہ بھی نہ کرے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”برائی سے رک جائے، یہ بھی صدقہ ہے۔“

بندگانِ الہی!

جس معاشرے میں خیر و بھلائی کم ہو جائے اس کی قدر و قیمت ہی کیا ہے؟ اور جس معاشرے کی برائی اس کی بھلائی پر غالب آجائے اس کی اوقات ہی کیا ہے؟ اس سے مشکل گھائی کون سی ہے؟ وہ کونسا نیک سیرت، پرہیزگار ہے جو یہ مشکل گھائی عبور کرے گا؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا افْتَحَمَ الْعَقَبَةَ \* وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ \* فَكَّ رَقَبَةٍ \* أَوْ إِطْعَامٌ

فِي يَوْمٍ ذِي مَسْعَبَةٍ \* يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ \* أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾

”مگر اس نے دشوار گزار گھائی سے گزرنے کی ہمت نہ کی اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھائی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔“ (سورۃ البلد: 11-16)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن مجید میں برکت دے۔ قرآن مجید کی آیات اور ہر حکمت دانائی سے ہمیں نفع عطا کرے۔ میں انہی کلمات پر بات ختم کرتا ہوں۔ اس میں جو درست ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور جو چیز غلط ہو وہ میری اور شیطان کی غلطی ہے۔ میں اللہ سے اپنے لیے تمہارے لیے اور تمام مسلمانوں کیلئے ہر گناہ اور غلطی سے بخشش

کا دعا گو ہوں۔ تم بھی اللہ سے توبہ کرو اور بخشش مانگو۔ بلاشبہ میرا رب بڑا مہربان اور خوب بخشنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسانات پر سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ اس کی توفیق اور فضل و کرم پر میں اس کا شکر گزار ہوں۔

بعد ازاں!

ہر غیرت مند مومن کو رفائی عمل اپنی افادی حیثیت کے ساتھ روک لے گا کیونکہ عصر حاضر میں این جی اوز کے نام پر رفائی عمل عالمی انسانیت کی سب سے بڑی خوبی بن گیا ہے۔ رفائی عمل کو کافر ممالک میں بہت حیثیت دے دی گئی ہے۔ وہ اسے بڑی منظم پاننگ اور فنی مہارت کے ساتھ سرانجام دے رہے ہیں۔ ایک مسلمان مبصر کو یہ تجزیہ روک لے گا کہ کافر ممالک میں رفائی عمل کہاں تک ترقی کر گیا ہے اور مسلمان معاشروں میں اس کی حالت زار کیا ہے؟ اسلامی معاشرے میں اس کا حقیقی مفہوم سمجھنے میں نقص ہے۔ مضبوط و منظم طریقہ نہیں اور کافروں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ

مسلمان معاشروں میں کچھ رفائی اعمال اس طرح کیے جا رہے ہیں جیسے وہ جبری مشقت ہوں۔ یا ایسے واجب عمل کہ جنہیں چھوڑنا ممکن نہ ہو۔ اس عظیم کام کی روح کو سمجھے بغیر، دینی اور نفسیاتی ذہن سازی کے بغیر اسے کیا جا رہا ہے۔

مدارس اور یونیورسٹی کے طلبہ رفائی عمل کی روح سمجھ ہی نہیں سکتے جب انہیں کسی وادی، محلے یا راستے کی صفائی پر لگا دیا جاتا ہے۔ وہ یہ کام جبری مشقت سمجھ کے کر رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کے آرڈر سکول، کالج یا یونیورسٹی سے آتے ہیں۔ اس سے پہلے انہیں اس

عظیم کام کی قیمت سے آگاہ ہی نہیں کیا جاتا۔ ہمارا معاشرہ ہر کام کی جزا چاہتا ہے۔ انہیں اس عمل کی جزاء اللہ سے مانگنے کی تربیت ہی نہیں دی جاتی۔

یہ چیز رفائی عمل کے اٹ ہے۔ کیونکہ رفائی عمل احسان جتائے بغیر عطا کرنے اور اجرت مانگے بغیر عطیہ کرنے کی عظیم قدرت کا تقاضا کرتا ہے۔ بلکہ رفائی عمل کا باعث محبت، شفقت اور وہ احسان ہے جو بدلے سے گد لاندہ ہو۔

بلکہ وہ اپنے نفس کی خوشی کا حریص ہو۔ معاشرے کے سامنے کمی اور کوتاہی کا روادار نہ ہو۔ اس کی راحت اور سعادت کسی مسکین کی مسکراہٹ میں چھپی ہو، یا کسی دکھی پریشان حال کی دعا میں پوشیدہ ہو۔

ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم عطا کے بغیر مسلمانوں سے محبت کا تصور کر سکیں۔ جیسا کہ محبت کے بغیر عطا کرنے کا تصور بھی محال ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں تحظیم اور پلاننگ کے بغیر رفائی عمل مکمل اور کامیاب ہو سکے۔

پلاننگ اور تحظیم میں اس کو سمجھنا، اس کے محرکات و اسباب، مہارات اور شخصی لوازمات بھی شامل ہیں۔ رفائی عمل کی مہادیات کے معرفت اور اس کی اہمیت سمجھنا بھی ضروری ہے۔

کامیاب معزز اور نیکی کو پسند کرنے والا معاشرہ وہ ہے جو اس انتظار میں نہیں رہتا کہ کوئی کہے: ”مجھے مدد کی ضرورت ہے“ بلکہ وہ یہ کلمات سننے سے پہلے ہی ضرورت مند تک پہنچ جاتا ہے اس کا کردار اسے اس کی گفتار سے بے پرواہ کرتا ہے۔

دورِ حاضر میں جنگوں اور لڑائیوں کی کثرت ہے۔ ہمارے دینی بھائیوں کی مصیبتیں لمبی ہو گئی ہیں۔ ان کے گھر چھتوں کے بل گرے ہوئے ہیں۔ دیواریں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ وہ سردی روکتی ہیں نہ بارش، دنیا بھر میں ہمارے مسلمان بھائی اسی طرح مشکلات کا شکار ہیں۔

ایسے حالات میں رفاہ عامہ کی ضرورت کس قدر بڑھ جاتی ہے۔ ہمتیں تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ رفاہی کاموں کی تمام صورتوں پر عمل پیرا ہونے کی اشد ضرورت ہے۔ سب سے اہم ضرورت مال ہے جو کہ زندگی کی شہ رگ ہے۔ لہذا اپنے بھائیوں اور مسلمانوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بڑھ چڑھ کر احسان، قربانی اور ایثار کریں۔

کیونکہ نعمتیں ہمیشہ باقی نہیں رہیں گی۔ آج کے بعد کل بھی ہے، زندگی کے بعد موت بھی ہے اور موت کے بعد حساب بھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ

عَظِيمٌ﴾ (سورۃ الانفال: 28)

”اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں آزمائش ہیں اور اللہ

کے پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔“

میں انھی کلمات پر بات ختم کرتا ہوں۔ تم انسانیت کے سردار اور سرسبز، صاحب حوض کوثر، شفاعت کے حقدار محمد بن عبد اللہ پر درود و سلام بھیجو۔

اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں پہلے اپنی ذات مبارک کا ذکر کیا، پھر فرشتوں کو حکم دیا اور پھر تمہیں بھی حکم دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول صاحب حوض و شفاعت پر درود و سلام بھیج۔ اے



اللہ! اپنے نبی کے خلفائے راشدین ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین کرام رضی اللہ عنہم اور تاقیامت نیکی میں ان کے پیروکاروں سے بھی راضی ہو جا۔ اے ارحم الراحمین اپنے فضل و کرم اور مہربانی و بخشش سے ہمیں بھی معاف فرما دے۔



## پہلا خطبہ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ سب تعریفیں بہت بلند اور اعلیٰ رب العالمین کیلئے ہیں۔ جس نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا۔ اس نے تقدیر بنائی اور ہدایت کی راہ دکھائی۔ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کرتا ہوں اور اس کا شکر بجالاتا ہوں۔ اس کے حضور توبہ کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں۔ ساری تعریفات اسی کیلئے ہیں۔ ساری خیر اور بھلائی اس کے ہاتھ میں ہے۔ تمام معاملات اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے اپنا قریبی بنا لیتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پوری مخلوق میں اللہ کے چنے ہوئے اور مصطفیٰ ہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام امت تک پہنچایا۔ اللہ کی امانت ادا کر دی۔ امت کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہمیں واضح شریعت عطا کی۔ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ اس شریعت سے دور رہنے والا ہلاک ہو جائے گا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی آپ پر ہو۔ آپ کے پاکیزہ اہل بیت پر بھی اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ آپ کی پاکیزہ بیویوں، صحابہ کرام اور تاقیامت نیکی میں ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر بھی اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں اور بہت زیادہ سلامتی نازل ہو۔

## حمد و ثنا کے بعد!

میں خود کو اور تمہیں وہ بہترین وصیت کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے تمام لوگوں کو کی ہے۔

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا

اللَّهَ﴾ (سورة النساء: 131)

”تم سے پہلے جنہیں ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب تمہیں بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو۔“  
اور فرقہ بندی میں نہ پڑو، آپس میں الفت رکھو اور نفرت سے بچو۔ اور اے اللہ کے بندو ابھائی بھائی بن کر رہو۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور حکمت سے اپنے بندوں کی روزی کے لیے ایسی چیزیں پیدا کی ہیں جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں اور انہیں ایسے عظیم وسائل عطا کرتا ہے جن کے بدلے لازم ہے کہ انسان اللہ کے فضل و کرم اور اس کی نعمتوں کے بدلے اس کا شکر ادا کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (سورة السقرة: 29)

”وہی اللہ ہے جس نے زمین میں موجود ساری نعمتیں تمہارے لیے پیدا فرمائیں“  
جب اللہ تعالیٰ نے سلیمان عليه السلام کو پرندوں کی بولیاں سکھائی تھیں تو انہوں نے یہ کہا:

﴿هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَتْلُوَنِي أَلشُّكْرُ أَمْ أَلْكُفْرُ﴾

”یہ میرے رب کا فضل ہے، وہ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔“ (سورة لقمان: 40)

بندوں پر اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ دنیا میں ان پر مسلسل اللہ کی نعمتیں نازل ہو رہی ہوں۔ ابھی ایک سے فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں کہ دوسری نعمت مل جاتی ہے۔ کچھ مائی نعمتیں، ہیں، کچھ معاشی نعمتیں ہیں اور کچھ نعمتیں اس دور کے جدید نئے آلات کی شکل میں ہیں۔ ان آلات نے فاصلے سمیٹ دیئے ہیں۔ وقت کو قید کر لیا ہے، دور والے کو قریب کر دیا ہے۔ مشرق میں بیٹھا شخص مغرب میں بولنے والے کا سلام سن رہا ہے۔ ابھی اس کی زبان سے سلام نکلا ہے کہ چند لمحوں میں وہ دوسرے شخص کے کانوں میں پہنچ جاتا ہے۔ جب کوئی شخص

شمال میں درد کی ٹیس سے تڑپتا ہے تو جنوب میں بیٹھا شخص اس کی سسکیاں سن لیتا ہے۔ اس کے سسکیاں بھرنے کی آواز اور اس آواز کے سنے جانے میں چند لمحوں کا فاصلہ ہوتا ہے۔ یہ بڑا دلچسپ منظر ہے۔ اگر یہ صورت حال ہمارے آباء و اجداد کو بتائی جاتی تو وہ اسے مذاق قرار دیتے۔ یا وہ اسے قصہ گوئی خیال کرتے یا وہ اسے ذہنی تصور مانتے جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہ ہو۔ وہ اسے خیال کیوں نہ سمجھتے۔ اگر انہیں علم ہو جائے کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بستر پر اپنے گھر میں صوفے پر دراز مشرق و مغرب کی خبریں سنتا ہے اور وہ بیسیوں نہیں سینکڑوں لاکھوں، کروڑوں لوگوں سے بات چیت بھی کر رہا ہے، صرف ایک ٹن دبانے سے دنیا بھر کی تازہ ترین خبریں اس کے پاس آرہی ہیں جبکہ وہ اپنے بستر سے اٹھا تک نہیں۔ تو سوچئے کہ ان کا کیا حال ہو؟ اب صورتحال یہ ہے کہ آدمی کے منہ سے ایک کلمہ نکلتا ہے، یا وہ ایک حرف لکھتا ہے تو اس کے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے پہلے وہ دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکا ہوتا ہے۔ تمہیں ان ساری چیزوں کو جاننے کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ نہ لوگوں کے دروازوں پر جانے کی ضرورت ہے۔ خبروں کے حصول کے لیے لوگوں کی مجلسوں میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہمارے بزرگوں کے لیے یہ چیز حیرانی کا باعث کیوں نہ ہو کہ جب ان کے دور میں نظروں سے دور ہونے والا تو گم ہی ہو جاتا تھا جب تک کہ وہ واپس نہ آجائے۔ ان کے ارد گرد ہونے والے واقعات بھی ان تک پہنچنے میں عرصہ لگ جاتا تھا اور کئی مراحل سے گزرتے تھے۔ بلاشبہ یہ ذرائع ابلاغ کی نعمت ہے۔ خواہ وہ اجتماعی ہوں یا انفرادی۔ اس نے اپنی تیز رفتاری، باریک بینی اور مکمل ہونے کی وجہ سے عقلموں کو حیران کر دیا ہے۔ سماعتوں کو پریشان اور آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔

جی ہاں! ایسی ہی حیران کن ایجادات پہلے لوگوں کے لیے حیرانی کا باعث ہیں۔ اگر وہ ان کے بارے میں سنتے تو ضرور حیران ہوتے۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ نے اپنے

بندوں کو عطا کی ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ان ایجادات کے ذریعے اپنے بندوں کا امتحان لیا ہے کہ آیا وہ شکر بجالاتے ہیں یا ناشکری کرتے ہیں۔ کیا وہ انہیں اللہ کی حلال کی ہوئی حدود میں رہ کر استعمال کرتے ہیں یا حدود کی پامالی کرتے ہیں۔ اور جو لوگ چراگاہ کے قریب لے جا کر جانور چراتے ہیں ان کے جانور چراگاہ کے اندر بھی داخل ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ﴾ (سورۃ سبأ 34)

”میرے بہت تھوڑے بندے شکر گزار ہیں۔“

ذرائع ابلاغ کی ترقی میں یہ بہت بڑا انقلاب ہے۔ اس کی تیزی اور جدت نے بہت سارے لوگوں کی عقل چھین لی ہے۔ وہ خیر و شر میں فرق نہیں کر رہے۔ وہ اپنی مدہوشی میں یہ سمجھ نہیں پا رہے کہ یہ وسائل بھی دیگر ایجادات کی طرح خیر اور شر پر مشتمل ہیں۔ ان میں بہت بڑا گناہ بھی ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں۔ ان کی خوبی خوبی ہے اور برائی برائی ہے۔ البتہ ان کی طبیعت اور جدت نے عجیب و غریب تجربات سے روشناس کرایا ہے۔ جس میں معاشرتی عادتیں اور اخلاق کی پروا نہیں کی جاتی۔ خوبصورت کو بد صورت کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ مشقت ختم ہو گئی ہے۔ انسان کی انگلیاں ہی اس کی سوچ بن گئی ہیں۔ اس کی زبان اور عقل زیادہ استعمال ہوتی ہیں۔ کیونکہ جو شخص یہ وسائل استعمال کر رہا ہے وہ اکثر انہیں تنہائی میں استعمال کرتا ہے۔ وہ اکیلا بیٹھا ہوتا ہے۔ لوگوں کے سامنے نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ آزاد ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی ساتھی کے بارے میں جو لکھ رہا ہے اس کا انجام کیا ہو گا۔ اس کے اثرات کیا ہوں گے۔ اسے اس کی بالکل فکر نہیں ہوتی۔ جی ہاں ایک بات کتنی خطرناک ہو سکتی ہے۔ اس کی سنگینی کیا ہو سکتی ہے۔ عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ سے ایک ساتھی نے کہا: آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے منبر پر دیئے گئے خطبوں نے

بوڑھا کر دیا ہے۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا: منبروں کے خطبوں نے کیسے بوڑھا کر دیا ہے؟ حالانکہ وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہے۔ وہ فصیح و بلیغ عربی بولنے والا ہے۔ وہ خوب سمجھ بوجھ رکھنے والا حکمران ہے کسی کا اس پر زور نہیں۔ یہ ہے وہ عبد الملک بن مروان رضی اللہ عنہ جس کے بارے میں امام اصمعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لم يَلْحَنُوا فِي جَدِّ وَلَا هَزُلُ : عَبْدُ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ ... " (مختصر تاریخ دمشق 131/5)

"میں نے اس کی کلام میں عربی گرائمر کی کوئی غلطی نہیں دیکھی۔ خواہ وہ خوش گپیاں کر رہا ہو یا سنجیدہ گفتگو۔"

امام اعش رضی اللہ عنہ نے ابو زناد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عبد الملک بن مروان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے چار فقہاء میں سے ایک تھے۔ یہ ساری خوبیاں موجود ہونے کے باوجود عبد الملک بن مروان رضی اللہ عنہ ایک لفظ کی ذمے داری اور اس کی سنگینی سے باخبر تھے۔ لوگوں کے فہم اور ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرتے تھے اور بڑی محتاط گفتگو کرتے تھے۔ الفاظ کی تاثیر اور اس کے انجام پر گہری نظر رکھتے تھے۔ جبکہ اس دور میں لوگوں کی ایک محدود تعداد ان کا خطبہ سنتی تھی۔ اس وقت کی تقریر اتنی دور تک بھی نہیں پہنچتی تھی جتنی آج کے وسائل کے ذریعے دور تک پہنچ جاتی ہے۔ تو وہ شخص جس کی تحریر کروڑوں لوگوں تک پہنچتی ہے۔ اور ان کے سامعین کی عقلیں اور فہم بھی ایک جیسا نہیں۔ ان کے مقاصد اور اغراض بھی ایک جیسے نہیں ایسے شخص کو کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا ہے کہ

"مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لَا تَبْلُغُهُ عَقُولُهُمْ إِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ

فتنة" (مقدمة صحيح مسلم: 5)

”تم جس قوم سے گفتگو کرو اور وہ ان کی عقلوں سے بلند ہو تو وہ گفتگو ان کے لیے نیند بن جائے گی۔“

اللہ کے بندو!

دور حاضر کے ان ذرائع ابلاغ کی کثرت اور سہولت نے کلمات کی سنگینی غائب کر دی ہے۔ لوگ اس کی خطرناکی سے لاپرواہ ہو گئے ہیں۔ بہت سارے لوگوں کے نزدیک اس کی حیثیت خیالی پلاؤ جیسی ہو گئی ہے جس کی کوئی حدود و قیود نہیں ہوتیں۔ اس ترقی نے بہت سے تحفظات پیدا کر دیئے ہیں۔ مجلس میں بیٹھ کر جو کلمہ ادا کرنا ناممکن تھا۔ ان وسائل کے ذریعے انگلیوں کی تھوڑی سی حرکت سے وہ سکرین پر لکھ دیا جاتا ہے اور وہ حرکت اس کی سوچ سے بھی تیز ہوتی ہے۔ اور ان وسائل کی مصروفیت کے ساتھ جینے شخص کے ساتھ بات چیت کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ آپ دیکھیں گے کہ ایک ہی مجلس میں کندھے کے ساتھ کندھا ملائے ہوئے لوگ بھی ان چیزوں کے ساتھ مشغول ہوں گے۔ ان کے جسم ایک جگہ مگر دل دور دور ہوں گے۔ ہر شخص اپنی دنیا بسائے اپنی محفل سجائے بیٹھا ہو گا۔

جبکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے لیے قیل و قال یعنی بے مقصد گفتگو ناپسند کیا ہے۔ تو آج ہم ان وسائل ابلاغ پر کون سی بامقصد گفتگو دیکھ رہے ہیں؟ بے مقصد اور بے ہودہ گفتگو طعن و تشنیع، گالی گلوچ اور مذاق اڑانے جیسے مشغلے ہی عام ہیں۔ اس سے صرف وہی محفوظ ہے جس پر میرے رب کی خاص رحمت ہے۔ ان جدید ذرائع ابلاغ سے پہلے ہم رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ، يَنْزِلُ بِهَا فِي النَّارِ أُنْبَعَدَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ»



”ایک بندہ بغیر سوچے سمجھے ایک لفظ بولتا ہے اور اس کی وجہ سے جہنم میں اتنا دور جاگرتا ہے جتنا مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔“ (صحیح مسلم: 2988)

ہم یہ فرمان نبوی سنتے تھے۔ لیکن اس وقت کے حالات کے مطابق ہمارے تصورات بڑے محدود تھے۔ ہمیں اس کی صحیح سمجھ نہ آتی تھی۔ مگر ان جدید ذرائع ابلاغ کے آنے سے اس کا معنی بڑا واضح ہو گیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ نے ایسی ثقافت پیدا کی ہے جس میں کوئی نقص اور نقصان نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ ہم آج کے اس دور کا موازنہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس میں غلطیاں بڑی تیزی سے سرزد ہوتی ہیں۔ معلومات کا انبار لگا ہے۔ ان وسائل کے ذریعے معلومات کا پلندہ ہم تک پہنچ رہا ہے۔ چنانچہ اس میں شدید احتیاط کی ضرورت ہے کہ ان میں سے کون سی چیز لینی ہے اور کون سی ترک کرنی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اسی جال میں پھنس جائیں جس سے ہم بچنے کی کوشش کر رہے ہیں، یا معاشرے کے مستقبل سے کھینے والوں کے لیے آسان اور قیمتی شکار ثابت نہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارے ذریعے سے معاشرتی آگاہی کا خون کرنے میں کامیاب ہو جائیں، یا کم از کم فکری دہشتگردی پھیلا کر ایسی فکر پیدا کر دیں کہ جسے ایک طرف سے مبالغہ آرائی کی سوچ سمجھ رہی ہو اور دوسری طرف سے سختی کرنے والی سوچ۔ اس متذبذب سوچ کا نتیجہ یہ ہو کہ ہماری شناخت ہی تبدیل ہو جائے یا ہماری ثقافت اور سوچ کا طریقہ ہی بدل جائے۔

اللہ کے بندو! ایسا ہونا بھی کوئی بعید نہیں ہے! کیونکہ جب ایک کلک کو بے وقعت سمجھتے ہوئے ہر من پسند چیز کو لائیک، شیئر یا اس پر کنٹ کر دیا جائے گا تو عین ممکن ہے کہ معاشرے کی عمومی سوچ میں پختگی باقی نہ رہے، وہ کھوکھلی ہو جائے اور صحیح سے غلط الگ کرنے کے معیار غیر واضح ہو جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے خواہشات نفس کے پیچھے

لگ کر ہر عمل بغیر کسی روک ٹوک یا معیار کے کیا جانے لگے، معلومات کی درستی اور غیر درستی کی تحقیق چھوڑ دی جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر افواہ پھیلانا اور آسان ہو جائے گا اور اس کی تحقیق کرنا کہیں مشکل ہو جائے گا۔ لوگ افواہیں قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور انہیں رد کرنے یا اس کا جواب دینے کی طاقت کہیں کم ہو جائے گی۔

یہ چیزیں کوئی دور نہیں ہیں! کیونکہ ہر شخص یہ سمجھنے لگا ہے کہ وہ سوشل میڈیا پر کسی قسم کی قید، دلیل یا دینداری کے جذبے کے بغیر وہ سب کچھ لکھ سکتا ہے جو اس کا من چاہے۔ آج بڑا سنا رہنا اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنا بالکل مشکل نہیں رہا کیونکہ سوشل میڈیا کو استعمال کرنے والے بیشتر لوگوں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ ہر بات قبول کرنے والے نہیں گے، کسی چیز کی تحقیق نہیں کریں گے۔ دوسروں کے پیچھے چلنے والے نہیں گے، اپنی سوچ استعمال کر کے حق اور باطل کو الگ کرنے کی کوشش کرنے والے نہیں بنیں گے۔ دوسروں کی گونج نہیں گے، اپنی مستقل شناخت نہیں بنائیں گے۔

ویسے بھی اس دور میں عقل پر احساسات غالب آگئے ہیں، چنانچہ عقلیں قبضہ کرنے والوں کے لیے بالکل تیار ہیں۔ ان پر قبضہ جمانے کے لیے کوئی خاص محنت یا کوشش کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی عقلیں وہ کہتی ہیں جو ان سے کھلوانے والے کھلواتے ہیں، جو سخی ہیں وہ آگے بیان کر دیتی ہیں، ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے، یہ کہ چیز کے معاملے میں کوئی بحث یا تحقیق نہیں کرتیں۔

یہ سب ایسے دور میں ہو رہا ہے کہ جب انسانی سوچ پر سوشل میڈیا کے سیلاب اٹھائے گئے احساسات اثر انداز ہو رہے ہیں۔ سوشل میڈیا کے بڑھتے ہوئے اس سیلاب نے انسان کے احساسات پر یہ اثر ڈالا ہے کہ وہ اب یکا یک بدل جاتے ہیں، ایک حالت سے اچانک دوسری اور بالکل مختلف میں چلے جاتے ہیں، کبھی وہ دو مختلف چیزوں کو ایک ہی سانچے میں

ڈھال دیتے ہیں اور کبھی وہ ایک ہی قسم کی چیزوں کو الگ الگ شمار کرنے لگتے ہیں۔ اس شخص کی یہ حالت ہو جانا بھی کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ جو نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان پر عمل نہ کرتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ صادق وصدق نے فرمایا:

«فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بِرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، عَصُوا عَلَيَّهَا  
بِالتَّوَاجِذِ»

”بلاشبہ تم میں سے جو زندہ رہا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا۔ (تم میری سنت اور میری خلفائے راشدین کے طریقے پر چلتے رہنا) اسے مضبوطی سے تھام لینا۔“ (جامع ترمذی: 2676)

ایک بہت بڑی غلطی یہ بھی ہے کہ جس میں معاشرے مبتلا ہیں کہ وہ ان ذرائع ابلاغ کو صرف وسائل ہی کی حیثیت نہیں دیتے بلکہ انہیں اپنا مقصد اور اصول بنا لیتے ہیں اور جب یہ صورت حال ہو جاتی ہے تو پھر نئی نسل کے فکری انتشار اور بے اصولی کا مت پوچھو۔ اور ان کی سوچ و فکر نہایت نکمی ہوتی ہے جسے آسانی سے موڑا جاسکتا ہے اور ان کی برین واشنگ بہت آسان ہو جاتی ہے۔ تہذیب کے ان متلاشیوں کو لوگوں کا تابع بنانا آسان ہو جاتا ہے پھر جیسے دوسرے لوگ ظلم و ستم کرتے ہیں ویسے وہ بھی کرنے لگتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ  
إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ  
تَعْمَلُونَ» (سورة المائدة: 105)

”اے مومنو! اپنی فکر کرو، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو، اللہ کی طرف تم سب کو واپس لے کر جاتا ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے

گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔“

اللہ مجھے اور تمہیں قرآن مجید سے برکت دے، اس کی پر حکمت آیات سے ہمیں نفع پہنچائے۔ میں انہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس میں جو درست بات کی وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر کوئی خطا ہوئی تو وہ میری اور شیطان کی ہے، میں اپنے لیے، تمہارے لیے اور تمام مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش کی دعا کرتا ہوں۔ تم بھی اس سے توبہ کرو اور گناہوں کی بخشش مانگو۔ بلاشبہ میرا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

دوسرا خطبہ

میں اللہ کے احسانات پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس کی توفیق اور فضل و کرم پر اس کا شکر بجالاتا ہوں۔

حمد و ثنا کے بعد!

اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ جدید وسائل ابلاغ اللہ کی نعمت ہیں جنہیں اللہ نے ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ اس کے استعمال میں لوگ دو طرح کے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو ان کے استعمال سے جنت پالیں گے اور کچھ وہ ہیں جو ان کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے۔ جدید ذرائع ابلاغ ایک حقیقت ہیں ان سے فرار ممکن نہیں اور ان کی اہمیت کا انکار کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ ان میں موجود خیر اور شر کا انکار بھی ممکن نہیں۔ اہل علم اور عقل و بصیرت والوں کیلئے واجب ہے کہ وہ برے لوگوں کا مقابلہ کریں۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ غیظ و غضب کی آگ بجھائی جاسکے۔ ہر شخص کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم سب کو یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ ذرائع ابلاغ کی غیبت بھی غیبت ہے اور اس کی چغلی بھی چغلی ہے۔ یہاں کا بہتان بھی بہتان ہی شمار ہو گا۔ یہاں کی گالی بھی گالی ہے اور لوگوں کو یہاں بھڑکانا بھی جرم ہی ہے۔ توجو شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ ذرائع حقوق، مقاصد اور

معانی تبدیل کر دیتے ہیں تو وہ خیالی دنیا میں جی رہا ہے۔ جو اس کی تنگ فکری اور حقوق، واجبات کی پروا نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ہر اخلاقی گراؤ اور اس کے شرعی نام کے بارے میں کہہ سکتے ہو۔

ان ذرائع میں کوئی بھی اکاؤنٹ اسے محاسبے سے نہیں بچا سکتا۔ دنیا کے محاسبے اور آخرت کے گناہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ جتنے لوگ اس کے اکاؤنٹ کو ڈوٹ کریگی اس کا گناہ اتنا ہی بڑھ جائے گا جتنے لوگ اس سے متاثر ہوں گے ان کا گناہ بھی اسے ہو گا۔ اس پڑھی جانے والی تحریر کا حکم بھی بولنے والی زبان کی طرح ہے۔

اگرچہ میڈیا کے وسائل بہت سارے معاملات میں امت کے لیے بہت ساری خیر و بھلائی اور نفع کا باعث ہیں تاہم ان میں شر بھی بہت ہے اور ان کے نقصانات بھی نہایت تباہ کن ہیں۔ ایسی عقلوں کی نہایت نقصان دہ ہیں جو خالی ہیں اور ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں۔ اگرچہ ان کا شر بہت زیادہ ہے۔

لیکن ان کا خلاصہ تین شرائط میں نکالا جاسکتا ہے:

- ایسی چیزوں کو نشر کرنا جو نفرت پھیلائے اور امت کے اتحاد کو توڑے اور مسلم معاشرے میں انتشار پیدا کرے۔
- ایسی خبریں اور افواہیں پھیلانا جو بد امنی اور بے چینی پیدا کریں۔ ایسی فروعات کو پھیلانا جن کی بنیاد صحیح نہ ہو۔
- لوگوں کی عزتیں تار تار کرنا اور ان کے عیب ٹٹولنا۔ شریعت کی منشا کے خلاف اپنی خواہش کے مطابق لوگوں کو نصیحت کرنا۔
- لوگوں کی خیر خواہی کی بجائے انہیں عار دلانا۔ یہ وہ جرائم ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان کی کڑیوں کو بکثرت توڑتے ہیں۔ کیوں نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصُنْتَ»

(صحیح بخاری: 6135)

”جو شخص اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔“

اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو! خوب جان لو کہ یہ وسائل تمہارے سفر کے ہیگ ہیں۔ تم غور کر لو کہ تم

ان میں کیا بھر رہے ہو۔ تمہاری اخروی کامیابی کا مدار انہی پر ہے۔

یہ تمہارے اعمال ہیں جو تم اس دنیا کی زندگی میں کما رہے ہو۔ انہی کا اجر تمہیں آخرت

میں ملے گا اگر اچھے اعمال کرو گے تو اجر و ثواب ملے گا اور اگر برے عمل کرو گے تو جزا بھی

بری ہوگی۔

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ رَزَّاهَا \* وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾

”یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ

ناکام ہوا۔“ (سورۃ الشمس: 10-9)

اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنی کمزوری جان لیتا ہے، اپنے اسباب کی کمی کو پہچان لیتا

ہے۔ اور اسے معلوم ہے کہ دو فرشتے اس کے اعمال لکھ رہے ہیں۔ وہ ہر دم تیار بیٹھے ہیں۔ اللہ

اللہ۔ کتنے لوگ ان وسائل کی وجہ سے آخرت میں مفلس ہو جائیں گے اور ان مفلسوں کے

گواہ وہ لوگ ہوں گے جو ان کی تحریروں کو پڑھتے اور دیکھتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

«أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ» (صحیح بخاری: 1367)

”تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔“

میں انہی کلمات پر بات ختم کرتا ہوں۔ تم انسانیت کے سردار اور سر تاج، صاحب حوض کوثر، شفاعت کے حقدار محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔ اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں پہلے اپنی ذات مبارک کا ذکر کیا، پھر فرشتوں کو حکم دیا اور پھر تمہیں بھی حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيَّهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول صاحب حوض و شفاعت پر درود و سلام بھیج۔ اے اللہ! اپنے نبی کے خلفائے راشدین ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! تابعین عظام اور تبع تابعین کرام اور تاقیامت نیکی میں ان کے پیروکاروں سے بھی راضی ہو جا۔ اے ارحم الراحمین اپنے فضل و کرم اور مہربانی و بخشش سے ہمیں بھی معاف فرمادے۔





## پہلا خطبہ

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ میں اللہ کی حمد و ثنائیاں کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار اور نبی محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ ساری مخلوق میں سے اللہ کے چنے ہوئے اور محبوب ہیں۔ اے اللہ! اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور آپ ﷺ سے محبت کرنے والوں پر اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرما۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِيهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“ (سورۃ آل عمران: 102)

نیز فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (سورۃ

النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے

اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اُس اللہ سے

ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت

کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

مزید فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورة الاحزاب: 70-71)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

خطبہ مسنونہ کے بعد اسب سے بہترین بات اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ سب سے بہترین راہنمائی محمد ﷺ کی ہے۔ بدترین کام نو ایجاد شدہ ہیں اور دین میں ایجاد شدہ ہر کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، تم مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو اوہ جہنم رسید ہو گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

”مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔“ (سورة النساء: 115)

برادران اسلام اللہ علیم اور خبیر نے روشن اور مکمل شریعت اسلام عطا کر کے امت اسلام کو معزز بنایا ہے یہ شریعت حقیقی طور پر امت اسلام کی کفیل ہے اور جب امت اسلامیہ

پر مشکل وقت آتا ہے تو یہ اس کا حل اور علاج عطا کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي  
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر  
تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا  
ہے۔“ (سورۃ المائدہ: 3)

بندگانِ الہی اشریعت اسلام مکمل شریعت ہے جس میں کسی قسم کا نقص اور کمی نہیں  
ہے، یہ خوبصورت شریعت ہے جس میں کوئی عیب اور بد صورتی نہیں ہے، اور یہ ایسا ہی  
خوبصورت اور کامل کیوں نہ ہو جبکہ اس کا شارع وہ ہے جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر  
چیز جانتا ہے جبکہ ہم نہیں جانتے، پوری مخلوق اس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔ مخلوق  
کو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا اس نے عطا کر دیا۔ وہ شارع ایسا ہے کہ وہ ماضی، حال اور مستقبل  
کی تمام چیزوں کو جانتا ہے، وہ کیسے رونما ہوئیں اور کیسے ہوں گی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 216)

”اور اللہ جانتا ہے حالانکہ تم نہیں جانتے۔“

بندگانِ الہی اشریعت اسلام کی مختصر الفاظ میں تعریف یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ فوائد  
کے حصول اور نقصانات کو دور کرنے کے لیے آئی ہے۔ یا کہا جاسکتا ہے کہ شریعت اسلام ہر  
قسم کی خیر و بھلائی کے دروازے کھولنے اور برائی کے تمام دروازے بند کرنے کے لیے آئی  
ہے۔

یہ ان پانچ بنیادی حقوق کے حصول کو یقینی بناتی ہے اور ان حقوق کو نقصان دینے والی  
چیزوں سے روکتی ہے جن پانچ بنیادی حقوق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ وہ پانچ حقوق یہ ہیں:

دین، جان، عقل، مال اور عزت۔

شریعت اسلامیہ ان پانچ کے لیے نفع بخش چیزوں کا حکم دیتی ہے، ان کی ترغیب دیتی ہے اور ان پانچ کو نقصان دینے والی چیزوں سے روکتی ہے، نقصان واقع ہونے سے پہلے دفاع کرتی ہے یا نقصان ہونے کے بعد اسے دور کرتی ہے، ہماری روشن شریعت میں نقصان سے بچاؤ اور دفاع کو ازالے سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ کیونکہ بچاؤ علاج سے بہتر ہے۔

برادرانِ اسلام! دین اور دنیا کا ہر معاملہ انہی دو عظیم قوانین کے تحت ہے جبکہ نقصان پہنچتا اور نقصان لینا دو بہت بڑے خطرے تھے اور دو ظاہری نقصان تھے، اس لیے شریعت اسلامیہ نے بڑے جامع اسلوب میں افراد اور جماعت کو ان کے جال میں پھنسنے اور ان کے نقصانات میں ملوث ہونے سے بچایا۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ان کے قریب بھی جانے سے روکا: چہ جائیکہ کوئی شخص ان میں مبتلا ہو۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ» (سنن ابن ماجہ 2341)

”نہ کسی کو نقصان دینے میں پہل کرو اور نہ بدلے میں کسی کو نقصان دو۔“

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«إِنْ هَذَا مِنَ الْأَحَادِيثِ الَّتِي يَدُورُ الْفِقْهُ عَلَيْهَا.»

”یہ فرمان نبوی ﷺ ان احادیث میں سے ہے جن پر فقہ اسلامی کی بنیاد ہے۔“

کچھ اہل علم نے اس حدیث کو فقہ اسلامی کا ایک چوتھائی قرار دیا ہے، جبکہ کچھ اور اہل علم اسے فقہ اسلامی کا نصف قرار دیتے ہیں اور یہی صحیح ترین قول ہے جبکہ ہم یہ کہیں کہ دین اسلام فوائد کے حصول اور نقصان کو دور کرنے کا حکم دیتا ہے۔ دین اسلام احکام اور نواہی پر مشتمل ہے اسلامی احکام لوگوں کی مصلحت کے لیے ہیں اور نواہی نقصانات سے بچانے کے

لیے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوبًا  
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ  
الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ﴾ (سورة  
الاعراف: 157)

”جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور  
انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے  
لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔“

نبی کریم ﷺ کے فرمان میں جس ”نقصان دینے اور نقصان لینے“ سے منع فرمایا ہے،

اس سے مراد یہ نہیں کہ ایسا ہوتا ہی نہیں، بلکہ امت محمدیہ میں یہ بہت زیادہ ہو رہا ہے، اس  
لفظی سے مراد اس سے روکنا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو اسے برقرار رکھنے کی نفی ہے، تاکہ یہ نفی  
اور نہی تمام افراد اور معاشرے کے لیے ہر حالت اور ہر صورت کا احاطہ کر لے۔

فُزَّرَ سے مراد وہ نقصان یا تکلیف ہے جو اراد تانہ دی جائے، اور ضرر سے مراد وہ

نقصان ہے جو عمد آگیا جائے۔ یہ نقصان ذاتی ہو یا کسی دوسرے کا، ہر دو سے منع کیا گیا ہے البتہ  
دوسروں کو نقصان دینا زیادہ بڑا جرم ہے اور بڑا گناہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لِضَعْفِهِنَّ ﴾

”انہیں تنگ کرنے کے لیے انہیں نہ تارا۔“ (سورة الطلاق: 6)

اسی سے علمائے کرام نے فقہ کا مشہور قاعدہ اخذ کیا ہے، جو کہ فقہ اسلامی اور شریعت

اسلامیہ کا اہم ترین اصول شمار کیا جاتا ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ ”الضرر يزال“ نقصان کا ازالہ

ہوگا۔“

جی ہاں! بندگانِ الہی!

نقصان کا ازالہ ہوگا، نقصان دینا قطعی منع ہے، اور نقصان لینا بھی منع ہے، جب کسی معاملے میں یہ دونوں یا کوئی ایک نقصان موجود ہو تو اس کا ازالہ کرنا واجب ہے اور نقصان واقع ہونے سے پہلے اسے روکنا ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر عظیم اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَتُؤْتِيكَ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ» (صحیح ابن خزیمہ: 1493)

”راستے سے تکلیف دہ چیز (کانٹا، پتھر، ہڈی وغیرہ) ہٹانا صدقہ ہے۔“

یہ اجر و ثواب ہر تکلیف دہ چیز کو ہٹانے پر ہے، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ اس کا نقصان ذاتی ہو یا دوسروں کو ہو۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے تنگی تلواریں لینے اور دینے سے منع فرمایا۔

یعنی تلواریں کو نیام سے نکال کر لینے اور دینے سے روکا تاکہ کوئی شخص زخمی نہ ہو۔ ایک شخص مسجد نبوی سے تیر لے کر گزرا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا» (صحیح بخاری: 451)

”ان کی نوکیں تھام لو۔“

آپ نے اسے تیروں کے سرے ڈھانچنے کا حکم دیا تاکہ کسی راہ گیر کو زخمی نہ کریں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«مَنْ أَسَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ، حَتَّى يَدَعَهُ

وَإِنْ كَانَ أَحَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ» (صحیح مسلم: 2616)

جو شخص اپنے بھائی کو لوہے کی کوئی چیز دکھائے (اسے ڈرائے دھمکائے) تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اگرچہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہو۔“

برادرانِ اسلام!

غور فرمائیں! اللہ کے رسول ﷺ نے بے نیام تلوار لینے دینے اور مسلم بھائی کی طرف اسلحے سے اشارہ کرنے سے منع کر دیا ہے تو پھر مسلمانوں کے ساتھ لڑنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ انہیں ناحق قتل کرنا، انہیں اذیت دینا، مکرو فریب، حسد و کینے، غیبت و چغلی، اشارے کنائے سے انہیں ذلیل کرنا، یا ہی نفرت و دشمنی پالنا، دوسروں کے مال ہڑپ کرنا، ان کا دینی نقصان کرنا، ان کی عزت اور عقل کو نقصان پہنچانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جامع کلمات عطا کیے تھے، آپ نے ان تمام صورتوں کو مختصر ترین الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

«مَنْ ضَارَّ، ضَارَّ اللَّهُ بِهِ، وَمَنْ شَاتَى، شَاتَى اللَّهُ عَلَيْهِ» (جامع ترمذی:

(1940

”جس نے مسلمان کو نقصان پہنچایا، اللہ اسے نقصان دے گا جس نے مسلمان پر تنگی کی اللہ اس پر تنگی کرے گا۔“ اس فرمانِ نبوی کا مطلب یہ ہے کہ ”جیسی کرنی ویسی بھرنی۔“

بندگانِ الٰہی!

انسانی عقل کتنی بھی پختہ ہو جائے اور وہ علم و معرفت کی جتنی مرضی منزلیں طے کر لے وہ شریعت اسلامیہ کے اس عادلانہ، پختہ اور کامل قانون سے بڑھ کر قانون ہرگز نہیں بنا سکتی۔ کیونکہ انسانی عقل جتنی بھی بڑی ہو جائے وہ اللہ کے علم و حکمت کے سامنے چھوٹی ہی ہے۔ عقل و دانش اور غور و فکر کی قوت کتنی بھی وسیع ہو جائے وہ اللہ کے علم کے سامنے محدود اور تنگ ہی ہے۔ ارشاد، باری تعالیٰ ہے:

﴿صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً﴾ (سورة البقرة: 138)

”اللہ کا رنگ اختیار کرو اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو گا۔“

نیز فرمایا:

﴿أَفْحَسَمَ الْجَاهِلِيَّةُ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ

يُوقِنُونَ﴾

”کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے

نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔“ (سورة المائدہ: 50)

اللہ کا رنگ نقصان سے بچانے کے لیے بڑا واضح ہے، یہ ماضی حاضر اور مستقبل کے ہر

نقصان سے روکتا ہے کیونکہ ضرر اور ضرر جہالت اور نافرمانی ہے جو انسانی معاشرے کے

افراد، خاندان اور تمام لوگوں کو کامیابی سے روکتے ہیں۔ نقصان سے روکنا شریعت اسلامیہ کی

ترجیحات میں سے ہے۔ مسلمان کو اذیت دینا وہ عظیم جرم ہے جس سے اللہ اور اسکے

رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔ اور اذیت دینا بھی درحقیقت عمدہ نقصان پہنچانا اور بلا مقصد

نقصان دینا ہی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ

اِحْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾

”اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے

ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔“ (سورة الاحزاب: 58)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُهُ، وَعِزْرُهُ، وَدَمُهُ حَسْبُ امْرِئٍ



مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ» (سنن ابی داؤد: 4882)

”مسلمان کیلئے مسلمان کی عزت، مال اور خون سبھی کچھ حرام ہے۔ تقویٰ دل میں ہے اور کسی شخص کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر جانے۔“  
سپ اللہ نے فرمایا:

«سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ» (صحیح بخاری: 48)

”مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔“

بند گانِ الہی! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، کیونکہ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ اسے اس کے ذاتی شر اور دوسروں کے شر سے بچا لیتا ہے، اور اسے ایسا علم سکھاتا ہے جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا اور جسے اللہ علم سکھا دے وہ اس لائق ہے کہ وہ ضرر اور ضرر کو جان لے اس کی معرفت کے بعد اس سے اپنا بچاؤ کر لے۔

جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَلَا يُضَارَّ كِتَابٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ فَسُوقٌ بِكُمْ<sup>۱</sup> وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (البقرة: 282)

”کتاب اور گواہ کو ستایا نہ جائے ایسا کرو گے، تو گناہ کا ارتکاب کرو گے اللہ کے غضب سے بچو وہ تمہیں صحیح طریق عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔“

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کتاب و سنت میں برکت دے، ہمیں قرآن مجید کی آیات اور اور ذکرِ حکیم سے نفع دے۔ میں انہی کلمات پر بات ختم کرتا ہوں، اگر یہ درست ہے تو یہ خالص اللہ کا فضل و کرم ہے۔ اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو وہ میری ہے اور شیطان کی وجہ سے ہے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، تمہارے لیے، تمام مسلمان مرد و خواتین کے لیے، تمام گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ تم بھی اس سے گناہوں کی معافی مانگو اور توبہ کرو۔ بلاشبہ میرا رب بڑا

بخشنے والا مہربان ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسانات پر سب تعریفیں اس کے لیے ہیں۔ اس کی توفیق اور کرم پر میں اس کا شکر بجالاتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کی رضا کی دعوت دینے والے ہیں، اللہ کی رحمتیں اور سلامتی آپ پر ہو، آپ ﷺ کی آل، ازواج مطہرات، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور آپ کے دوستوں پر بھی اللہ کی رحمت اور سلامتی نازل ہو۔

بعد ازاں! بندگانِ الہی!

اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں روشن شریعت دی ہے، ہر خیر و بھلائی سے آگاہ کیا ہے، اور ہر برائی اور شر سے روکا ہے۔ کوئی بھی شخص پسند نہیں کرتا کہ اسے کوئی بھی شخص نقصان دے، خواہ اس کا رنگ اور نسل کچھ بھی ہو۔ اسی طرح دیگر لوگ بھی اپنے لیے نقصان پسند نہیں کرتے، اسی لیے دوسروں کو نقصان دینا کمزور ایمان کی علامت ہے کیونکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ دوسروں کا احترام کیا جائے اور ان کے حقوق کا احترام کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے

لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔“ (صحیح بخاری: 13)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

إِنْ فَتَى شَابًا أَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ائْذُنِي لِي بِالزَّوْنَا، فَأَقْبَلَ الْقَوْمَ عَلَيْهِ فَرَجَرُوهُ وَقَالُوا: مَهْ. مَهْ. فَقَالَ: «اِذْنُهُ، قَدْنَا مِنْهُ قَرِيبًا». قَالَ: فَجَلَسَ قَالَ: «أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ». قَالَ: «أَفْتُحِبُّهُ لِأَبْنَتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِبَنَاتِهِمْ». قَالَ: «أَفْتُحِبُّهُ لِأَخْتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأَخْوَاتِهِمْ» قَالَ: «أَفْتُحِبُّهُ لِعَمَّتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِعَمَّاتِهِمْ». قَالَ: «أَفْتُحِبُّهُ لِخَالَاتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِخَالَاتِهِمْ». قَالَ: فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَظَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ» فَلَمْ يَكُنْ بَعْدَ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ (مسند أحمد 22211)

”ایک نوجوان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے بدکاری کرنے کی اجازت دیجئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سن کر اسے ڈانٹنے لگے اور اسے چپ کرانے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نوجوان قریب آؤ تو وہ آپ کے قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا: کیا تو پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص تمہاری والدہ سے بدکاری کرے؟ وہ بولا: نہیں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ﷺ! میں یہ پسند نہیں کرتا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ بدکاری پسند نہیں کرتے، کیا

تم اپنی بیٹی کے لیے پسند کرو گے؟“ وہ بولا: نہیں اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! میں یہ پسند نہیں کرتا، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے زنا برداشت نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: کیا تم اسے اپنی بہن کے لیے پسند کرو گے، وہ بولا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ کی قسم میں یہ پسند نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے بدکاری پسند نہیں کرتے، کیا تم اسے اپنی پھوپھی کے لیے گوارا کرو گے؟“ اس نے جواب دیا: میرے والدین آپ ﷺ پر فدا ہوں، اللہ کی قسم ہر گز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسی طرح لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لیے اسے گوارا نہیں کرتے۔ کیا تم اسے اپنی خالہ کے لیے پسند کرو گے؟“ اس نے پھر عرض کی: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر نثار ہوں، اللہ کی قسم! بالکل نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اپنی خالوں کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر آپ نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھا اور دعا کی: ”اے اللہ! اس کے گناہ معاف کر دے، اس کا دل پاک کر دے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔“ اس دعا کے بعد وہ نوجوان خوب سیرت بن گیا اور وہ کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔“

ہاں ہاں! اسلام کی نرمی اور عدل کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ نقصان کو اس کی مثل سے دور نہیں کرتا۔ نہ اس سے زیادہ نقصان کر کے ختم کرتا ہے۔ برائی کو برائی سے یا اس سے بڑی برائی سے ختم نہیں کرتا۔ جب کسی معاملے میں دو برائیاں نگر اجائیں تو اسلام بڑی برائی ختم کرنے کے لیے چھوٹی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کامل حکم، عدل اور منطقی ہے۔ جس طرح دو فائدوں میں سے اعلیٰ کا حصول ضروری ہے۔ اسی طرح بڑے نقصان کو دور کرنا بھی ضروری ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ قاتل کو قصاص میں مارا جاتا ہے، زانی کو رجم یا کوڑے

مارے جاتے ہیں چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور شرابی کو کوڑے لگتے ہیں۔ یہ سارے نقصانات ہجرم کو دیئے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کی عزت، جان، عقل اور مال کو بڑے بڑے نقصانات سے بچایا جاسکے۔

میں انہی کلمات پر بات ختم کرتا ہوں۔ تم انسانیت کے سردار اور سر تاج، صاحبِ حوضِ کوثر، شفاعت کے حقدار محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درودِ سلام بھیجو۔ اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں پہلے اپنی ذات مبارک کا ذکر کیا، پھر فرشتوں کو حکم دیا اور پھر تمہیں بھی حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مؤمنو، تم بھی ان پر درودِ سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



48

رمضان... عبادت کا مہینہ

30 شعبان 1438ھ بمطابق 26 مئی 2017ء

## پہلا خطبہ

الحمد لله، ساری تعریفیں بردبار اور کرم نوازی کرنے والے اللہ کے لیے ہیں، وہی آسمانوں، زمینوں اور عرش عظیم کا رب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿عَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ الثَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّلْوِيِّ﴾

”گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحبِ فضل ہے“ (غافر: 3)

میں گو اسی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے، اسی کے لیے ساری شائے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ میں یہ بھی گو اسی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت، انگوں اور پچھلوں کے لیے بڑا احسان، مومنوں کے لیے نرم دل اور رؤوف و رحیم بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی پاکیزہ اور معزز آل کرام پر، اہمات المؤمنین پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، تابعین عظام پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

بعد ازاں! لوگو! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ سے یوں ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے، دین اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور گناہوں سے دور رہو اور یاد رکھو کہ تمہارے قدم آگ کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿وَتَزِدُّوْا قِيَانَ حَيْرِ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقَوْنَ يَا اُولِيَ الْاَلْبَابِ﴾

”زاد راہ تیار کر لو، اور سب سے بہتر زاد راہ پر ہیز گاری ہے چنانچہ اے ہوش

مند و امیری نافرمانی سے پرہیز کرو۔“ (سورۃ البقرہ: 197)

اے مسلمانو! گرمی اور سردی، خوشی اور غمی، تنگی اور آسانی اس دنیا کے پیسے کے حصے ہیں، جو بڑی تیزی سے گھومتا چلا جاتا ہے۔ جیسے ہی زمانے کا ایک حصہ گزرتا ہے تو اس کے بعد ایک اور برکت سے بھرنا شروع آجاتا ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ نے بابرکت گھڑیاں، عظیم راتیں اور نیکی سے بھرے دن رکھے ہوتے ہیں۔ اور جو ماہ اب آ رہا ہے، وہ بڑا بابرکت ماہ ہے، اس کے دروازے اور اس کے صحیفے بس کھلنے ہی والے ہیں۔ قریب ہے کہ لوگ خیر و برکت سے مالا مال بازار میں داخل ہو جائیں گے، پھر کوئی تو اس بازار میں کاروبار کر کے خوب منافع کمائے گا اور کوئی کوتاہی اور سستی کی وجہ سے گھانے میں رہے گا۔

جی ہاں! اللہ کے بندو! آپ کی دنیا کے اقل پر ایک بابرکت ماہ چھاپ چکا ہے، اسے ضائع مت کرنا۔ یہ مہمان کی طرح آپ کے پاس آئے گا، تو تم اس کی خوب مہمان نوازی کرنا۔ اس کی پاکیزگی، حرمت اور عظمت کا خاص خیال رکھنا۔

رمضان کے بابرکت ماہ میں مسلمانوں کے دلوں کا امتحان لیا جاتا ہے کہ ان میں اس ماہ کی کتنی قدر اور حرمت ہے؟ یہ عاجزی اور توبہ کا مہینہ ہے، شور شرابے کا نہیں! یہ اللہ کی طرف رخ کرنے کا مہینہ ہے، غفلت کا نہیں اور یہ دلوں کی پاکی کا مہینہ ہے، کدورتوں کا نہیں۔

جی ہاں! اللہ کے بندو! اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ہر مسلمان اپنا کھانا، پینا اور خواہشات چھوڑ دیتا ہے۔ تو کیا اس کے باوجود کوئی سمجھدار اسی ماہ مبارک کو نافرمانی، فضول کاموں اور اس کی حرمت کی پامالی میں استعمال کر سکتا ہے؟ فرمایا اللہ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ

الهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾



”رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں“ (سورۃ البقرہ: 185)

تلاوت کی بڑھتی جاتی گونج کی وجہ سے اس ماہ کی عظمت، خوبصورتی اور رونق بڑے واضح انداز میں نظر آتی ہے۔ قرآن کریم وہ کلام ہے کہ جو اسی ماہ مبارک میں نازل کیا گیا تھا تاکہ یہ لوگوں کے لیے ہدایت اور حق و باطل میں فرق کرنے والا عظیم ہتھیار بن جائے۔ امت اسلامیہ کو یہی زیب دیتا ہے کہ امت کے اور قرآن کریم کے درمیان کوئی پردہ، کوئی رکاوٹ اور کوئی فاصلہ نہ رہے۔ بلکہ وہ پوری طرح اس سے جڑ جائے، اس کے معانی پر غور کرے اور اس پر عمل کرنے والی بن جائے۔

کیونکہ جو قوم قرآن پڑھنے کے بعد اس پر غور و فکر نہیں کرتی اور اس عمل بھی نہیں کرتی، وہ تو گھیرنی کی طرح ہے جس میں جو چیز ڈالی جائے، نیچے سے نکل جاتی ہے۔ اور جو قوم قرآن پڑھنے کے بعد اس پر غور و فکر تو کرتی ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتی، وہ تو اللہ کے غضب کی مستحق قوم ہے۔ اور جو قوم قرآن کو پڑھے بغیر ہی عمل کرنے لگتی ہے وہ تو گمراہ قوم ہے۔ نیک لوگوں کا طرز عمل قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا:

﴿ اٰهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ \* صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ﴾

”یا اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا، جو

معتوب نہیں ہوئے، جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔“ (سورۃ الفاتحہ: 6-7)

تو اللہ کے ہاں معتوب وہ ہوئے جنہوں نے قرآن کو سمجھنے کے بعد اس پر عمل نہیں کیا چنانچہ وہ بھٹکے جنہوں نے بغیر علم کے عمل کرنا شروع کر دیا۔

اے مسلمانو! بد قسمتی سے رمضان کے متعلق منفی سوچ بعض لوگوں پر حاوی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ محنت اور عبادت کا مہینہ ہے لیکن کچھ گروہوں نے اسے عیش اور آرام کا مہینہ سمجھ رکھا ہے۔ یہ نماز اور کھانے پینے میں کمی کا مہینہ ہے، لیکن کچھ لوگوں نے اسے طرح طرح کے من پسند کھانوں کا مہینہ سمجھ رکھا ہے۔ یہ مہینہ بے فائدہ اور فضول کاموں سے دور ہونے اور قرآن کریم، نماز اور ذکر سے اپنے اوقات کا دامن بھرنے کا مہینہ ہے لیکن کچھ غافلوں نے اسے قصے کہانیوں، فلموں ڈراموں اور رات بھر کی مستیوں کا مہینہ سمجھ رکھا ہے، جبکہ یہ سارے کام رمضان المبارک کی حرمت کے بھی خلاف ہیں۔

سچے اور سچے ماننے والے نبی مکرم ﷺ پر میرے ماں باپ پر قربان۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ بِأَنْ يَدَعَ  
طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ»

”جو جھوٹ بولنا، جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے رکھے“ (صحیح بخاری: 6057)

لا الہ الا اللہ! عجب ہے کہ اس بابرکت اور رحمت بھرے مہینے میں بھی کچھ گروہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان پس پشت ڈال کر جھوٹ اور بے کار کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو روزوں سے بھوک اور پیاس کے سوا اور رات کے قیام سے محاکات اور بے خوابی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

سنوار رمضان ایک مقابلے کا میدان ہے جو جلد گزر جانے والا ہے۔ اس کے بابرکت اوقات کی لوٹ جاری رہتی ہے۔ اس کے اوقات کو تانی اور سستی ہی کی وجہ سے ضائع ہوتے ہیں۔ سنجیدگی، محنت اور صبر سے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اس میں محنت ہے تو مشکل،

مگر اس محنت کا انجام بہت بھلا ہے۔ اس میں آرام پسندی ہے تو آسان مگر اس کا انجام بڑا برا ہے۔ چنانچہ ماہِ رمضان کو عمل سے آباد کیجیے اور اسے غفلت میں گزارنے سے بچیں، ایسا نہ ہو کہ اس کے بے فائدہ گزر جانے پر ہمیں بعد میں افسوس کرنا پڑے۔ اگر ایسا ہو تو پھر یہ بھی جان رکھیے کہ یہ افسوس بھی رمضان میں فرمانبرداری، بازارِ حسانت سے غفلت، کوتاہی، کھانے، پینے اور فضول کاموں میں مصروفیت کی سزا ہو گا۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا:

"لقد اشتدَّ الغلاءُ ببغداد، فكان كلما جاء الشعيرُ زادَ السعرُ، وتدافعَ الناسُ على اشتراءِ الطعام، فاغتبطَ من يستعدُّ كلَّ سنةٍ يزرعُ ما يقوُّه، وفتحَ من بادَرَ في أولِ النابسِ إلى اشتراءِ الطعامِ قبل أن يُضاعَفَ ثمنُه، وأخرجَ الفقراءُ ما في بيوتهم فرَمَوْه في سوقِ الهوانِ، وبانَ ذلُّ نفوسٍ كانت عزيزةً، فقلتُ: يا نفسُ! خذي من هذه الخالِ إشارةً، ليغبطنَّ من له عملٌ صالحٌ وقتَ الحاجةِ إليه، وليفرحنَّ من له جوابٌ عندَ إقبالِ المسألةِ"

"بغداد میں مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے۔ جب بھی جو کا آنا دستیاب ہوتا ہے تو اس کی قیمت پہلے سے زیادہ ہوتی ہے۔ لوگ کھانا خریدنے کے لیے دھکم پیل میں مصروف ہیں۔ وہ تو بڑا خوش ہے جو ہر سال اپنی ضرورت کا اناج خود بولیتا ہے۔ وہ بھی بڑا خوش ہے جس نے لوگوں سے پہلے اور قیمت بڑھنے سے پہلے آنا خرید لیا۔ فقیروں نے آنا حاصل کرنے کے لیے اپنے گھر کے ساز و سامان سستے داموں بیچ ڈالے ہیں اور بہت سے باعزت لوگ آج رسوا اور ذلیل نظر آرہے ہیں۔ تو میں نے کہا: اے نفس! آج کے حالات سے کچھ سیکھو، نیک اعمال کرنے والا اپنے حال پر اس وقت ضرور رشک کرے گا، جب اسے نیک اعمال کی ضرورت پڑے گی اور سوال و

جواب کے وقت بھی وہ بڑا خوش ہو گا کہ جب اسے سب سوالوں کے جواب آتے ہوں گے۔“

رسول اکرم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے:

«وَأَقْبِضِي إِلَيْكَ غَيْرَ مُضَيِّعٍ وَلَا مُفْرَطٍ» (الاستدکار 495/6)  
 ”اے اللہ! مجھے اس حال میں اپنے پاس بلانا کہ نہ میں نے اپنے سپرد کی جانے والی امانت ضائع کی ہو اور نہ اس میں کوئی کوتاہی کی ہو۔“

اے اللہ! ہمیں ضائع کرنے والا نہ بنا اور نہ ہمیں کوتاہی کرنے والا بنا۔

اللہ کے بندو! یہ رمضان امت اسلامیہ کے لیے محاسبہ نفس کا سنہری موقع ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ یہ وہ سچے دل سے اپنے آپ کا محاسبہ کرے اور خود سے پوچھے کہ: یہ غفلت اور گناہ بھری زندگی... آخر کب تک؟! اور دنیا اور دنیا کی خوبصورت کی دوڑ... آخر کب تک?! مال و اولاد اور گھر والوں اندھی محبت کی وجہ سے دلوں پر سختی... آخر کب تک?! اگر رمضان میں بھی غافل کرنے والی چیزوں سے دور نہ ہو گیا تو پھر سمجھیے نفس عزت پانے میں ناکام ہی رہے گا۔ اگر رمضان کو نصیحت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی گئی تو پھر انسان خسارے اور گھائے سے بہت قریب ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورة البقرة . 183)

”اے مومنو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی“

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن کریم میں برکت عطا فرمائے۔ آیات اور ذکر حکیم سے

نفع پہنچائے۔ میں نے جو کہا، وہ آپ نے سن لیا! اگر درست کہا، تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے، اگر غلط کہا تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے کہا۔ میں اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگیے اور اسی کی طرف رجوع کیجیے! یقیناً میرا رب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے!

### دوسرا خطبہ

اللہ کے لیے بے انتہا، پاکیزہ اور بابرکت تعریف ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح وہ پسند کرتا ہے۔

بعد ازاں اللہ کے بندو! اللہ سے شرم کرو اور جان رکھو کہ رمضان المبارک میں اخلاص کے بعد بہترین عمل نبی اکرم ﷺ کی پیروی ہے۔ پیروی عبادت کی مقدار میں بھی ہونی چاہیے اور عبادت کے طریقے میں بھی۔ نماز میں بھی، تہجد میں بھی، روزے میں بھی اور تلاوت میں بھی۔

رمضان المبارک کو دوسرے مہینوں جیسا اک مہینہ سمجھ لینا درست نہیں ہے۔ نہ تو دوسرے مہینوں میں کیا گیا صدقہ اس میں کیے گئے صدقے جیسا ہے نہ ان مہینوں کی تہجد اس کی تہجد کے برابر ہے، نہ ان میں کی گئی سخاوت اس کی سخاوت کے برابر ہے اور نہ ہی ان میں کی گئی سخاوت اس کی سخاوت کے برابر ہو سکتی ہے۔

سنو! اللہ کی قسم! اللہ کی قسم! اللہ کی قسم! رمضان المبارک میں کامیابی سے محروم رہنے والے کا کوئی عذر نہیں۔ اگر کوئی تہجد میں نہ جیت سکے تو وہ صدقہ میں جیت جائے، اگر صدقے میں نہ جیت سکے تو تلاوت میں جیت جائے، اگر تلاوت میں بھی نہ جیت سکے تو کم از کم اپنی زبان اور جسم کے اعضا کو اس مہینے کی حرمت کی پامالی سے ہی محفوظ رکھ لے۔

پھر واللہ! اللہ کی قسم! اللہ کی قسم! رمضان گنوانے والا بڑا ہی بد قسمت ہے۔ اور اللہ

تسمی اللہ باللہ تاملہ! اس میں گھانا پانے والا ہی حقیقی گھانا پانے والا ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ (سورۃ زمر: 15)

”خوب سن رکھو، یہی کھلا دیوالیہ پن ہے۔“

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! یہ بھی جان رکھو کہ رمضان المبارک کا ماہ بہتر بنانے والی بہترین چیز باہمی رحمت اور نرمی والا معاملہ ہے۔ رمضان المبارک میں انسان کی طبع خوش اور نفس شاداب رہنا چاہیے۔ روزہ دار کو چاہیے کہ وہ اپنے سینے میں اپنی فکر کی بجائے لوگوں کی فکر رکھے۔ جسے اللہ نے مال دیا ہے وہ دوسروں کو اپنے مال میں شریک کرے۔ اسے کھلائے، پینائے اور اس گھائی پر چڑھ جائے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے، فرمایا:

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ \* وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ \* فَكُنْ رَقِيبًا \* أَوْ إِطْعَمًا

فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ \* يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ \* أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾

”مگر اس نے دشوار گزار گھائی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔ اور تم کیا جانو کہ کیا

ہے وہ دشوار گزار گھائی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑاتا۔ یا فاقے کے دن۔ کسی

قریبی یتیم۔ یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلاتا۔“ (سورۃ البلد: 11-16)

سنو! اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی یوں قدر کرے جیسے اس کی قدر کرنی چاہیے۔ وہ جو بات بھلی، روزہ پاکیزہ، کھانا اخلاص والا، نماز ہر طرح سے کامل بنالے اور جو نبی اکرم ﷺ کی دی بشارت کا امیدوار ہو۔ فرمان نبوی ہے: ﴿إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تَرَىٰ ظُهُورَهَا مِنْ بُطُونِهَا وَبُطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا﴾، فَقَامَ أَغْرَابِيٌّ فَقَالَ: لِمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلَّىٰ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ» (جامع ترمذی: 1984)

”جنت میں کچھ کرے ہیں جن کے اندر والا حصہ باہر سے اور باہر والا حصہ اندر

سے نظر آتا ہے۔“ تو ایک بدوی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! یہ کس کے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بھلا بول بولنے والوں کے لیے، مسکین کو کھلانے والے کے لیے، بکثرت نقلی روزے رکھنے والے کے لیے اور جب لوگ سوئے ہوں اس وقت نماز پڑھنے والے کے لیے۔“

اللہ کے بندو! اس ماہ مبارک کا خاص خیال رکھو! مہلت ختم ہونے سے پہلے وقت کو نعمت جانو! اس مہینے کے خزانے حاصل کرنے میں کوتاہی نہ برتو! دنیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی جنت غافل نہ کر دے! فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْقُذُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۚ وَلَتَجْزِينَ الَّذِينَ صَبَرُوا

أَجْرُهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ (سورة النحل: 96)

”جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے، اور ہم ضرور صبر سے کام لینے والوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے“

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! مخلوق میں سب سے بہتر، انسانوں میں سب سے افضل، حوض کوثر اور شفاعت کرنے والے، محمد بن عبد اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر کیا، پھر اپنے معزز فرشتوں کا ذکر کیا، پھر آپ کو اے مؤمنو! کہہ کر حکم دیا۔ فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مؤمنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورة الأحزاب: 56)





## پہلا خطبہ

الحمد لله! تعریف اللہ ہی کے لیے ہے کہ جو اکیلا کامل، صاحب جمال اور منفرد جلال والا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کی کبریائی بیان کرتے ہیں۔ وہی اکیلا چھوٹے بڑے تمام معاملات چلانے والا، ان کی تقدیر بنانے والا اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے والا ہے۔ وہی اپنی عظمت اور علم کی بنا پر سب سے بلند ہے۔ اسی نے اپنے بندے پر قرآن کریم نازل فرمایا تاکہ وہ تمام لوگوں کو خبردار کرنے والا بن جائے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی نے ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا اور ان کی تقدیر لکھی۔ وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان اور ان کے حال سے بخوبی واقف ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے، رسول، دوست اور مخلوق میں سے بہترین شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو انسانوں اور جنوں کے لیے بشارتیں دینے والا، خبردار کرنے والا اور بحکم الہی اللہ کی طرف بلانے والا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی ہو، آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی ساری پاکیزہ آل، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! مجھے اور آپ سب کو دل زبان سے خوشی اور ناراضی میں، مشکل اور آسانی میں ہر موقع پر خشیت الہی اختیار کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ اللہ کا خوف بندہ مؤمن کا بہترین زادِ راہ ہے۔ اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے اور اسی سے ہر خوف اور ڈر ختم ہو جاتا ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ \* الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾

”سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار

کیا، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔“ (سورۃ یونس: 62-63) اے مسلمانو! اپنی نوع انسانی کے تمام دانشمند لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اتحاد میں خیر و ہدایت ہے اور تفرقے میں برائی اور گمراہی ہے۔ دو لوگوں کا اجتماع ایک آدمی کی تنہائی سے بہتر ہے، تین کا دو سے اور چار کا اتحاد تین سے بہتر ہے...

متحد رہنے والی قومیں کبھی ذلیل نہیں ہوتیں، جبکہ تفرقہ باز قومیں کبھی کامیاب نہیں ہوتیں، نیزوں کے اکٹھے سے ایک نیزہ کبھی نہیں ٹوٹتا اور دوسرے نیزوں کے اکٹھے سے الگ ہو جانے والا نیزہ کبھی سلامت نہیں رہتا۔ ایک یا دو کے ساتھ تو شیطان ہو سکتا ہے مگر تین یا ان سے زیادہ تعداد کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

«الرَّائِبُ شَيْطَانٌ، وَالرَّائِبَانِ شَيْطَانَانِ، وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ»

”اکیلا سوار شیطان ہے، دو سوار بھی شیطان ہیں، مگر تین سوار تو ایک قافلہ

ہیں۔“ (سنن ابوداؤد: 2607)

اسی طرح فرمایا:

«فَمَنْ أَرَادَ مِنْكُمْ مَجْبَحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ

مَعَ الْوَّاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الْإِثْنَيْنِ أَبْعَدُ» (مسند أحمد 114)

”جو جنت کے درمیانی حصہ میں جانا چاہتا ہو، وہ جماعت سے جڑا رہے، کیونکہ اکیلے

شخص کے ساتھ شیطان ہو سکتا ہے البتہ دو کے ساتھ شیطان کا ہونا مشکل ہے۔“

اللہ کے بندو! دین اسلام نے نظم اجتماعی کو بہت ملحوظ رکھا ہے، اس کی حفاظت کرنے

والی ہر چیزوں کی ترغیب دلائی ہے اور اسکے بگاڑ کا راستہ روکا ہے اور متعدد مقالات پر افراد کے

مقابلے میں جماعت اور امت کے حق کو ترجیح دی ہے، کیونکہ اگر ہر شخص جماعت اور امت

کے مفاد کے سامنے اپنے مفاد کو ترجیح دینے لگے تو امت کی اجتماعیت، اور اس کا استحکام ختم ہو

جائے گا، تفرقہ بازی، کجسوی اور خود پسندی پھیل جائے گی اور ہر کوئی یہ دعویٰ کرنے لگے گا کہ وہ دوسرے کی نسبت زیادہ برحق ہے۔

چنانچہ دین اسلام نے ان تمام چیزوں کے متعلق واضح ہدایات دی ہیں کہ جن سے مسلمانوں میں فرقہ واریت اور اختلاف پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح جائز اختلاف رائے کو اختلافات اور انتشار میں بدلنے کی تمام راہیں رد کی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ آتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ، يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ، أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ، فَاقْتُلُوهُ» (صحیح مسلم: 1852)

”جب تم ایک حاکم کی حکمرانی پر متفق ہو اور کوئی آکر تمہارے درمیان انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرے تو اسے قتل کر دو۔“

دیکھو! اللہ کے بندو! کس طرح اس حدیث میں انفرادی اور چھوٹے مفاد پر بڑے اور جماعتِ مسلمین کے مفاد کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اگر نظمِ اجتماعی کے مفاد کے لیے کسی شخص کو مار ڈالنا لازمی ہو جائے تو بھی اس کے مفاد کو ترجیح دی جائے گی اور اس کی حفاظت کا خیال کیا جائے گا۔

اللہ آپ کی گھبانی فرمائے! کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ علمائے اسلام نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھ لینے والے کو بھی حکم دیا ہے کہ اگر اس کی گواہی قبول نہ کی جائے تو وہ باقی مسلمانوں کے ساتھ ہی روزے رکھے اور انہی کے ساتھ عید کرے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

«الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ، وَالْفِطْرُ يَوْمَ تَفْطِرُونَ، وَالْأَضْحَى يَوْمَ تَضْحُونَ» (جامع ترمذی: 697)

”روزہ اسی دن شروع ہوتا ہے جس دن سارے مسلمان روزہ رکھیں اور عید الفطر

بھی اسی دن ہوتی ہے جس دن سارے مسلمان عید کریں اور عید قربان بھی اسی دن ہوتی ہے کہ جس دن سارے مسلمان عید کریں۔“

ملا فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ روزہ اور عید لوگوں کی زیادہ تعداد ہی کے ساتھ ہوتی ہے۔

اللہ کے بندو! جب بھی کوئی شخص جماعت سے الگ ہوتا ہے تو غرور اس کا قائد اور خود پسندی اس کی رہبر بن جاتی ہے۔ پھر وہ ہر شکاری کا شکار اور ہر لالچی کے لیے ترنوالہ بن جاتا ہے۔ تاہم جب کوئی نظم اجتماعی سے مل جاتا ہے تو وہ مسلمانوں کے جسد کا ایک حصہ بن جاتا ہے، ایسے میں جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم اس کی فکر میں بخار اور بے چینی محسوس کرتا ہے۔

اللہ کے بندو! اگرچہ قرآن و سنت میں نظم اجتماعی کے ساتھ جڑے رہنے کی تلقین کی گئی ہے، عقل بھی اسی کی قائل ہے اور ایسا نہ کرنے کا خطرہ بھی واضح کیا گیا ہے، تاہم کچھ لوگوں کو دوسروں کی مخالفت اور نظم اجتماعی سے علیحدگی میں عجیب مزا آتا ہے۔ انہیں اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک وہ نظم اجتماعی سے الگ ہو کر نمایاں نہیں ہو جاتے، چنانچہ وہ کسی بات پر بھی نظم اجتماعی سے اتفاق نہیں کرتے۔ ایسے لوگ جماعت سے الٹ چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو، ہر جگہ ان کا چرچا لازمی ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب لوگ دائیں طرف چلتے ہیں تو وہ بائیں طرف ہو جاتے ہیں۔ جب لوگ ”ہاں“ کہہ رہے ہوں تو اس وقت انہیں ”ناں“ کہنا محبوب ہو جاتا ہے اور جب لوگ ”ناں“ کہیں تو وہ بالضرور ”ہاں“ کہتے ہیں۔

ایسے لوگ حق پرست یا عدل و انصاف کے طالب نہیں ہوتے، بلکہ ان کا مقصد لوگوں میں اختلاف پیدا کرنا اور ان کی اجتماعیت ختم کرنا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کا موضوع گفتگو بننا

چاہتے ہیں، چنانچہ وہ اعتراضات کر کے اور دوسروں کے خلاف جا کر اپنی اہمیت جتاتے ہیں، چاہے ایسا کرنے کی خاطر انہیں خود پسندی اور دوسروں کی بے جا مخالفت جیسا مکروہ، یا حرام کام ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

اللہ کی قسم! یہ راستہ بے عقل، ہٹ دھرم اور متکبروں کا راستہ ہے، جنہیں لوگوں کو پریشان اور منتشر کرنے میں مزا آتا ہے۔ جو امت کے بڑے دھاروں کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور اپنی رائے کی درستی کے لیے تصوراتی اور غیر حقیقی راہیں تراشتے ہیں۔ دانشمندوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب جماعت درستی پر ہو تو اس کا ساتھ دیا جائے اور جب وہ غلطی پر ہو تو بھی اسی کے ساتھ رہا جائے، مگر نصیحت، صبر اور درگزر سے کام لیا جائے۔ اس طرح وہ اجتماعی راستے سے نہیں ہٹتے اور نظم اجتماعی سے الگ بھی نہیں ہوتے، کیونکہ نظم اجتماعی کے غلطی پر ہونے سے سارے نظم اجتماعی ہی کو چھوڑ دینا جائز نہیں بن جاتا، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ نظم اجتماعی کے فیصلوں کے ساتھ چلا جائے اور ان کی مخالفت سے اپنے آپ کو دور رکھا جائے۔ اسی سے الفت بھی دائم رہتی ہے اور محبت بھی بڑھتی ہے۔ اسی سے اجتماعیت بھی نصیب ہوتی ہے اور انتشار ختم ہوتا ہے۔ اسی سے اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والوں کی راہ بند ہوتی ہے۔

اگر اجتماعیت ختم ہو جائے تو پھر دشمنی، بغض، خود پسندی اور حق سے دوری عام ہو جاتی ہے اور ایسی حالت میں اس سے بچنا ممکن نہیں رہتا۔ غور کیجیے کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والوں میں کتنے خود پسندی اور غرور کا شکار ہو گئے، ان کے گمان درست نہ نکلے پھر وہ اپنے ارادے کے برعکس چل پڑے۔ تنہا لوگ ہی ہلاکت کے گرداب میں گھرتے ہیں اور بھیڑنا بکریوں کے ریوڑ کو نہیں بلکہ ریوڑ سے الگ ہونے والی بکریوں کو کھاتا ہے۔

نظم اجتماعی کے ساتھ وابستگی کے دعووں کی حقیقت اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب

جماعت کسی مشکل میں گھر جاتی ہے یا اس کے سامنے مشکلات نظر آنے لگتی ہیں۔ اسی وقت سچا اور جھوٹا الگ الگ ہوتا ہے اور اسی وقت حقیقی آنسو مگر مجھ کے آنسو سے ممتاز ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ یہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ نظم اجتماعی کے ساتھ ہیں، مگر جب نظم اجتماعی پر کزادقت آتا ہے تو ان کے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور ان کی خود پسندی آشکار ہو کر دوسروں کو ڈرانے اور رسوا کرنے لگتی ہے۔ پھر وہ جماعت سے یوں نکل جاتے ہیں جیسے آنے سے بال نکالا جاتا ہے۔

ایسے لوگ اجتماعیت کے نظام کا سب سے بڑا خطرہ ہیں، کیونکہ ان کا جسم تو اجتماعیت کے ساتھ ہوتا ہے مگر دل کسی اور کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تعداد میں تو اضافہ کرتے ہیں مگر درحقیقت اجتماعیت میں کمی کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے جو کئے اور خبر دار رہیے۔ اجتماعیت کو یہی لوگ نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان کی وجہ ہی سے انتشار پیدا ہوتا ہے اور انتشار کی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ جسم کے اندر سے حملہ آور ہونے والی بیماری باہر سے آنے والی بیماریوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی مثال چراہ گاہ میں چھپے بھینڑیوں کی سی ہے کہ جن کی کمین گاہ کو بصیرت اور دانشمندی والے ہی جان سکتے ہیں، چرنے والی معصوم بکریاں ان سے بے خبر رہتی ہیں۔

عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

لما رأيت رُعاتنا في غفلة عن رعيهم وسمعت صوت ديبية

ناديت فيهم: لا تناموا، انني ابصرت في المرعى مواطية ذيب

”جب میں نے چراہوں کو غفلت میں پایا اور چراہ گاہ سے بھڑیے کی چاپ سنی تو میں نے بلند آواز میں خبردار کر دیا کہ غافل مت ہونا! میں نے چراہ گاہ میں بھڑیے کی کمین گاہ دیکھی ہے۔“

اللہ کے بندو! اجتماعیت کے ساتھ ملنے میں سلامتی اور معاملات کی درستی ہے، تاہم کبھی کبھار ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ تمام تر اجتماعیت شکست و ریخت کا شکار ہو کر منتشر ہو جائے، اور اگرچہ ایسا بہت کم ہوتا ہے، لیکن اگر ہو بھی جائے تو ان حالات کو بھی ہمارے دین نے بیان کیا ہے اور ان حالات کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ، مَخَافَةَ أَنْ يُذِرْكَنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ، فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ، فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: «نَعَمْ» قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَبِهِ دَحْنٌ» قُلْتُ: وَمَا دَحْنُهُ؟ قَالَ «قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هُدًى، تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنَكِّرُ» قُلْتُ فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: «نَعَمْ، دُعَاءُ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا» قُلْتُ. يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا، قَالَ: «هُمْ مِنْ جَلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُونَ بِالسِّنِّتِنَا» قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ؟ قَالَ: «تَلَزِمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ» قُلْتُ. فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟ قَالَ: «فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَصَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ، حَتَّى يُذْرِكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ» (صحيح بخاری: 7084)

”لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے متعلق پوچھتے تھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ برائی سے خائف رہنے کے باعث برائی کے متعلق پوچھتے رہتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم جاہلیت کی

برائی میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی یہ خیر نصیب فرمائی۔ کیا اس خیر کے بعد پھر کوئی برائی بھی آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا اس برائی کے بعد پھر خیر آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اور اس میں کچھ گردوغبار بھی ہوگی۔ میں نے پوچھا: یہ گردوغبار کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایسے لوگ آئیں گے جن کی کچھ چیزیں تو درست ہوں گی جنہیں تم بھی درست سمجھتے ہو گے اور ان کی کچھ چیزیں تمہیں غلط لگیں گی“ میں نے دریافت کیا: کیا اس بھلائی کے بعد پھر کبھی برائی آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں گے، جو ان کی بات مانے گا، وہ اسے جہنم رسید کر دیں گے۔“ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہمیں ان کی نشانی بتا دیجیے! آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ ہمیں میں سے ہوں گے اور ہماری ہی زبانیں بولتے ہوں گے۔“ میں نے کہا: اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو آپ مجھے کیا ہدایت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں کی جماعت اور ان کے حکمران سے جڑے رہنا“ میں نے کہا: تو اگر ان کی کوئی جماعت یا کوئی حکمران ہی نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو ساری جماعتوں سے الگ ہو جانا، خواہ اس کے لیے موت تک کسی درخت کی جڑ چپا کے گزارہ کرنا پڑے!“

اس حدیث میں آنے والا حکم ہر موقع پر اور ہر مقام کے لیے ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر، کہ جب فتنہ شروع ہوا تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت ہوئی تھی، تب سے لے کر زمانے کے اختتام تک۔ سب زمانوں کیلئے یہی نصیحت ہے۔

تفرقہ بازی کے زمانے میں لوگوں سے الگ ہونے کے حوالے سے حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ



علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”متی لم یکن للناس إمام، فافترق الناس أحزابًا، فلا يتبع أحدًا في الفرقة، ويعتزل الجميع أن استطاع ذلك؛ خشية من الوقوع في الشر، ومتى وجد جماعة مستقيمة على الحق لزمه الانضمام إليها، وتكثير سوادها، والتعاون معها على الحق؛ لإنتها - والحال ما ذكر - هي جماعة المسلمين بالنسبة إلى ذلك الرجل وذلك المكان.“

”جب لوگوں کا کوئی حکمران نہیں ہوتا اس وقت لوگ فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اس وقت کسی جماعت میں شامل ہونا درست نہیں، بلکہ ہو سکے تو سارے فرقوں سے الگ ہو جانا چاہیے تاکہ برائی سے بچا جاسکے۔ جب کوئی جماعت حق پر نظر آئے اور وہ اس پر قائم ہو تو اس میں شامل ہونا لازمی ہے، تاکہ اس کی قوت زیادہ ہو سکے اور اس کے ساتھ مل کر حق کو طاقتور بنایا جاسکے۔ اس حالت میں اس جگہ اور اس وقت وہی مسلمانوں کی جماعت ہے“

اللہ کے بندو! جس طرح اسلام نے نظم اجتماعی کے ساتھ جڑے رہنے کا حکم دیا ہے، اجتماعیت سے الگ ہونے سے روکا ہے، اسی طرح دین اسلام نے نظم اجتماعی کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنے کی تلقین کی ہے، اور ہر حال میں شریعت اپنانے، ہر چھوٹے اور بڑے فرد کی ذمہ داری ادا کرنے، اپنے فرائض ادا کرنے اور اپنا حق مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اگر اہل اسلام کا ایک گروہ اس مجموعی ذمہ داری کو ادا کرتا رہے، مسلمانوں کی فکر کرے اور ان کا مفاد ملحوظ رکھے اور دشمنوں سے مقابلہ کرے تو سب لوگوں کی طرف سے فریضہ ادا ہو جائے گا بصورت دیگر سبھی گناہ گار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب ایک گروہ ساری جماعت کا فرض ادا کر دیتا ہے تو اس کا فائدہ سب کو ہوتا ہے اور جب سب لوگ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی

کرتے ہیں تو گناہ بھی سبھی کو ہوتا ہے۔

سنو! اللہ کے بندو! یقیناً تم نے جان لیا۔ تم مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی سے جڑ جاؤ۔ اکٹھے ہو جاؤ۔ تفرقے میں نہ پڑو۔ مل جاؤ اور ناراضگیاں ختم کر دو۔ اللہ کے بندو! سب بھائی بھائی بن جاؤ۔ اس کے خلاف جانے سے چوکنے اور ہوشیار رہو، کیونکہ نظمِ اجتماعی سے الگ ہونے میں نقصان اور گھٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچ ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُضَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝﴾

(سورۃ النساء 115)

”جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلا دیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جموں گئیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن و سنت میں برکت عطا فرمائے، اس کی آیات اور ذکر و حکمت سے فائدہ پہنچائے۔ میں نے جو کہا وہ آپ نے سن لیا۔ اگر درست کہا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔ اگر غلط کہا تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کیلئے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ تم بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً میرا رب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

تعریفِ اللہ کے لیے ہے۔ آخری نبی ﷺ پر درود و سلام۔

ما بعد، اے مسلمانو! نظمِ اجتماعی کے ساتھ جڑنے اور اس سے الگ نہ ہونے کی نصیحت

کرتے ہوئے اہل علم، دانشمندیوں، پڑھنے لکھنے والوں، اخبارات اور سوشل میڈیا کے ذریعے ان میں اپنا حصہ ڈالنے والوں سے یہ بات کہنا بھی لازمی ہے کہ وہ بھی اپنے علمی اور صحافتی معاملات میں لہجہ اجتماعی کے مفاد سے الگ نہ ہوں۔ ایسے فتوے نہ دیں کہ جو ثقہ علماء اور محققین کے فتوؤں کے خلاف ہوں۔ ضعیف اقوال سے دور رہیں، کسی عالم کے انفرادی فتویٰ کی اتہان نہ کریں اور نہ ان چیزوں پر چلیں کہ جن پر عمل امت کے ہاں متروک ہو چکا۔ جو منفرد مسائل کے پیچھے لگا رہتا ہے اور انہیں اکٹھا کرتا رہتا ہے وہ کبھی صاحب توفیق نہیں ہو سکتا بلکہ وہ بہت سا شراکٹھا کر لیتا ہے جیسا کہ سلف صالحین نے فرمایا ہے۔ علامہ محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إياك ومخالفة الجليس، ومعارضة أهل زمانك فيما لا يضرك في دنياك ولأ في آخرتك وإن قل، فإنك تستفيد بذلك الأذى والمساورة والعداوة، ورُبما أذى ذلك إلى المطالبة والضرر العظيم دون منفعة أصلاً" (الأخلاق والسير في مداواة النفوس · 62/1)

"ان چیزوں میں اپنے ساتھیوں اور ہم عصروں کی مخالفت نہ کرو جن سے دنیا و آخرت کا کوئی معاملہ بڑا ہوا نہیں ہے۔ چاہے وہ چھوٹی سی چیز ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ایسا کرنے سے سوائے دوسروں کی اذیت، ناپسندیدگی اور دشمنی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا کرنے سے انسان اپنا ہی کوئی بڑا نقصان کر بیٹھے اور مقابل میں کچھ حاصل بھی نہ کر سکے۔"

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ علماء کے اقوال نقل کیے ہیں، مثلاً فرمایا:

"إن من الناس من يؤلّع بالخلاف أبداً، حتى إنه يرى من أفضل الأمور ألا يوافق أحداً، ولا يجامعه على رأي، ولا يؤايبه على محبة،"

وَمَنْ كَانَتْ هَذِهِ عَادَتُهُ فإِنَّهُ لَا يُبْصِرُ الْحَقَّ وَلَا يَنْصُرُهُ، وَلَا يَعْتَقِدُهُ دِينًا وَمَذْهَبًا، إِنَّمَا يَتَعَصَّبُ لِرَأْيِهِ، وَيَنْتَقِمُ لِنَصْبِهِ

”کچھ لوگوں کو دوسروں کے خلاف جانے میں عجیب لطف آنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ سب لوگوں کی مخالفت کرنا، ان کے ساتھ کسی مسئلے پر اکتھے نہ ہونا اور ان سے محبت نہ کرنا ہی بہترین راہِ عمل ہے۔ جس کی یہ عادت ہو، وہ نہ تو حق دیکھ پاتا ہے اور نہ حق کی نصرت کر پاتا ہے، نہ اسے دین یا مذہب ہی سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی رائے پر اکتڑ جاتا ہے اور اپنے نفس کے لیے دوسروں سے انتقام لینے لگتا ہے۔“ (العزۃ لطیفی 1/59)

ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاد علامہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے لکھے تو ایک شخص نے ان سے پوچھا: آپ کیوں رورہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

”اسْتَفْتِي مَنْ لَا عِلْمَ لَهُ، وَظَهَرَ فِي الْإِسْلَامِ أَمْرٌ عَظِيمٌ، قَالَ وَلِبَعْضٍ مَنْ يُفْتِي هَهُنَا أَحَقُّ بِالسَّجْنِ مِنَ السُّرَّاقِ (تعطيم العتيا لاس الحوري 1/113)

”بے علم لوگوں سے فتویٰ پوچھا جانے لگا ہے اور دین میں بڑا خلل پیدا ہو گیا ہے۔“ پھر کہا: ”آج فتویٰ دینے والوں میں ایسے بھی ہیں جو چور سے بڑھ کر جیل جانے کے مستحق ہیں۔“

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فَكَيْفَ لَوْ رَأَى رِبْعَةُ زَمَانِنَا، وَاقْدَامَ مَنْ لَا عِلْمَ عِنْدَهُ عَلَى الْفُتْيَا وَتَوَثَّبَهُ عَلَيْهَا، وَمَدَّ بَاعَ التَّكْلِيفِ إِلَيْهَا، وَتَسَلَّقَهُ بِالْجَهْلِ وَالْجُرْأَةِ عَلَيْهَا، مَعَ قِلَّةِ الْخَيْرَةِ، وَسُوءِ السَّيْرِ، وَشُؤْمِ السَّرِيرَةِ، وَهُوَ مِنْ بَيْنِ

أهل العلم مُنكرٌ أو غريبٌ ، فَلَيْسَ لَهُ فِي مَعْرِفَةِ الْكِتَابِ وَالسَّنَةِ  
 وَأَثَارِ السَّلَفِ نَصِيبٌ“ (إعلام المُؤَقِّعِينَ عَنِ رَبِّ الْعَالَمِينَ : 118/6)  
 ”اگر ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارا زمانہ دیکھ لیتے تو کیا بتا کہ آج ہمارے دور میں تو بے علم  
 لوگ فتویٰ دینے پر جری ہو گئے ہیں، بلکہ انہیں فتویٰ دینے کا بہت شوق ہونے لگا، وہ  
 بڑے تکلف کے ساتھ مسائل کا فتویٰ دینے کی کوشش کرتے ہیں، وہ جہالت اور  
 جرأت کے ساتھ تاجر بہ کار، بدنام اور بدنیت ہیں۔ وہ اہل علم کے نزدیک یا تو منکریا  
 پھر غریب سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ کتاب و سنت کا علم ہے اور نہ سلف  
 صالحین کے اقوال ہی کا کچھ علم۔“

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! اگر علامہ ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری صدی میں اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ  
 نے آٹھویں صدی میں یہ بات کی تھی تو آج ہمارے حال کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟!  
 آج تو یہ خلا مزید بڑھ گیا ہے اور ہمارے اور ان کے عہد میں طویل فاصلہ ہے۔ اللہ ہی  
 ہمارا مددگار ہے! ہم اسی کے سامنے شکایت کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ لا حول  
 ولا قوۃ الا باللہ!

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! اور دو سلام بھیجیے جو نبی ہدایت اور رسولوں کے امام پر۔ محمد بن  
 عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ! نبی امی پر۔ حوض کوثر والے اور مسلمانوں کے سفارشی پر۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم  
 قرآن مجید میں دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر کیا، پھر اپنی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا،  
 پھر آپ کو اے مؤمنو! کہہ کر پکارا۔ فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مؤمنو، تم بھی ان پر دو دو سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



50

خوف بے چینی پھیلانے کے نقصانات

13 ربیع الاول 1439ھ بمطابق 1 دسمبر 2017ء

## پہلا خطبہ

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ واحد ہے اور سب پر غالب ہے۔ وہی بادشاہ ہے، پاکیزہ ترین ہے، ہر چیز اسی کے قبضے میں ہے اور وہی جبار ہے۔ کھلی اور چھپی چیزیں اس کے علم میں ہیں، وہ درختوں کے پتوں کی تعداد سے بھی واقف ہے اور بارش کے قطرؤں کی گنتی بھی خوب جانتا ہے۔ اس کے لیے نہ رات کا اندھیرا کوئی معنی رکھتا ہے اور دن کی روشنی کا اسے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہی عزت والا اور معاف کرنے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور پیغمبر رسول ہیں، آپ ﷺ کی رسالت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو روشن فرمایا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتیں ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر، ازواج مطہرات پر، مہاجر اور انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

بعد ازاں! لوگو!

میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ تقویٰ ہی کامیابی اور نقصان سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ تقویٰ کو اپنانے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا اور اس سے منہ موڑنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ یہی حقیقی زادراہ، بہترین سامان اور اصحاب ہدایت کی محنت کا پھل ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾ (سورۃ محمد: 17)

”رہے وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ انہیں اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔“

اے اللہ کے بندو!

اس زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہوائیں ہمیشہ ایک ہی رفتار سے نہیں چلتیں۔ پانی ہمیشہ صاف نہیں رہتا۔ بہت سی ہوائیں تیز طوفانوں کی شکل اختیار کر جاتی ہیں اور کئی خالص نہریں گدلا جاتی ہیں۔ سمندر کی طرح زندگی میں بھی مد و جزر آتا رہتا ہے۔ کہیں اچھا، کہیں برا، کہیں مشکل، کہیں آسانی، کبھی خوشی، کبھی غم، سب ہی کچھ اس زندگی کا حصہ ہے۔

جسے لمبی عمر نصیب ہوتی ہے وہ مصیبتوں سے نہیں بچ پاتا اور عجائبات دیکھ کر ہی رہتا ہے۔ نفس بھی خوشی اور مایوسی میں مبتلا رہتی ہے۔ کبھی مٹھاس اور کبھی کڑواہٹ چکھنا پڑتی ہے۔

اس زندگی کی کوئی چیز اپنی ضد کے مقابلے میں ہمیشہ غالب رہنے والی نہیں ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے اور اللہ کا طریقہ تبدیل نہیں ہوتا۔  
فرمان الہی ہے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرَ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرَ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِاللَّيْلِ تَسْكُونُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾

”اے نبی (ﷺ)، ان سے کہو کبھی تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے رات طاری کر دے تو اللہ کے سواہ کونسا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ان سے پوچھو، کبھی تم نے سوچا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے دن طاری کر دے تو اللہ کے سواہ کونسا معبود ہے جو تمہیں رات لا دے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو؟ کیا تمہیں عوجھتا نہیں؟“ (سورۃ القصص: 71، 72)

جب مسلمان معاشرے کو مصیبتوں اور مشکلات کا سامنا ہو اور دشمن، کینہ پرور اور



حاصل ہر حرف سے حملہ آبرہوں تو سب سے بڑا فریضہ مصلحتوں کی برستی، ادا کی باقی سے  
بھی بڑا اختلافات سے دوری ہوتا ہے۔ جب تک مشکلات کا سامنا ہو نہ۔ دشمنوں کو شرم سے  
یہ صحت لگا کر بیٹھے ہوں، اس وقت ہمیں اپنے اختلافات کو موخر کر لینا چاہیے۔

میں درست طریقہ ہے اور اس سے انوکھا سا اور معاشرے کو سوا کرنے والے وہی  
پہرتے ہیں۔ ان دونوں نوعوں کا جرم یہ کہ جس سے گھر بہت اور بد امنی پھیل جاتی ہے۔ یہ  
وہ اتحاد و اخلاق کے لیے بیرونی دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ کیونکہ انوکھا  
چیزوں کو بڑھ چڑھا کر بیان کرتے ہیں جس سے معاشرے میں گھر بہت اور مستحکم  
ہارے میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح آٹھ نوٹ سستی کا رویہ عام کرتے ہیں اور معاشرے کو سوا کرتے ہیں۔ ان  
کی وجہ سے معاشرے میں سستی اور بے فکری کا رویہ عام ہو جاتا ہے اور وہ کھوے کا  
مقابلہ کرنے اور اس کے اسباب تلاش کرنے اور ان کا علاج کرنے میں سستی کرنے لگتے  
تھیں۔

اللہ کے بندو! ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم جن چیزوں پر غور کرتے ہوئے معاشرے میں  
پہینے دن ایک مذموم عادت کی طرف بھی مناسب اشارہ کرتے جائیں جو ہر شخصے دن آواز  
کے ساتھ اور ہر انوکھا سا انوکھا سے پہینے لگتی ہے۔ وہ مذموم عادت کہ جو مذموم صحیح  
ہوئی اور نامیدنی کی بنیادیں وجہ ہے اللہ کے بندو! یہ عادت گھر بہت کی عادت ہے۔

گھر بہت اپنے پورے مطلب کے ساتھ۔ گھر بہت، کہ جوڑ موش قاتل ہے، جو بے  
تانی اندر اسٹیج اور انجمن پیدا کرتی ہے۔ گھبرانے والے سمجھتے ہیں کہ قدر مصیبت ان کے  
لیے سب سے بڑا خطرہ ہے اور ان کے اخلاق، عمر، امن، مال اور یہ سب کو ہر گ کرنے والا  
ہے۔

خوب ہے جیسا پھیلانے کے قصبات

گھبراہٹ ایک ایسا احساس ہے کہ جو فطرثاً ہر انسان میں پایا جاتا ہے۔ اگر اس کی روک تھام نہ کی جائے اور اس سے بچنے کی کوشش نہ کی جائے تو انسان بڑی آسانی سے اس کا شکار بن جاتا ہے۔

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا \* إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا \* وَإِذَا مَسَّهُ

الْحَزَنُ مُزُوعًا﴾

”انسان تمہارا پیدا کیا گیا ہے۔ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔ اور

جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بھل کرنے لگتا ہے۔“ (سورۃ العارج: 19-21)

اللہ کے بندو! بے صبری کے شکار لوگ، بے صبری پھیلانے والے اور اسے اپنانے والے معاشرے میں نفسیاتی شکست، مایوسی اور جہالت پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔ دوسروں کو گھبراہٹ میں مبتلا کرنے والے لوگوں کے دلوں میں معاشرے کی خیر خواہی نہیں ہوتی، ان کے دل سکینت، سنجیدگی، امید اور سکون سے خالی ہوتے ہیں۔ ان کے مذموم مقاصد ہوتے ہیں جو دشمنوں کے مفاد میں جاتے ہیں۔

ان کی وجہ امت کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمتیں پست ہوتی ہیں۔ امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ ایسے لوگ ملک کے حامی، خیر خواہ، دفاع کرنے والے یا اس کی مشکلیں آسان کرنے والے نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ دشمن کا راستہ آسان کرتے ہیں اور اپنی ہی نفسیات پر حملہ کر کے انہیں تباہ کر ڈالتے ہیں۔

گھبراہٹ پھیلانے والے بے سمجھ ہوتے ہیں۔ ان کی مثال نیچے سے کھلے برتن کی طرح ہے۔ اس میں دودھ ڈالو یا شراب اس کے لیے برابر ہے۔ اس میں مینھی چیز ڈالی جائے یا کڑوی، بہر حال وہ نیچے سے نکل ہی جاتی ہے۔ وہ بس ادھر کی بات ادھر اور سنی سنائی باتیں معاشرے میں پھیلانے میں مصروف رہتے ہیں۔

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ﴾

”یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سن پاتے ہیں اسے لے کر پھیلا

دیتے ہیں۔“ (سورۃ النساء: 83)

گھبراہٹ پھیلانے یا اس کا علاج کرنے میں میڈیا کے لوگوں اور سوشل میڈیا پر لکھنے والوں کا بڑا کردار ہے۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! گھبراہٹ کا شکار ہونے والے لوگ دشمنوں کے حقیقی شکار ہیں۔ وہی افواہیں پھیلانے والوں اور ادھر کی باتیں ادھر اور ادھر کی ادھر کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ ہر شور کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، ہر کالی چیز کو نلکہ اور ہر موٹی چیز کو ہاتھی سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ لوگوں کی چہ گویوں سے ڈر جاتے ہیں اور کوئی کندھے پر ہاتھ بھی رکھ دے تو بھی ڈر جاتے ہیں۔

ان کے پاس بھلائی کو برائی سے، سچائی کو جھوٹ سے، مبالغہ آرائی اور کوتاہی میں، حقیقت اور وہم میں فرق کرنے کی صلاحیت، قابلیت اور پختہ سوچ نہیں ہوتی۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں کہ افواہوں کی تحقیق کرنا ضروری ہے، انہیں جوں کا توں قبول کرنا درست نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«أَشْرُ مَا فِي رَجُلٍ شُحُّ هَالِغٌ، وَجُبْنٌ خَالِغٌ» (مسند أحمد: 8010)

”انسان میں پائی جانے والی بدترین خصالتیں شدید کنجوسی اور شدید بزدلی ہے۔“

نبی کریم ﷺ ان لوگوں میں مبعوث کیے گئے تھے جو دین، گھربار، اخلاق، امن اور سیاست کے لحاظ سے پسماندہ ترین لوگ تھے۔ مگر آپ ﷺ کا پیغام سراسر نرمی کا پیغام تھا، سختی کا پیغام نہ تھا۔ آسانی کا تھا، مشکل کا نہیں تھا، بجلی امید کا تھا، مایوسی کا نہیں تھا۔ بشارتیں دینے والا تھا، ڈرانے والا نہیں تھا۔ کام اور محنت کا پیغام تھا سستی اور بے کاری کا نہیں تھا۔

آگاہی پھیلانے والا پیغام تھا غافل کرنے والا نہیں تھا۔

اللہ آپ کی گنہگاری فرمائے! یہ بھی جان رکھو کہ گھبراہٹ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہم و گمان کی بنا پر گھبرا جانا اور دوسرا کسی حقیقت کو دیکھتے ہوئے گھبرا جانا ہے۔

وہم و گمان کی بنا پر گھبرانے سے انسان کی سوچ میں عجیب قسم کی تبدیلی آ جاتی ہے۔ اس سے انسان کے ذہن میں چیزوں کے اسباب اور نتائج مختلف طریقے سے سما جاتے ہیں۔ پھر وہ وہم و گمان ہی کی بنا پر فیصلے کرنے لگتا ہے۔ ان کے ذہنوں میں وہم و گمان کے بادلوں سے حقیقت کی کرنیں چھپ چکی ہوتی ہیں اور یوں وہ اپنی گھبراہٹ کے سبب کو پہچاننے اور اس کی عدم درستی کو جاننے سے قاصر رہتے ہیں۔ شیطان بھی اپنا کام خوب کرتا ہے اور انہیں پوری محنت سے بہکائے رکھتا ہے۔

چنانچہ وہ اپنے وہم و گمان کی بنا پر ہی مختلف رویے اپناتے ہیں اور فیصلے کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب وہ کسی چیز کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں تو پھر رد عمل میں بھی ان سے غلطی ہی ہوتی ہے۔

﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿ (سورۃ النساء، 83)

”حالانکہ اگر یہ اُسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو (تمہاری کمزوریاں ایسی تھیں کہ) معدودے چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔“

کسی حقیقت کی بنا پر گھبرانے سے بھی بہت نقصان ہو سکتا ہے۔ اگر گھبراہٹ کو حکمت اور بردباری سے نہ بدلا جائے تو اس کی وجہ سے مایوسی اور قبل از وقت شکست کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس گھبراہٹ کا علاج اور خاتمہ ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح گھبراہٹ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طرح کی گھبراہٹ تو فطری ہے اور دوسری مبالغہ پر مبنی ہے۔

اور چونکہ ہم اس دور میں کہ جب ٹیکنالوجی عام ہو چکی ہے اور معلومات کے حصول کے وسائل بہت بڑھ چکے ہیں چنانچہ اب گھبراہٹ افواہ سازوں کا ایک خاص ہتھیار بن چکا ہے جس کے ذریعے وہ معاشرے اور افراد کی امن اور سلامتی کو لٹکارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں دو صفتوں سے یاد کیا ہے: ایک منافق ہونے کی صفت اور دوسری دل کی بیماری کی صفت۔ فرمایا:

﴿لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا \* مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقْتِيلُوا تُضَلَّلًا﴾

”اگر منافقین، اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے، اور وہ جو مدینہ میں بیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے تمہیں اٹھا کھڑا کریں گے، پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے تمہارے ساتھ رہ سکیں گے۔ ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہوگی، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بُری طرح مارے جائیں گے۔“ (سورۃ

الاحزاب: 60-61)

گھبراہٹ جب کسی قوم میں پھیل جاتی ہے تو وہ اسے اس شخص کی طرح بنا دیتی ہے جو

چلے ہوئے بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے۔ کبھی پیچھے دیکھتا ہے اور کبھی آگے دیکھتا ہے، یوں اس کی چال ست اور قدم غیر مستحکم ہو جاتے ہیں اور وہ بروقت منزل پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ گھبراہٹ کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے بے تابی، بد اعتمادی اور دشمنیاں پھیل جاتی ہیں، مزاج ایک ہی طرح کا نہیں رہتا بلکہ وہ لمبے لمبے پر بدلنے لگتا ہے اور اس کا شکر ہونے والا شخص ایسے رد عمل دینے لگتا ہے جو اس کی مشکل کے لیے مناسب نہیں بلکہ حلاوت کے تناظر میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ گھبراہٹ، امید کے لیے کینفر کی طرح اور سکینت کے لیے تباہ کن بیماری ہے۔ اگر محض وہم و گمان کی بنا پر گھبراہٹ شروع کر دیا جائے تو بہت کمزوری اور پستی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

”دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔“ (سورۃ آل

عمران: 139)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن کریم میں برکت عطا فرمائے۔ آیات اور ذکر حکیم سے نفع پہنچائے۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگیے۔ یقیناً وہ معاف فرمانے اور رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے لیے بہت تعریف ہے، پاکیزہ، بابرکت اور اللہ کو راضی کرنے والی تعریف۔ بعد ازاں! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ گھبراہٹ سے روکنے اور اس کے نقصانات بیان کرنے کا معنی یہ نہیں ہے کہ گھبراہٹ ہمیشہ وہم و گمان ہی پر مبنی ہوتی ہے۔

بلکہ گھبراہٹ ایسی بھی ہوتی ہے کہ جسے دیکھ کر چونکے اور ہوشیار ہو جانا چاہیے۔ اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور گھبراہٹ کی وجہ سے ہم منفی سوچ کے حامل نہ بن جائیں کہ جس کی وجہ سے انسان خیر سمیٹنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے اور ہر مصیبت اور مشکل کے وقت جو اس باختہ ہو جاتا ہے چاہے مصیبت چھوٹی ہو یا بڑی۔

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا \* إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا \* وَإِذَا مَسَّهُ

الْحَقِيرُ مُنُوعًا \* إِلَّا الْمُصَلِّينَ﴾ (سورۃ المعارج 19-22)

”انسان تھمڑا پیدا کیا گیا ہے۔ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بچل کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ لوگ (اس عیب سے بچے ہوئے ہیں) جو نماز پڑھنے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے تھمڑی کی صفت سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو نماز پڑھنے والے ہیں اور نماز کے آداب اور لوازمات کا خوب خیال کرنے والے ہیں جن کا ذکر اگلی آیات میں آتا ہے۔

جو معاشرہ نماز پر قائم ہو، اللہ کے دیے ہوئے مال سے صدقہ دیتا ہو، آخرت پر یقین رکھتا ہو اور اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہو، رشتہ داروں کا خیال رکھتا ہو، امانت ادا کرتا ہو اور حق کی گواہی دیتا ہو، وہ معاشرہ عمومی طور پر گھبراہٹ سے محفوظ رہتا ہے، خوف و ہراس سے دور رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے امن کو خوف میں کبھی نہیں بدلتا۔ بھلا کبھی وہ قوم بھی بدبختی کا شکار ہو سکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب سے نوازا ہو اور اس نے اسے تھامے رکھا ہو؟ بہلا وہ بھی گمراہ ہو سکتا ہے جس نے قرآن کریم کے نور سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی ہو؟

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ

يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنْ لَهُمْ أُجْرًا كَبِيرًا ﴿﴾

”حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔“  
(سورۃ الاسراء: 9)

جس زندگی میں امید نہ ہو وہ تو محض مایوسی ہی ہے۔ اور اگر امید کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ جہنمی تمنا کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارا دین پر امید ہونے اور اچھی توقع رکھنے کی تلقین کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اسباب پر عمل کرنے اور محنت کا حکم دیتا ہے۔ ان افواہ سازوں سے چوکنے رہیے جو افواہوں کے ذریعے گھبراہٹ پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، جو اس دھوکے میں آ جاتے ہیں کہ سارا زمانہ خراب ہو چکا ہے، معاشرے ہلاک ہو چکے ہیں، قریب ہی دنیا بھی ختم ہونے والی ہے اور اب کسی خیر کی توقع نہیں رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا تھا:

«إِذَا قَالَ الرَّجُلُ: هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلُكُهُمْ» (صحیح مسلم 2623)

”جس نے یہ کہا: لوگوں ہلاک ہو گئے، تو وہی انہیں ہلاک کرنے والا ہے۔“

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور محنت سے عبادت کرو، پر امید رہو اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے خوش ہو جاؤ کہ

﴿طہ \* مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى﴾ (سورۃ طہ 1، 2)

”طہ۔ ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔“

إِذَا الْمَرْءُ جَارَ عَلَى نَفْسِهِ \*\*\* وَأَسْرَفَ فِي خَوْفِهِ وَالْهَلْعُ

أَتَاخَ لِأَنْفَاسِهِ حَسْرَةً \*\*\* تُجْجِلُ فِي قَلْبِهِ فَأَتَخَلَعُ

”اگر انسان اپنے نفس پر ظلم کرنے لگے۔ اور خوف اور گھبراہٹ میں پڑ جائے۔ تو



خوف بے چینی پھیلانے کے خصائص  
اس نے خود اپنے لیے حسرت اور ندامت کا دروازہ کھولا ہے۔ جو اس کے دل کو ہلاک بے قرار کر چھوڑتی ہے۔“

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوق میں بہترین اور انسانوں میں افضل ترین رسول محمد بن عبد اللہ، حوض کوثر والے، ہمارے سفارشی پر۔ اللہ تعالیٰ نے درود کا حکم دیتے ہوئے سب سے پہلے اپنا ذکر کیا، پھر اللہ کی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا اور پھر اہل ایمان کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْنِهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



## پہلا خطبہ

لطیف و خبیر اللہ کے لیے ساری تعریف ہے، وہ فضل کبیر اور خیر کثیر کا مالک ہے۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ میں اللہ پاک کی شایان کرتا ہوں، اسی سے مدد مانگتا ہوں، اسی سے معافی کا سوال کرتا ہوں اور اسی کی طرف پلٹتا ہوں۔ اسکی عطا کر دکنے والا کوئی نہیں اور جس چیز کو وہ روک دے اسے آگے بڑھانے والا کوئی نہیں۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ بشارت دینے والے، ڈرانے والے اور روشن چراغ ہیں۔ اللہ کی رحمت اور سلامتیاں ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے اہل بیت پر، پاکیزگی والی اولاد مطہرات علیہم السلام پر، آپ کے صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم پر۔

بعد ازاں! اے مسلمان معاشرے کے لوگو!

اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے، بہترین طریقہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے، ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں، ہر نئی عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

سمجھدار وہ ہے کہ جو خود کا محاسبہ کر لے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے تیاری کرے۔ اور بے وقوف وہ ہے جو خواہشات کی پیروی بھی کرتا رہے اور اللہ پر امید بھی باندھے رکھے۔ فرمان الہی ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمَعُوا وَأَطِيعُوا﴾

”لہذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنو اور اطاعت

کرو۔“ (سورۃ التغابن: 16)

اللہ کے بندو!

اخلاق انسانی زندگی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان ہی کے گرد انسان کے تمام اقوال اور اعمال گھومتے ہیں اور انہی کے ذریعے مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ تعامل کیا جاتا ہے۔

انسان کی زندگی سے اخلاق کو نکال دیا جائے تو لوگوں کا باہمی تعامل بے مقصد اور بے ضابطہ بن کر رہ جاتا ہے، جس میں ایک دوسرے پر اعتماد اور ایک دوسرے کے متعلق اچھا گمان نہیں ہوتا۔ دل محبت، الفت اور پاکیزگی سے خالی ہو کر بیماریوں کا گڑھ بن جاتے ہیں اور پھر ان تک رسائی ممکن نہیں رہتی اور نہ ان کے ذریعے لوگوں کی عقولوں تک رسائی ممکن رہتی ہے۔

بس پھر بد اخلاقی اور برے گمان کا دور دورہ ہوتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے پر مختلف جہتیں لگانے لگتے ہیں، برے الفاظ استعمال کرنے لگتے ہیں، شیطانی طریقوں کے استعمال پر اتر آتے ہیں، بات کا بگڑنا بنانے لگتے ہیں اور چھوٹی غلطیوں کو مصیبت کا درجہ دینے لگتے ہیں۔ اگر کسی معاشرے میں ایسا رویہ نظر آئے تو جان لیجئے کہ اس معاشرے میں اخلاق کا خاتمہ ہو چکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَانِ وَلَا اللَّعَانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَهِيءِ»

(جامع ترمذی: 1977)

”مومن لعن طعن کرنے والا، برائی بکنے والا اور بد زبان نہیں ہوتا۔“

انسان میں عقل اور حکمت ہو تو وہ اس مقام تک پہنچ سکتا ہے جہاں اس کے لیے اچھے اور برے میں تمیز کرنا آسان ہو جائے، جہاں وہ یا آسانی یہ جان لے کہ کونسی چیز کو مقدم کرنا

ہے اور کون سی چیز کو مؤخر، کس چیز کو ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دینی اور کس چیز کی اہمیت کم نہیں کرنی۔

عقل و دانش مندی سے کام لیا جائے تو انسان ہر چیز کو مناسب اہمیت دینا سیکھ لیتا ہے اور پھر وہ ہر حقدار کو اس کا حق دیتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو یا تو وہ احساس سے خالی ہوتا ہے یا چیزوں کو ان کی قدر و قیمت کے مطابق اہمیت دینا نہیں چاہتا۔ ظاہر ہے کہ احساس ختم ہونا اور چیزوں کو مناسب اہمیت نہ دینا، دونوں ہی بری چیزیں ہیں، مگر چیزوں کو ان کی حیثیت سے کم اہمیت دینا زیادہ برا ہے۔ اگر انسان چیزوں کی اہمیت جان ہی نہ سکے اور اس لیے انہیں مناسب اہمیت نہ دے سکے تو اس کا نہ جاننا بڑی مصیبت ہے اور اگر وہ جان کر بھی انہیں مناسب اہمیت نہ دے تو جان بوجھ کر چیزوں کو مناسب اہمیت نہ دینا زیادہ بڑی مصیبت ہے۔

اس مختصر وقت میں ہم دوسری قسم کے بارے میں بات کریں گے۔ یعنی علم کے باوجود چیزوں کو مناسب اہمیت نہ دینا۔ ایسا کرنے والا مصیبت کو خود دعوت دیتا ہے اور دوسرے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

ایک گناہ یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر گناہ کرے اور دوسرا یہ ہے کہ وہ گناہ کو گناہ جاننے کے باوجود اس پر بغض نہ کرے۔

دوسروں کو مناسب اہمیت نہ دینے والا کبھی ذمہ دار ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ وہ دوسروں کے حقوق صحیح طرح ادا کر سکتا ہے۔ کسی طور پر بھی دوسروں کو کم تر سمجھنے والے کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ یہ ایسی بری صفت ہے جسے اپنانے والا بھی برا بن جاتا ہے۔

چیزوں کو مناسب اہمیت نہ دینے والا دوسروں کو کمتر اور حقیر سمجھتا ہے۔ اور دوسروں کو حقیر سمجھنا اخوت، عدل و انصاف، وسطیت اور حقوق العباد کی ادائیگی کے تقاضوں کے خلاف جاتا ہے۔ دوسروں کو کمتر سمجھنے سے بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں، جیسا کہ گالی گلوچ،

حکمت نصیحت: اشعرا کفر سورۃ الشرح

جزوں کو قربت کے مطابق سمیت دیکھئے

دوسروں کو حقیر سمجھنا، ان کا مذاق اڑانا اور ان کی بے عزتی کرنا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

« الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى  
هَاهُنَا - وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ -، حَسْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ  
مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ:  
دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعَيْرُضُهُ»

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ وہ اسے رسوا کرتا ہے اور نہ وہ سے حقیر سمجھتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے۔“ یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین مرتبہ کہے اور یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: انسان کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔“

جو اللہ کا حق اور لوگوں کا حق جانتا ہے وہ دوسروں کو کبھی حقیر نہیں سمجھتا، کیوں کہ جو آپ کو حقیر سمجھے گا وہ آپ کے ساتھ ناانصافی کرے گا اور اسی طرح جو کسی چیز کو حقیر سمجھے گا وہ یقینی طور پر وہ اس چیز کے مالک کو بھی حقیر ہی سمجھے گا۔

دوسروں کو حقیر سمجھنا اس وقت سب سے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے جب یہ انفرادی سطح سے بڑھ کر اجتماعی سطح پر آ جاتا ہے اور معاشرے کے لوگ ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں کہ کون دوسرے کو زیادہ حقیر سمجھتا ہے۔

اللہ کے بندو! بندہ دوسروں کو حقیر اس وقت سمجھتا ہے جب وہ اپنے متعلق یہ گمان کرے کہ وہ کامل ہے، پھر وہ اپنے گمان کے مطابق اپنی کامل تصویر میں کوئی نقص دیکھتا ہے، تو

وہ اس نقص کو چھپانے کے لیے دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے تاکہ وہ اپنے آپکو اور دوسروں کو اپنے کمال کا دھوکا دے سکے، اور یہ ثابت کر سکے کہ وہ دوسروں سے بہتر ہے۔ کوئی شخص دوسروں کو اس وقت تک حقیر نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ کم عقلی اور نا سمجھی کا شکار نہ ہو جائے۔

دوسروں کو حقیر سمجھنے والے کی لوگ بھی عزت نہیں کرتے، نہ اس کی تعریف کرتے ہیں اور نہ اس کے قریب بیٹھ کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ معاشرے کا ایک قابل فخر آدمی بنے۔ دوسروں کو حقیر سمجھنے والے پر مصیبتیں آتی رہتی ہیں۔ اس کے منہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں، وہی الفاظ جلد یا بدیر گھوم کر دوسروں کے منہ سے نکلتے ہوئے اسی کے کان میں پڑتے ہیں۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”البلاء موکل بالقول؛ أي: بالمنطق، فلو أن رجلاً عيّر رجلاً برصاع غلبية لرضعها“.

”آزمائش انسان کے الفاظ سے جزی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو یہ کہہ کر ذلیل کرے کہ تو نے کتیا کا دودھ پیا ہے تو کہنے والے کو کتیا کا دودھ یقینی طور پر پینا پڑتا ہے۔“ (التنوير شرح الجامع الصغير 4/593)

لوگوں کو حقیر سمجھنا معاشرے میں اسی وقت رواج پاتا ہے جب قلم کی امانت اور زبان کی امانت اور عدل و انصاف کی امانت کا خاتمہ ہو جائے۔ اسی صورت میں دوسروں کو حقیر سمجھنا عام ہوتا ہے اور پھر معاشرے میں اس سے جزی کئی اور بیماریاں پھیل جاتی ہیں، جیسا کہ خود پسندی، غرور اور لا پرواہی۔ اور ان کی وجہ سے پھر تکبر سامنے آتا ہے جو کہ حق کو رد کرنے اور دوسروں کو برا بھلا کہنے کا نام ہے۔ تکبر کرنے والا بھی بدترین شخص ہوتا ہے۔ اور

عہد نصیحت: شیخ ابو اسود اشجریؓ

نیز اس کو حقیقت کے معائنہ دیتے ہیں۔  
 لازمی نہیں کہ کوئی عزت والا یا مالدار ہی تکبر کرے، بلکہ یہ مرض ہر اس نفس میں آسکتا ہے جس میں بیماری ہو، چاہے وہ لوگوں میں کمتر اور عوام الناس ہی میں سے کیوں نہ ہو۔  
 حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کا بھی ذکر کیا جو فقیر ہونے کے باوجود تکبر کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا يَكْلَمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ  
 وَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: شَيْخٌ زَانٍ، وَمَمْلُوكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ۔

”تین لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ بات کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے: بوزہا بدکار، جھوٹا بادشاہ اور غریب متکبر۔“ (صحیح مسلم: 107)

ہمارے بزرگوں نے بھی دوسروں کو حقیر سمجھنے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ اخلاق میں تین چیزیں شامل ہیں، ایک تعامل کے وقت اچھا برتاؤ، دوسرا دنیا کے معاملات اور تیسرا آخرت کے معاملات۔

ابن المبارک اور ایوب بن قریہ اور دیگر علمائے لکھا ہے کہ

”جو علماء کی ناقدری کرتا ہے اس کی آخرت تباہ ہو جاتی ہے اور جو حکمران کی ناقدری کرتا ہے اس کی دنیا جاتی رہتی ہے اور جو اپنے بھائیوں کو حقیر سمجھتا ہے اس کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔“

اللہ کے بندو!

دوسروں کو حقیر سمجھنا ایک ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے انسان خود عیب والا بن جاتا ہے، اس کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہیں۔ سچا



غلبات فضیلت: شیخ اکرم سوری اثر: چیزوں کو قیمت کے مطابق اہمیت دینے

مسلمان کسی بھی شخص کو حقیر نہیں سمجھتا چاہے وہ کسی بھی حالت میں ہو۔ مومن نہ کسی کے نسب کو حقیر سمجھتا ہے، نہ کسی کے پیسے کو حقیر سمجھتا ہے، نہ کسی کو فقر و فاقہ، یا کمزوری، یا کم عمری، یا جہالت کی وجہ سے حقیر سمجھتا ہے۔

اسی طرح سچا مسلمان اہم چیزوں کو ترتیب دینے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ یعنی وہ اہم ترین چیز کو چھوڑ کر غیر اہم چیز کی طرف نہیں جاتا یا بے قیمت اور بے فائدہ چیز کو دوسری چیزوں سے مقدم نہیں کرتا، چاہے وہ چیز عمل ہو یا کوئی بات۔

اسی طرح وہ اپنے دشمن کو بھی اس کی حیثیت سے کم اہمیت نہیں دیتا کیونکہ جو ایسا کرتا ہے تو اسکی سوچ میں غلط ہوتا ہے اور دور اندیشی سے خالی ہوتا ہے۔ ایسا کرنے والا معاملات کو صحیح طرح سمجھ نہیں سکتا۔

سچ کہا ہے شاعر نے:

لَا تَخْفَرَنَّ صَغِيرًا فِي مُخَاصِمَةٍ \*\*\* إِنَّ الْبُعُوضَةَ تُذْمِي مُقَلَّةَ الْأَسَدِ  
”لڑائی کے وقت کسی کو کمتر نہ سمجھو کیونکہ چھوٹی بھی شیر کی آنکھ کا خون نکال دیتا

ہے۔“

یاد رکھیے کہ

اچھے اخلاق اپنانا بھی ایک ذمہ داری ہے، تو اللہ تعالیٰ کو ذمہ داریاں نبھانا یاد رکھائیے۔ ہوشیار رہیے کہیں آپ پر جہالت اور خواہشات نفس غالب نہ آجائیں، کہیں آپ اخلاق کے معاملے میں پیچھے نہ ہٹ جائیں یا ان کی اہمیت کم نہ کر دیں۔

فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾

تہذیب صحیحہ: شیخ ذاکر سوریہ رحمہ اللہ

”ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اُسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھا لیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔“ (سورۃ الاحزاب: 72)

اللہ مجھے اور آپ کو کتاب و سنت میں برکت عطا فرمائے اور آیات اور ذکر حکیم سے نفع پہنچائے میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں اپنے لئے آپ کے لئے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں آپ بھی اسی سے معافی مانگیے اور اسی کی طرف رجوع کیجیے یقیناً میرا رب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

الحمد للہ! اللہ کے لیے بے انتہا اور کثیر تعریف ہے، ایسی تعریف جیسی وہ پسند کرتا ہے اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے۔

بعد ازاں اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو اور یہ بھی جان لو کہ بہت سے لوگ اپنے گناہوں کو چھوٹا اور بے ضرر سمجھتے ہیں۔ وہ خطرناک سے خطرناک گناہ کو بھی ہلکا سمجھتے ہیں اور بڑی آسانی سے اس کا ارتکاب کر لیتے ہیں۔ گناہ کرتے وقت یہی کہتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ بڑی دردناک سزا دینے والا بھی ہے۔ گناہ پر بعد قائم رہنے والوں کے لیے اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوتا ہے۔ نجانے لوگ گناہوں کے معاملے میں کیوں اتنے بے پرواہ ہیں، وہ اپنے گناہوں کو بال سے بھی باریک سمجھتے ہیں اور انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے اور گناہ کرنے کے بعد اللہ سے معافی بھی نہیں مانگتے اور اپنے گناہ پر تادم بھی نہیں ہوتے۔

کچھ دار انسان کسی چھوٹے گناہ کو چھوٹا نہیں سمجھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پہاڑ بھی پتھروں سے بنتے ہیں اور سیلاب بھی قطروں سے بنتا ہے۔ جو صرف امید پر قائم رہتا ہے وہ

غلبت نصیحة الشیخ ذاکر سورۃ الشرح للعلیہ  
 چیزوں کو تبت کے مطابق اہمیت دینے  
 بہت زیادہ گناہ کر بیٹھتا ہے اور جو صرف اللہ سے ڈرتا ہے وہ اپنے لیے بہت تنگی پیدا کر لیتا  
 ہے۔

حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

”خبردار ہو جاؤ! اللہ سزا دینے میں بھی سخت ہے اور اس کے ساتھ بہت درگزر

اور رحم بھی کرنے والا ہے۔“ (سورۃ المائدہ: 98)

اللہ سے امید اور اللہ کا ڈریوں لازم و ملزوم ہیں جیسے ایک پرندے کے دوپر کہ جن میں

سے اگر ایک بھی ٹوٹ جائے تو پرندہ اڑ نہیں سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

﴿إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَإِنَّمَا مَثَلُ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ كَقَدَمِ

نَزَلُوا فِي بَطْنِ وَادٍ، فَجَاءَ ذَا بَعُودٍ، وَجَاءَ ذَا بَعُودٍ حَتَّى أَنْصَجُوا

خُبْرَتَهُمْ، وَإِنَّ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ مَتَى يُؤْخَذُ بِهَا صَاحِبُهَا تُهْلِكُهُ﴾

”ان گناہوں سے بچو جنہیں عام طور پر حقیر سمجھا جاتا ہے، کیونکہ چھوٹے گناہوں

کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی وادی میں ٹھہرے ہوں اور پھر ان میں سے ہر

کوئی جا کر ایک ایک لکڑی لے کر آیا۔ وہ لکڑیاں اتنی زیادہ ہو جائیں کہ وہ با آسانی اپنا

کھانا تیار کر سکیں۔ جب حقیر سمجھے جانے والے گناہوں پر قائم رہا جاتا ہے تو وہ

انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔“ (مسند احمد: 22808)

یاد رکھیے کہ سچا مسلمان اپنے گناہ کو چھوٹا اور حقیر نہیں سمجھتا بلکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا

گناہ اس کے ایمان کو کم کر دے گا اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جائے گا اور

صاحب توفیق وہ ہے کہ جو کسی بھی گناہ کو حقیر نہ سمجھے چاہے وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتِ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ» فَقَالَ بِهِ هَكَذَا  
 ”مومن اپنے گناہوں کو یوں سمجھتا ہے، گویا وہ ایک پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے جو  
 عنقریب اس کے اوپر گرنے والا ہے اور فاجر اپنے گناہوں کو اتنا ہلکا سمجھتا ہے گویا کہ  
 وہ اس کی ناک پر بیٹھی ایک مکھی ہے جیسے وہ بس ہاتھ ہلا کر اڑا سکتا ہے۔“ (صحیح  
 بخاری: 308)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا، هِيَ أَدْقُ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ، إِنْ كُنَّا لَتَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمُؤَبَّاتِ» (صحیح بخاری 6492)  
 ”تم کچھ ایسے گناہ کرتے ہو جنہیں تم بال سے بھی باریک سمجھتے ہو، جب کہ ہم  
 انہی گناہوں کو رسول اکرم ﷺ کے دور میں تباہ کن گناہوں میں شمار کرتے تھے۔“  
 اللہ ہمیں اور آپ کو اپنی خوشنودی عطا فرما کر اپنے غضب سے بچالے، عافیت دے کر سزا  
 سے بچالے، اور اپنی رحمت سے اپنے غصے سے بچائے۔ ہم اللہ کی کا حقہ ثابتاً بیان نہیں کر سکتے  
 وہ ایسا ہے جیسا اس نے خود بتایا ہے۔

لَا تَحْفِرَنَّ مِنَ الْأُمُورِ لِمَا مَأْتِيهِ \*\*\* وَرَبِّ الْحَيَاةِ لَدَيْكَ بِالْإِنصَافِ  
 وَصَنِ الْقَوَادِ وَخَذْ بِهَذَا مُحَمَّدٍ \*\*\* فَفَسَادَ قَلْبُ الْمَرْءِ بِاسْتِحْقَافِ  
 ”کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بے قیمت سمجھو اور اپنی زندگی کے معاملات کو  
 انصاف کے ساتھ منظم کرو، اپنے دل کو نبی کریم ﷺ کے طریقے پر چلا کر اس کی  
 حفاظت کرو کیونکہ دلوں کی بیماریوں کی جڑ گناہوں کو حقیر سمجھنا ہے۔“

جزوں کو قیمت کے مطابق قیمت دیجیے

اللہ آپکی نگہبانی فرمائے! درود و سلام بھیجو انسانوں میں سب سے افضل اور مخلوقات میں سب سے بہتر ہستی، حوض کوثر اور شفاعت کرنے والے نبی اکرم ﷺ پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر فرمایا پھر اپنے فرشتوں کا ذکر فرمایا پھر تمہیں اسے مومنوں کے پکارا، فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْنِهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



(52)

مسلمانوں میں اختلافات پھیلانے کا نقصان

4 شعبان 1439ھ بمطابق 19 اپریل 2018

## پہلا خطبہ

یقیناً! تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اپنے نفس کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

اے مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“ (سورۃ آل عمران: 102)

اسی طرح فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقیناً جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“ (سورۃ النساء: 1)

اسی طرح فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُضْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ \* وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“ (سورۃ الاحزاب: 70-71)

بعد ازاں! بہترین بات اللہ کا کلام ہے، بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں۔ ہر نئی عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ لوگو! مسلمانوں کی جماعت سے جڑے رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہوتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ  
النَّبِيُّاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

”کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے۔“ (سورۃ آل عمران: 105)

اے لوگو!

وہ معاشرہ کہ جو ترقی کی راہ پر گامزن ہو، جس کے باشندے آپس میں پیار اور محبت سے رہتے ہوں اور جس میں اتحاد اور اتفاق بھی موجود ہو، ایسے معاشرے کے لوگوں میں لازمی طور پر پاکیزہ دل اور نیک نیتی ہوگی اور یہی ان کی ترقی اصل وجہ ہوگی۔ اچھے اخلاق دلوں میں



جگہ بناتے ہیں اور دوسروں کو متاثر کرتے ہیں۔

معاشرے دنیاوی اعتبار سے، علم، صنعت، تجارت اور تہذیبی لحاظ سے جتنی بھی ترقی کر لیں، بھر حال اگر ان میں اخلاق نہ ہو تو ان کی ترقی کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان کی مثال ایسے پیسے کی ہے جو گھومتا تو رہتا ہے مگر اس کے گھومنے کا فائدہ کسی کو نہیں پہنچتا۔

معاشرے جب تک اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہتے ہیں، یعنی اچھے اخلاق اور بھلے طریقوں پر عمل پیرا رہتے ہیں، تب تک ان میں خیر موجود رہتی ہے، بشرطیکہ ان پر ایسی چیزیں اثر انداز نہ ہو جائیں جو ان کی پاکیزگی کو ختم کر دیں، زندگی کو بے مزہ بنا دیں، اتحاد و اتفاق کو پاش پاش کر دیں اور معاشرے کو بکھیر دیں۔

اسی طرح معاشرے میں اس وقت تک بھی خیر باقی رہتی ہے جب تک اس میں کالے دل اور تیز زبان والے وہ لوگ نہیں آجاتے جو ان کی وحدت کو پاش پاش کر کے ان کے اندر اختلافات کا بیج بو دیتے ہیں۔ وہ کالے دل والے کہ جن کا کام ہی لوگوں میں جھوٹی خبریں پھیلانا، لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف کرنا اور افراد معاشرہ کو ایک دوسرے کے خلاف بڑھکانا ہوتا ہے۔

جی ہاں! اللہ کے بندو! جس معاشرے میں فساد بازی پھیل جائے اس کے اندر اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں، جس گھرانے میں آجائے وہ گھر نہ تباہ ہو جاتا ہے اور جس دوستی میں آجائے وہ دشمنی میں بدل جاتا ہے۔

یہ فساد بازی ہی ہے، جو دلوں کو بھڑکاتی ہے، لڑائیوں، ناراضگیوں اور برے القاب کی آگ کو ہوا دیتی ہے۔ فساد بازی ایک ایسی بیماری ہے جس میں ملوث تمام لوگ فائدہ سے خالی رہتے ہیں۔ فساد بازی سے گھر تباہ ہو جاتے ہیں، دوستیاں چھوٹ جاتی ہیں اور معاشرے کے تمام افراد متاثر ہوتے ہیں۔

فطرتِ انسانی، شیخ ااکرم سعید الشریح

سلازوں میں المتکافات پیمانے کا نقصان

یہ فساد بازی ہی ہے، جو نقصان دیتی ہے نفع نہیں دیتی، معاشرے کو بکھیرتی ہے، اسے قریب نہیں کرتی، زخم لگاتی ہے، زخم پر مرہم نہیں رکھتی، فساد برپا کرتی ہے، اصلاح نہیں کرتی، پریشان کرتی ہے، خوش نہیں کرتی، رولاتی ہے، ہنساتی نہیں ہے۔

اللہ کے بندو فساد بازی جھگڑوں کو ہوا دینے کا نام ہے، لوگوں کے دلوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر دشمنی اور دل کی کدورتوں کو بڑھانے کا نام ہے۔

فساد بازی کے لفظ میں کسی قسم کی خیر نہیں ہے۔ یہ سراسر برائی ہی ہے۔ فساد بازی کی تعریف شریعت نے نہیں کی، نہ صحیح عقل کر سکتی ہے اور نہ سلیم الفطرت انسان ہی کر سکتا ہے۔ فساد بازی ہر طرح سے بری ہے، بہت بڑی بیماری ہے اور شدید ندامت کا باعث بنتی ہے۔

فساد بازی انتہائی بری چیز ہے، اس کی طرف جس دروازے سے بھی آیا جائے وہ دروازہ ہی برا ہے۔ فساد بازی کی ابتدا لڑائی جھگڑے سے ہوتی ہے اور اس کا انجام قطع تعلقی پر ہوتا ہے۔

اللہ آپ کی گھمبائی فرمائے! فساد بازی ایک شیطانی عمل ہے۔ جو بھی اس میں ملوث ہوتا ہے وہ زمین میں بہت فساد پھیلاتا ہے اور لوگوں میں بہت جھگڑے کرواتا ہے۔ فساد بازی کرنے والے سے لوگ دور بھاگتے ہیں۔ جس راتے میں فساد کرنے والا جائے، لوگ اس راتے کو چھوڑ کر کسی دوسرے راتے سے جانا پسند کرتے ہیں۔ جس مجلس میں وہ ہو،

لوگ اس مجلس میں جانے سے گریز کرتے ہیں۔ اگر اتفاقاً کسی مجلس میں وہ مل جائے تو لوگ اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتے۔ ایسے شخص سے سمجھ دار لوگ اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ وہ ایسا کیوں نہ کریں، جبکہ وہ دیکھتے ہیں کہ اس نے کتنے میاں بیوی کو، کتنے ساتھیوں کو، کتنے مسایوں کو، کتنے شراکت کاروں کو اور کتنے دوستوں کو الگ الگ کیا ہے!؟

اللہ کے بند و افساد بازی کرنے والا انتہائی بر انسان ہوتا ہے، جو حسد کو اپنا قائم بنا لیتا ہے اور پھر ہر اچھی چیز کو خراب، ہر سیدھی چیز کو ٹیڈی اور ہر مستحکم چیز کو غیر مستحکم کرنے لگتا ہے۔

فساد بازی کرنے والے، معاشرے میں پھیلے ہوئے انگارے ہیں، جو معاشرے میں اختلافات کی آگ کو بھڑکاتے ہیں۔ ان سے قریب ہونے میں گھانا ہے اور ان سے دور رہنے میں کامیابی ہے۔

فساد بازی کرنے والا گندگی خور جانوروں کی طرح ہوتا ہے جو گندگی اور فضلات کھاتے رہتے ہیں۔ وہ انگارے کی طرح ہوتا ہے، جس چیز پر بھی پڑھتا ہے اسے جلا دیتا ہے۔ وہ اپنا نفس، وقت، دین اور اخلاص بیچ ڈالنے والا اور رضا کارانہ طور پر شیطان کے لشکر میں شامل ہونے والا ہوتا ہے۔

جب بھی وہ نظر آئے گا، قسمیں کھاتا، طعنے دیتا اور چغل خوری کرتا نظر آئے گا۔ اگر وہ حسد کے پیچھے نہیں چلے گا تو کینہ پرور ہو گا۔ اگر کینہ پرور بھی نہ ہو گا تو دوسروں کی بدخواہی ہی اس کا قائم بن جائے گی۔

جب تک اسے کوئی ایسی شکار نہیں ملتا جس کے ساتھ وہ خوب حسد، بغض اور نفرت کرے، تب تک اسے چین نہیں آتا۔ پھر اگر کوئی فساد بازیہ دعویٰ کرے کہ اس کی فساد بازی میں لوگوں کا بھلا ہے تو اس کا یہ دعویٰ سچا نہیں ہے، بلکہ اس کے اس دعویٰ پر اور اپنی نیک نیتی پر 1000 قسمیں بھی کھالے تو بھی اس کی بات نہ مانی جائے۔

عربی شاعر نے خوب کہا:

إِنَّ الَّذِينَ تَرَوْنَهُمْ خِلَانَكُمْ ۖ يَتَّبِعُونَ صِدَاعَ رُؤُوسِهِمْ أَنْ تُصْرَعُوا  
قَوْمٌ إِذَا دَمَسَ الظُّلَامُ عَلَيْهِمْ ۖ حَدَّجُوا قَنَافِدًا بِالتَّمِيمَةِ تَنْزِعُ

خطبات فضیلت: شیخنا کتر سوره الشرحیم ﷻ

مسلمانوں میں ایسا کثرت پیمانے کا نقصان

”یہ لوگ، جنہیں تم اپنا دوست سمجھتے ہو، تمہاری ہلاکت کی تمنا کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو رات کے اندھیرے میں چغل خوری کے قبیح تیر چلاتے ہیں۔“

اللہ کے بندو!

فساد بازی کے خطرے کا اندازہ لگانا ہے تو یہ جان لیجئے کہ شیطان اس چیز سے تو مایوس گیا ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر اس کی عبادت کریں، اس لیے وہ لوگوں میں فساد پیدا کرنے کے لئے اپنا پورا زور لگا رہا ہے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّ إِبْلِيسَ قَدْ آيَسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ، وَلَكِنَّ فِي التَّخْرِيشِ بَيْنَهُمْ»

”شیطان اس چیز سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں لوگ اس کی عبادت کرنے لگے۔ اب اس کی پوری کوشش ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان فساد پیدا کر دے۔“ (مسند احمد: 14940)

شیطان نے اپنے گروہ کے ساتھ مل کر خوب زور لگایا اور اپنے تمام تر حربے استعمال کئے۔ لوگوں کے ساتھ وعدے کیے اور انہیں سبز باغ دکھائے۔ حقیقت میں وہ ہے دھوکا دیا تھا مگر کچھ مریض النفس لوگ اسکی چالوں میں آگئے اور انہوں نے برے اخلاق کو اپنالیا اور رضا کارانہ طور پر ابلیس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ پھر انہوں نے شیطان کے ساتھ ایک وعدہ کیا کہ وہ تین چیزوں پر قائم رہیں گے۔ ایک غیبت، دوسری چغل خوری اور تیسری بہتان بازی۔ ان تینوں چیزوں سے انہوں نے اللہ کے بندوں کو نشانا بنایا اور ان کے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دی۔ اس طرح انہوں نے دوست کو دشمن بنا دیا اور میاں بیوی کو الگ کر دیا۔ بھلا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم اور جھوٹ ہو سکتا ہے؟

دین اسلام نے فساد بازی کی راہ بند کی ہے۔ اس سے منع کیا گیا ہے اور اسے خیانت کی ایک قسم شمار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کی بیویوں کے متعلق فرمایا:

﴿كَانَتَا تَحْتِ عِبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا﴾

”وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں، مگر انہوں نے اپنے ان شوہروں سے خیانت کی۔“ (سورۃ الاحقریم: 10)

اس آیت میں جس خیانت کا ذکر ہے اس سے مراد زنا نہیں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بیویاں ایسی چیز میں ملوث نہیں ہو سکتیں۔ اس آیت میں آنے والی خیانت سے مراد، جیسا کہ ابن عباس، عکرمہ، مجاہد رضی اللہ عنہم اور دیگر علماء نے بیان فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی بیوی سیدنا نوح علیہ السلام کے راز جانتی تھی۔ وہ دشمنان حق کو آپ کے راز پر مطلع کر دیتی تھی۔ جب بھی کوئی شخص ایمان قبول کرتا تو وہ قوم کے سرکشوں کو اس کے متعلق بتا دیتی۔

اسی طرح سیدنا لوط علیہ السلام کی بیوی اپنی قوم کے برے لوگوں کو ان مہمانوں کی خبر دے دی تھی جو سیدنا لوط علیہ السلام کے پاس آتے تھے۔

اللہ کے بندو!

یہی تو وہ فساد بازی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خیانت کا نام دیا ہے۔ خیانت منافقوں کی صفت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے منافقوں کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

«وَإِذَا اثْتَمِنَ حَانَ» (صحیح ابن حبان: 257)

”اور جب اسے امانت دی جاتی ہے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں منافقین کے متعلق فرمایا:

﴿لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُضْعَفُوا جِلْدًا لَكُمْ

يَبْغُونَكُمْ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَاعُونَ لَهُمْ﴾

”اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے اندر خرابی کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے وہ تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے، اور تمہارے گردہ کا حال یہ ہے کہ ابھی اُس میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں۔“ (سورۃ التوبہ: 47)

اللہ کے بندو!

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ إبْلِيسَ يَضَعُ عَرَشَهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرِيَانَهُ، فَأَذَانُهُمْ مِنْهُ

مَنْزِلَةٌ أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَبْجِيءُ أَحَدَهُمْ فَيَقُولُ: فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا،

فَيَقُولُ: مَا صَنَعْتَ شَيْئًا، قَالَ ثُمَّ يَبْجِيءُ أَحَدَهُمْ فَيَقُولُ: مَا تَرَكْتَهُ

حَتَّى قَرَفْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ، قَالَ: فَيَذْنِبِيهِ مِنْهُ» (مسلم 2813)

”ابلیس اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے، پھر اپنے دستوں کو بھیجنے لگتا ہے۔ جو شیطان

سب سے بڑا فتنہ برپا کرتا ہے وہ ابلیس کے قریب ترین ہوتا ہے۔ ایک شیطان آکر

کہتا ہے: میں نے ایسا اور ایسا کر دیا۔ تو ابلیس اسے کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا۔ مگر

جب کوئی شیطان آکر یہ کہتا ہے کہ میں نے اسے تب تک نہیں چھوڑا جب تک میں

نے اسے اس کی بیوی سے الگ نہیں کر دیا۔ تو ابلیس اسے اپنے قریب کر لیتا ہے۔“

اسلام نے اجتماعیت کا تصور دیا ہے اور اسے اپنانے کی خوب ترغیب دلائی ہے۔ اسلام

نے ہر اس راستے سے روکا ہے جو لوگوں کی اجتماعیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ میاں اور

بیوی اور خادم اور مالک کے درمیان فساد برپا کرنے کی کوشش کرنے سے منع کیا ہے۔ جو ایسے

عظمتِ نبویہ ﷺ اور ان کے رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَبَ امْرَأَةً عَلَى رُوجِهَا، أَوْ عَبَدًا عَلَى سَيِّدِهِ»

”جو کسی عورت کو اس کے خاوند کے خلاف اکساتا ہے یا کسی غلام کو اس کے مالک

کے خلاف بھڑکاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔“ (سنن ابی داؤد: 2175)

انسان کے دین اور ایمان پر اتنا تباہ کن اثر اور کوئی چیز نہیں ڈالتی جتنا تباہ کن اثر فسادِ بازی کا ہوتا ہے۔ اس میں ملوث ہونے والا گویا کہ رضا مندی اور اپنی خوشی کے ساتھ اپنے دین کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کر رہا ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَلَا أَخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ»

قَالُوا: بَلَى، قَالَ: «صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ

الْحَالِقَةُ» (جامع ترمذی: 2509)

”کیا میں آپ کو روزوں، نماز اور صدقہ سے بہتر درجے کی چیز نہ بتاؤں؟ صحابہ

کرام جنم ﷺ نے کہتی ہیں! کیوں نہیں اے اللہ کے رسول!؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

لوگوں کے تعلقات کا درست رہنا۔ لوگوں کے باہمی تعلقات کا بگڑنا تو مونڈ دینے

والی چیز ہے یعنی جو دین کو ختم کر دیتی ہے۔“

عطاء بن سائب فرماتے ہیں:

«قَدِمْتُ مِنْ مَكَّةَ، فَلَقَيْتَنِي الشَّعْبِيُّ، فَقَالَ: يَا أَبَا زَيْدٍ، أَظَرِفْنَا مِمَّا

سَمِعْتُ بِمَكَّةَ، فَقُلْتُ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ سَابِطٍ، يَقُولُ: لَا

يَسْكُنُ مَكَّةَ سَافِكُ دَمٍ، وَلَا آكِلُ رَبَا، وَلَا مَسَاءُ بَنِيْمَةٍ. فَعَجِبْتُ

مِنْهُ حِينَ عَدَلَ التَّمِيمَةَ بِسَفْكِ الدَّمِ وَأَكَلَ الرَّبَا فَقَالَ الشَّعْبِيُّ: وَمَا يُعْجِبُكَ مِنْ هَذَا؟ وَهَلْ تُسْفِكُ الدَّمَ وَتُرْكَبُ الْعِظَائِمَ إِلَّا بِالتَّمِيمَةِ؟

”میں مکہ سے آیا تو مجھے امام شعبی رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے مجھے کہا: اے ابو یزید! جو باتیں آپ نے سن رکھی ہیں ان میں سے کوئی اچھی بات ہمیں بھی سنائیں۔ میں نے کہا: میں نے عبد اللہ بن ثابت کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ: مکہ میں کوئی قاتل، سود خور اور چغلی کرنے والا نہیں رہ پائے گا۔ مجھے تعجب ہوا کہ انہوں نے چغل خور کو قاتل اور سود خور کے برابر کر دیا ہے۔ اس پر امام شعبی رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا: اس میں کیا عجیب بات ہے؟ قتل اور اس جیسے بڑے بڑے جرائم کی وجہ چغل خوری ہی تو ہوتی ہے۔“

(الزحدر لکھ: 1/763)

لا الہ الا اللہ! اللہ کے بندو! دل کی پاکیزگی کتنی اہم ہے! لا الہ الا اللہ! اللہ کے ہاں کینہ اور حسد سے پاکیزہ دل کی کتنی اہمیت ہے۔ ایسے دل والا جب دو دوستوں کو دیکھتا ہے تو ان کی دوستی سے اسے خوشی ملتی ہے، جب میاں بیوی کو دیکھتا ہے تو ان کے لئے برکت کی دعا کرتا ہے۔ ایسے دل والا دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لئے کرتا ہے۔

اللہ کے بندو! اس چیز میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اگر چھوٹے گناہ سے منع کر دیا جائے تو بڑا گناہ تو زیادہ سختی سے منع ہو گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ

”نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ“

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے درمیان فساد پیدا کرنے اور انہیں آپس میں

لڑانے سے منع کیا ہے۔“ (جامع ترمذی: 1708)

تو اگر بے عقل اور غیر مکلف جانوروں کے متعلق یہ حکم ہے تو بھلا انسانوں کے متعلق کیا حکم ہو گا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی مخلوقات پر تفضیل بخشی ہے۔



خطبات نصیحة الشيخ ذكروا سودا لشریم ﷺ  
 مسلمانوں میں انصاف و عدالت پہلانے کا نصاب  
 اللہ کے بندو اتحاد کو بکھیرنے والے، گھروں کو توڑنے والے، گھرانوں کو ختم کرنے  
 والے، دوستیوں کو پاش پاش کرنے والے، شریکوں کا ساتھ چھڑوانے والے، آقا اور غلام  
 کے درمیان فساد برپا کرنے والے سے بچ کر رہیے۔ یہ شیطان کا وہ حملہ ہے جس سے کوئی  
 نہیں بچ پاتا۔ اسی کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد کی گستاخی کی، اپنے بھائی  
 کو کنویں میں پھینکا اور ان کا والد نابینا ہوا۔ ان نقصانات کی وجہ کو یوسف علیہ السلام نے مختصر انداز  
 میں یوں بیان کیا:

﴿ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ

إِخْوَتِي ۗ ﴾

”آپ لوگوں کو صحرا سے لا کر مجھ سے ملایا حالانکہ شیطان میرے اور میرے

بھائیوں کے درمیان فساد ڈال چکا تھا۔“ (سورۃ یوسف: 100)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم میں برکت عطا فرمائے۔ آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ  
 حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں نے جو کچھ کہا وہ آپ نے سن لیا۔ اگر درست کہا تو اللہ  
 کی طرف سے اور اگر غلط کہا تو میرے نفس اور شیطان کی وجہ سے۔ میں اللہ سے اپنے لیے،  
 آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ  
 بھی اسی سے معافی مانگیے اور اسی کی طرف رجوع کیجیے۔ یقیناً میرا رب معاف کرنے والا اور  
 رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ!

اللہ کے احسانات پر اس کی تعریف بجالاتا ہوں اور اس کی توفیق اور نوازشوں پر اس کا  
 شکر ادا کرتا ہوں۔

بعد ازاں!

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! خوب جان رکھو کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو فساد بازی کی تمام شکلوں سے پاک رکھے۔ مسلمان کو فساد بازی کا ایندھن نہیں بننا چاہیے، فساد بازی پر زبان یاں دل سے راضی بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ راضی ہونے والا برائی کرنے والے جیسا ہی ہوتا ہے۔ سمجھو اور وہ ہے جو فساد بازی سے اس طرح دور رہتا ہے جیسے صحت مند انسان منتقل ہونے والی بیماری کے شکار لوگوں سے بھاگتا ہے، جو اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے اور جو دین کے فساد سے اور اخلاق کی تباہی سے دور رہتا ہے۔

فساد بازی اس معاشرے میں کامیاب نہیں ہو سکتی جس کی محفلوں میں عام طور پر لوگ اچھی باتیں کرتے ہوں۔ کیونکہ اچھی باتوں اور فساد بازی میں اتنا تضاد ہے کہ یہ ایک ساتھ ایک ہی جگہ میں موجود نہیں ہو سکتیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ  
بَيْنَهُمْ﴾

”اور اے محمد (ﷺ)، میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالو کہ جو بہترین ہو اور اصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔“ (الاسراء: 53)

تاریخ میں یہ بیماری تقریباً ہر معاشرے میں پائی گئی ہے۔ لیکن مختلف معاشرے اس حوالے سے مختلف ہیں۔ کسی میں یہ بیماری بہت زیادہ رہی اور کسی میں بہت کم۔ فساد بازی کی بیماری ایسی بیماری ہے جو اپنے حملوں میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتی جب تک اسے زرخیز زمین نہ مل جائے۔ اس بیماری کے لیے زرخیز ترین زمین وہ معاشرہ ہے کہ جس میں لوگ ہر بات پر کان دھرتے ہوں۔ ہر سنی سنائی بات پر تحقیق کیے یا سوچے سمجھے بغیر ہی کان دھر لیتے ہوں۔

اگر فساد بازی کرنے والوں کو ان کی باتوں پر دھیان دینے والے کان نہ ملیں تو وہ لوگوں کو ہلاک کرنے، انہیں بکھیرنے بکھیرنے اور ان کے درمیان بغض اور عداوت پیدا کرنے میں ناکام ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿يَبْغُونَكُمْ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ﴾

”وہ تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے، اور تمہارے گروہ کا حال یہ ہے کہ ابھی اُس میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو اُن کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں۔“ (سورۃ التوبہ: 47)

اگر فساد بازی کی برائی میں صرف یہ بات ہوتی کہ یہ یہودیوں کی صفت ہے کہ جن پر اللہ کا غضب ہوا تھا تو یہی اس کی برائی کے لئے کافی تھا۔ فرمان الہی ہے:

﴿سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثَرُونَ لِلسُّخْتِ﴾

”یہ جھوٹ سننے والے اور حرام کے مال کھانے والے ہیں۔“ (المائدہ: 42)

ہر سننے والے کو چاہئے کہ وہ سنی سنائی بات پر اعتبار کرنے سے پہلے تحقیق کر لے۔ کسی خبر کی حقیقت جاننے سے پہلے اس کی بناء پر کوئی فیصلہ نہ کرے۔ ہر سنی سنائی بات پر یقین کرنا بیوقوفی کی علامت ہے اور پہلی مرتبہ سنی ہوئی چیز کو بغیر غور کے مان لینا بھی غفلت کی علامت ہے۔

کسی چیز کو دیکھتے یا سنتے ہی فوراً اس پر یقین نہ کریا کرو کیونکہ جب صبح نکلتی ہے تو پہلے صبح کاذب آتی ہے۔

مسلمان افراد اور جماعتوں کی سلامتی کا طریقہ بھی یہی ہے کہ وہ فساد برپا ہونے سے پہلے ہی اس کا راستہ روک دیں، اس کا راستہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اسے بند کر دیں۔ اس معاملے میں نبی اکرم ﷺ کا طریقہ اختیار کریں۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يُبَلِّغُنِي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِي شَيْئًا؛ فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْهِمْ وَأَنَا سَلِيمٌ الصَّدْرِ» (جامع ترمذی - 3896)

”کوئی شخص مجھے میرے صحابہ کے بارے میں کوئی بات نہ بتائے، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب میں آپ کے پاس آؤں تو میرا دل سب کے لیے صاف ہو“

وہ شخص جو آپ کو دوسروں کے متعلق ایسی چیزیں بتاتا ہے جو آپ کو اچھی نہیں لگتیں وہ شخص آپ کا خیر خواہ نہیں ہے۔ عربوں کی کہادت کا ترجمہ ہے: جو چغل خور کو اپنا ٹخبر بنا لیتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ جو آپ کو بری چیز کی خبر دیتا ہے وہ آپ کا برا چاہتا ہے۔

ایک شخص ولید بن عبد الملک علیہ رحمۃ اللہ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ: اگر نصیحت ہے میرے لئے ہے تو کر دو اور اگر کسی دوسرے کے لئے ہے تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے کہا: میرا ہمایہ مجھ پر زیادتی کر کے بھاگ گیا ہے۔ انہوں نے کہا: اس بات سے پتہ چل رہا ہے کہ تم اچھے ہمسائے نہیں ہو۔ اگر چاہو تو ہم تمہارے کے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیجتے ہیں وہ دیکھیں گے، اگر تم سچے ہوئے تو ہم تمہارا پیسہ لوٹا دیں گے اور اگر تم جھوٹے ہوئے تو ہم تمہیں سزا دیں گے، اور اگر تم چاہو تو تمہیں یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ شخص نے کہا: بلکہ مجھے یوں ہی چھوڑ دیجئے۔

أَيْسَ الرَّجِيمِ وَلَمْ يَفْزُ بِعِبَادَةٍ \*\*\* فَأَغَارَ نَحْوَ الْخَلْقِ بِالشَّجِيذِ  
وَأَقَامَ عَرْشًا يَسْتَحِثُّ فُلُوكَهُ \*\*\* فَأَصَابَ مَا يَنْبَغِيهِ بِالشَّخْرِيشِ

”شیطان اس سے مایوس ہو گیا ہے کہ لوگ اس کی عبادت کریں، اس لیے وہ لوگوں میں فساد برپا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اپنا عرش بنایا اور اپنے لشکروں کو بھیجا۔ سب نے مل کے لوگوں میں فساد برپا کرنے کی کوشش کی اور وہ بہت سے لوگوں کے درمیان فساد برپا کرنے میں کامیاب بھی ہو گیا۔“

خطبات فضیلتہ الفیض ذاکر سید الشریح  مسلمانوں میں امتدادات پیمانے کا نقصان

درود و سلام بھیجیے سب سے بہتر انسان، سب سے افضل مخلوق، محمد بن عبد اللہ، حوض کوثر والے اور لوگوں کی سفارش کرنے والے رسول پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآنی کریم میں یہ حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر کیا ہے، پھر اپنی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ رب ذوالجلال نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! روشن اور پاکیزہ چہرے والے رسول پر رحمتیں اور سلامتی نازل فرما۔ خلفائے راشدین اربعہ، ابو بکر، عمر، عثمان اور علیؓ سے راضی ہو جا۔ تمام صحابہ کرامؓ سے، تابعین عظامؓ سے اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے راضی ہو جا۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا خاص فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا!



53

اے خیر کارادہ رکھنے والے! آگے بڑھ

2 رمضان المبارک 1439ھ بمطابق 18 مئی 2018

## پہلا خطبہ

الحمد لله! وہی عزت والا اور معاف فرمانے والا ہے۔ وہی طاقتور، واحد اور سب پر غالب ہے۔ وہی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لانے والا ہے۔ ساری بھلائی اسی کے ہاتھ میں اور تمام معاملات اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب فرماتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے چنیدہ رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے پیغام الٰہی احسن انداز میں پہنچایا، امانت ادا فرمائی اور فرمان برداری اور استغفار پر قائم رہے۔ اللہ کی رحمتیں، اور سلامتیاں ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے پاکیزہ اہل بیت پر۔ مہاجرین و انصار پر، ان کے راستے پر چلنے والوں اور قیامت تک ان کے طریقے پر عمل کرنے والوں پر۔

بعد ازاں! بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کی طرف لے کر جاتی ہے۔

اے لوگو! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ تقویٰ ہی مومن کا حقیقی سرمایہ ہے اور یہی پریشان لوگوں کی رہنمائی کرنے والا ہے۔ جو اسے تمھارے رکھتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور جو اس سے دور ہو جاتا ہے اسے گھانا اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ اللہ کے عذاب سے بچانے والی بہترین چیز ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ \* الَّذِينَ

آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾

”سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار

کیا، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔“ (سورۃ یونس: 62-63)

اللہ کے بندو!

زمانہ چکی کی طرح گھوم رہا ہے۔ رات گزرتی ہے تو دن آجاتا ہے مگر لوگ مختلف رویوں کے حامل ہیں۔ کسی کو دنیا کی فکر کم اور کسی کو زیادہ ہے۔ کوئی محنت کرتا ہے اور کوئی بس سویا ہی رہتا ہے۔ کوئی اسے سنجیدگی سے لیتا ہے اور کوئی اسے تفریح سمجھتا ہے۔ ہر کوئی اپنے نفس کا سودا کرتا ہے، کوئی تو اسے کامیاب کر لیتا ہے اور کوئی اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

سعادت مند وہی ہے جو خیر کی بہار میں بہترین کمائی کر لیتا ہے، جو خوب محنت کرتا ہے اور عبادت میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا۔ خیر کی بہار، نیکیاں کمانے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع انہی لوگوں کو ملتا ہے جو واقعی سنجیدہ اور محنت کش ہیں۔ ست اور بے ہمت لوگ ایسے مواقع سے محروم رہتے ہیں۔ زمانہ بڑی تیزی سے گزرتا چلا جاتا ہے اور کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ جو کسی ایک لمحے میں کوتاہی کر بیٹھتا ہے، اسے وہ لمحہ دوبارہ کبھی نہیں مل پاتا۔ جو وقت ایک مرتبہ گزر جاتا ہے، وہ ہمیشہ کے لیے چلا جاتا ہے اور مستقبل تو غیب کا حصہ ہوتا ہے۔ لہذا انسان کے ہاتھ میں صرف وہ لمحے ہوتے ہیں جنہوں وہ اس وقت جی رہا ہوتا ہے۔

تو اسے بھلائی کا ارادہ رکھنے والے! آگے بڑھ! اور اسے برائی کا ارادہ رکھنے والے! اب تو

رک جا!

لوگوں کے دل بھی دوسری چیزوں کی طرح مختلف چیزوں کا اثر لیتے ہیں۔ کبھی یہ لوہے کی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ کبھی جانور کے تھن کی طرح خشک ہو جاتے ہیں اور کبھی کھتی کی طرح سوکھ جاتے ہیں۔ پھر انہیں کسی ایسے محرک کی ضرورت ہوتی جو ان کا زنگ اتار دے، ان کی خشکی دور کر دے اور انہیں پھر سے تر کر دے۔



صبح و شام کی مصروفیات میں انسان ایسا مصروف ہو جاتا ہے اسے دل کو پاکیزہ کرنے سے نیکی کی ترغیب دلانے اور اسے ہمت دلانے کا وقت ہی نہیں ملتا۔

رمضان المبارک کا مہینہ دلوں کو پاکیزہ کرنے اور ان میں عبادت کا جوش و جذبہ پیدا کرنے کا بہترین موقع ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ﴾

”رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔“ (سورۃ البقرۃ: 185)

یہ مہینہ، نیکی، روزہ، نماز، رحمت اور باہمی مودت کا مہینہ ہے۔ یہ شہواتِ نفس کو لگام دینے کا مہینہ ہے، یہ نفس کو نیکی کی طرف لانے کا مہینہ ہے۔ نفس کو کمال کے فریب سے نکلنے کا مہینہ ہے، کمال کا گمان ایسی رکاوٹ ہے کہ جو انسان کو سنہری موقعوں سے فائدہ اٹھانے سے روکتی ہے۔ اس کی وجہ سے انسان حلال اور بے فائدہ چیزوں کے جھنجھٹ گھر جاتا ہے۔ پھر وہ اسی میں اپنا سارا وقت لگانے لگتا ہے اور انہی کو اپنا سرمایہ سمجھنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ خیر اور بھلائی کے بہت سے شاندار مواقع کو گواہی دیتا ہے۔ پھر وہ اپنی خواہشات، سستی اور کابلی کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔

سنو! رمضان تقویٰ کے لباس سے مزین ہونے کا موقع ہے۔ کوئی شخص رمضان المبارک کی برکتوں سے بے نیاز تو نہیں ہے۔

جی ہاں! اللہ کے بندو! ہم اپنے اموال اور اولاد میں ایسے مصروف ہو چکے ہیں کہ ہمارے پاس اپنے دلوں کو پاکیزہ کرنے اور ان میں خیر اور بھلائی کا جذبہ پیدا کرنے کا وقت ہی

نہیں رہا۔ بعض دلوں میں سختی آگئی ہے۔ ایسے دلوں کو نرم کرنے کے لیے رمضان المبارک کی رحمتیں کافی ہیں۔ بعض لوگوں کے مال میں بے برکتی ہے۔ انہیں بڑھانے اور ان میں برکت پیدا کرنے کے لیے رمضان کی برکتیں کافی ہیں۔ بعض زبانوں میں سختی آگئی ہے۔ ایسی زبانوں کو اچھے بول کا عادی بنانے کے لیے رمضان المبارک کی عطائیں کافی ہیں۔ بعض جسموں میں سستی ہے۔ انہیں ہمت و طاقت دینے کے لیے رمضان المبارک کی عظمتیں بہت ہیں۔

یہ ماہ تقویٰ کی تربیت دینے والا ایک مکمل کورس ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 183)

”تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر

فرض کیے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔“

تو اسے بھلائی کا ارادہ رکھنے والے! آگے بڑھ۔ اور اسے برائی کا ارادہ رکھنے والے! اب تو

رک جا۔

غیرت مند مسلمان کو یہ دیکھ کر انتہائی دکھ اور افسوس ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اس مہینے میں بھی ویسی ہی زندگی گزارتے رہتے ہیں جیسی وہ عام طور پر گزارتے ہیں جس کا محرک عادت اور روٹین ہوتی ہے۔ جو عبادت کی روح اور فرمان برداری کے جذبے سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ بھول جاتے ہیں کہ یہ بابرکت مہینہ نفس کو تربیت دینے کا بہترین موقع ہے۔

یہ مہینہ ہمیں اللہ کے حقوق یاد دلاتا ہے۔ اس کی اکثر مجلسوں سے ایمانی جذبات کی مہک آتی ہے۔ لوگ عبادت، نیک اعمال اور تلاوت میں مصروف نظر آتے ہیں اور اس

طرح وہ اپنے آپ کو تبدیل کرنے کے لیے تیار کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کا حال بدل دیتا ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔“ (سورۃ الرعد: 11)

جی ہاں! اللہ کے بندو! اس مہینے میں بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ احساس تازہ ہو جاتا ہے کہ انہیں پانی اور ہوا کی طرح کتاب اللہ کی بھی ضرورت ہے۔ کتاب اللہ ان کے معاملات کو بکھرنے سے محفوظ رکھتی ہے اور انہیں اختلافات سے بچاتی ہے۔ وہ اس کی بدولت بھائی بھائی بن جاتے ہیں، تفرقہ بازی و حدت میں بدل جاتی، خوف کی جگہ امن لے لیتا ہے اور بد نظمی کی جگہ بہترین نظام آ جاتا ہے۔

رمضان المبارک میں مسلمان کے طاق کے پیمانے بلند ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ اس کے دوران صحیح طرح عبادت کر لے اور اس میں پوشیدہ برکتوں اور رحمتوں کو پالے تو اس کا راہ راست سے ہٹنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فَتُحْتَأَبُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ

جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ» (صحیح بخاری: 1899)

”جب ماہ رمضان آ جاتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے

دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو باندھ دیا جاتا ہے۔“

اے بھلائی کا ارادہ رکھنے والے! آگے بڑھ! اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے! اب تو

رک جا!

جو مسلمان رمضان کو قرآن کے بغیر گزارنا چاہتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے

تلاوتِ عظیمہ، شیخ ڈاکٹر سعید الشریح

جو پانی اور ہوا کے بغیر زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ بعض مسلمانوں کا قرآن کریم سے تعلق بڑا ہی سطحی ہوتا ہے۔ وہ اسے بس اپنی زبانوں کے اوپر سے گزرتے ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے کیا پڑھا ہے، انہیں کچھ سمجھ نہیں ہوتی کہ انہوں نے کیا تلاوت کی ہے۔ تلاوت کے دوران ان کی نظر سورت کے آخر پر ہوتی ہے کہ کب یہ سورت ختم ہوگی۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آتا ہے کہ

﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيٍّ وَإِنَّهُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾

”ان میں ایک دوسرا گروہ انہوں کا ہے، جو کتاب کا تو علم رکھتے نہیں، بس اپنی بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چلے جا رہے ہیں۔“ (سورۃ البقرہ: 78)

یعنی وہ قرآن کریم کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں کہ اس کا اثر ان کے گلے سے نیچے نہیں جاتا۔ اسے بہترین لہر اور شاندار آواز میں پڑھنے پر ساری توجہ لگا دیتے ہیں اور یوں وہ قرات کی روانی اور تدریس سے محروم رہ جاتے ہیں۔

ابو عمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ قراءات اور تفسیر کے ایک بڑے امام ہیں، فرماتے ہیں:

فليس التجويد بتمضيغ اللسان، ولا بتقوير القم، ولا بتعويج الفك، ولا بترعيد الصوت، ولا بتمطيط الشد ولا بتقطيع المد، ولا بتطنين العنات، ولا بخصرمة الرءاءات، قِرَاءَةٌ تَنْفِرُ مِنْهَا الطَّبَاعُ ، وَتَمْجُّهَا الْقُلُوبُ وَالْأَسْمَاعُ ، بَلِ الْقِرَاءَةُ السَّهْلَةُ الْعَذْبَةُ الْخُلُوةُ اللطيفة“ (النشر في القراءات العشر. 1/213)

”تجوید زبان چبانے، منہ بڑا کرنے، جڑوں کو پھیرنے، آواز میں لرزہ پیدا

اے نحر کا ارادہ رکھنے والے آگے بڑھ کر نے، شد کو لمبا کرنے، مد کو کاٹنے، غنے کو تکلف سے ادا کرنے اور راء کو زیادہ موٹا کرنے کا نام نہیں ہے۔ تجوید سے پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسی تلاوت کی جائے جسے انسانی طبع ناپسند کرے، دل اور کان اس سے اکتاہٹ محسوس کریں۔ بلکہ صحیح قرأت وہ ہے کہ جس میں حروف نرمی سے ادا کیے جائیں اور جو سننے والوں کو میٹھی اور خوبصورت لگے۔“

رمضان المبارک کے دن نفس کو پاکیزہ کرنے کا بہترین موقع ہیں، رات تک انہیں خوب پاکیزہ کر لیجیے تاکہ وہ تدبر قرآن کے لیے تیار ہو جائیں۔ رات کی تلاوت میں تدبر بہتر انداز میں کیا جاسکتا ہے۔ دن کے وقت انسان روزے سے ہوتا ہے جس سے دل کو پاکیزگی ملتی ہے اور رات کے وقت وہ قیام میں مصروف ہوتا ہے جس سے دل میں نیکی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلاً﴾

”در حقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک

پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔“ (سورۃ الزمل: 6)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن کریم میں برکت عطا فرمائے! آیات اور ذکر حکیم سے نفع پہنچائے۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے، اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی کی طرف رجوع کرو اور اسی سے معافی مانگو۔ یقیناً وہ معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اسی کی حمد و ثنائیاں کرتا ہوں۔ اس کی توفیق اور کرم نوازی پر اس کا

بے حد شکر گزار ہوں۔

بعد ازاں اے روزے دارو!

اللہ سے ڈرو اور ذہن نشین کر لو کہ یہ ماہ مبارک سخاوت، انفاق فی سبیل اللہ اور رحم دلی کا ماہ ہے۔ یہ سخی نفسوں اور محسن ہاتھوں کا مہینہ ہے۔ اس میں مصیبت زدہ لوگوں کی نظریں اہل خیر سے لگی رہتی ہیں۔

ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھائے۔ اہل علاقہ میں سے جتنے جاہل و جاہل، یتیموں اور بیواؤں کے آنسو پوجے جا سکیں انہیں پونے میں ذرہ برابر بھی شامل نہیں کرے۔ ان کا فائدہ ختم کرنے اور ان کی مصیبت دور کرنے میں کنجوسی نہ کرے۔

اس معاملے میں کنجوسی سے بچو، کیونکہ کنجوسی ایسی برائی ہے کہ جس سے نبی کریم ﷺ نے پناہ مانگی ہے، حالانکہ وہ تو سب سے بڑے سخی تھے کہ جن کے بارے میں آتا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں لوگوں کے لیے تیز ہو اسے بھی زیادہ فائدہ مند ہوتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب بھی کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا تو رسول اللہ ﷺ اسے کبھی مانا نہیں کی۔

خرچ کرنے سے صرف مسکین ہی کو فائدہ نہیں ہوتا بلکہ خرچ کرنے والوں کو خود بھی اس کا بہت فائدہ ہوتا ہے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

«مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُنْفِقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ مِنْ ثُدْيَيْهِمَا إِلَى تَرَاقِيهِمَا، فَأَمَّا الْمُنْفِقُ فَلَا يُنْفِقُ إِلَّا سَبَعَتْ أَوْ وَفَرَتْ عَلَى جِلْدِهِ، حَتَّى تُخْفِيَ بَنَانَهُ وَتَعْفُو أَثَرَهُ، وَأَمَّا الْبَخِيلُ فَلَا يُبْرِدُ أَنْ يُنْفِقَ شَيْئًا إِلَّا لَرِقَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَكَانَهَا، فَهُوَ يُوسِعُهَا وَلَا تَتَّسِعُ»

”بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی سی ہے جن کے بدن لوہے کے دو کرتے ہوں چھاتیوں سے منہلی تک۔ جب خرچ کرنے کا عادی (سخی) خرچ کرتا ہو تو اس کے تمام جسم پر وہ پھیل جاتا ہے اور اس کی انگلیاں اس میں چھپ جاتی ہیں اور چلنے میں اس کے پاؤں کا نشان مٹا جاتا ہے۔ لیکن بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے کرتے کا ہر حلقہ اپنی جگہ تنگ ہو جاتا ہے۔ بخیل اسے کشادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کشادہ نہیں ہو پاتا۔“ (صحیح بخاری:

(1443)

اللہ کے بندو!

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب سخاوت کرنے والا صدقہ کرنے لگتا ہے تو اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے اور وہ ثواب کی امید سے خوش ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دل کھول کر خرچ کرتا ہے اور اسے یہ لوہانگ نہیں کرتا بلکہ وہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب بخیل اور کنجوس صدقے کی نیت کرتا ہے تو اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ رک جاتے ہیں۔ اسے لگتا ہے کہ وہ اپنی عمر یا اپنے جسم کا حصہ دے رہا ہے۔ پھر وہ بے انتہائی تنگی میں رہتا ہے اور خود پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے کسی کی حاجت سے کوئی غرض نہیں رہتا۔ گویا کہ اس نے اپنے ہاتھوں میں طوق اور زنجیریں ڈال رکھی ہیں جن سے اس کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے۔

فرمان الہی ہے:

﴿قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ  
الْإِنْفَاقِ ۗ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَثُورًا﴾

”اے محمد (ﷺ)، ان سے کہو، اگر کہیں میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے

تنبہ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے اندیشے سے ضرور انہیں روک رکھتے واقعی انسان بڑا جگہ دل واقع ہوا ہے۔“ (سورۃ الاسراء: 100)

یاد رکھیے! شیطان پر سب سے زیادہ سخت گزرنے والا، اس کی چالوں کو ناکام بنانے والا اور اس سب سے بڑھ کر اس کا وسوسہ دور کرنے والا کام وہ صدقہ ہے جسے مستحقین تک پہنچا کر انسان یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ خواہشات نفس پر، شیطان پر اور اس کے ڈراوے پر غالب آ گیا ہے۔ شیطان تو انسانوں فقر و فاقہ سے خوف زدہ کرتا ہے۔  
فرمان الہی ہے:

﴿وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا﴾ (سورۃ النساء: 120)

”مگر شیطان کے سارے وعدے بجز فریب کے اور کچھ نہیں ہیں۔“

اسی طرح فرمایا: ﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُّكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُّكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

”شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے اللہ بڑا فرارخ دست اور دانا ہے۔“ (سورۃ البقرۃ: 268)

یہ شیطان کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ اس کے برعکس ہے۔  
فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾

”ہرگز اللہ اپنے وعدے سے ٹٹنے والا نہیں ہے۔“ (سورۃ آل عمران: 9)

اے بھلائی کا اردہ رکھنے والے! آگے بڑھ اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے! اب تو رک جا!



خطبات فضیلا: شیخ ذاکر سودا شریف رحمہ اللہ

اسے خیر کار اور رکعتوں والے آگے جانے  
 اللہ آپ کی گنجبانی فرمائے! درود و سلام بھیجیے نبی ہدایت اور مخلوق میں بہترین ہستی پر،  
 محمد بن عبد اللہ ﷺ پر جو حوض کوثر والے اور اہل ایمان کے سفارشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو  
 یہ حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر فرمایا، پھر تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر فرمایا پھر اے  
 مؤمنو! کہہ کر آپ سے مخاطب ہوا۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مؤمنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجیے۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



54

## حج کے فوائد

6 ذوالحجہ 1439ھ بمطابق 17 اگست 2018

## پہلا خطبہ

ہر طرح کے حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اسی نے نیکی کے اوقات کو نیکیاں اور فوائد سمیٹنے کا بہترین موقع بنایا ہے۔ اسی نے برکت والے ایام کو اپنی رحمت تک پہنچنے کا راستہ اور بلند مقام پر فائز کرنے والے زینے بنایا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں اس کی تعظیم کرتا ہوں اور اس کی بندگی کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے منتخب بندے اور چنیدہ رسول ہیں۔ آپ مخلوقات میں افضل ترین ہیں اور جبریل امین کے ذریعے آنے والے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے والے ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں ہوں آپ ﷺ پر، نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر، تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اور قیامت تک انکے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

بعد ازاں! لوگو! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو حلیم و خبیر اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ سب کے سامنے اور تنہائی میں، ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہیے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی اللہ سے ڈرتا بھی ہو اور وہ ناکام اور نامراد بھی ہو جائے۔ ایسا بھی ممکن نہیں ہے کہ کسی کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور اسے دوسروں سے بھی ڈرنا پڑے یا اسے ذلت دیکھی پڑے۔ فرمان الہی ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾

”سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار

کیا، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔“ (سورۃ یونس: 62-63)

اے بیت اللہ کے حاجیو! آپ سب بڑے شوق اور جذبے کے ساتھ عبادت کے ایک

عظیم موقع اور دین کی ایک اہم عبادت کے دنوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ حج بیت اللہ کا موقع ہے، اس موقع پر اس بابرکت مقام پر اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ عرفات کا دن اپنے بردبار اور رحیم پروردگار کے سامنے عاجزی کے ساتھ دعا کرنے کا موقع ہے۔ اسی طرح سارا حج تمبیہ، ذکر، رمی، قربانی، طواف اور سعی کا موقع ہے۔

تیمیہ کی بلند آوازیں سننے اور اللہ کی راہ میں جانوروں کو قربان ہوتا دیکھنے کا انتظار بھی خاص لطف اور منفرد احساس پیدا کرتا ہے۔ اس احساس میں احکام الہی کی تعظیم بھی شامل ہوتی ہے اور اسی احساس سے دل کو پاکیزگی بھی ملتی ہے۔

﴿ذَلِكَ وَمَنْ يُعِظْمَ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (الحج 32)

”جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔“

اے بیت اللہ کے جاجیو!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کا حکم دیا ہے اور اس میں بہت سے فوائد رکھے ہیں۔ ان فوائد سے پردہ ہانا ضروری ہے تاکہ اللہ کے احکام میں پوشیدہ حکمتیں معلوم ہو سکیں۔ ظاہر کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حج کا اعلان کرے کا حکم اسی لیے دیا تھا تاکہ حج کی حکمتیں اور فوائد کا حاصل ہو سکیں۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَا تُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ

فَجٍّ عَمِيقٍ • لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ

عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾

”لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں۔ تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے

ہیں۔“ (سورہ حج: 27-28)

یہی حج کے فوائد اور حکمتیں ہیں۔ جی ہاں! ان فوائد سے امت کی شان بلند ہوتی ہے اور اہل اسلام کے دل پاکیزہ ہو جاتے ہیں۔ حج کے فوائد میں آخرت کے فوائد بھی شامل ہیں اور دنیا میں ملنے والے فوائد بھی شامل ہیں۔

آخرت کے حوالے سے حاصل ہونے والے فوائد میں سب پہلے اللہ تعالیٰ سے رابطہ مضبوط ہونا ہے۔ حج کے دوران یہ تعلق بالکل خالص ہو جاتا ہے۔ حاجی تلبیہ کے ذریعے بار بار یہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ اللہ واحد معبود اور اکیلا الہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلبیہ بلند آواز میں پڑھتے۔

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ."

"میں حاضر ہوں! اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں! تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں صرف تیرے لیے حاضر ہوں۔ ہر طرح کی حمد و ثنا بھی تیرے لیے ہے، تمام نعمتیں بھی تیری ہیں اور بادشاہت بھی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔"

اللہ کے بندو، حج، تمام عبادات کو اللہ کیلئے خالص کرنے کا بہترین موقع ہے۔

﴿ذَلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ حُرْمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَأَجَلَتْ لَكُمْ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۚ حُنْفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ﴾ (الحج، 30-31)

"جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لیے بہتر ہے اور تمہارے لیے موسیٰ جانور حلال کیے گئے، ماسوا ان

چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہیں، پس بتوں کی گندگی سے بچو، جموئی باتوں سے پرہیز کرو۔ یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔“  
رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز میں تبلیغ پڑھنے کے بعد حج کا ایک اور عظیم فائدہ بیان کیا۔ یہ فائدہ بھی آخرت کے حوالے سے انتہائی اہم ہے۔ حج رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی مشق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا خُذُوا مَنَاسِكَكُمْ» (صحیح مسلم: 1297)

”مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔“

اس حکم سے ہر عبادت میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور سنت کی اتباع کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے سبب انسان بدعت کی برائی سے بھی بچ جاتا ہے اور دین کو بدلنے کے خطرے سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

اللہ کے بندو! اسی طرح نفس کو اخلاص کی عادت ڈالنا بھی حج کے اخروی فوائد میں شامل ہے۔ حج سے انسان کو اخلاص اور سچائی کی ایسی عادت پڑتی ہے کہ وہ ریاکاری اور جھوٹ کے ہر قسم کے شائبے سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔ ریاکاری کا خطرہ صرف اسی عبادت میں نہیں ہوتا جو تکلیف کے بغیر اور خوشی خوشی ہو بلکہ مشکل، تنگی اور خوب محنت سے کی جانے والی عبادت میں بھی ریاکاری کا خطرہ برابر موجود ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ احرام کی دو چادریں پہنے ہوئے تھے، آپ کے بال مبارک غیر مرتب اور آپ کی چادریں غبار آلود تھیں۔ کبھی سواری پر سوار ہو جاتے اور کبھی پیدل چلنے لگتے۔ اس حالت میں ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس بدترین آفت سے پناہ مانگی۔ فرمایا:

«اللَّهُمَّ حَجَّةٌ لَا رِيَاءَ فِيهَا وَلَا سَمْعَةً» (سنن ابن ماجہ: 2890)

”اے اللہ! ایسا حج ہو جس میں ریاکاری یاد کھاوانہ ہو۔“

اے بیت اللہ کے حاجیو! حج کے فوائد میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کے ذریعہ مسلمان اپنے دین کی آسانی اور سہولت کو جان لیتا ہے۔ دین میں لوگوں کی آسانی کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور لوگوں کو مشکل سے بچایا گیا ہے۔ اس میں غلو کرنا درست نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ دین کی آسانیوں کی وجہ سے لوگوں کیلئے احکام الہی پر عمل کرنا کتنا آسان ہو گیا ہے۔ نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے، وہ اسے فائدہ ہی دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال لی جائے تو وہ چیز بگڑ جاتی ہے۔

نرمی اور آسانی انسان کی دینی سمجھ اور اس کے اچھے اخلاق کی دلیل ہے۔ رسول اللہ کے حج میں یہ پہلو بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر عید کے دن اعمال کی ترتیب کے حوالے سے جتنے سوال کیے گئے ان سب کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«افْعَلْ وَلَا حَرْجَ» (صحیح بخاری: 1737)

”کر لو! کوئی حرج نہیں ہے!“

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَحَرْتُ هَاهُنَا وَمِئِي كُتُّهَا مَنَحَرًا، فَانْحَرُوا فِي رِحَالِكُمْ، وَوَقِفْتُ هَاهُنَا وَعَرَفُهُ كُتُّهَا مَوْقِفًا، وَوَقِفْتُ هَاهُنَا وَجَمْعُ كُتُّهَا مَوْقِفًا»  
(صحیح مسلم: 1218)

”میں نے یہاں قربانی کی ہے لیکن منیٰ کا سارا علاقہ ہی قربان گاہ ہے۔ آپ اپنی اپنی جگہ قربانی کر لو۔ میں نے یہاں وقوف کیا ہے لیکن عرفات کا سارا میدان رکنے کی جگہ ہے۔ میں یہاں ٹھہرا ہوں لیکن مزدلفہ کا سارا علاقہ ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے“

رسول اللہ ﷺ نے غلو اور سختی سے خاص طور پر منع فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ عید کے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر بیٹھے ہوئے فرمایا:

”الْفُظُّ لِي حَصَى، فَلَقَطْتُ لَهُ سَبْعَ حَصِيَّاتٍ، هُنَّ حَصَى الْحَذْفِ، فَجَعَلَ يَنْفَضُهُنَّ فِي كَفِّهِ وَيَقُولُ: أَمْثَالُ هَؤُلَاءِ فَارْمُوا، ثُمَّ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوَّ فِي الدِّينِ“ (سنن ابن ماجہ 2473)

”مجھے کنکریاں چن کر دو! میں نے انہیں مناسب سائز کی سات کنکریاں چن کر دیں جنہیں انگوٹھے اور شہادت والی انگلی کے ساتھ پھینکا جاسکتا تھا۔ آپ انہیں اپنے ہاتھ پر اچھالتے ہوئے کہنے لگے: اس طرح کی کنکریاں مارو! پھر فرمایا: لوگو، دین میں غلو سے بچو، کیونکہ پچھلی قوموں کو بھی دین میں غلو نے ہلاک کر دیا تھا۔“

بیت اللہ کے حاجیو! اللہ سے ڈرو اور اس بابرکت جگہ پر اللہ تعالیٰ کو بھلے بن کر دکھاؤ۔ نبی اکرم ﷺ کے طریقے کے مطابق حج کرو، اس موقع کو غنیمت جانو۔ یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ ہی سب سے افضل حاجی ہیں۔ آپ ﷺ کی سنت پر چلو اور اپنے حج کو سکینت اور وقار کا تاج پہناؤ۔ یاد رکھو کہ سکینت سے خالی انسان نمک سے خالی کھانے جیسا ہوتا ہے۔ اپنے حج میں نبی اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلو۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«التَّأْخِذُوا مَنَاسِكَكُمْ» (صحیح مسلم 1297)

”مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ

”أَنَّهُ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ عَرَفَةَ، فَسَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ وَرَاءَهُ رَجْرًا شَدِيدًا، وَضَرْبًا وَصَوْتًا لِلْإِبِلِ، فَأَشَارَ بِسَوْطِهِ إِلَيْهِمْ، وَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ؛ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْإِضَاعِ.“

”وہ نبی کریم ﷺ کے عرفہ کے دن واپس ہوتے تو نبی کریم ﷺ نے اپنے



پچھے شور و غل اور اونٹوں کو مارنے پٹینے کی آواز سنی۔ آپ نے اپنے کوڑے سے ان کی طرف اشارہ فرمایا اور حکم دیا: ”لوگو! سکون قائم رکھو۔ اونٹوں کو دوڑانے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔“ (صحیح البخاری: 1671)

اسی طرح اللہ کے رسول نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

”يَا عُمَرُ، إِنَّكَ رَجُلٌ قَوِيٌّ لَا تُزَاجِمُ عَلَى الْحَجْرِ فَتُوذِي الضَّعِيفَ،  
 إِن وَجَدْتَ خَلْوَةً فَاسْتَلِمِ، وَالْأَفْأَسْتَقْبَلْهُ وَكَبِّرْ“ (مسند أحمد: 190)  
 ”عمر! تم طاقتور شخص ہو! حجر اسود کے پاس رش میں نہ گھسو! ایسا نہ ہو کہ کسی  
 ضعیف کو اذیت پہنچا دو! اگر موقع ملے تو بوسہ لے لو ورنہ حجر اسود کی طرف رخ کرو  
 اور اشارہ کر کے اللہ اکبر کہہ دو۔“

﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا  
 فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا  
 فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾

”حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے،  
 اسے خبردار رہنا چاہیے کہ حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بد عملی،  
 کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو اور جو نیک کام تم کرو گے، وہ اللہ کے علم میں  
 ہو گا سفر حج کے لیے زادراہ ساتھ لے جاؤ، اور سب سے بہتر زادراہ پرہیز گاری ہے  
 پس اے ہوش مندو! میری نافرمانی سے پرہیز۔“ (سورۃ البقرہ: 197)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم کی برکتوں سے مالا مال فرمائے، اس کی آیات اور ذکر  
 حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں! اپنے لیے، آپ  
 کے لئے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں!

آپ بھی اسی سے معافی مانگیے اور اسی کی طرف رجوع کیجیے! یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے!

### دوسرا خطبہ

اللہ کے لیے بے انتہا، پاکیزہ اور بابرکت تعریف ہے۔ بالکل ویسی جیسی ہمارے پروردگار کو پسند ہے۔ میں مخلوقات میں افضل ترین ہستی پر درود و سلام بھیجتا ہوں۔

بعد ازاں، لوگو! عصر حاضر میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ تک پہنچنے میں بہت آسانی عطا فرمائی ہے! یہ آسانی پچھلے لوگوں کو میسر نہ تھی۔ وہ حج کے لیے نکلتے تو وہ طویل عرصہ تک اپنے گھروں سے دور رہتے۔ پہاڑوں، سمندروں، وادیوں اور پُر خطر راستوں کو عبور کرتے! اس دوران ان کے گھروالوں کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ حج کے لئے نکل جاتا تو گویا وہ گم ہو جاتا اور جو لوٹ آتا گویا وہ پھر سے پیدا ہو جاتا۔

ہمارے بڑے یوں ہی حج کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایسی چیزوں کا طریقہ بچھایا جس سے دور بدل گیا، راستے اور زمانے مختصر ہو گئے۔ اب یہ حال ہے کہ حاجی کے گھروالے اسے عرفات میں بھی دیکھ رہے ہوتے ہیں، مزدلفہ میں بھی اور مشعر حرام میں بھی۔

اسی طرح اللہ نے اپنے فضل و کرم سے بیت اللہ کی اور اس کے قاصدین کی خدمت کے لیے اس بابرکت ملک کو چنا ہے۔ یہ سر زمین حرمین ہے اور اس کے لوگ خدمت حرمین کو اپنے سرکاتبجھتے ہیں۔ یہاں کے بادشاہ خادم حرمین سے لے کے اس ملک کے سب سے چھوٹے فرد تک سب یہی سمجھتے ہیں کہ حرمین کی خدمت ان کے ماتھے کا مجموعہ ہے جس پر وہ کسی قسم کی سودے بازی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ حجاج کی خدمت میں اپنی تمام تر صلاحیتیں لگاتے ہیں اور تمام ممکن ذرائع استعمال کرتے ہیں، مکمل کوشش کرتے ہیں کہ ان

کی سر زمین پر قدم رکھنے والا ہر مہمان مکمل سکون اور امن میں رہے۔

اے بیت اللہ کے حاجیو! ہم چاہتے ہیں کہ ہر حاجی باعزت طریقے سے رہے، اس کے معاملات آسانی سے چلتے رہیں اور حجاج میں سے ہر ایک ایسا محسوس کرے کہ وہ اپنے ہی دوسرے گھر میں ہے۔ یہاں پہنچنے سے لے کر فرض کی ادائیگی کے بعد رخصتی کے وقت تک وہ باعزت زندگی بسر کرے، سلامتی اور امن میں رہے۔ یہ آپ کا حق ہے۔

اسی طرح ہمارا حق یہ ہے کہ آپ قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے مناسک حج ادا کریں اور مقاصد حج کو سمجھیں اور انہیں پورا کریں، یہاں غیر متعلقہ شعارات کے استعمال سے دور رہیں کہ جن کا حج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اللہ حاجیوں کا حج قبول فرمائے اور حاجیوں کی خدمت کرنے والوں کو بہت اجر عطا فرمائے، چاہے وہ اس ملک کی قیادت ہو یا علماء ہوں، امن کے رکھوالے ہوں یا اس بابرکت ملک کے عوام ہوں۔ یقیناً وہ قریب ہے اور دعا سننے والا ہے!

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے اور دو سلام بھیجو لوگوں میں افضل ترین ہستی پر، حوض کوثر والے شفیع اعظم پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے اور اس حکم کو اپنے ذکر سے شروع کیا ہے پھر اپنی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے۔ پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کے پکارا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



55

بچت اور سرمائے کا حسن انتظام

18 محرم الحرام 1440ھ بمطابق 28 ستمبر 2018ء

## پہلا خطبہ

الحمد للہ! وہی مردوں اور بوسیدہ ہڈیوں کو پھر سے زندہ کرنے والا ہے۔ اسی کے نور سے زمین و آسمان روشن ہیں۔ اسی کو ماضی، حال اور مستقبل کا مکمل علم ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ قولی، مالی اور بدنی عبادات اسی کے لیے ہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ احسن طریقے اور واضح نشانوں کے ساتھ اللہ کی طرف بلانے والے اور وقات تک اللہ کی عبادت پر قائم رہنے والے تھے۔ جب تک رات کے بعد صبح کی کرنیں پھوٹی رہیں، اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں بھی نازل ہوتی رہیں آپ ﷺ پر، پاکیزہ اور نیک اہل بیت پر، مؤمنوں کی ماؤں اور آپ ﷺ کی بیویوں پر، دین داری اور اچھے اخلاق پر قائم رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین پر۔

بعد ازاں.. اے لوگو:

اپنے پروردگار سے یوں ڈرو، جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اسلام کی مضبوط پناہ گاہ میں آ جاؤ اور یاد رکھو کہ غیر متقی شخص بے روح جسم کی طرح نامکمل ہے۔ طالب ہدایت کو پروردگار تقویٰ کے مقام سے سرفراز کر دیتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾

”وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ انہیں اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور

انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔“ (سورۃ محمد: 17)

اللہ کے بندو!

تمام لوگ، رزق اور رزق کے ذرائع سے شدید تعلق اور فرط محبت میں مبتلا ہیں۔ لہذا محبت جو صبح و شام ان کے ذہنوں پر چھائی رہتی ہے۔ اس محبت کو اگر حدود و ضوابط میں نہ رکھا

جائے تو اس کی وجہ سے انسان تنگ دلی، پریشانی، ٹھنڈی، کججوسی اور شدید حرص کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس محبت میں لوگوں کے رویے بھی مختلف ہیں۔ کوئی تو رزق کے معاملے میں بڑا سنجیدہ ہوتا ہے اور کوئی انتہائی غیر سنجیدہ، کوئی صحیح معنوں میں توکل کرتا ہے تو کوئی توکل کا ڈرامہ کرتا ہے، کوئی شدید حرص کا شکار ہوتا ہے تو کوئی قناعت پسند ہوتا ہے تو کوئی راہ اعتدال کو چھوڑتے ہوئے بے انتہا محنت یا بے انتہا کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ کوئی صرف بیچارہ ہوتا ہے اور کوئی کمائی کے لیے خوب محنت کرتا ہے۔

لوگ بھول جاتے ہیں کہ نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتیں، زندگی کے دروازے کھلتے بند ہوتے رہتے ہیں، کبھی زندگی کشادہ ہو جاتی تو کبھی تنگ، کبھی تو اس کا پانی خالص ہوتا ہے اور کبھی گدلا جاتا ہے۔ زندگی کا اتار چڑھاؤ کبھی ختم نہیں ہو سکتا ہے۔

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعِفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعِفٍ قُوَّةً  
ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً﴾

”اللہ ہی تو ہے جس نے ضعف کی حالت میں تمہاری پیدائش کی ابتدا کی، پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمہیں ضعیف اور بوڑھا کر دیا۔“ (سورۃ الروم: 54)

مزید یہ کہ ہمارے معاشرے میں کمائی کے تصور حقیقی کا بھی فقدان ہے۔ لوگ بھول جاتے ہیں کہ رزق بھی طاقت اور قوت سے متصف اللہ ہی دیتا ہے اور کمائی کے لیے تنگ دود اور محنت کرنے اور اقتصادی و معاشی توازن کے ذرائع اپنانے کا حکم بھی وہی دیتا ہے۔ معاشی توازن قائم کرنے ایک ذریعہ بچت اور مستقبل کے لیے سرمائے کی حفاظت ہے۔

جی ہاں.. اللہ کے بند واپچت۔ یعنی تمام عام و خاص خرچے کھل کرنے کے بعد انسان کے پاس بچنے والی رقم۔

اللہ کے بندو! بچت زندگی کا ایک اہم اصول ہے۔ افراد معاشرہ کے معاشی اور اقتصادی استحکام کے لیے انتہائی ضروری رویہ ہے۔ زندگی کے اتار چڑاؤ سے بچنا تو ناممکن ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جو کبھی نہیں بدل سکتا۔ اس لیے ہماری کامل شریعت نے احتیاط سے کام لینے اور بچاؤ کے ذرائع اپنانے کا حکم دیا، تاکہ کوئی شخص ایسے حالات میں گرفتار نہ ہو جائے کہ اسے مانگنے اور ہاتھ پھیلانے جیسی مذموم اور رسوا کن عمل کا سہارا نہ لینا پڑے، یا چوری اور سود جیسے بڑے گناہوں کا شکار نہ ہونا پڑے یا ہاتھ باندھ دینے والے قرض کی وجہ سے رات کی پریشانی اور دن کی ذلت نہ دیکھنا پڑے۔

اللہ کے بندو!

بچت میں کامیابی کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

a ایک ذہنی طور پر اس کا قائل ہونا

b اور دوسرا خرچ میں بچت کا طریقہ اپنانا۔

اس حوالے سے انسان کو شرح صدر تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ بچت کی اہمیت، اس کی شرعی حیثیت اور معاشی زندگی میں اس کی اہمیت کے متعلق آنے والی شرعی نصوص کو ٹھیک طرح سمجھ لے۔ انسان کی معاشی کامیابی کا انحصار اسی چیز پر ہے کہ وہ اپنے اوپر یا اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے میں کتنی میاند روی اپناتا ہے۔

بچت کو کامیاب بنانے میں سب سے بڑا کردار انداز خرچ کا ہے۔ انسان کو اپنے بنیادی، ضروری اور اضافی خرچوں کو شریعت کے پانچ بنیادی احکام کے مطابق اچھی طرح الگ الگ کر لینا چاہیے اور یہ جائزہ لینا چاہیے کہ اس کے خرچ اور بچت کا طریقہ ان احکام کے مطابق ہے یا نہیں۔ دین کے پانچ بنیادی احکام ہیں: واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور جائز۔

اگر انسان ان احکام کے مطابق اپنی ترجیحات کو متعین کر لے، انہیں یاد رکھے اور اپنی

کمانی اور خرچ کو احسن انداز میں ان کے مطابق ڈھال لے، تو اس کی زندگی کی ہانڈی تین بنیادی پتھروں پر آجائے گی، ایک ذاتی خرچ، دوسرا دوسروں پر خرچ کی مناسب تقسیم اور تیسرا مستقبل کے لیے بچت۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان تینوں چیزوں کا ذکر ایک ساتھ فرمایا ہے:

﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾

”کھاؤ ان کی پیداوار جب کہ یہ پھلیں، اللہ کا حق ادا کرو جب اس کی فصل کاٹو، اور حد

سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ (سورۃ الانعام: 141)

﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ﴾ ”کھاؤ ان کی پیداوار جب کہ یہ پھلیں“ کا اشارہ ذاتی خرچ کی

طرف ہے۔

﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾

”اللہ کا حق ادا کرو جب اس کی فصل کاٹو“ کا اشارہ دوسروں پر خرچ کی مناسب تقسیم

کی طرف ہے۔ اور ﴿وَلَا تُسْرِفُوا﴾ ”حد سے نہ گزرو“ کا اشارہ مستقبل کے لیے

بچت کی طرف ہے۔

اللہ کے بندو!

اس معاشرے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کے افراد اس کامل نظام سے واقف ہوں؟ کیا وہ کبھی فقر وفاقہ کا شکار ہوں گے؟ کیا وہ کبھی پریشان ہوں گے؟ کیا وہ کبھی بھوک کی سختی کا شکار ہو جائیں گے یا کبھی سخت فقر وفاقہ کے جال میں پھنسیں گے؟ ہرگز نہیں! جو شرعی احکام پر عمل کا سچا پوتا ہے وہ استحکام اور توازن ہی کا پھل کھاتا ہے۔ نہ وہ حد سے بڑھتا ہے اور نہ کبھی کوتاہی برتا ہے۔ حسب ضرورت خرچ کرنا، ضرورت مندوں کی مدد کرنا اور احتیاط کے طور پر بچت کرنا ہی معاشرے اور افراد معاشرہ کے معاشی توازن کا کارگر



نسخہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس نسخے کو اپنے اس فرمان میں بیان کیا ہے کہ  
 «كُلُوا وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا» (صحیح بخاری: 5569)  
 ”کھاؤ، کھلاؤ، اور بچت کرو۔“

خرچ میں عدم توازن اور بنیادی، ضروری اور اضافی خرچوں میں مال کی غیر فطری تقسیم  
 قرضوں میں اضافے کی بنیادی وجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر انسان معاشرے کا ایک اہم فرد ہے  
 اور قرض کا بوجھ اٹھانا تو کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ معاشی ترقی کا مستحکم  
 نظام کسی بھی کمائی کو اس وقت تک ترقی کا ذریعہ نہیں سمجھتا جب تک اس میں بہترین تقسیم  
 کے ساتھ بچت کے بہترین ذرائع بھی موجود نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچت  
 معیشت کا ایک بنیادی حصہ ہے، جس سے معاشرے اور افراد معاشرہ کا مستقبل براہ راست  
 وابستہ ہے۔

بچت کے تصور کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والا شخص درحقیقت اپنی کمائی کے ایک  
 حصے کو مستقبل کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل پانے کے لیے بچا کر رکھنے پر زور دیتا ہے، تاکہ  
 دروازے پر دستک دیتے یا قریب آگئے والے خطرے سے بچا جاسکے۔

کوئی شک نہیں کہ مالی معاملات میں یہ رویہ ہی مثالی ہے۔ یہی بہترین طرزِ خرچ بھی  
 ہے، رزقِ الہی کے استعمال کا بہترین طریقہ بھی ہے اور وقتاً فوقتاً سامنے آنے والے بنیادی،  
 ضروری اور اضافی خرچوں کی شاندار تقسیم بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے مال کا کچھ حصہ ہی تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

﴿أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ﴾ (سورۃ یاسین: 47)

”اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے، اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ

” کرو۔“

یعنی: اللہ کے دیے ہوئے رزق کا کچھ حصہ خرچ کر دو، یہ نہیں کہا گیا: اللہ نے جو کچھ دیا اسے خرچ کر دو۔

اللہ کے بندو!

یہی خرچ اور بچت کا حقیقی تصور ہے اور عقلی، شرعی اور تجرباتی طور پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو اپنی کمائی کا کچھ حصہ خرچ کرتا ہے وہ فقر و فاقہ اور محتاجی سے دور رہتا ہے۔

سیدنا عمر فاروق بیان کرتے ہیں کہ

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَبِيعُ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ، وَيَحْتَسِبُ لِأَهْلِيهِ قُوتَ

سَنَتِهِمْ»

”رسول اللہ ﷺ مال بنو نظیر کے کھجور کے کچھ درخت بیچ دیتے اور اپنے گھروالوں

کے لیے ایک سال کا سامان رکھ لیتے۔“ (صحیح بخاری: 5357)

بزرگ کہتے تھے: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک سال کا سامان ذخیرہ کرنا جائز ہے۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ایک سال کا سامان ذخیرہ کرنا ایسی امیدیں لگانے کے مترادف ہے کیونکہ وقتِ ضرورت کے لیے تیاری کرنا عقلی اور شرعی طور پر اچھا ہی سمجھا جاتا ہے۔

اللہ کے بندو!

جس بچت کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے دیا ہے، یہ معاشرے اور اس کے افراد میں توازن کا ذریعہ ہے۔ اس طریقے کی فضیلت یہ ہے کہ یہ شریعتِ اسلام کی طرف منسوب ہے اور اسلام مشکل اور تنگی کا نہیں، بلکہ نرمی اور آسانی کا دین ہے۔

یہ شریعت کا جتنی بر عدل نظام معیشت ہے جس سے نہ فرد کو نقصان ہے اور نہ

معاشرے کو، یہ بچت کی مذمت تب ہی کرتا ہے جب وہ شدید حرم اور لالچ کی وجہ سے ذخیرہ اندوزی یا خزانے کرنے کی شکل اختیار کر جائے۔ جب اس کی وجہ سے دوسروں کا نقصان ہونے لگے اور لوگوں کے جائز حقوق بھی غصب ہونے لگیں۔

فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْزِبُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾  
 ”اے مومنو! ان اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں دردناک سزا کی خوش خبری دو انہیں جو سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔“ (سورۃ التوبہ: 34)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِبٌ»

”جو بھی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔“ (صحیح مسلم: 1605)

لوگ اپنی زندگی کو منظم کرنے کے لیے یا مشکلات سے نکلنے کے لیے جتنی بھی تجویزیں پیش کرتے ہیں، ہمارے دین میں ان تجویز سے بہتر، دیر پا اور مبنی بر حکمت احکامات پہلے سے ہی موجود ہوتے ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعے میں اللہ تعالیٰ نے اس معاشی توازن کا ذکر بڑے احسن انداز میں فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ ذَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ \* ثُمَّ يَأْتِي مِنَ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْصِنُونَ \* ثُمَّ يَأْتِي مِنَ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ﴾ (سورۃ یوسف 47-49)

”سات برس تک لگاتار تم لوگ کھیتی باڑی کرتے رہو گے اس دوران میں جو فصلیں تم کاٹو ان میں سے بس تھوڑا سا حصہ، جو تمہاری خوراک کے کام آئے، نکالو اور باقی کو اس کی بالیوں ہی میں رہنے دو۔ پھر سات برس بہت سخت آئیں گے اس زمانے میں وہ سب غلہ کھا لیا جائے گا جو تم اس وقت کے لیے جمع کرو گے اگر کچھ بچے گا تو بس وہی جو تم نے محفوظ کر رکھا ہو۔ اس کے بعد پھر ایک سال ایسا آئے گا جس میں بارانِ رحمت سے لوگوں کی فریادِ رسی کی جائے گی اور وہ رسِ نچوڑیں گے۔“

پہلے سات برس کھیتی باڑی کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ ہے محنت کا طریقہ، کہ سنجیدگی کے ساتھ جائز ذائق استعمال کرتے ہوئے کمائی کی جائے اور اسے بازار میں لایا جائے، تاکہ ہر شخص اپنی محنت کے مطابق فائدہ حاصل کر سکے، تاکہ بے روزگاری، شستی اور جعلی توکل کا خاتمہ ہو جائے۔ جو محنت کرتا ہے، اسے پھل بھی ملتا ہے اور جو کھیتی باڑی کرتا ہے فصل بھی وہی کاٹتا ہے۔

اسی طرح پھر خرچ کرنے کا طریقہ بتایا گیا۔

﴿فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ﴾

”جو فصلیں تم کاٹو ان میں سے بس تھوڑا سا حصہ، جو تمہاری خوراک کے کام

آئے، نکالو اور باقی کو اس کی بالیوں ہی میں رہنے دو۔“ (سورۃ یوسف: 47)

یہ ہے خرچ کا طریقہ، جس میں کمائی کے فوری بعد کے بنیادی خرچوں اور مستقبل کے

پر دے میں چھپے خرچوں، دونوں کا خیال رکھا گیا ہے، کیونکہ معلوم نہیں کہ مستقبل میں کن چیزوں سے سابقہ پیش آسکتا ہے۔

ساری کمائی کو فوری طور پر استعمال کر لینا سمجھ داری نہیں ہے، بلکہ یہ تو خطروں میں کود پڑنے کے مترادف ہے، اس سے کم عقلی ظاہر ہوتی ہے اور ایسا کرنے والا احتیاط اور بچاؤ سے کام نہیں لیتا جبکہ احتیاط، عقل اور دور اندیشی کی علامت ہے۔ احتیاط اور بچاؤ سے تو کوئی معاشرہ یا فرد بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ مصیبتیں تو دستک دیے بغیر ہی گھروں میں گھس آتی ہیں، ان سے بچاؤ کی تیاری پہلے سے کرنا ضروری ہے۔

جس بچت کا حکم ہمیں ہماری شریعت نے دیا ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہی بچت کی کشتی کو ڈوبنے، تیز موجوں کے سامنے ڈولنے اور پانی سر پر سے گزرنے کے بعد سہاروں کی تلاش سے بچا سکتا ہے۔

لا تحسبن الرزق يأتي طفرة\*\*\* أو عنوة من دون سعي كلا  
فاكسب وكل وابذل لغيرك وادخر\*\*\* واحذر تكن بين الخلاق كلا  
”یہ مت سمجھو کہ رزق اتفاقاً بڑھ جاتا ہے۔ یا محنت کے بغیر ہی زبردستی پہنچ جاتا ہے، نہیں۔ رزق کماتا، کھاؤ، دوسروں کو کھلاؤ، بچت کرو۔ اور لوگوں پر بوجھ بننے سے بچو۔“

میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! امیر ارب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر میں اس کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں، اس کی توفیق اور کرم نوازیوں پر

میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اللہ کی طرف بلائے والے رسول مصطفیٰ پر درود و سلام بھیجتا ہوں۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ اللہ اپنے بندوں کے لیے جو حکم بھی نازل فرماتا ہے وہ ان کی دنیا و آخرت کی بہتری کے لیے ہوتا ہے۔

شریعت کے احکام کے مطابق بچت کرنے سے اسراف کی ہلاکت سے بچا جاسکتا ہے، حرص جیسی بدترین بیماری سے چھٹکارا پایا جاسکتا ہے اور ذخیرہ اندوزی جیسی لعنت سے دور رہا جاسکتا ہے۔ اسراف تو سراسر بے احتیاطی اور ناجائز لا پرواہی ہے، حرص، ذخیرہ اندوزی کی طرف لیجاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی خود کشتی کے مترادف ہے۔

اللہ کے بندو!

بچت، توکل اور اللہ پر بھروسے کے خلاف نہیں ہے۔ توکل کا حکم بھی اللہ نے دیا ہے اور بچت کا حکم بھی اسی نے دیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾

”آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔“

(سورۃ الذاریات: 22)

اسی نے زمین کو ہموار بنایا ہے اور اس میں رزق تلاش کرنے کے لیے نکلنے کا حکم بھی دیا

ہے۔

کوئی شک نہیں کہ اگر مجموعی طور پر ہمارا معاشرہ اور انفرادی طور پر اس کا ہر فرد صحیح انداز میں بچت کرنا سیکھ لے، بچت، ہمارے مجموعی رویے کا حصہ بن جائے، تو سب کے پاس اتنا ضرورت سے زائد مال اکٹھا ہو جائے کہ اللہ کی توفیق کے ساتھ مصیبتوں سے نمٹنا آسان ہو

جائے اور شکول اٹھانے کی ذلت اور رسوائی سے نجات مل جائے۔ اس طرح لوگوں کے معاشی مسائل بھی حل ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾ (سورة النساء: 9)

”لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کیسے اندیشے لاحق ہوتے پس چاہیے کہ وہ اللہ کا خوف کریں اور راستی کی بات کریں۔“

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو وصیت کرتے وقت اپنے گھر والوں اور اولاد کا خیال نہیں کرتے تھے۔

جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مال کے دو تہائی حصے کی وصیت کرنے کا فیصلہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ»

(التَّاسَّ) (صحیح بخاری: 1295)

”اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑنا، انہیں فقر و فاقہ میں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے چھوڑنے سے بہتر ہے۔“

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

«إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَخْلِعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ ﷺ،

قَالَ: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ» (صحیح بخاری: 2757)

”میری توبہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے لیے اپنے

سارے مال سے دستبردار ہو جاؤں۔“ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اپنے مال میں سے کچھ حصہ بچا کر رکھ لو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔“  
اللہ کے بندو!

اسلامِ بچت کی طرف اس نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ انتہائی متوازن اور مکمل طریقہ ہے، اس میں نرمی بھی ہے، آسانی بھی اور احتیاط بھی۔ کوئی عجیب بات نہیں کہ دین نے اس کا حکم دیا ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت کا حصہ ہے۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿صَبِغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صَبِغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ﴾  
”اللہ کا رنگ اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو گا؟ اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں۔“ (سورۃ البقرہ: 138) یہی اللہ کا حکم ہے۔ فرمانِ الہی ہے:  
﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (سورۃ المائدہ: 50)  
”جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔“

اللہ آپ کی نلبہانی فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوق میں افضل ترین اور پاکیزہ ترین، محمد بن عبد اللہ ﷺ پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر فرمایا، پھر اپنی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر فرمایا، پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا۔  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! روشن چہرے اور منور پیشانی والے بندے اور نبی پر رحمتیں، برکتیں اور سلامتی نازل فرما۔ اے اللہ! خلفائے راشدین، ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ



کرام جن لکھتے، تابعین اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا خاص فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!



56

## لفظوں کی اہمیت

1 ربیع الاول 1440ھ بمطابق 9 نومبر 2018ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ وہی اوّل، اس سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ وہی آخر ہے، اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ وہی واضح ہے، اس سے بلند کوئی چیز نہیں۔ وہی مخفی ہے۔ اس سے چھپی کوئی چیز نہیں۔ میں اپنے بلند پروردگار کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں۔ اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور اسی سے معافی مانگتا ہوں۔ جو وہ دے دے، وہ کوئی نہیں روک سکتا اور جو وہ روک دے، وہ کوئی نہیں دے سکتا۔ اس کے ہاں کسی صاحب نسب کا حسب و نسب فائدہ نہیں دیتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے، مخلوقات میں سب سے افضل، خلیل اللہ اور رسول اللہ ہیں۔ آپ ﷺ نے پیغام الہی لوگوں تک پہنچایا، امانت ادا کی اور پورے اخلاص کے ساتھ امت کی رہنمائی فرمائی۔ ہمیں واضح راستہ دکھایا جس پر رات کا اندھیرا اور دن کا اجالا برابر ہیں۔ اس راستے سے ہٹنے والا تقیٰی طور پر ہلاکت میں گرنے والا ہے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں ہوں آپ ﷺ پر، پاکیزہ اور نیک اہل بیت پر، آپ ﷺ کی بیویوں، امہات المؤمنین پر، روشن پیشانیوں والے صحابہ کرام پر، تابعین پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

بعد ازاں! الوگو!

میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو، پسندیدہ اور ناپسندیدہ احکام میں، غصے اور رضامندی کی حالت میں، تنہائی اور سب کے سامنے کیے جانے والے اعمال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمْ

الْقَائِمُونَ﴾ (سورة النور: 52)

”کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔“

لوگو! اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی عظیم نعمتوں اور عطاؤں سے نوازا ہے۔ بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اسے دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتے ہوئے گویائی کی صلاحیت عطا فرمائی ہے، اس صلاحیت سے وہ اپنی مراد بیان کرنے کے قابل ہوتا ہے اور اپنے مقاصد حاصل کرتا ہے۔

﴿الرَّحْمَنُ \* عَلَّمَ الْقُرْآنَ \* خَلَقَ الْإِنْسَانَ \* عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾

”وہ رحمن ہے۔ جس نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اسے بولنا سکھایا۔“ (سورۃ الرمن: 41)

اگر اللہ تعالیٰ انسان کو یہ زبان نہ دیتا کہ جس کے ذریعے اب وہ حرف نکالتا ہے، یا یہ ہونٹ نہ دیتا کہ جس کے ذریعے اب وہ آوازیں درست بناتا ہے، تو ساری کی ساری باتیں اس کے دل ہی میں رہ جاتیں، وہ کبھی دوسروں کو اپنے مافی الضمیر سے آگاہ نہ کر پاتا۔

﴿أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ \* وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ﴾ (سورۃ البلد: 8، 9)

”کیا ہم نے اُسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟“  
اللہ کے بندو!

زبان انسان کے جبرٹوں کے درمیان لگا ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جس کے ذریعے انسان اپنے دل و دماغ میں تیار ہونے والی باتیں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ اسی کے ذریعے وہ اپنی عقل کی کشادگی اور بیان کی مہارت بھی دکھاتا ہے۔ زبان، دل کی ڈول اور اس کا بولتا بیظام بر ہے۔ اسی کے ذریعے انسان اپنی عاقبت منتخب کرتا ہے، یا تو ہلاکت کی طرف جاتا ہے یا نجات کی راہ اپناتا ہے۔

ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ رسول مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں:

«وَهَلْ يَكُتُبُ النَّاسُ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ، أَوْ قَالَ: عَلَى مَنَاخِرِهِمْ، إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ؟»

”بھلا زبان کے علاوہ وہ کون سی چیز ہے جو لوگوں کو منہ کے بل، یا فرمایا: نتھوں کے بل جہنم میں گرائے گی۔“ (مسند احمد: 22016)

اللہ کے بندو! زبان دو دھاروں والی تلووار ہے۔ جو اس کا درست استعمال کرتا ہے، اسے من پسند نتائج حاصل ہوتے ہیں اور جو اس کا غلط استعمال کرتا ہے، اُسے حسرت اور ندامت کا سامنا ہوتا ہے۔

اگر زبان اور زبان کی غلطیاں نہ ہوتیں، تو انسانیت بہت سی جنگوں اور جھگڑوں سے محفوظ رہ جاتی۔ اگر آگ کی ابتدا انگڑیوں سے ہوتی ہے تو جنگوں کی ابتدا باتوں سے ہوتی ہے۔ جہاں بھی کوئی جھگڑا، بغض یا عداوت پائی جاتی ہے، تو زبان کا اس میں ضرور کردار ہوتا ہے، یا اس نے بہتر بات کو چھوڑا ہوتا ہے، یا دو ٹوک بات نہیں کی ہوتی۔

﴿ وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ﴾ (سورة الاسراء: 53)

”میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈالوانے کی کوشش کرتا ہے۔“

اللہ کے بندو! یہ کوئی تعجب والی بات بھی نہیں ہے، کیونکہ شیطان لوگوں میں اپنی جگہ تب ہی بنا سکتا ہے جب زبان کی مٹھاس ختم ہو جائے، اچھے الفاظ مٹ جائیں اور برے الفاظ عام ہو جائیں۔ اسی طرح دل کا تقویٰ اور نیک اعمال مکمل نہیں ہو سکتے جب تک زبان پر اچھے بول نہ آجائیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر

دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔“ (سورۃ الاحزاب: 70، 71)

انسان کا دین اور اس کی عقل یہ تقاضا کرتے ہیں کہ زبان کو اہمیت دی جائے۔ اس کے اچھے اور برے اثرات کو جانا جائے۔ زبان کی لغزش، پاؤں کی ٹھوک سے کہیں زیادہ خطرناک ہو سکتی ہے۔ اس کے حجم کو دیکھتے ہوئے، اسے دوسرے اعضاء کی نسبت چھوٹا اور غیر اہم سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

اس کے ذریعے کتنی جانیں بچیں، کتنی عزتوں پر حملے ہوئے، کتنے حق، باطل اور باطل، حق بنے۔ اس سب کی وجہ یہی تھی کہ زبان کا ناجائز استعمال کیا گیا یا صحیح استعمال نہ ہوا۔ زبان کے نقصان، فوائد سے پہلے اور جلدی سامنے آتے ہیں، کچھ عقلیں کانوں میں پڑنے والی باتوں پر چلتی ہیں، وہ حسن ظن کو تو پہچانتی ہی نہیں، اچھی تفسیر کا راستہ تک نہیں جانتیں۔ اللہ جب انسان کی زبان سے نکل جاتا ہے تو وہ اس کا مالک نہیں رہتا، بلکہ وہ لفظ گیند کی طرح کھلاڑیوں کا کھلونا بن جاتا ہے، ہر کھلاڑی اپنے ہدف اور مقصد کے مطابق اس کی تفسیر کرتا ہے۔

اللہ کے بندو! حقیقت یہ ہے کہ زبان کے استعمال کے حوالے سے لوگ تین طرح کے

ہیں: سمجھدار، بے وقوف اور جاہل۔

سمجھدار کی عقل زبان کی قائد ہوتی ہے۔ اس کی عقل حاضر رہتی ہے اور اس کا دین اس کی حدود متعین کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ زبان سے عزت کیسے ملے گی اور سوائی کیسے؟ کون سی بات کی وجہ سے نہ امت کا سامنا ہو گا اور کس بات سے خوشی ملے گی۔ وہ یہ بھی بخوبی جانتا ہے کہ منہ سے نکلے الفاظ کے دفاع کی نسبت ان کے الفاظ کا انکار آسان ہے۔ وہ

جانتا ہے کہ جب کوئی لفظ منہ سے نکالتا ہے تو وہ لفظ اس کا مالک بن جاتا ہے اور جب تک وہ منہ میں رہتا ہے، وہ اس کا مالک رہتا ہے۔ وہ بڑی سمجھ داری کے ساتھ کبھی بولتا ہے اور کبھی خاموش رہتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ لوگوں کا یہ کہنا کہ کاش وہ بولتا، یہ کہنے سے بہتر ہے کہ کاش وہ نہ بولتا۔

بے وقوف اپنے غصے اور جذبات، تکبر اور غرور کے پیچھے چلتا ہے۔ شدید بے صبری کا شکار ہوتا ہے۔ اس کے یہاں صبر و تحمل نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کے یہاں الفاظ کے چناؤ میں کوئی سرخ لکیر نہیں ہوتی۔ الفاظ کے ذخیرے سے جو چاہتا ہے استعمال کرتا جاتا ہے، زبان کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے۔ الفاظ کے استعمال کے وقت وہ مفہوم اور دلالت کا لحاظ نہیں رکھتا۔ اس کے یہاں لڑائی جھگڑے کے الفاظ، تعریف کے الفاظ، اُلفت و محبت کے الفاظ، بغض اور کراہت کے الفاظ آپس میں خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ انہیں جانچنے کے لیے اس کے پاس کوئی پیمانہ ہی نہیں ہوتا۔ اس کا غصہ، اس کے الفاظ کو ترتیب دیتا ہے، اس کے جذبات انہیں رخ دیتے ہیں اور بے صبری انہیں ابھارتی ہے۔ پھر اسے ہوش تب آتی ہے جب اس کے الفاظ دنیا میں پھیل چکے ہوتے ہیں، عذر پیش کرنے یا ندامت کرنے کا وقت بھی گزر چکا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں پر وہ حسن درجے کی حدیث صادق آتی ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«وَلَا تَكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ عَدَا» (مسند احمد: 23498)

”منہ سے ایسے الفاظ نہ نکالنا جن سے کل معذرت کرنا پڑ جائے۔“

اللہ آپ کی گھبانی فرمائے! جاہل کی زبان عقل سے آگے چلتی ہے۔ دوسروں سے پہلے

وہ خود اپنا دشمن بن چکا ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا:

”لَا يَبْلُغُ الْأَعْدَاءُ مِنْ جَاهِلٍ مَا يَبْلُغُ الْجَاهِلُ مِنْ نَفْسِهِ“ (مناہل)

العرفان: 184/1

”دشمن کسی جاہل کا اتنا نقصان نہیں کر سکتا، جتنا نقصان وہ خود اپنا کر لیتا ہے۔“  
اللہ کے بندو! جہالت ہر بلا کی جڑ ہے۔ جو شخص زبان کی اہمیت کو نہیں جانتا، وہ اپنے الفاظ کی قدر بھی نہیں جانتا۔ وہ اپنی زبان کی بھلائی اور برائی سے بھی ناواقف رہتا ہے۔  
اللہ کے بندو!

جہالت ہی انسان کی عقل کو رسوا کر چھوڑتی ہے، تو بھلا زبان کتنا نقصان پہنچاتی ہو گی؟! جاہل یہ نہیں جانتا کہ اسے کب بولنا چاہیے اور کب خاموش رہنا چاہیے، کیونکہ اس کے پاس وہ علم ہی نہیں ہوتا جس سے اس کی زبان صحیح طرح استعمال ہو سکے، یہ ایسی مصیبت ہے کہ جس کے شر سے ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

زبان اتنی خطرناک کیوں نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ

الْجَاهِلِينَ﴾

”اُس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا، میں تجھے

نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنا لے۔“ (سورۃ ہود: 46)

زیادہ بولنا، زیادہ علم کی علامت نہیں ہے، کبھی خاموشی بھی علم کی دلیل ہو سکتی ہے اور بولنا علم کی علامت ہو سکتا ہے۔

بعض علماء کی خاموشی ان کی گفتگو کی جگہ لیتی جاتی تھی کیونکہ شاید خاموشی کی بھی خاموش آواز ہوتی ہے، جو بلند آواز سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔ یہ لازمی تو نہیں کہ خاموشی کی وجہ جہالت ہی ہو، بلکہ خاموشی کی وجہ کچھ کہنے کی ضرورت نہ ہونا بھی ہو سکتی ہے۔

یہ بات تو طے ہے کہ جو خاموش رہنا خوب جانتا ہو وہ بات کرنا بھی خوب جانتا ہے۔ اس



کی خاموشی، سمجھ داری ہوتی ہے اور اس کی گفتگو حکمت کے مطابق ہوتی ہے۔ جس طرح تم اس کی باتوں سے سیکھو گے، اسی طرح تم اس کی خاموشی سے بھی بہت کچھ سیکھو گے۔ ایسے لوگ ہی وہ ہیرے ہیں جو فضول باتوں کی گونج سے بھرے معاشرہ میں نایاب ہوتے ہیں۔ اللہ کے بندو! اس موقع پر اگر توجہ دلانی ہو تو دو چیزوں کی طرف دلانا چاہیے۔

ایک یہ کہ ہر چیز میں زبان کا استعمال کرنا مذموم تکلف اور مکروہ عمل ہے۔ زبان سے نکلنے والے بدترین الفاظ وہ قابل مذمت الفاظ ہوتے ہیں جو تکبر، غرور اور تکلف کے ساتھ نکلتے ہیں۔ ایسی زبان والا ہمارے محبوب رسول اور چنیدہ نبی ﷺ کو سخت ناپسند ہے۔ فرماں نبوی ﷺ ہے:

«وَإِنَّ أْبَعَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْغَرَارُونَ  
وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفَيِّهُونَ» (جامع ترمذی: 2018)

”متکبرانہ انداز سے باتیں کرنے والے مجھ سے زیادہ ناپسند اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے دور رہنے والے لوگ، باتونی، بلا احتیاط بولنے والے اور متکبرین ہیں۔“

اللہ کے بندو!

باطونی تو زیادہ باتیں کرنے والے ہوتے ہیں، متشوق، لوگوں کے سامنے فصاحت اور زبان و بیان کے ذریعے خود کو برتر ثابت کرنے کی کوشش کرنے والے ہوتے ہیں۔ جبکہ متفہقون متکبرانہ انداز میں باتیں کر کے خود کی برتری ظاہر کرنے والے ہوتے ہیں۔

اللہ کے بندو!

دوسری چیز یہ ہے کہ اپنے فن کے سوا کسی دوسرے فن میں اپنی زبان کا استعمال کرنا اور دوسروں کے میدان میں کود پڑنا سخت رسوائی اور لوگوں کی گالیوں کو دعوت دینے

مترادف ہے۔ فطری طور پر یہ جانا جاتا ہے کہ ہر شخص کو تخصص اور میدان کا احترام کرنا چاہیے۔ ہر چیز کا ماہر بننے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے۔ زبان سے وہی بات نکالنی چاہیے جس کا خوب علم ہو، کیونکہ جب لوگ ان چیزوں کے متعلق بولتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں ہوتا تو ان کی باتیں ہی انہیں لے ڈوبتی ہیں۔ عالم اور فقیہ کی زبان طیب کی زبان جیسی نہیں ہوتی اور سیاست دان کی زبان وعظ و نصیحت کرنے والی کی زبان سے مختلف ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا:

”وَمَنْ تَكَلَّمَ فِي غَيْرِ فَنَّهُ أُنَى بِالْعَجَائِبِ“

”جو اپنے فن سے ہٹ کر دوسرے فنون میں بولتا ہے، وہ حیران کن باتیں ہی کرتا ہے۔“

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! یاد رکھو کہ لفظ کا خطرہ اس کی بناوٹ میں نہیں، بلکہ اس کے معنی اور مفہوم میں ہے۔ غور کرو کہ لفظ (أَفْت) میں والدین کی کتنی بڑی نافرمانی ہے، جبکہ وہ اپنی ساخت کے اعتبار سے بہت چھوٹا اور مختصر لفظ ہے، جو صرف دو لفظوں پر مشتمل ہے۔

﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أَيْفٌ وَلَا تُنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾

”انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے

ساتھ بات کرو۔“ (سورۃ الاسراء: 23)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور دانش کی باتوں سے فائدہ پہنچائے۔ مجھے یہی کہنا تھا۔ اگر درست کہا تو اللہ کی توفیق سے اور اگر لفظ کہا تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے۔ میں اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

## دوسرا خطبہ

اللہ تعالیٰ کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والی کثیر حمد و ثنا ہے۔ درود و سلام ہو افضل الانبیاء محمد ﷺ پر، آپ ﷺ کے اہل بیت پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور عبادت گزاروں پر۔  
بعد ازاں! اے مسلمانو!

اللہ سے ڈرو! گفتگو اور خاموشی میں اسے یاد رکھو۔ پاکیزہ زبان جنت کی راہ دکھاتی ہے اور گندی زبان جہنم کی راہ پر ڈالتی ہے۔ نیک زبان روشی اور نور ہے جبکہ بری زبان رسوائی اور تاریکی ہے۔

اس حوالے سے آپ رسول اللہ ﷺ کی دعائی دیکھ لیجیے۔ فرمایا:

«اللَّهُمَّ اجْعَلْ لِي فِي قَلْبِي نُورًا، وَفِي لِسَانِي نُورًا، وَفِي سَمْعِي نُورًا، وَفِي بَصَرِي نُورًا»

”اے اللہ! میرے دل کو منور فرما، میری زبان کو منور فرما، میرے کانوں کو منور فرما اور میری آنکھوں کو منور فرما۔“

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! یاد رکھو کہ آزمائش زبان سے جڑی ہوئی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔ زبان سے اچھے بول بولنا اور اسے دوسروں پر حملوں اور بدگالی سے دور رکھنا سید المرسلین ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایک روز آپ ﷺ ایک اعرابی کی عبادت کے لیے گئے اور اسے کہا:

«لَا بَأْسَ، ظَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ» فَقَالَ لَهُ: «لَا بَأْسَ ظَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ»

قَالَ: قُلْتُ: ظَهُورٌ؟ كَلَّا، بَلْ هِيَ حُمَى تَفُورٌ، أَوْ تَفُورٌ، عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ،

تُرْبِيرُهُ الْقُبُورَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَتَعَمَّ إِذَا»

”کوئی بات نہیں! ان شاء اللہ یہ بیماری گناہوں سے پاک کر دے گی، اس نے کہا:

پاکیزگی! نہیں، بلکہ یہ تو سزا جہنم بخار ہے، جس نے بوڑھے کمزور کو آیا ہے، جو اسے قبر میں اتار کر رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اچھا! تو پھر یوں ہی ہو!“  
روایت میں آتا ہے کہ وہ شخص اگلے ہی دن فوت ہو گیا تھا۔

اسی طرح کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی بھی مذمت کی، جو لوگوں کے حال کو منحوس نظروں اور بری توقعات کے ساتھ دیکھتا ہے اور منہ سے غلط الفاظ نکالتا ہے۔ فرمایا:

«مَنْ قَالَ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ» (صحیح مسلم: 2623)

”جس نے یہ کہا کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ سب سے پہلے ہلاک ہونے والا ہے۔“

پھر یہ کہ مسلمان کی زبان معاشرے اور امت کے لیے آئینے کی مانند ہونی چاہیے۔ وہ اس سے نصیحت، سچی خبر یا فائدہ مند باتیں ہی سنیں۔ لوگوں کے راز محفوظ رہیں، لڑائیاں اور جھگڑوں سے دور رہیں۔ زبان کے استعمال میں موضوعات کے غلط انتخاب سے بچنا بھی ضروری ہے۔ اپنی ہی باتوں میں تضاد نہیں ہونا چاہیے۔ ایک بات دوسری بات کے خلاف نہیں ہونی چاہیے۔ چیزوں کو توڑنے کے دوپٹے نہیں ہونے چاہیں۔ زبان کو استعمال کرتے وقت تنگ نظری سے دور رہنا چاہیے۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں جہاں بولنا ضروری ہو، وہاں خاموش نہیں رہنا چاہیے اور جہاں خاموشی بہتر ہو، وہاں زبان کو بے لگام نہیں چھوڑنا چاہیے۔ زبان کا استعمال عیبی نہیں بلکہ حقیقت کے مطابق ہو، مفروضوں کی بنا پر نہیں غلطی تقاضوں کے مطابق ہو، اخلاقی سے عاری نہیں بلکہ بااخلاق ہو اور عام لوگوں کے فائدے کے خلاف نہیں بلکہ ان کے لیے نفع بخش ہو۔

جب زبانیں گزرتی تھیں، سمجھ تم ہو جائے، بدگمانی تکمیل جائے اور لوگ ایک دوسرے پر ہلے کرتے تھیں تو پھر ملاحتی سے گراں قدر چیز اور کوئی چیز نہیں ہے۔ دیکھی صورت حال میں

اگر سلامتی کے دس حصے ہوں تو نو حصے خاموشی میں ہوں گے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! نجات کیا

ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعَكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلَى حَطِيئَتِكَ»

(الجامع الصحيح: 1392)

”تو اپنی زبان کو قابو میں رکھ، تیرا گھر تیرے لیے کافی ہو اور اپنی غلطی پر رو۔“

اللہ تم پر رحم فرمائے! درد و دو سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین ہستی، انسان میں اعظم

ترین قائد، محمد بن عبد اللہ ﷺ پر، جو کہ حوض کوثر اور شفاعت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو

یہ حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر فرمایا، پھر اپنی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر فرمایا اور

پھر اے مومنو، کہہ کر آپ کو پکارا۔ فرمایا:

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا»

”اے مومنو! تم بھی ان پر درد و دو سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! روشن چہرے اور منور پیشانی والے بندے اور نبی پر رحمتیں، برکتیں اور

سلامتی نازل فرما۔ اے اللہ! خلفائے راشدین، ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے راضی ہو جا۔ اے

اللہ! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا خاص فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب

سے بھی راضی ہو جا! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!



57

## عربی زبان کی اہمیت

14 ربیع الآخر 1440ھ بمطابق 21 دسمبر 2018ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہی تخلیق کی ابتدا کرنے والا اور اسے پھر دہرانے والا ہے۔ وہی معاف کرنے اور محبت کرنے والا ہے۔ وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، وہی کرتا ہے۔ اسی نے ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا اور ان کی تقدیریں لکھیں۔ اسی نے ان کی عمریں مقرر کیں جن سے نہ وہ ایک لمحہ زیادہ جی سکتے ہیں اور نہ ان کے مکمل ہونے سے پہلے مر سکتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ کو جامع الفاظ دیے گئے۔ آپ حرف ضاد بولنے والے فصیح ترین انسان اور امانت دار عربی رسول تھے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے پاکیزہ اور نیک اہل بیت پر، آپ ﷺ کی بیویوں، امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم پر، روشن پیشانیوں والے اصحاب ہدایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

بعد ازاں!

لوگو! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو وہی نصیحت کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو فرمائی ہے۔ سنو! اللہ سے یوں ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ دین اسلام کی مضبوطی کو تھامے رکھو۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا

اللَّهُ﴾ (سورة النساء: 131)

”تم سے پہلے جنہیں ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب

تمہیں بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو۔“

اللہ کے بندو! مسلم اور عربی معاشرے کی ترقی کی بات ہو یا اس کی حقیقی شناخت کی۔ یہ

دونوں چیزیں اپنے دین پر فخر کرنے اور اپنی زبان کو تھامے رکھنے سے ہی نصیب ہو سکتی ہیں۔ انسان کا دین اور اس کی زبان، ایسے دو مرکز ہیں جن کے گرد انسان کے ہر طرح کے تعلقات گھومتے ہیں۔ یوں کہہ لیجیے کہ انسان کا دین، اس کا دل ہے اور اس کی لغت، اس کی زبان ہے۔

اگر زبان کو دل کی رسی اور اس کا پیغام بار کہا جاتا ہے تو لغت دین کا حصہ ہے۔ اسی سے کتاب اللہ سمجھ آتی ہے اور فرمودات رسول ﷺ کے معانی معلوم ہوتے ہیں۔

یہ بات تو فطری طور پر جانی جاتی ہے کہ کوئی بھی امت، زبان کے بغیر نہیں پائی جاتی اور کوئی زبان امت کے بغیر نہیں پائی جاسکتی۔ کتاب اللہ میں استعمال ہونے والی زبان، عربی زبان ہے، جسے دوسری زبانوں پر اتنی فضیلت حاصل ہے جتنی اسلام کو دوسرے ادیان پر۔ اگر دین اسلام، دل امت کا نور ہے تو عربی اس کی زبان کا نور ہے۔ عربی زبان کتاب و سنت کی زبان ہے، عبادت اور علم کی زبان ہے، فکر و ادب کی زبان ہے، ثقافت، تہذیب اور سیاست کی زبان ہے۔ یہی وہ زبان ہے جو فیڑھ ارب سے زائد مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے، سارے مسلمان قرآن کریم کی تلاوت تو عربی زبان ہی میں کرتے ہیں چاہے ان کی اپنی زبانیں اس زبان سے یکسر مختلف ہوں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إِنَّ اللِّسَانَ الْعَرَبِيَّ شِعَارَ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِيهِ ، وَاللُّغَاتُ مِنْ أَكْثَرِ شَعَائِرِ الْأُمَمِ الَّتِي بِهَا يَتَمَيَّزُونَ“ (اقتضاء الصراط المستقيم 519/1)

”عربی زبان، اسلام اور اہل اسلام کا شعار ہے۔ زبان، قوموں کا عظیم شعار ہوتی

ہیں جن سے وہ خود کو ممتاز کرتے ہیں۔“

سنو اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! اگر انسان نظر دوڑانے میں کسر نہ چھوڑے اور زبانوں کی کھوج میں کمی نہ کرے، تو بھی اسے عربی زبان سے زیادہ شیرین، مضبوط اور گہری زبان نہ



مل پائے گی۔ دنیا کی کوئی زبان اس کے مرتبے کے قریب بھی نہیں جھک سکتی، اس کا مقابلہ کرنا تو دور کی بات ہے۔ دنیا کی بہت ساری زبانوں میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو بنیادی طور پر عربی زبان سے ماخوذ ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ عربی زبان وہ منفرد زبان ہے جس کے حروف ہر لحاظ سے کامل ہیں۔ مخرج کے اعتبار سے حروف منہ کے سارے حصوں سے نکلتے ہیں۔ گلے کے آخری حصے سے لے کر ہونٹوں کے بیرونی حصے تک، ہر جگہ سے کوئی نہ کوئی حرف ضرور نکلتا ہے۔ بلکہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھ کر، یہ وہ زبان ہے جس میں سات ایسے حروف ہیں جو دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں پائے جاتے۔ ضاد، ظاء، عین، نون، حاء، طاء اور قاف۔

یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، کیونکہ عربی زبان ایک شاندار ماضی کار رہا سہا حصہ ہے، اس پر نور دور کا سرمایہ اور مستقبل کو بہتر بنانے والی میراث ہے۔ یہی تین ادوار تاریخ کی کسی بھی امت کی زندگی تشکیل دیتے ہیں۔ اس زبان نے ایسے لوگوں کو بھی شرف بخشا ہے جو نسلی طور پر اہل زبان نہیں ہیں، مگر عربی کی بنیادوں کو بھرنے اور اس کی اینٹوں کو برابر لگانے اور پھر اس کی شاندار عمارت قائم کرنے میں وہ اہل زبان سے بھی آگے نکل گئے۔ کسی نے اس کا دستور لکھا۔ کسی نے اس کے اصولوں کا نقشہ بنایا، کسی نے اس کی بلاغت کی بنیاد رکھی اور کسی نے اس کی طویل و عریض لغات کو ترتیب دیا۔ یہ سب لوگ عربی النسل نہ ہونے کے باوجود عربی میں بات چیت کرنے کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ صرف اس لیے کہ یہ کتاب مبین کی زبان ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولیس أثر اغتِياد اللُّغَةِ الْفُضْحَى مَقْصُورًا عَلَى اللِّسَانِ ، بَلْ يَتَعَمَّقُ حَتَّى يُؤَوِّزَ فِي الْعَقْلِ وَالْخُلُقِ وَالذِّينِ تَأْثِيرًا قَوِيًّا بَيْنَنَا ، وَيُؤَوِّزُ أَيْضًا فِي مُشَابَهَةِ صَدْرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ مِنْ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ ،

ومشابهتهم تَزِيدُ الْعَقْلَ وَالِدِينَ وَالْحَلْقَ (اقتضاء الصراط المستقیم:

527/1)

”فصح عربی کا فائدہ صرف انسانی زبان تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ انسان کی عقل، اخلاق اور اسکے دین پر بھی عربی کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح فصیح عربی بولنے کا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کی مشابہت اختیار کر لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان کی مشابہت سے دین، عقل اور اخلاق میں بہتری آتی ہے۔“

امام ابن قیم رضی اللہ عنہ نے بہترین انداز میں عربی زبان کی فضیلت بیان کی۔ فرماتے ہیں:

”وإنما يعرف فضل القرآن من عرف كلام العرب، فعرف عليم اللغة، وعلم العربية، وعلم النبيان، ونظّر في أشعار العرب وخطبها ومقالاتها في مواطن افتخارها ورسائلها.“

”قرآن کریم کی فضیلت وہی جان سکتا ہے جو عربوں کے کلام کو جانتا ہو، لغت کو جانتا ہو، عربی کو جانتا ہو، علم البیان سے واقف ہو، اہل عرب کے اشعار، خطبوں، فخر پر مشتمل ان کی تقریروں اور ان کے خطوط پر نظر رکھتا ہو۔“

اللہ کے بندو! عربی زبان کا حلقہ تنگ ہونے میں اور اس کے پیچھے رہ جانے میں مختلف تہذیبوں کے ملاپ اور ٹیکنالوجی کے عروج کا بہت بڑا کردار ہے۔ ان کی وجہ سے عربی کی سمت غلط ہو گئی اور وہ اپنی درست راہ سے بھٹک گئی۔ جس کے نتیجے میں عربی معاشرے اور عربی امت کے افراد کے درمیان بھی آپس میں بات چیت کے طریقے کے حوالے سے بہت سی مشکلات ابھرنے لگیں، حالانکہ عربی ہی وہ بنیادی عنصر ہے جس سے اس قوم کی شناخت ہو پاتی ہے اور ایسے حالات جب پیدا ہو جائیں، تو پھر جان لیجیے کہ عربیوں کی شناخت میں درازیں

پڑ گئی ہیں اور ان کی زبان تباہ ہو گئی ہے، جس کا حتمی نتیجہ ثقافتی مسائل اور علمی کمزوریوں کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

معاشرے در حقیقت برتنوں کی طرح ہوتے ہیں، جن میں ساری ثقافتیں اپنا اپنا حصہ ڈال رہی ہوتی ہیں۔ ان ثقافتوں کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں عربی زبان کا کتنا رواج ہے۔ معاشروں کی تشکیل میں عربی زبان تین کام کرتی ہے: یہ انکے سوچنے، سمجھنے اور میل جول کا ذریعہ اور پھر معاشرے کی شناخت بن جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ان بنیادوں کو نہیں سمجھ پاتے اور نتیجتاً، وہ عربی کو بہت پیچھے کر دیتے ہیں، اس سے تعلق کمزور کر لیتے ہیں اور بہت سے معاملات میں دوسری زبانوں کو اس کے جگہ پر لے آتے ہیں۔ اصحاب بصیرت کو تو واضح نظر آتا ہے کہ اب اہل عرب میں بھی دوسری زبانوں کا استعمال طوفان کی طرح بڑھتا جا رہا ہے۔ واضح مثالیں دیکھنا ہوں تو غیر عربی ناموں کو دیکھ لیجیے، گھروں اور بازاروں میں کسی ضرورت کے بغیر ہی اجنبی زبانوں میں بات چیت کے سلسلے پر غور کر لیجیے، مشہور لوگوں، کمپنیوں، اصطلاحوں، دوکانوں اور دیگر چیزوں کے نام دیکھ لیجیے۔

اب تو اس سے محبت رکھنے والے بیگانگی اور پستی کے احساس کے مارے پھر رہے ہیں۔ کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو اس سے ایک خاص تعلق رکھنے کے باوجود بولتے وقت شرم کے مارے اپنی زبانوں کو دبا لیتے ہیں، کہ کہیں کوئی گالی نہ دے دے، کوئی تعجب بھری نظروں سے نہ دیکھنے لگے یا وہ لوگوں میں عجیب عجیب نہ لگیں۔ یہ تو کم سے کم ہے، کیونکہ کئی مرتبہ عربی میں بات کرنے والوں پر معنی خیز اشاروں اور نظروں کے تیر برسائے جاتے ہیں، کبھی ان کی تحقیر کی جاتی ہے، کبھی انہیں جُود کا طعنہ دیا جاتا ہے، دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اجنبی اور ترقی یافتہ زبان بولنا نہیں جانتے، جو یہ خوبصورت پوشاک پہننے سے قاصر ہیں۔ حالانکہ یہ سب ایک وہم کے سوا کچھ نہیں۔

اللہ کے بندو! اگر یہ بات عجیب لگے تو زیادہ تعجب والی بات یہ ہے کہ عربی کے ساتھ

تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ اللہ کی اس نعمت کی قدر نہیں کرتے، جو بہترین زبان اور فصاحت و بلاغت کی شکل میں ان کے پاس موجود ہے۔ وہ بھی عربی زبان کی بے قدری کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اگر وہ غور کریں کہ دوسری قومیں اپنی زبانوں کی کس طرح بکریم اور حفاظت کرتی ہیں اور دوسری زبانوں کو ان سے آگے کرنا تو درکنار، وہ اپنی زبانوں کو اجنبی الفاظ سے بھی کس طرح محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی ہیں، تو انہیں معلوم ہو جائے کہ قومیں زبان پر ہونے والے حملے کو اپنی شناخت کے لیے بڑے سے بڑے فوجی حملے سے بھی زیادہ خطرناک سمجھتی ہیں۔ زبان پر ہونے والے حملے سے صرف ایک ہی سال میں اتنا نقصان ہو جاتا ہے ہو سکتا جتنا نقصان فوجی حملوں سے درجنوں سالوں میں نہیں ہو پاتا۔

لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے دلوں میں عربی زبان کی محبت پیدا کریں، اس سے اتنی محبت کریں کہ عربی کی عزت ہی میں انہیں اپنی عزت نظر آئے، کیونکہ یہی ان کے پروردگار کی کتاب کی اور رسول اللہ ﷺ کی زبان ہے۔ اگر لوگ ایسا کر لیں تو انہیں عربی میں اپنا ٹھکانہ اور اپنا گھر نظر آنے لگے۔ وہ اسی کو اپنی کشادہ اور وسیع دنیا سمجھنے لگیں۔ وہ اس کے ساتھ تعلق کو اپنا شرف سمجھنے لگیں، اسے بولنے پر فخر کرنے لگیں، اسے سن کر خوش ہو جائیں، دوسری زبانوں کے بے دریاؤں کے سامنے اسے رکا ہوا دیکھ کر پریشان ہو جائیں۔ چاہے اسے رسوا کرنے والے اس کے اپنے ہی کیوں نہ ہوں۔

اللہ کے بندو! اذا سوچو کہ اگر امت نے اپنی زبان ہی ضائع کر دی، یا وہ اس سے غافل ہو گئی تو پھر یہ امت کس زبان پر فخر کرے گی؟ دوسری زبانوں کے سامنے کس زبان پر ناز کرے گی؟

ہمیں ڈر ہے کہ اس عربی امت کے بہت سے لوگ اعمیت کا شکار نہ ہو جائیں۔ اگر یہ امت اپنی زبان کو پھر سے غالب اور راج کرنے کے لیے اسے اپنی واضح ترجیح نہ بنا سکی، تو کوئی

شک نہیں کہ یہ زبان ایک ناپید زبان یا تقریباً ناپید زبان بن کر رہ جائے گی۔

اسی طرح اگر عربی بولنے والے اور عربی کے اساتذہ عربی زبان کو دنیا کے سامنے بہتر انداز میں پیش کرنے، اس کے مثبت اثرات کو واضح کرنے، اس کی ترغیب دلانے میں نئے راستے نکالنے اور لوگوں یہ بتانے میں ناکام رہے کہ اس زبان میں ہر نئی ایجاد اپنانے کی قابلیت ہے، یا یہ واضح کرنے میں ناکام رہے کہ یہ قدامت پسندی، تکلف اور الفاظ کو کھینچنے کی زبان نہیں ہے، یہ ایسے تمام الزامات سے بری ہے، بلکہ یہ تو عام فہم اور آسانی سے مفہوم سمجھانے کی زبان ہے، جیسا کہ امام عمرو بن علاء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا۔

اہل عرب ان چیزوں میں ناکام رہے تو یہ زبان لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کی بجائے اپنے سے دور کرنے لگے گی۔ امت اسلامیہ میں عربی زبان پر آنے والے زوال کی دو وجوہات ہیں۔ ایک وجہ اندونی ہے اور ایک بیرونی۔ اگر اندرونی وجہ کو درست کر لیا جائے، اس کا علاج کر لیا جائے، اپنے افراد معاشرہ اور عربی سے تعلق رکھنے والوں کی اصلاح کر لی جائے تو ان شاء اللہ بیرونی اسباب کا علاج بہت آسان ہو جائے گا، کیونکہ جو اپنے اندرونی مسائل حل کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، وہ بیرونی حملوں کو بھی روک سکتا ہے۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھانے والا ہے۔

میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ اور نافرمانی کی معافی مانگتا ہوں۔ تم بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! میرا رب بخشنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

اللہ کے احسانات پر میں اس کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں، اس کی توفیق اور نوازشوں پر اس کا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔

بِحمد اِزَالِ اللّٰهِ کے بندو! اللہ سے ڈرو! اللہ آپ کی نگہبانی کرے! یاد رکھو کہ جو لوگ

عربی کی جگہ غیر عربی زبانوں کا استعمال کرتے ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ یہ ترقی یافتہ ہونے کی دلیل اور قابل فخر بات ہے، اللہ کی قسم! ان کا گمان بالکل الٹا گمان ہے۔ ان کا تو حال ایسا ہی ہے جیسے کوئی سوزش زدہ جسم کو صحت مندی سمجھ بیٹھے۔ جی ہاں! جہاں ضرورت یا حاجت ہو، یا زبان سیکھنا مقصود ہو، وہاں اجنبی زبان استعمال کی جا سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی تو یہی کیا تھا، جب ضرورت محسوس ہوئی تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ سریانی زبان سیکھ لیں۔ (جامع ترمذی: 2715)

حرج اور بہت بڑا حرج اس بات میں ہے کہ کسی دوسری زبان کو عربی زبان کی جگہ دے دی جائے، یا کسی دوسری زبان کو عربی سے بھی آگے کر دیا جائے، یا اسے عربی کے مقابلے لاکھڑا کیا جائے۔

یہ بھی درست نہیں ہے کہ غیر عربی زبانیں سیکھنے پر پابندی لگا دی جائے، جبکہ آج امت کو سخت ضرورت ہے کہ وہ دینی، علمی، تہذیبی، سیاسی اور معاشی طور پر اگلی صفوں میں نظر آئے۔ ظاہر ہے کہ اجنبی زبانیں سیکھے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔ جو اس ضرورت کو سمجھتا ہے وہ کبھی اجنبی زبانیں سیکھنے سے منع نہیں کرتا۔ مشہور کہادت ہے کہ

”مَنْ تَعَلَّمَ لُغَةَ قَوْمٍ أَمِنَ مَكْرَهُمْ .“

”جو کسی قوم کی زبان سیکھ لیتا ہے، وہ ان کے فریب سے بچ جاتا ہے۔“

اللہ کے بندو! حقیقت یہ ہے کہ اجنبی زبان سیکھنے کا فائدہ صرف اُس قوم کے فریب سے محفوظ رہنا ہی نہیں ہے، بلکہ اس کا فائدہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہوتا یوں چاہیے یا یوں کہہ لیجئے کہ اس حوالے سے قاعدہ یہ ہے کہ کسی زبان کو مادری زبان، قرآن و سنت کی زبان اور امت وسط کی زبان کی جگہ نہیں دینی چاہیے۔ اس امت کو تو اللہ تعالیٰ نے امت وسط اسی لیے بنایا ہے کہ یہ لوگوں پر گواہ بنے۔

اس زبان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ زبان پرانی بھی ہے، جدید بھی ہے اور ہر دم ترقی کرنے والی بھی ہے۔ کوئی ایسا زمانہ یا علاقہ نہیں کہ جس کے لوگوں کے لیے یہ زبان کافی نہ ہو۔ اس میں چیزوں کے نئے نام تجویز کرنے اور ان کے موجودہ ناموں کے متبادل فراہم کرنے کی کمال صلاحیت موجود ہے۔ بلکہ ان ایجادات کے نام رکھنے میں اسے کوئی دقت نہیں جن کا پہلے کوئی نام نہیں تھا۔ اس میں اشتقاق، نخت، تعریب، ارتجال، قلب اور ابدال وغیرہ جیسی شاندار خاصیتیں موجود ہیں جن کی بدولت دوسری تمام زبانیں اس کے ماتحت ہیں اور اس سے فائدہ لینے پر مجبور ہیں۔

قرآن کی زبان وہ زبان ہے جو بذات خود بلند ہے اور اس سے بلند کوئی زبان نہیں ہے۔

﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ (سورۃ الزمر: 28)

”ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے، تاکہ یہ برے

انجام سے بچیں۔“

درود و سلام بھیجو، مخلوقات میں افضل ترین، انسانوں میں سب سے افضل، محمد بن عبد

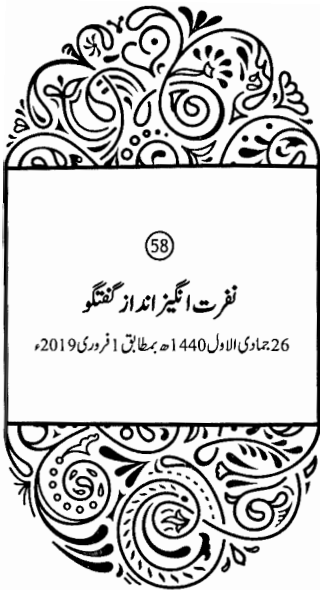
اللہ ﷺ پر، حوض کوثر اور شفاعت والے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتے ہوئے پہلے اپنا ذکر کیا

ہے، پھر اپنی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مؤمنو! کہہ کر

مخاطب کیا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مؤمنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



58

نفرت انگیز انداز گفتگو

26 جمادی الاول 1440ھ بمطابق 1 فروری 2019ء



## پہلا خطبہ

الحمد لله! ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ عزت والا اور معاف کرنے والا

ہے۔

﴿يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ﴾

”وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔“ (سورۃ الزمر: 5)

وہ کھلی چیزوں کو بھی جانتا ہے اور چھپی چیزوں سے بھی خوب واقف ہے۔ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر جو ہے، اسے بھی جانتا ہے اور سمندر کی گہرائیوں میں جو ہے، اس سے بھی واقف ہے۔

﴿لَا تُذْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُذْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ (سورۃ الانعام: 103)

”نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔“

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے، منتخب کر لیتا ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے چنیدہ بندے اور منتخب رسول ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے پاکیزہ گھر والوں پر، آپ ﷺ کی بیویوں، امہات المؤمنین پر، مہاجر اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، اور جب تک دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن آنے کا سلسلہ جاری ہے، ان کے راستے پر چلنے والوں اور ان کی پیروی کرنے والوں پر بھی بہت سلامتی نازل ہوتی رہے۔

بعد ازاں اے لوگو!

اللہ سے یوں ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ دین اسلام کی مضبوطی کو سختی سے

تھامے رکھو۔ مسلمان جماعت کے ساتھ جڑے رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (سورۃ

النور۔ 31)

”اے مومنو، تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔“

اللہ کے بندو! اس دنیا کا ہر وہ معاشرہ جو چاہتا ہے کہ وہ علم و ثقافت میں مستحکم ہو جائے، اس کی گفتگو میں توازن آ جائے اور وہ ہر طرح کے جائز اختلافات کو برداشت کرنے کے قابل بن جائے، اسے چاہیے کہ وہ اس کے لیے بہترین اسباب اور ذرائع اپنائے۔ کیونکہ معاشروں کو گفتگو اور بات چیت کے حوالے سے جتنی بھی پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں یا جن کا انہیں خدشہ ہوتا ہے، ان سب کی وجہ ان اسباب پر عمل کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے، جو اس بیماری کو درست کرتے ہیں یا ان سے بچاتے ہیں۔

جو شخص امت اسلامیہ کو درپیش مسائل پر غور کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اسے قلمی اور صحافتی جنگوں اور زبان سے ہونے والے بے لگام اور بے انتہا جھگڑوں کا سامنا ہے، اسے یقینی طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جنگ کو بھڑکانے میں اور اس کے شعلوں کو ہوا دینے میں نفرت انگیز انداز گفتگو کا بہت بڑا کردار ہے۔ وہ نفرت انگیز انداز گفتگو، جو امت کے باشندوں میں اور اس کے لکھاریوں میں خشک گھاس میں آگ کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ وہ انداز گفتگو کہ جس سے کسی نفع یا بجا طور پر حاصل ہونے والے کسی فائدے کی توقع نہیں ہوتی۔ اس انداز گفتگو کے حق میں زیادہ سے زیادہ نرمی برتی جائے، تو بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ انداز اچھا، صالح اور فائدہ مند انداز نہیں ہے، بلکہ یہ انداز تو ایسا منتر ہے جس سے بات کرنے والے اور اس کے مخاطب کے درمیان یقینی طور پر شیطان کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ یاد رہے کہ شیطان کے وسوسوں کو روکنے اور ان کا سدباب کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بھلی بات بولی جائے۔

فرمان الہی ہے:

﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ﴾

”اے محمد (ﷺ)، میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈالوانے کی کوشش کرتا ہے۔“ (سورۃ الاسراء: 53)

نظرت انگیز باتوں میں ہر وہ لکھی یا بولی جانے والی بات شامل ہے جو افراد یا معاشرے میں فتنے، شدت پسندی، تحقیر، تعصب یا امتیازی رویوں کو ہوا دیتی ہے۔

یہ انداز گفتگو اس لیے انتہائی خطرناک ہے کہ یہ فکری اور معاشرتی امن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ امن کی یہی دو شکلیں ہیں کہ جن سے علم و معرفت کو فروغ ملتا ہے اور جن سے معاشرے میں بھائی چارہ پھیلتا ہے۔ توفیق الہی کے بعد یہی امن کی وہ دو شکلیں ہیں، جن پر معاشرے کے استحکام کا دارومدار ہے۔ یہی وہ دو چیزیں ہیں جن کے ذریعے معاشرے کے افراد اور جماعتوں کے درمیان سوشل میڈیا پر پھیلنے والی انار کی کاسدباب کیا جاسکتا ہے۔

نظرت انگیز باتیں چونکہ اعتدال کی راہ سے ہٹی ہوئی ہوتی ہیں تو یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان کی وجہ یا تو حد سے بڑھی ہوئی مبالغہ آرائی ہوتی ہے یا گھٹیا ٹیڑھا پن ہوتا ہے۔ یہ وہ دو انتہائیں ہیں جو مل کر معتدل انداز گفتگو پر حملہ کرتی ہیں۔ مبالغہ آرائی اور شدت کرنے والے کے نزدیک معتدل انداز گفتگو کمی اور خرابی کا شکار ہوتا ہے کیونکہ وہ شدت اور ٹھنڈی میں ان کے انداز سے نرم ہوتا ہے۔ جبکہ ٹیڑھے پن کے شکار لوگوں کے ہاں معتدل انداز گفتگو کو ضرورت سے زیادہ نرم سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ گالم گلوچ اور بے لگامی کی انتہا سے پاک ہوتا ہے۔ یہ دونوں انداز گفتگو ایسے ہیں جنہیں دانشمندیوں کے کان قبول نہیں کرتے جن کا سمجھ دار، اہل وقار اور خبروں کی تحقیق کرنے والوں کے کانوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

رہی بات معتدل انداز گفتگو کی تو وہ توکان سے دل کا فاصلہ بجلی کی چمک کی طرح عبور کر جاتا ہے۔ یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے، کیونکہ سچی زبان سب سے زیادہ اثر رکھنے والی زبان ہوتی ہے اور اسے ہمیشہ بلند ہی مانتی ہے۔

فرمان الہی ہے:

﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ (سورة مريم: 50)

”انہیں سچائی کی بہت بلند زبانیں عطا کی تھیں۔“

جو چاہتا ہے کہ لوگ اس کی باتوں کو قبول کر لیں، وہ اپنی بھلی باتیں لوگوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائے اور وہ لوگوں پر اثر بھی کریں، تو وہ اپنی باتوں کا حقیقی محرک لوگوں کی تدلیل نہیں بلکہ ان کی خیر خواہی بنالے۔ اسی طرح اسے چاہیے کہ نقصان پہنچانے کی بجائے ان کا فائدہ اور بھلا کرنا اپنا مقصد بنالے۔ وہ ان کے ساتھ نرمی کرے اور ان پر سختی سے گریز کرے۔ اللہ کی قسم! مرد اور دو عالم ﷺ کی باتیں ایسی ہی ہوتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورة التوبة: 128)

”دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔“

لوگوں کے ساتھ نرمی کرنا، ان کے لئے آسانیاں پیدا کرنا اور ان کے ساتھ بھلا کرنے کی کوشش کرنا ایسی صفات ہیں جو اگر کسی شخص میں اکٹھی ہو جائیں تو اس کی زبان پر کوئی نظرت انگیز بات آہی نہیں سکتی۔

اللہ کے بندو!

بعض لوگوں نے آزادی اظہار رائے کا غلط مطلب لیا ہے۔ آزادی اظہار کا مفہوم جو وہ بیان کرتے ہیں وہ آزادی سے کسی طرح بھی کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ انہوں نے لوگوں کی عزت آبرو اور رازوں کو اتنی ہی حیثیت دی ہے جتنی کسی گھاس کو دی جاتی ہے۔ جو چاہتا ہے اس پر ہاتھ ڈال لیتا ہے۔ انہیں ایسا درد بنا دیا ہے جو ہر ایک کی زبان پر آ جاتا ہے بلکہ ایسا گندا جو ہڑ بنا دیا ہے، جس سے نقصانوں پر آکسانے والے، گالم گلوچ کرنے والے اور دوسروں کو رسوا کرنے والے سیراب ہوتے ہیں اور اس گندے جو ہڑ سے وہی لوگ پیتے ہیں جو بے چینی اور اضطراب پھیلانے والے ہیں یا جو دوسروں کی باتوں میں آنے والے ہیں۔

اللہ کے بندو!

نُفرت انگیز انداز گفتگو لفظی تشدد ہے۔ جو چیز اللہ تعالیٰ نرمی کے بدلے عطا فرماتا ہے، وہ سختی کے بدلے کبھی نہیں دیتا۔ اللہ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا تھا:

﴿فِيمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْقَضُوا مِنْ حَوْلِكَ﴾

”اے پیغمبر (ﷺ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔“ (آل عمران: 159)

نُفرت انگیز انداز گفتگو سے لوگ بکھرتے ہیں، اکٹھے نہیں ہوتے۔ اس سے دوریاں پھیلتی ہیں، قربتیں پیدا نہیں ہوتیں۔ فساد برپا ہوتا ہے اور اصلاح نہیں ہوتی۔ اس کی مثال تو ہاتھ سے پھینگی جانے والی کنکری کی سی ہے جو آنکھ تو پھوڑ سکتی ہے مگر شکار کو مار نہیں سکتی۔

نُفرت انگیز انداز گفتگو بالکل سیلاب کی جھاگ کی طرح ہے، جو جلد ہی اڑ جاتی ہے اور

زمین میں دیر تک نہیں رہتی۔ اس انداز کو جو بھی اپناتا ہے، اس کی وحشیانہ گفتگو سے دانشمندوں کے کان دور بھاگنے لگتے ہیں۔ وہ اس کی باتیں سننا یا اس کی لکھی ہوئی باتیں پڑھنا شدید ناپسند کرنے لگتے ہیں۔ یہ ایسا انداز گفتگو ہے، جو بندے کو ایک چھوٹے سے دائرے میں محصور کر دیتا ہے، جہاں وہ اپنے علاوہ کسی کو نہیں دیکھ پاتا۔ پھر اس کے ہاں اچھے گمان کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اختلاف رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ ایسا بھڑکتا ہوا آتش فشاں ہوتا ہے جو شعلے ہی پھینکتا ہے اور شعلے جس چیز پر بھی پڑتے ہیں، اسے جلا کر راکھ یا مائع بنا دیتے ہیں۔

نفرت انگیز انداز گفتگو بے وقوف کا اخلاق اور احمق کا ہتھیار ہوتا ہے۔ یہ کہنے، غرور، جذبہ انتقام اور جعلی کامیابیوں سے بھرے دل سے نکلنے والی بات ہے۔

اللہ کے بندو!

نفرت انگیز انداز گفتگو کوئی وراثتی بیماری نہیں ہے جس کا علاج انسان کے بس میں نہیں ہوتا، بلکہ یہ مختلف چیزوں سے تیار ہونے والی ایک معجون ہے، جو اپنی غذائیت نیز مٹی افکار سے اور نفس کی پریشانی سے حاصل کرتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں درحقیقت ہوا میں گھومنے والے ایسے جرثومے ہیں، جو ہر اس نفس کا رخ کرتے ہیں جو اخلاق اور عدل و انصاف سے خالی ہوتا ہے۔ پھر جسم میں ان کی پرورش، قوت مدافعت کی موجودگی یا عدم موجودگی کی مرہون منت ہوتی ہے۔ یعنی ان جرثوموں کے آنے سے پہلے بھی ان کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ یا کم از کم آنے کے بعد انہیں ختم تو کیا ہی جاسکتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ کیونکہ پرہیز کے ذریعے ان جرثوموں سے زیادہ دور رہا جاسکتا ہے اور اس طرح ان سے حفاظت یقینی بن جاتی ہے۔

اگر انسان اپنی گفتگو کو مہذب بنانے اور اسے نرمی، محبت اور خیر خواہی کے رنگ میں

رنگنے سے قاصر ہو تو پھر اس کی آخری دوا جو قیمتی طور پر کام کر جاتی ہے وہ خاموشی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔

جب کہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكَلِّمْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ»

(صحیح بخاری: 4675)

”جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ بھلی بات کرے یا خاموش رہے۔“

یاد رکھو کہ امتِ اسلامیہ پر اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی شریعت کی بدولت، نفرت انگیز انداز گفتگو سے کوسوں دور ہے۔ یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ (سورة البقرة: 143)

”اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ’امتِ وسط‘ بنایا ہے۔“

یعنی تمہیں عدل پر قائم رہنے والی اور بہترین امت بنایا ہے، جس کے لوگ اپنی باتوں میں اور اپنے مخالفوں کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت عدل سے کام لیتے ہیں۔ وہ بہترین امت بنایا جس کے لوگ اپنے ہر کام میں اور دوسروں کے ساتھ تعامل میں عدل سے کام لیتے ہیں، لیکن وہ خرابی جو مجموعی طور پر امت میں عام ہو چکی ہے، اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ امت کے باشندے اس فضیلت کو ذہن نشین نہیں رکھ پائے اور نتیجے کے طور پر اس پر قائم بھی نہیں رہ پائے۔ پھر اس کے کچھ باشندے اس فضیلت کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو اپنانے لگے ہیں جو کسی طرح بھی قابلِ تعریف نہیں ہو سکتیں۔

إِذَا مَا اتَّقَى الْإِنْسَانَ بِالْقَوْلِ رَبِّهِ \*\*\* تَجَنَّبَ فِيمَا قَدْ يَقُولُ نَوَاهِيَهُ

فَخَيْرُ خُطَابِ الْمَرْءِ مَا كَانَ رَحْمَةً \*\*\* وَشَرُّ خُطَابٍ مَا أَبَانَ كَرَاهِيَتَهُ

”اگر انسان اپنی باتوں میں اللہ سے ڈرنے والا ہو تو وہ زبان سے ہر لفظ نکالتے وقت اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ بہترین گفتگو وہ ہے جس میں رحمت کا پہلو شامل ہوتا ہے اور بدترین گفتگو وہ ہے، جس سے نفرت کی بدبو آتی ہو۔“

میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لئے، آپ کے لئے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ اور کوتاہی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً امیر ارب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر اسی کیلئے حمد و ثناء ہے۔ اس کی توفیق اور نوازشوں پر اسی کے لیے سارا شکر ہے۔

بعد ازاں، اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ صدی کے اس عشرے میں غیر مسلموں میں اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں منفی سوچ پھیل گئی ہے۔ اس سوچ نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز انداز گفتگو کو فروغ دیا ہے۔ یہاں تک کہ یہ ذرائع ابلاغ کا مرکزی موضوع بن گیا ہے۔ اس سوچ کے اور اس کی وجوہات کے بارے میں بہت سی باتیں ہو چکی ہیں۔

بہر حال نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز انداز گفتگو کی وجہ یا تو کوئی پختہ سوچ ہے یا پھر بعض نام کے مسلمانوں کے غیر مقبول کاموں کا رد عمل ہے۔ یادوں امور ایک ساتھ اس کی وجوہات ہیں۔

جہاں تک پختہ سوچ یا غلط عقیدے کی بات ہے تو اس کے بارے میں اہل اسلام کچھ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر انہیں ساری نشانیاں بھی دیکھا دی جائیں تو بھی اہل اسلام ان کے عقیدہ کو ان کے دلوں سے نکالنے پر قادر نہیں ہیں، الا یہ کہ اللہ ہی اسے ان کے دلوں سے



نکالنا چاہے۔ کیونکہ انسان جس عادت پر جوان ہوتا ہے، بڑھاپے میں بھی اسی پر قائم رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ (سورۃ

البروج: 8)

”اُن اہل ایمان سے اُن کی دشمنی اِس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اِس اللہ پر

ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔“

رہی وہ چیزیں جو اہل اسلام کی کچھ غلطیوں کے رد عمل کے طور پر سامنے آئی ہیں، تو یہ چیزیں ہماری توجہ کا مرکز ہیں۔ کیونکہ اہل اسلام کو دوسروں کے لئے بہترین نمونہ ہونا چاہیے اور ان کے سارے کام اسی دین کے مطابق ہونے چاہئیں جس کا نام وہ لیتے ہیں۔ غیر مسلم تو دین اسلام اور مسلمانوں کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ جو غلطی بھی کسی مسلمان سے ہوگی، اس کے نتیجے میں وہ اسلام ہی کو قابل ملامت ٹھہرائیں گے۔ یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ملنے جلنے والے بہت سے مسلمان اپنی باتوں، کاموں اور اخلاق سے غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی مثبت تصویر پیش نہیں کرتے۔

اس لیے غیر مسلموں کو اسلام کی جامعیت، اس کے عدل و انصاف، اس کی عالمگیریت اور ہر زمان و مکان میں اس کے کمال کے متعلق کچھ پتہ نہیں چل پاتا۔ چنانچہ عمومی طور پر تمام اہل اسلام کا اور پڑھے لکھے مسلمانوں کا خاص طور پر فرض ہے کہ وہ معتدل انداز گفتگو، معتدل انداز کتابت اور بہترین تعامل کے طریقے اپنا کر غیر مسلم ممالک میں اسلام کا روشن چہرہ بن کر دکھائیں۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ غیر مسلموں میں اسلام کے فلسفہ حیات کی تشبیہ کریں، اس کے سیاسی تصور، معاشی تصور، ثقافتی تصور اور تہذیبی تصور کی ترویج کریں۔ سب

کو بتائیں کہ اسلام ہر فرد کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ وہ چند افراد سے بننے والے خاندان کو کس نظر سے دیکھتا ہے اور چند خاندانوں سے تشکیل پانے والے معاشرے کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے۔

ان کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ اسلام ایک بہترین دین ہے جس میں زندگی کے ہر معاملے کے حوالے سے رہنمائی موجود ہے۔ اگر اس کے کسی فرد سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو وہ غلطی اسی فرد کی ہے نہ کہ پورے اسلام کی۔

اسی طرح صحافتی اداروں اور دوسری تنظیموں کو بھی اس کام میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ ان کے سر پر جو ذمہ داری ہے وہ دوسروں کی ذمہ داری سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ ذمہ داری ادا کرنے کا سب سے آسان اور سستا طریقہ اعلیٰ اخلاق اپنانا اور ایسا شاندار انداز گفتگو اپنانا ہے جس میں خیر خواہی شامل ہو اور جس کی بدولت ان کے دل اسلام اور اہل اسلام کے لئے کھل جائیں۔ کیونکہ اخلاق میں اتنا اثر ہے کہ کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور اللہ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔

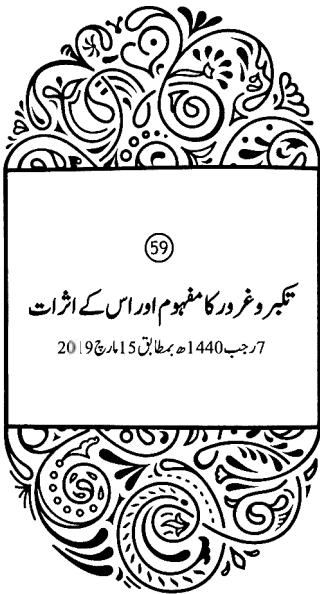
اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے، درود و سلام بھیجو مخلوق میں بہترین اور انسانوں میں افضل ترین ہستی محمد ﷺ پر جو کہ حوض کوثر والے اور شفاعت کبریٰ والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے جس میں سب سے پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے، پھر اپنی تعریف و تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا اور پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول، نورانی چہرے والے، کشادہ جبیں محمد ﷺ پر درود و سلام بھیج۔ اے اللہ! اپنے نبی کے چاروں خلفائے راشدین ابو بکر، عمر، عثمان اور علیؑ سے

راضی ہو جا۔ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور نیکی میں تاقیامت ان کے پیروکاروں سے بھی خوش ہو جا۔ اے ارحم الراحمین! اپنے فضل و کرم سے ہم سے بھی راضی ہو جا۔



## پہلا خطبہ

اللہ کی ایسی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں جیسی اس کی پکڑ سے ڈرنے والے شکر گزار کرتے ہیں۔ ہر طرح کی حمد و ثناء اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہی آسمانوں کا پروردگار ہے، زمین کا پروردگار ہے اور سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے اور تم سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، انگوں اور پچھلوں کے سردار ہیں، لوگوں کے لیے رحمت، گواہ، بشارت دینے والے، خبردار کرنے والے، اللہ کی مرضی سے اس کی طرف بلانے والے اور روشن چراغ بنا کر بھیجے جانے والے ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، تابعین رضی اللہ عنہم پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔

بعد ازاں اے مسلمانو! اللہ سے یوں ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ دین اسلام کی مضبوط رسی کو سختی سے تھام لو۔ یہی وہ ہمیشہ رہنے والی نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انگوں اور پچھلوں کو فرمائی ہے۔

﴿ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ

اتَّقُوا اللَّهَ ﴾ (سورة النساء: 131)

”تم سے پہلے جنہیں ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب

تمہیں بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو۔“

اللہ کے بندو لوگوں کے اخلاق اور تصرفات، چاہے اچھے ہوں یا برے، بہر حال وہ ان کے دلوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے نفس برتنوں کی مانند ہیں اور برتن کی حیثیت اس میں ڈالی جانے والی چیز کے مطابق ہوتی ہے۔ کچھ لوگ غفلت کے سبب یہ سمجھنے لگے ہیں کہ وہ اس

طہارت فضیلت: اشعاع اذکر سورۃ الشرح ﷺ

تکبر و غرور کا مضموم اور اس کے اثرات

دنیا میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ وقت کی چکی انہیں کبھی نہیں پیسے گی، بلکہ ان کے ارد گرد رہنے والوں کو بھی بچالے گی۔ اس غفلت کا نتیجہ کینہ سے بھرے دلوں، عزتیں اچھالنے والی زبانوں اور ہر شے ملیا میٹ کرنے والے تکبر و غرور کی شکل میں سامنے آیا، جس سے اخلاق عالیہ یوں مٹ گئے جیسے کشیدہ لباس کی کشیدہ کاری مٹی ہے۔ کسی کو معلوم نہ رہا کہ رحمت کیا ہے، سادگی کیا ہے، نرمی کسے کہتے ہیں۔ عہدوں، جائیدادوں اور عزتوں کی کثرت ہی اہل دنیا کا پیمانہ بن گیا۔ لوگ بھول گئے کہ یہ چیزیں تو عارضی ہیں اور جلد ہی ان کی واضح تصویر مٹ جانے والی ہے۔ ان کا دلوں پر کوئی خاص اثر نہیں رہتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

الْأَرْضِ﴾ (الرعد 17)

”جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔“

امام وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے مکحول رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا تھا اس میں انہوں نے سچ لکھا تھا:

”أما بعد، فإنك قد أصبت بظاهرك عند الناس شرفاً ومنزلةً، فاطلب بباطن عملك عند الله منزلةً وزلفى، واعلم أن إحدى المنزلتين تُنزع الأخرى“

”بعد ازاں! تم نے اپنے ظاہری اعمال سے لوگوں کے ہاں ایک مقام اور مرتبہ حاصل کر لیا ہے، اب اپنے چھپے اعمال سے اللہ کے ہاں اپنا مقام و مرتبہ بنانے کی کوشش کرو۔ یاد رکھو کہ ان دونوں حالتوں میں ہمیشہ کشمکش رہتی ہے۔“

یہاں تکبر و غرور سے خبردار کیا گیا ہے، کیونکہ تکبر جس کا ساتھی بنتا ہے، وہ اس کا دین

ودنیاتاہ کر دیتا ہے۔ جی ہاں! یہ غرور ہی ہے جو نیکیوں کو چاٹ جاتا ہے، جو عجز و انکساری کو قتل کر ڈالتا ہے، جو دشمنوں اور بدخواہوں میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اگر تکبر کرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس چیز سے وہ اپنے گھر کی تعمیر کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اس سے اصل میں اس کا اپنا گھر تباہ ہو رہا ہے، تو وہ لمحہ بھر کے لیے بھی لباس تکبر زیب تن نہ کرے۔

جو اپنے نفس کی حیثیت جان لیتا ہے، وہ اسے وہیں رکھتا ہے جہاں اسے رکھنا چاہیے۔ وہ اس کی صحیح انداز میں رہنمائی کرتا ہے۔ وہ اس کی لگام بن جاتا ہے۔ ارد گرد رہنے والوں میں سے ہر صاحب حق کا حق ادا کرتا ہے۔ جبکہ تکبر جس چیز میں شامل ہوتا ہے، وہ اسے بد نما بنا دیتا ہے، جس قوم میں پھیلتا ہے، انہیں رسوا کر دیتا ہے۔

اللہ کے بندو!

یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ کیونکہ تکبر کا ایک قطرہ انکساری کے ایک چشمے کو گندا کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ قاعدہ تو طے شدہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار سے نشہ ہوتا ہے، اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہی ہے۔

اللہ کے بندو!

تکبر و غرور کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ بندہ اپنی حیثیت کا صحیح اندازہ لگانے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس کے پاس اپنے نفس کو جانچنے کے لیے صحیح پیمانہ نہیں ہوتا۔ اسے لگتا ہے کہ وہ ان صلاحیتوں کا مالک ہے جو حقیقت میں اس میں نہیں ہوتیں، یا اللہ نے اسے کچھ صلاحیتیں دی ہوتی ہیں، مگر وہ ان کا شکر کرنے کی بجائے تکبر اور غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ناقابل قبول اور بے بنیاد تصرفات کرنے لگتا ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ ایسے تصرفات کی بنیاد خود اعتمادی ہے، تو وہ غلطی پر ہے۔ کیونکہ تکبر اور خود اعتمادی میں بڑا واضح فرق ہوتا ہے۔ خود اعتمادی کی وجہ صلاحیت کی موجودگی ہوتی ہے جبکہ تکبر کی وجہ صلاحیت کی کمی یا غیر

موجودگی ہوتی ہے۔ غرور یہ ہے کہ انسان غیر حقیقی عظمت اور کمال کا دعویٰ کرے۔ خود اعتمادی ایک فطری چیز ہے جس میں کوئی تکلف نہیں ہوتا، جبکہ تکبر و غرور مصنوعی اور خود ساختہ ہوتا ہے۔ خود اعتمادی سے انکساری پیدا ہوتی ہے جبکہ غرور اس کے برعکس انسان کو تکبر کی طرف دھکیلتا ہے۔

اللہ کے بندو!

خلاصہ یہ ہے کہ خود اعتمادی بلندی کی طرف جانے والے زینے ہیں۔ تکبر رسوائی کی طرف لے جانے والی گھائی ہے۔ کہا جاتا ہے:

”إنه ما بين الشقة بالنفس وبين الغرور إلا شعرة“

”خود اعتمادی اور غرور میں بس ایک بال ہی کا فرق ہے۔“

خود اعتمادی تو ایک بہترین مقصود اور محبوب اخلاق ہے۔ خود اعتمادی رکھنے والا اپنے اندر کسی اچھی صفت کی موجودگی سے مطمئن ہوتا ہے۔ اس میں انکساری ہوتی ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس سے بہتر صفات کے حاملین بھی موجود ہیں اور وہ خود بہت سے لوگوں سے بہتر ہے۔ اگر اس کا یہ حال نہ ہو تو وہ اپنی حقیقی صلاحیتوں یا خوش فہمیوں کی بنیاد پر تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یہی تو تکبر کی حقیقت ہے۔ تکبر اور خود اعتمادی کے درمیان جو ایک بال کا فرق موجود ہے، وہ یہی ہے کہ خود اعتمادی رکھنے والا خود پسندی کا شکار نہیں ہوتا۔ یہ وہ بال ہے کہ جس کے ٹوٹنے کی صورت میں انسان پر تکبر یوں چھا جاتا کہ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ وہ اپنی حیثیت سے اندھا اور اپنے عیبوں سے بہرہ اہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے عیب تو کسی نے دیکھے ہی نہیں!

اللہ کے بندو!



تکبر و غرور کا حال ایسی سرکتی ریت جیسا ہے کہ جس پر ننگے پاؤں چلنا غیر ممکن ہوتا ہے۔ جب انسان اس میں سے ایک قدم نکالتا ہے تو دوسرا اس میں دھنس جاتا ہے۔ جس کا یہ حال ہو، اسے ہموار زمین کس طرح دستیاب ہو سکتی ہے جس پر چل کر وہ اپنے مقاصد پورے کرنے میں کامیاب ہو سکے! امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی حسن درجے کی سند کے ساتھ روایت کردہ حدیث میں ہے کہ

”ثَلَاثٌ مُّهْلِكَاتٌ: شُحٌّ مَطَاعٌ وَهَوًى مَتَّبَعٌ وَاعْتِبَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ“  
 ”تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں: کجھوسی جو انسان میں سرایت کر جائے،  
 ایسی خواہشات جن کے پیچھے انسان بھاگنے لگے اور انسان کی خود پسندی۔“ (الجم  
 الأوسط: 5/328)

اللہ کے بندو!

تکبر ایسا نشہ ہے جو زائد از ضرورت خود پسندی کی وجہ سے انسان پر حملہ کرتا ہے۔ اس کی عقل کو اپنے پروردگار کے حق سے اور دوسروں کے حقوق سے اندھا کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کی تعظیم کرنے لگتا ہے، اس کے کمالات اور بڑائیوں کے بارے میں الفاظ کی بارش برسانے لگتا ہے، پھر وہ اس قابل بھی نہیں رہتا کہ چیزوں کو دوسروں کی نگاہ سے دیکھ لے۔ وہ صرف اپنے آپ کو دیکھ پاتا ہے، وہ کسی کی نصیحت قبول نہیں کرتا، کسی یاد دہانی پر دھیان نہیں دیتا، بلکہ وہ تکبر کو خود اعتمادی اور عزت کا نام دیتا ہے، جبکہ دوسروں کی نصیحتوں اور یاد دہانیوں کو حسد اور دل کی بھڑاس کہتا ہے۔ وہ اپنی ہر غلطی اور کوتاہی کی کوئی نہ کوئی تاویل کر لیتا ہے اور دوسروں کی صلاحیتوں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے۔ وہ دوسروں کو ہمیشہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کے محبوب ترین لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس کی باتوں کی گونج بن جائیں۔ اس طرح اس کی صفات مجموعی طور پر لوگوں کو

قریب کرنے والی نہیں بلکہ انہیں دور بھگانے والی بن جاتی ہیں۔ اللہ کی قسم! غرور کرنے والے کی یہی ہلاکت اور اس کی فلاح کی یہی قبر ہے، کیونکہ وہ اپنے حق میں بھی کوتاہیاں کرتا ہے اور دوسروں کے ساتھ بھی زیادتی کرتا ہے۔ اپنے نفس کے حق میں وہ یہ وہ زیادتی کرتا ہے کہ اسے ضرورت سے زیادہ بڑا سمجھنے لگتا ہے، جسم سے بڑی پوشاک پہن لیتا ہے۔ دوسروں پر زیادتی یوں کرتا ہے کہ انہیں ضرورت سے کم توجہ دیتا ہے، اس طرح وہ دوسرے پیمانوں کا حامل بن جاتا ہے اور اخلاقی گراؤٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

مغرور شخص اپنے غرور سے کبھی چھٹکارا نہیں پاسکتا، الایہ کہ وہ اپنے نفس کو، دوسروں کو اور اس دنیا کو منصفانہ نظر سے دیکھنے لگے، اپنے نفس کی طرف دیکھتے ہوئے یاد رکھے کہ وہ چکنی مٹی سے بنا ہے اور اس نے رنگ، نسب، عزت یا نوکری کی وجہ سے فضیلت نہیں کمائی۔ دوسروں کو دیکھتے ہوئے یہ یاد رکھے کہ وہ سب بھی آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اللہ نے انہیں ایک دوسرے سے بہتر بنایا ہے اور ان کے درجے ایک دوسرے سے بلند رکھے ہیں تاکہ ان میں سے کچھ لوگ دوسروں کے تابع رہیں۔ حقیقی معیار جو ان سب پر غالب ہے، وہ اللہ کا تقویٰ ہے۔

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (سورۃ الحجرات: 13)

”در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر

سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ غنغان میں نافع بن حارث کی ملاقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مکہ کا والی بنایا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ”بیٹھے کس کو ذمہ داری دے کر آئے ہو؟ عرض کی، ابن ابزی کو۔ کہا: یہ ابن ابزی کون ہے؟ عرض کی: آزاد کردہ غلام ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے اہل مکہ پر ایک آزاد کردہ غلام کو

ذمہ دار بنا دیا؟ انہوں نے کہا: وہ کتاب اللہ کا بہترین قاری ہے۔ وراثت کے علم کو خوب جانتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخِرِينَ» (مسلم)

”اس کتاب سے اللہ بہت سے لوگوں کو عزت اور بہت سے لوگوں کو ذلت دیتا ہے۔“

اسی طرح وہ دنیا کو دیکھتے ہوئے یاد رکھے کہ یہ ایک گزر گاہ ہے۔ اس کا حال کبھی ایک جیسا نہیں رہتا۔ اللہ کے ہاں اس کی حیثیت چمھر کے پر سے بھی کم ہے۔ اس میں تو بس اس کا بچپن گزرنا ہے جس کے بعد بڑھاپے کے ساتھ ندامت بھی آسکتی ہے۔

اے مغرور انسان!

یہ کیسا شوق ہے! جس سے اگر تم اپنے نفس کو روکتے، تو وہ رک جاتا۔ کیا تم دھوکے میں آکر موت کو اور فنا کو بھی بھول گئے؟ کیا تمہارا نفس اس حقیقت کو بھی بھول گیا اور فضولیات میں لگا رہا؟

تکبر و غرور اور خود پسندی میں سعادت ڈھونڈنے والا یقینی طور پر رسوا ہوتا ہے اور ایسی چیزوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جو اس کی خواہشات کی عین ضد ہوتی ہیں۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ حقیقت میں مغرور لوگ سعادت سے محروم ہوتے ہیں، بلکہ وہ اپنے غرور کی وجہ سے دوہری بد بختی کا شکار ہوتے ہیں۔ مغروروں کے لیے غرور تمکین پانی کی طرح ہے، جس سے انسان ایک کھونٹ پیتا ہے تو اس کی پیاس اور بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح وہ ایسا بیمار بن جاتا ہے جو اپنا علاج بھی اسی بیماری سے کر رہا ہوتا ہے جس کا وہ پہلے سے شکار ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو شفا کیوں کر نصیب ہو؟ جی ہاں! اس کا غرور اسے غبارے کی طرح پھلا ضرور دیتا ہے، مگر وہ اس سے بلندی کی طرف نہیں جاتا۔ بلکہ کھائیوں میں گر جاتا ہے۔ وہ اپنا سینا جتنا بھی ابھار لے،

بہر حال، اس میں ہوا کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس سے وہ ہوا میں اڑنے کے قابل کبھی نہیں ہو سکتا اور نہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿وَلَا تَمْسِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا • كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ (سورۃ الإسراء: 37-38)

”زمین میں اکر کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔ ان امور میں سے ہر ایک کا برا پہلو تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور دانش کی باتوں سے فائدہ پہنچائے۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں! اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہر گناہ اور کوتاہی کی معافی مانگتا ہوں! آپ بھی اسی سے معافی مانگو! اور اسی کی طرف رجوع کرو! یقیناً! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے!

### دوسرا خطبہ

اللہ تعالیٰ کے لیے پاکیزہ، بابرکت اور بے انتہا حمد و ثنا ہے۔ ویسی حمد و ثنا جیسی ہمارے پروردگار کو پسند ہے اور جو اسے راضی کرتی ہے۔

### بعد ازاں!

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! یاد رکھو تکبر کبھی قوت کو ظاہر نہیں کرتا اور انکساری کبھی کمزوری کو ظاہر نہیں کرتی۔ مغرور شخص اپنی خواہشات کے سامنے ذلیل اور انتہائی ضعیف ہوتا ہے، جبکہ منکسر المزاج انسان خواہشات، تکبر اور خود پسندی جیسی بیماریوں کا مقابلہ بڑی سختی کے ساتھ کرتا ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھو کہ غرور کی بدترین شکل اللہ کے انکار اور کفر کی ہے، جبکہ اس کی ملکی ترین شکل حق کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔ جو غرور الحاد اور کفر کی طرف لیجاتا ہے، اللہ نے اس کے بارے میں یہ فرمایا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ

مُنِيرٍ \* ثَانِي عِظْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (سورة الحج: 8-9)

”اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کسی علم اور ہدایت اور روشنی بخشنے والی کتاب کے بغیر، گردن اکڑائے ہوئے۔ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں تاکہ لوگوں کو راہ اللہ سے بھٹکادیں۔“

وہ تکبر اور غرور کی وجہ سے منہ موڑے رکھتے ہیں۔ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ ذہانت سے معروف ملحد ابن راوندی کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ ایک دن راستے میں اسے سخت بھوک لگی تو وہ پل پر بیٹھ گیا۔ بھوک نے اسے ستا رکھا تھا۔ اسی دوران اس کے سامنے کچھ گھوڑے گزرے جس پر موٹا اور پتلاریشم لد اہوا تھا۔ اس نے کہا:

”لمن هذه؟ فقالوا: لفلان، فمررت جوار مستحسنات فقال: لمن

هذه؟ فقالوا: لفلان، فمررت به رجل فرآه وعليه أثر الضر فرمى إليه

رغيفين فأخذهما ورمى بهما، وقال: هذه الأشياء لفلان وهذان

لي؟“

”یہ کس کے ہیں؟ لوگوں نے کہا: فلاں کے ہیں۔ پھر اس کے سامنے سے کچھ

خوبصورت لونڈیاں گزریں تو اس نے کہا: یہ کس کی ہیں؟ کہا گیا: فلاں کی ہیں۔ پھر

ایک شخص نے اس کا حال دیکھا تو اسے رحم آگیا اور اس نے اسے دو روٹیاں دیں،

مگر اس نے انہیں دور پھینکتے ہوئے اپنے مالک پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: یہ ساری

چیزیں فلاں کی اور میرے لیے صرف دو روٹیاں!“

یعنی وہ تکبر اور غرور کے ساتھ اپنے رب پر اعتراض کر رہا تھا۔ اس مغرور انسان کو اپنی ذہانت سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ اپنے اسی رویے کی وجہ سے اس بھوک کا مستحق بنا ہے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ایک واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

”فلعنَ اللہ الذکاءَ بلا ایمان، ورضی اللہ عن البلادۃ مع التقویٰ.“  
 ”ذہین مگر بے ایمان شخص اللہ کی لعنت کا جبکہ کند ذہن مگر متقی انسان اللہ کی خوشنودی کا حقدار ہے۔“

اسی طرح جو غرور تکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کی طرف لے جاتا ہے تو اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

الکِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ (صحیح مسلم: 91)  
 ”حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا تکبر ہے۔“

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أما بطر الحق فهو دفعه وإنكاره، ترفعا وتجبّرا، وأما غمط الناس فهو احتقارهم.“

”حق دھتکارنے کا مطلب یہ ہے کہ خود کو بڑا اور بلند سمجھتے ہوئے اس کا انکار کر دیا جائے۔ لوگوں کو حقیر سمجھنا نہیں اپنے سے کم تر سمجھنا ہے۔“

اللہ کے بندو! جامع اور مختصر بات یہ ہے کہ تکبر و غرور کی آگ بجھانے میں کوئی چیز قرآنی آیات اور سنت رسول کی طرح دلوں میں ہمہ وقت تازہ رکھنے جیسی کارگر نہیں ہے۔ قرآن و حدیث میں لوگوں کی تخلیق کی ابتدا کے متعلق بتایا گیا ہے، یہ واضح کیا گیا ہے کہ سب ایک جیسے ہیں، سب آدم اور حواء کی اولاد ہیں۔ اگر ان کا کوئی قابل فخر نسب ہے، تو وہ مٹی اور

پانی ہے۔ اللہ کے یہاں لوگوں کی برتری مال، معاشرتی مقام، نسب، ذہانت یا کسی عہدے کی بنیاد پر نہیں ہوتی۔ ان ساری چیزوں کی وجہ سے کوئی دوسرے سے بہتر نہیں بنتا۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ (سورة المائدة: 18)

”در حقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان اللہ نے پیدا کیے ہیں۔“

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور انسانوں کی پاکیزہ ترین ہستی، حوض کوثر اور شفاعت کبریٰ والے، محمد بن عبد اللہ ﷺ پر۔ اللہ نے آپ کو یہ حکم دیتے ہوئے، پہلے اپنا ذکر فرمایا، پھر اپنی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر فرمایا، پھر آپ کو اے مؤمنو! کہہ کر مخاطب کیا۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مؤمنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورة الاحزاب: 56)





## پہلا خطبہ

اللہ کے لیے اتنی تعریف ہے جو گنتی سے زیادہ ہو۔ اسی نے اپنی فرمان برداری کا حکم دیا ہے اور اپنی نافرمانی سے روکا ہے۔ ہم اسی کی حمد و ثنائیاں کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے، اس کے راضی ہونے پر بھی اسی کے لیے حمد و ثنا ہے، اس کے راضی ہونے کے بعد بھی اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں اور ہر حال میں اسی کے لیے ساری ثنا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ نمازیوں اور تہجد گزاروں میں افضل ترین ہیں۔ حاجیوں اور روزہ داروں میں سب سے بلند ترین۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نرمی اور آسانی والے دین خالص کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار کا پیغام یوں پہنچایا جیسے پہنچانے کا حق تھا۔ لوگوں پر اللہ کی حجت قائم کر دی۔ آپ بشارتیں بھی دیتے اور خبردار بھی کرتے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلا تے۔ آپ اللہ کی طرف سے روشن چراغ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، آپ ﷺ کی بیویوں، امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم پر، تابعین پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔ اے اللہ! ان سب پر سلامتی بھی نازل فرما!

بعد ازاں! بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریقہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں۔ ہر ایجاد کردہ عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ علانیہ اور پوشیدہ کاموں میں اللہ سے ڈرتے رہو، غصے کی حالت میں ہو یا خوشی کی حالت میں، پرہیز گاری اپنائے رکھو۔

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (سورة المائدة: 100)

”پس اے لوگو جو عقل رکھتے ہو! اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو، امید ہے کہ تمہیں

فلاح نصیب ہوگی۔“

اللہ کے بندو! صاحب توفیق وہی ہوتا ہے جو اللہ کے دین پر راضی رہتا ہے اور قناعت اختیار کرتا ہے۔ وہ جو لوگوں کو بھی ویسا ہی نظر آتا ہے جیسا وہ حقیقت میں ہوتا ہے۔ جس میں کوئی تکلف یا بناوٹ نہیں ہوتی۔ جو لوگوں میں اپنی پہچان پیدا کرنے سے پہلے خود اپنی قیمت جان لیتا ہے۔ سادگی اور نرمی جس کے مزاج کا حصہ ہوتی ہیں۔ جو نمائش کے لیے کسی صفت کو اپنانے کا تکلف نہیں کرتا۔ جو اپنے ہاتھ میں موجود چیز کو خرچ کرنے میں بخل نہیں کرتا۔ جو یہی پسند کرتا ہے کہ لوگوں کو ویسا ہی نظر آئے جیسا وہ حقیقت میں ہو اور دوسروں کو بھی ویسا ہی دیکھنا چاہتا ہے۔ جو کبھی تیز طراری دکھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ جو بخیل ہونے کے باوجود کبھی بناوٹی طور پر فراخ دلی نہیں دکھاتا۔ جو فقیر ہونے کے باوجود مال دار ہونے کا ڈرامہ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاتا ہے اور ہمیشہ دستیاب چیزوں پر اکتفاء کرتا ہے کیونکہ اصل میں تکلف بناوٹ ہوتا ہے اور اس میں چیزوں کو خلاف حقیقت دکھایا جاتا ہے اور جو ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے کے بعد بھی انہیں کافی نہ سمجھے، تو اسے اگر زمین کی ہر چیز بھی مل جائے تو بھی وہ انہیں کافی نہ سمجھے گا۔ امام ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”عَلَامَةُ الْمُتَكَلِّفِ ثَلَاثٌ : أَنْ يَنْزِلَ مَنْ فَوْقَهُ ، وَيَتَعَاطَى مَا لَا يَنْأَلُ ، وَيَقُولُ مَا لَا يَعْلَمُ .“

”تکلف کرنے والے کی تین علامتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ اپنے سے بلند مرتبہ رکھنے والوں کا مقابلہ کرے، اپنے دائرہ کار سے نکلنے کی کوشش کرے اور علم کے بغیر بات کرے۔“

اللہ کے بندو! لفظ ”تکلف“ سے ہر عقلمند ”معمول سے ہٹ جانا“ ہی مراد لیتا ہے۔ یعنی مشکل چیزوں کو اپنانے، غیر موجود صفات کو حاصل کرنے اور قدرت سے باہر چیزوں پر ہاتھ ڈالنے میں مبالغے سے کام لینا۔ اس رویے میں آداب نبویہ کی خلاف ورزی بھی پائی جاتی ہے اور قابل عمل طریقہ اعتدال سے خروج کا عنصر بھی شامل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل

تکلف کی ہونا کہیں اور اس کے برے نتائج  
ترین، سب سے بڑھ کر فراخ دل اور فیاض بندے تھے۔ آپ ﷺ کبھی بھی تکلف نہیں کرتے تھے۔ کبھی بناوٹ نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ پیغام الہی کی دعوت و تبلیغ میں بھی اس رویے سے دور رہتے تھے، تو بھلا وہ عبادات اور اخلاق میں کس طرح اس صفت کو اپنا سکتے ہیں؟ قرآن پاک میں ہے:

﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾

”اے نبی! ان سے کہہ دو کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔“ (سورۃ ص: 86)

یعنی: میں بناوٹ اختیار کرنے والا یا ایسی چیزوں کو اپنانے میں تکلف کرنے والا نہیں ہوں، جو مجھ میں نہیں ہیں۔

آپ ﷺ کے پیغام کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا۔ وہ ان سے صرف ایسی چیزوں کا مطالبہ ہی کرتا ہے جو ان کے بس میں ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے اور نعمت بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ وہ لوگوں کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے تھے اور ناپاک چیزیں ان کے لیے حرام کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے وہ تمام بوجھ اور پابندیاں ختم کر دیں جو پچھلی قوموں پر ڈالی گئی تھیں۔

تکلف جس چیز میں بھی ہو، وہ چیز ہی بری ہو جاتی ہے۔ جس چیز میں نہ ہو، وہ چیز اچھی بن جاتی ہے۔ جو کسی قسم کے تکلف یا بناوٹ کے بغیر ویسا ہی رہتا ہے، جیسا اللہ نے اسے پیدا کیا ہے، وہ بہترین راستے پر ہے، کیونکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ سادگی میں اس کی سعادت اور سکون ہے۔ تکلف اور بناوٹ سے نہ انسان کا مقام و مرتبہ بڑھتا ہے، اور نہ عمر زیادہ ہوتی ہے۔ اگر یوں کہنا درست ہو کہ تکلف اسراف، ریاکاری اور ناکامی کی ڈاک ہے، تو یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ سادگی قناعت، تواضع اور کامیابی کی ڈاک ہے۔ اللہ کی خاطر کیا جانے والا تواضع اور

خود اعتمادی انسان کو اپنے حجم سے بڑا لباس پہننے سے روکتے ہیں، جو پاس نہیں، بناوٹ سے اس کی نمائش سے منع کرتے ہیں، اور جو پاس ہے، اس میں نجوسی سے دور کرتے ہیں۔

وَلَا تَلْبَسْ لِبَاسًا لَسْتَ مِنْهُ... فَلَنْ تَرُقِيَ بِهِنَّ لَيْسَ هُنَّ

وَلَا تَرْعَمُ دِرَايَةَ كُلِّ فَنٍ... فَلَنْ تَحْطَى بِفَنِّ لَيْسَ فَنُّكَ

فَإِنْ رُمْتَ التَّكْلُفَ تَهْتَ فِيهِ... وَخَبْتَ إِذَا أَصْغَعْتَ بِهِ مَكْنَكَ

”کبھی اپنے سے بڑا لباس نہ پہننا۔ کیونکہ تم ایسی چیز سے آگے نہیں بڑھ سکتے جو

تمہاری اپنی نہ ہو۔ ہر فن کا علم رکھنے کا دعویٰ نہ کرو۔ کیونکہ تم اپنے فن کے علاوہ

کسی دوسرے فن کے ماہر نہیں ہو سکتے۔ اگر تکلف میں پڑو گے تو اسی میں دھنس جاؤ

گے اور اگر اسے اپنے دل پر حاوی کر لو گے تو ناکام ہو جاؤ گے۔“

اللہ کے بندو! ان ساری باتوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تواضع اور سادگی دکھانے میں

تکلف کیا جائے، ہر گز نہیں۔ کیونکہ یہ بھی تکلف کی ایک مذموم شکل ہے۔ سیدنا انس بن

مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ: نُهَيْنَا عَنِ التَّكْلُفِ“ (صحیح بخاری: 7293)

”ہم عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، تو انہوں نے فرمایا: ہمیں تکلف سے روکا گیا

ہے۔“

اللہ کے بندو! سادگی سے معاشرتی سکون اور استحکام عام ہوتا۔ رضامندی اور قناعت کو

نقصان پہنچانے والی لائٹھی ٹوٹ جاتی ہے۔ شدید افسوس کی بات ہے کہ لوگوں کی معاشرتی

عادات پر تکلف کی مختلف شکلیں یوں غالب نظر آتی ہیں کہ عقل دھنگ رہ جاتی ہے، یا تو اس

لیے کہ کوئی انہیں طعنہ نہ دے، یا دوسروں کو اپنی برتری دکھانے کے لیے اور

یا دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے۔ کہیں جو اس مردی میں تکلف ہوتا ہے، کہیں

خوشیوں میں تکلف ہوتا ہے، کہیں غمی اور افسوس میں تکلف ہوتا ہے۔ کتنے رسم و رواج ہیں

جو لوگوں کو قرض کے بوجھ تلے دبا دیتے ہیں، خاندانوں کو توڑ دیتے ہیں، لوگوں کو جیلوں میں دھکیل دیتے ہیں، جن کی وجہ سے عدالتیں لگانا پڑتی ہیں اور نفس، مال اور اولاد کی برکت جاتی رہتی ہے۔ کتنے جگری یاروں کو تکلف نے الگ کر دیا، کتنے سخیوں کو فقیر کر دیا، اور کتنے پردوں کے پیچھے چھپے لوگوں کو برہنہ کر دیا۔

اللہ کے بندو! اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام سخاوت کا حکم دیتا ہے، مگر اسلام ہی تکلف سے بھی روکتا ہے، خوبصورتی کو پسند، مگر بناوٹ کو ناپسند کرتا ہے۔ سمجھ دار مسلمان نہ خود تکلف کرتا ہے اور نہ دوسروں کو تکلف پر مجبور کرتا ہے، کیونکہ تکلف اور بناوٹ قناعت اور رضامندی کے دشمن ہیں۔ تکلف کرنے والا جب تک تکلف کو نہیں چھوڑے گا، کبھی سکھ کا سانس نہیں لے گا اور جب تک وہ قناعت نہیں کرے گا، تکلف کو نہیں چھوڑ پائے گا، کیونکہ قناعت سے انسان اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ اسے تکلف کی ضرورت نہیں رہتی۔ کسی نے خوب کہا ہے:

هِيَ الْقَنَاعَةُ فَالزَّمَمَهَا تَعِيشُ مَلِكًا ۖ لَوْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا رَاحَةَ الْبَدَنِ

”قناعت اپنالو، بادشاہ بن کر جیو گے۔ چاہے تمہارے پاس بدن کی سلامتی کے سوا

اور کچھ نہ ہو۔“

اللہ کے بندو! خلاصہ یہ ہے کہ سادگی شدید تکلف اور شدید لا پرواہی کا درمیانی راستہ ہے۔ تکلف کرنے والوں اور منہ پر ماسک پہننے والوں میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ ماسک کی طرح تکلف بھی ہمیشہ انسان کے چہرے پر نہیں رہتا۔ بہر حال حقیقت کی زندگی جعلی زندگی سے طویل ہوتی ہے۔ اور جس شخص کا یہ حال ہو، وہ اپنے اوپر بھی بھروسہ نہیں کر سکتا، اور دوسرے بھلا اس پر کس طرح بھروسہ کریں گے؟ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایسے لوگ تکلف کا سہارا اسی لیے لیتے ہیں کہ ان کے دلوں میں خوف اور احساس کمتری ہوتا ہے۔ وہ اپنے سے زیادہ دوسروں کی نگرانی کرتے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا مثبت استعمال

نہیں کرتے اور دوسروں کو طلی ہوئی صلاحیتوں کو حاصل کرنے کی کوشش میں رستے ہیں۔ اگر ہر شخص اللہ کی عطا پر اکتفا کرتے ہوئے زندگی گزارے، تو اسے کھوکھلی بنیادوں پر نئی عادات اپنانے کی ضرورت ہی نہ پڑے جن کی وجہ سے وہ تصنع جیسی مہلک بیماری میں گرفتار ہو جائے۔

یہ بات درست ہے کہ عادات اور اخلاق میں تکلف اچھا نہیں ہے تو یہ بات بھی اس سے کچھ کم درست نہیں ہے کہ عبادت میں تکلف بھی قابل مذمت ہے۔ حدیث میں ہے کہ

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ شَعَائِرَ الْإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ ، أَخْبَرَنِي بِأَمْرِ أَتَشَبَّهُ بِهِ ، قَالَ : لَا يَزَالُ لِسَانَكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ»


”ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا: ”عبادت کی مختلف شکلیں میری لیے کافی زیادہ ہو گئی ہیں، مجھے ایسی کوئی ایک چیز بتا دیجیے جس پر میں مضبوطی سے قائم ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہمیشہ اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھنا۔“ (جامع ترمذی: 3375)

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! غور کیجیے کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ نے اسے اسی بات کا حکم دیا جو اس کے لیے مناسب تھی۔ اسے کسی ایسی صفت کو اپنانے کی نصیحت نہیں کیا جو اس میں نہیں تھی، یا جس پر وہ قدرت نہیں رکھتا تھا۔ وہ شخص بڑا کمال کرتا ہے جو اپنے نفس اور حالت و پہچان لیتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتا تھا: ”کیا کہ میں کہتا ہوں:

”وَاللَّهِ لِأَصُومَنَّ النَّهَارَ وَلَا قَوْمَنَّ اللَّيْلَ مَا عَشْتُ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : أَنْتَ الَّذِي تَقُولُ ذَلِكَ ؟ فَقُلْتُ لَهُ : قَدْ قَلْتُهُ بِأُجْبِي يَا رَسُولَ اللَّهِ ، قَالَ : فَإِنَّكَ لَا تَسْتَطِيعُ ذَلِكَ فَضْمٌ وَأَقْبَطٌ وَتَمُّ وَفَمُّ .“

وَصُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ؛ فَإِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، وَذَلِكَ مِثْلُ صِيَامِ الدَّهْرِ، قُلْتُ: فَإِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَصُمْ يَوْمًا وَأَقِظْ يَوْمَيْنِ، قُلْتُ: فَإِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَصُمْ يَوْمًا وَأَقِظْ يَوْمًا، فَذَلِكَ صِيَامُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ أَعْدَلُ الصِّيَامِ، وَفِي رِوَايَةٍ: وَهُوَ أَفْضَلُ الصِّيَامِ، فَقُلْتُ: فَإِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، فَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَقُولُ بَعْدَمَا كَثُرَ: لَأَنْ أَكُونَ قَبْلَ الثَّلَاثَةِ الْأَيَّامِ الَّتِي قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَهْلِي وَمَالِي

”اللہ کی قسم! میں اپنی ساری زندگی ہمیشہ دن کا روزہ رکھوں گا اور رات کی تہجد پڑھوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں نے یہ تو کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ روزہ رکھا بھی کرو اور چھوڑا بھی کرو۔ تہجد بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو۔ مہینے میں تین دن روزے رکھ لیا کرو کیونکہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ اس طرح تمہیں ساری عمر کے روزوں کا ثواب مل جائے گا، میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی ہمت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو ایک دن روزہ رکھ لیا کرو اور دو دن چھوڑ دیا کرو۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ کی ہمت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو ایک دن روزہ رکھ لیا کرو اور ایک دن چھوڑ دیا کرو۔ یہ طریقہ داؤد کا طریقہ ہے اور یہی روزے کا بہترین طریقہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے: یہ روزے کا افضل ترین طریقہ ہے۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی ہمت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے بہتر کچھ نہیں ہے۔ جب سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑھے ہو گئے تو وہ کہا کرتے تھے: اس وقت آپ ﷺ کے فرمان کے

خطبات فضیلت: شیخ اکبر سعید الشریح  تکلف کی ہولناکیاں اور اس کے برے نتائج

مطابق تین دنوں پر راضی ہو جانا مجھے اپنے گھر والوں اور مال سے بھی زیادہ عزیز ہے۔“ (صحیح مسلم: 1159)

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ (النساء:

28)

”اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن و سنت سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات، ذکر اور دانش کی باتوں سے فیض یاب فرمائے! میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے اور آپ کے لیے اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے بھی ہر گناہ اور لفظی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر میں اسی کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں۔ اس کی توفیق اور نوازشوں پر میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اللہ کی خوشنودی کی طرف بلانے والے رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! یاد رکھو کہ عقیدے میں تکلف کرنا بھی تکلف کی ایک بری شکل ہے۔ اس سے انسان سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ یا تو ضرورت سے زیادہ نرمی اختیار کرتے ہوئے سلف صالحین کے طریقے سے ہٹ جاتا ہے اور یوں لادینیت کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اللہ کے دین کے ساتھ کھیلنے لگتا ہے، یا غلو اور مبالغہ آرائی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مبالغہ آرائی کے خطرے کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے



کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَلَّاكَ الْمُتَنَطِّعُونَ» (صحیح مسلم: 2670)

”مبالغہ آرائی کرنے والے ہلاک ہو گئے۔“

ان الفاظ سے کبھی یوں لگتا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں بد عادی اور کبھی لگتا ہے کہ آپ ﷺ نے انکے برے انجام کے بارے میں خبردار کیا اور یہ دونوں چیزیں ہی انتہائی بری ہیں۔

غلو اور مبالغہ آرائی کی خطرناک ترین شکل وہ ہے جو انسان کو تکفیر کی راہ پر لے جاتی ہے اور لوگوں کی جانوں اور جائیدادوں پر ہاتھ ڈالنے پر آمادہ کر دیتی ہے، کیونکہ اس طرح لوگوں کی ایک ناگزیر ضرورت پوری نہیں ہو پاتی جسے ہر انسان کی پانچ ناگزیر ترین ضرورتوں میں شامل کیا گیا ہے اور جن کی تکمیل پر ساری شریعتیں متفق رہی ہیں۔ یہ ضرورت دین اور جان کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ غلو کرنے والے اپنی مبالغہ آرائی کی وجہ سے تکفیر کی طرف چل پڑتے ہیں اور اس کی وجہ سے کلمہ گو مسلمانوں کی جانوں پر ہاتھ ڈالنے کو جائز سمجھنے لگتے ہیں۔ پھر وہ خوف و ہراس پھیلاتے ہیں، تباہی مچاتے ہیں اور فساد برپا کرتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ فساد یوں کو پسند نہیں کرتا۔

کیا ایسے لوگ یہ نہیں جانتے ہیں کہ وہ سب اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں سب سے پہلے خود گرنے والے ہیں۔ ان میں جو بھی نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ چھوٹا، بڑا، اندھا اور دیکھنے والا، سب انہیں برا کہتے ہیں۔ انہوں نے بہترین سوت کا تنے کے بعد اپنے ہی ہاتھوں سے اسے کلڑے کلڑے کر دیا۔ چراغ جلانے کے بعد خود ہی اسے گل کر دیا۔ ہدایت کے بعد گمراہی سے اللہ کی پناہ! کشادی کے بعد تنگی سے اللہ کی پناہ!

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے

سنا:

«يُخْرِجُ مِنْ أُمَّتِي قَوْمٌ يَسِينُونَ الْأَعْمَالَ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُونَ حَنَاجِرَهُمْ، قَالَ يَزِيدُ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ عَمَلَهُ مَعَ عَمَلِهِمْ يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ فَإِذَا خَرَجُوا فَاقْتُلُوهُمْ فَطَوْبِي لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَطَوْبِي لِمَنْ قَتَلُوهُ كَمَا طَلَعَ مِنْهُمْ قَرْنٌ قَطَعَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَرَدَّدَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَشْرِينَ مَرَّةً وَأَنَا أَسْمَعُ» (مسند أحمد: 268/7)

”میری امت میں ایسے لوگ آئیں گے جو برے کام کریں گے، قرآن پڑھیں گے، مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کی عبادت دیکھ کر تم اپنی عبادت کو بے حیثیت سمجھو گے، وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے، جب وہ آئیں تو ان سے لڑنا، انہیں مارنے والے کا بھلا ہو، اور جسے وہ مار دیں، اس کا بھی بھلا ہو۔ جب بھی ان کا کوئی نیا سنگ نکلے گا، اللہ اسے کاٹ ڈالے گا۔ جب بھی ان کا کوئی نیا سنگ نکلے گا، اللہ اسے کاٹ ڈالے گا۔ میں سن رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ کو بیس مرتبہ دہرایا۔“

عجب ہے! یہ دہشت گردی کتنی بری اور زسواکن ہے! جو اسے اپنے گلے لگاتا ہے، وہ اسے ہی ہلاک کر دیتی ہے۔ اللہ کی شریعت کی حرمت پامال کرتی ہے، معاشرے کا امن ختم کرتی ہے اور امت کی وحدت کو پاش پاش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

”مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار

ہے۔“ (سورۃ النساء: 115)

ایسے لوگوں کو سخت سے سخت سزا ملنی چاہیے، تاکہ ان کی جڑ کٹ جائے، اور یہ ان تمام لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائیں جن کا نفس انہیں مسلمانوں کو ڈرانے اور ان کی خون ریزی پر ابھارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۚ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْبُرُوا عَلَيْهِمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ﴾ (سورۃ المائدہ: 33-34)

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلا وطن کر دیے جائیں، یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

اللہ آپ پر رحم فرمائے اور دوسلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین، انسانوں میں پاکیزہ ترین ہستی، محمد ﷺ، حوض کوثر والے اور شفاعت کرنے والے پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے، پھر اپنی تعریف و تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر اے مومنو! آپ کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



61

رمضان کے بعد نیکیوں پر استقامت

4 شوال 1440ھ بمطابق 07 جون 2019ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ وہ یکتائے جلالت ہے، مکمل خوبصورتی کا مالک ہے۔ قابل تعظیم ہے اور اس کی بڑائی قابل بیان ہے۔ وہ اکیلا ہی سارے معاملات کو اجمالی طور پر اور ہر شے کی باریک بینیوں کے ساتھ چلاتا ہے۔ وہی ہر چیز کی تقدیر لکھتا ہے اور وہی ہر چیز کا بندوبست کرتا ہے۔ وہ اپنی عظمت اور شان میں انتہائی بلند ہے۔ اسی نے اپنے بندے پر کتاب فرقان نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کے لیے خبردار کرنے اور ڈرانے والا بن جائیں اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلائیں۔ یوں آپ ﷺ اللہ کی طرف سے روشن چراغ بنا دیے گئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ روشن چہرے والے ہیں۔ اور چمکتی پیشانی والے ہیں۔ رسولوں کے سردار ہیں۔ روشن پیشانیوں والوں کے قائد ہیں۔ اللہ کی افضل ترین رحمتیں اور پاکیزہ ترین سلامتیاں ہوں آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے پاکیزہ اور نیک اہل بیت پر، آپ ﷺ کی بیویوں، امہات المؤمنین پر، روشن پیشانیوں والے اور نیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، تابعین پر اور قیامت تک ان کے نقس قدم پر چلنے والوں پر۔ اے اللہ! ان سب پر سلامتی بھی نازل فرما!

بعد ازاں! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! جب تک مہلت کے دن باقی ہیں، اللہ سے ڈرتے رہو، کیونکہ زمانہ بڑی تیزی سے گزرنے والا، اور کبھی نہ لوٹنے والا ہے۔ یہ دنیائے فانی آپ کو ہمیشہ کی زندگی سے غافل نہ کر دے۔ کیونکہ جو آپ کے پاس ہے، وہ تو ختم ہو جاتا ہے، اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اور عاقبت اہل تقویٰ کے لیے ہے۔

اللہ کے بندو! رات اور دن کے گزرتے جانے میں اس چیز کی تاکید ہوتی ہے کہ زمانہ مختصر اور تیز رفتار ہو گیا ہے۔ وقت بادلوں کی طرح گزرنے لگا ہے۔ وقت کی تیزی سے ہمیں

یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ مہینہ بنتے کے برابر ہو گیا ہے، ہفتہ دن کے برابر اور سال مہینے کے برابر ہو گیا ہے۔ ہم اپنے دین کی بدولت یہ جانتے ہیں کہ زمانے کی یہ تیزی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ کی گواہی کے مطابق سچے رسول ﷺ کی پیش گوئی میں ہے۔

اللہ کے بندو! سمجھدار اور دانشمند لوگوں کے لیے یہ بھی ایک شاندار موقع ہے، کہ وہ بیدار ہو جائیں، نیکی کی طرف آجائیں، سچی توبہ کر لیں، دوسروں کی مدد کریں اور بری سبھی جانے والی چیزوں سے رک جائیں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ

شُكُورًا ﴾

”وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا، ہر اس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے، یا شکر گزار ہونا چاہے۔“ (سورۃ الفرقان: 62)

اللہ کے بندو!

اگرچہ گناہ کرنا ویسے بھی برا ہے، مگر نیکی کے بعد گناہ کرنا تو انتہائی برا ہے۔ اگر نیکیوں سے گناہ بنتے ہیں تو نیکیوں کے بعد گناہوں کی طرف لوٹنے سے نیکیوں کی عمدگی کم ہو جاتی ہے، بلکہ برائیاں نیکیوں کے راستے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نیکی میں آگے بڑھ جانے کے بعد برائی کی طرف پلٹنے سے پناہ مانگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي نَقَصَتْ غُرْلُهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ﴾

(سورۃ النحل: 92)

”تمہاری حالت اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت سے سوت کا تار اور پھر آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔“

چنانچہ، اللہ کے بندو!

جو کمال حاصل کرنے کے بعد کوتاہی کی طرف پلٹ جاتا ہے، یا گناہوں سے جان چھڑانے کے بعد پھر گناہ اس پر غالب آجاتے ہیں، وہ اپنے آپ کو نیکی کی کامیابی سے محروم کرنے والا ہے۔ چاہے ایسا شخص اپنے آپ کو ہلکی پھلکی موسمی عبادتوں کے ذریعے دھوکہ ہی کیوں نہ دیتا رہے۔ ایسی عبادات کا اس کی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات تو وہ ان عبادات کی ادائیگی کے وقت بھی گریہ زاری کی لذت اور عبادت کے مزے سے محروم رہتا ہے، کیونکہ اس کے دل میں یہ ارادہ موجود ہوتا ہے کہ وہ ان عبادات کے بعد پھر پہلی زندگی کی طرف لوٹ جائے گا۔

تو اے اللہ کے بندے!

غور کر! رمضان میں عبادت کی تھوڑی بہت لذت تو نے حاصل کی ہے، اب اس لذت کو عبادت کے منافی کاموں سے ضائع نہ کرنا۔ مستقل مزاجی اپنا، چاہے عبادت کم ہی کیوں نہ ہو۔ نیکی کی مقدار اہم نہیں ہے، بلکہ نیکی کی عمدگی زیادہ اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِيَبْلُغُوَكُمْ أَتْيَكُمْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾ (سورۃ الملک: 2)

”تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔“

یہ نہیں کہا کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے۔ مستقل مزاجی سے عبادت کی جائے تو اللہ کے حکم سے تو انائی کے بعد سستی نہیں آتی۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«عَلَيْكُمْ مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ، فَوَاللَّهِ لَا يَمَلُّ اللَّهُ حَتَّى تَمَلُّوْا، وَكَانَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ» (صحیح مسلم)

(785)

”اتنی نیکی کیا کرو جتنی کر سکو، کیونکہ اللہ تو نیکی سے نہیں اکتاتا، تم ہی اکتا جاتے

مضان کے بعد تکبیروں پر احتیاط  
 ہو، ”آپ ﷺ کو وہ نیکی زیادہ پسند تھی جس پر مستقل مزاجی کے ساتھ عمل کیا جائے۔

اللہ کے بندہ و صاحب توفیق وہی ہے جو کسی حال میں بھی نیکی سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ کھڑا بھی اللہ کی عبادت کرتا رہتا ہے، چلتا پھرتا بھی، بیٹھا بھی اور لیٹا بھی۔ اپنے پروردگار کو ہر حال میں یاد رکھتا ہے۔ رمضان میں بھی، شوال میں بھی اور سال کے دوسرے مہینوں میں بھی۔ یہ سارے مہینے سال اور وقت کا حصہ ہیں، جن کے متعلق بلا تفریق انسان سے سوال کیا جائے گا۔ سارے مہینے انسان کی گزرتی ہوئی عمر کا حصہ ہیں۔ اس سے ہر لمحے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس میں تو کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سچائی پر اللہ نے گواہی دی ہے اور آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عَمَلِهِ فِيمَا أَفْتَاهُ»

(جامع ترمذی، 2417)

”روز قیامت کوئی شخص ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکے گا جب تک اس سے یہ

پوچھ نہ لیا جائے کہ اس نے اپنی عمر کن چیزوں میں گزاری ہے۔“

صاحب توفیق انسان وہی ہے جو عبادت کے لیے کوئی ایک خاص مہینہ نہیں رکھتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ رمضان کا پروردگار بھی وہی ہے جو دوسرے مہینوں کا پروردگار ہے۔ اللہ کے بندو! ایسا شخص یہ بھی خوب جانتا ہے کہ نیکی کے مواقع ایک دوسرے کے بعد آتے رہتے ہیں اور یہ مواقع ایک دوسرے سے بہتر اور افضل بھی ہوتے ہیں مگر کوئی وقت عبادت سے خالی نہیں ہوتا۔ بعض نا سمجھ لوگ اپنی دہری جہالت کی بنیاد پر یہ سمجھتے ہیں کہ ماہ رمضان ایک غیر معمولی مہینہ ہے جو اس سے پہلے اور اس کے بعد کے گناہوں میں ایک وقفے کا کام کرتا ہے۔



اللہ کی قسم! یہ سوچ جہالت، گمراہی اور نہ سمجھی کا نتیجہ ہے۔ صاحب توفیق انسان یہ بھی خوب جانتا ہے کہ جس طرح روزے رکھ کر بھوکے رہنا عبادت ہے، بالکل اسی طرح عید کے دن خوشی منانا بھی عبادت ہے اور اگر رمضان میں عبادت کی مختلف شکلیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور تطہیر کے ساتھ ساتھ تعمیر کا کام بھی جاری رہتا ہے، تو انسان ان ہی عبادت کو سال کے بقیہ دنوں میں موجود پائے گا۔ تو بھلا شوال کے دوران پیر اور جمعرات کے روزے رکھنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ ایام البیض کے روزے رکھنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ صدقہ اور تلاوت قرآن میں کیا امر مانع ہے؟ بقیہ مہینوں میں یہ ساری چیزیں ممکن ہیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے ماہ شوال میں چھ روزوں کی فضیلت الگ سے بیان فرمائی ہے۔ فرمایا:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ»

(صحیح مسلم: 1164)

”جو رمضان کے روزے رکھنے کے بعد ماہ شوال میں چھ روزے رکھتا ہے، تو گویا

کہ اس نے سارا سال روزے رکھے۔“

اللہ کے بندو! وہ اس طرح کہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ تو ماہ رمضان کے روزے دس مہینوں کے برابر ہوئے، اور شوال کے چھ روزے ساٹھ دنوں کے روزوں کے برابر ہوئے۔ اس طرح تعداد مکمل بارہ مہینے کی ہو گئی۔ یعنی پورا ایک سال۔ دَہْر سال ہی کو کہتے ہیں۔

یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ جب اس نے سارا سال روزے رکھنے سے منع فرمادیا، جیسا کہ حدیث میں ہے، تو رمضان کے مکمل اور ماہ شوال کے چھ روزوں میں پورے سال کے روزوں کا اجر رکھ دیا، تاکہ حکم کی خلاف ورزی بھی نہ کرنا پڑے اور مطلوبہ اجر بھی مل جائے۔ یہ اللہ کا فضل، وہ جسے چاہے، عطا فرمائے۔ وہ فضل عظیم والا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شوال میں کچھ ایسی خاصیتیں رکھی ہیں جو سال کے دوسرے مہینوں میں نہیں رکھیں۔ یہ حج کے مہینوں میں سے پہلا مہینہ ہے۔ حج کے مہینے: شوال، ذوالقعدہ، اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں۔ اسی طرح شوال کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں عید الفطر آتی ہے۔ اسی طرح اس میں چھ روزے رکھنے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اللہ کے بندو! حاصل کلام یہ ہے کہ مسلمان ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ جو نوالہ وہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے، اسے اس کا بھی اجر ملتا ہے۔ گناہ مٹانے میں خالص توحید جیسی کوئی چیز نہیں ہے، پھر یہ کہ کثیر تعداد کی نیکیاں جو انسان کے نامہ اعمال میں شامل کر دی جائیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرِي لِلذَّاكِرِينَ﴾ (سورۃ ہود 114)

”دیکھو، نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر در حقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کو یاد رکھنے والے ہیں۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اپنی بات کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اللہ عظیم و جلیل سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہی ہے۔ رحمتیں اور سلامتیاں ہوں

نیویں اور رسولوں میں سے بلند ترین مرتبہ رکھنے والوں پر۔

بعد ازاں! بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریقہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں۔ ہر ایجاد کردہ عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مسلمان جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے۔ جو اس سے الگ ہوتا ہے وہ جہنم میں جاگرتا ہے۔

سنو! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ یاد رکھو کہ جو رمضان کی عبادت کرتا تھا، تو رمضان تو گزر گیا اور ختم ہو گیا۔ اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے، تو اللہ تو زندہ و جاوید ہے، اسے کبھی موت نہیں آتی۔ غفلت مند وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں کر لے اور بعد از موت زندگی کے لیے تیاری کر لے، جبکہ ناسمجھ وہ ہے جو نفس کو خواہشات کی پیروی کرتا رہے اور اللہ سے امیدیں بھی باندھے رکھے۔

سنو! کوئی شخص اپنی عمر کو ان کاموں میں ضائع نہ کرے جو اللہ کو ناراض کرنے والے ہوں۔ بابرکت مہینوں میں نیکی کے مواقع کوئی نہ گنوائے۔ ہر ایک اللہ کی مدد کا سوال کرے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مشہور و معروف دعائیں کیا کرتے تھے:

«وَأَجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ» (صحیح مسلم: 2720)

”اے اللہ! میری زندگی کو میرے لیے نیکیوں میں اضافے کا ذریعہ بنا۔“

آپ ﷺ نے نیکی کو رمضان تک محدود نہیں رکھا، بلکہ ہر زمانے میں اسے ضروری قرار دیا۔ ہر وقت اس پر قائم رہنے کی تلقین کی۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے کہ

«وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ» (سورۃ الحج: 99)

”اس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔“

اللہ کی عبادت کا اور نیکی کا وقت موت پر ہی ختم ہوتا ہے۔

اللہ کے بندو! نیکی کرتے رہنے اور رضائے الہی کی تلاش پر ثابت قدمی کی بھرپور کوشش کرو۔ نیکی، بھلائی اور احسان کے راستے پر چلنے میں سستی اور کالی سے بچو۔ اسی راستے پر قائم رہنے کی کوشش کرو۔ صبر کرو۔

﴿إِنَّمَا يُؤْتِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (سورة الزمر: 10)

”صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“

جب تک آپ کو مہلت ملی ہوئی ہے، اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں کبھی کوتاہی مت کرو۔ آپ کے مال، آپ کی اولاد اور آپ کی عیدیں آپ کو آپ کے پروردگار کی فرماں برداری سے غافل نہ کر دیں۔ کیونکہ موت اچانک آ جاتی ہے اور اس کے بعد کا حساب کتاب بہت سخت ہوتا ہے، پھر بہت سخت ندامت ہوتی ہے، اور اس وقت ندامت کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ \* وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ \* وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

”اے مومنو! تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔ جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے

اور اُس وقت وہ کہے کہ اے میرے رب، کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔ حالانکہ جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ اُس کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔“ (سورۃ المنافون: 9-11)

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور پاکیزہ ترین ہستی، حوض کوثر والے اور شفاعت کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنی تعریف کی تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا۔

اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور مزید سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ روشن چہرے والے اور چمکتی پیشانی والی ہیں۔ اے اللہ! چاروں خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا! تابعین عظام سے بھی راضی ہو جا۔ اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔



(62)

حجاج اور معتمرین کیلئے چند ضروری نصیحتیں

16 ذوالقعدہ 1440ھ بمطابق 19 جولائی 2019ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ اسی نے نیکی کی بہار کو ہمارے لیے بہترین موقع اور نیکیاں کمانے کا بہترین وقت بنایا ہے۔ اسی نے خیر و برکت کے اوقات کو اپنی رحمت تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ وہ زمین میں نازل ہونے والی ہر چیز کو جانتا ہے، زمین سے نکلنے والی اور آسمان کی طرف چڑھنے والی ہر شے کے بارے میں علم رکھتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی الٰہ واحد ہے، یکتا ہے اور سب سے عظیم ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے، رسول اور خلیل اللہ ہیں۔ اور مخلوق میں سے اللہ کا انتخاب ہیں۔ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے امت اسلام کو گمراہی کے گھٹاؤپ اندھیروں سے محفوظ فرمایا۔ آپ کو اعلیٰ اخلاق دیے اور بلندی نصیب فرمائی۔ آپ ﷺ نے توحید کے اصولوں کے گرد عظیم قلعہ تعمیر کیا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، آپ ﷺ کی بیویوں، اہمات المؤمنین پر، روشن پیشانیوں والے نیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور جب تک حجاج کی زبانوں سے لبیک کی آوازیں بلند ہوتی رہیں اور جمرات پر کنکریاں برستی رہیں، ان سب کے ساتھ ساتھ تابعین عظام اور نیکی کے معاملے میں ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر اللہ کی رحمتیں اور سب سے زیادہ سلامتیاں نازل ہوتی رہیں۔

بعد ازاں! اے بیت اللہ کے حاجیو! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو وہی نصیحت کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے انگوں اور پچھلوں کو کی ہے۔ اللہ سے ڈرو اور اس کی اطاعت کرو۔ پرہیز گاری ہی حقیقی پناہ گاہ ہے، نور فراہم کرنے والا چراغ ہے، جو اندھیروں کو اجالوں سے بدل دیتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی پرہیز گاری اختیار کرے اور پھر اسے ندامت کا سامنا کرنا پڑے یا کوئی پرہیز گار نہ ہو، مگر پھر بھی کامیاب ہو جائے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (سورۃ

یوسف: 90)

”جو شخص اللہ سے ڈرے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“

اے بیت اللہ کے حاجیو! آپ انتہائی عظیم اور مبارک گھر میں آئے ہو۔ بہت سی وادیاں، بہت سے پہاڑ اور بہت سے صحراء پار کر کے آئے ہو۔ صرف اس لیے کہ ثواب حاصل ہو جائے اور عذاب الہی سے نجات مل جائے، تو اللہ کو اخلاص کے ساتھ بہترین عبادت کر کے دکھاؤ، جس میں نہ دکھاوا ہو اور نہ شہرت کی طلب، جس میں کسی مخلوق کو شریک نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حج کو فرض ہی اس لیے کیا ہے کہ توحید کا بول بالا اور شرک کا قلع قمع ہو جائے۔ کیونکہ اللہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ ایسا معبود ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ حج کا ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ توحید کو قائم کیا جائے۔ حج اور عمرے میں ہر زبان، ہر نسب، ہر رنگ اور سوچ رکھنے والوں کی شرکت سے یہ پیغام ملتا ہے کہ حج رب واحد کی طرف متوجہ ہونے کا وقت ہے۔ وہی واحد معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

حجاج کرام جتنا ذکر کرتے ہیں اور جس قدر عبادت میں مشغول ہیں، ان سب اذکار اور عبادت میں افضل ترین ذکر تلبیہ توحید ہے۔ کہ

لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، إن الحمد والنعمه

لك والمملك، لا شريك لك.

”میں حاضر ہوں۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں تیرے لیے حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں تیرے لیے حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں بھی تیرے لیے ہی ہیں، نعمتیں بھی تیری ہی ہیں اور بادشاہت بھی تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔“



یہ وہ تلمیہ ہے جو توحید کے خلاف جانے والے ہر نعرے کو تباہ کر دیتا ہے۔ یہاں قومیت کا، حزبیت کا، فرقہ واریت کا یا فخر و غرور کا کوئی نعرہ نہیں سنائی دیتا۔ بس ایک ہی نعرہ سنائی دیتا ہے۔ یہ نعرہ توحید کا نعرہ ہے، اللہ کی تعظیم کا نعرہ ہے۔ نعمتِ اسلام اور توحید پر نوازنے والے کے شکر کا نعرہ ہے۔ اس نعمت پر اس کی حمد و ثنا پر مشتمل نعرہ ہے۔ تلمیہ میں توحید کا اقرار موجود ہے۔ جب یہ زبان پر آتا ہے تو دل میں حج اور حج کے لوازمات اس قدر راسخ ہو جاتے ہیں کہ دیگر تمام معاملات دل سے نکل جاتے ہیں۔ حج سے غیر متعلقہ یا اس کے منافی تمام امور سے خلاصی مل جاتی ہے، چاہے وہ جاہلیت کے شعارات ہوں، تعصب ہو یا سیاسی نعرے ہوں، جن سے حج کی عبادت اپنے منطقی راستے سے ہٹ جاتی ہے اور اس کی روحانیت کم ہو جاتی ہے۔

جب ہمارے نبی مکرم ﷺ نے الوداعی حج کیا تو آپ نے امت کے ذہنوں میں تلمیہ کے الفاظ کو راسخ کرنے اور ان کے دماغوں میں اس کے معانی بٹھانے کی کوشش کی۔ ان الفاظ میں اللہ کی طرف لپکنا اور اپنے پروردگار کی بندگی بجالانا شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ اہتمام اس لیے کیا تاکہ جاہلیت کے دور سے جو تصورات چلے آ رہے تھے، ان کا خاتمہ ہو جائے، جن میں غیر اللہ کے سامنے جھکنے کے مختلف طریقے شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کے مختلف تلمیہوں کی جگہ یہ شرعی تلمیہ سکھایا۔ کیونکہ جاہلیت کے دور میں ہر قبیلے کا اپنا تلمیہ ہوتا تھا۔ عزی کے لیے الگ تلمیہ تھا، لات کے لیے الگ تلمیہ تھا، اساف کے لیے الگ، منوہ کے لیے الگ اور ذی خصلہ کے لیے الگ تلمیہ تھا۔ قبیلہ عک والوں کا ایک معروف تلمیہ تھا، جسے وہ ہر سال حج میں دہراتے رہتے تھے۔ وہ دو جنبشی غلاموں کو بھیجتے، وہ جا کر طواف کرتے اور یہ الفاظ پڑھتے رہتے:

"تَحْنُ عُرَابًا عَكَ" فیردّد الناس من ورائهما: "عَكَ إِلَيْكَ عَانِيَةً،

رَجَاهُا التَّيْمَانِيَّةُ كَيْمَا تَحْجَّ الثَّانِيَةَ

”ہم قبیلہ عک کے دو کوے ہیں۔“ اس کے جواب میں لوگ کہتے: ”قبیلہ عک کے لوگ سرنگوں ہو کر آگئے ہیں، یمن سے اپنے باشندے لے آئے ہیں، تاکہ ایک مرتبہ پھر حج کر لیں،“ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کے دور کے تمام تلبیے ختم کر دیے، تاکہ صرف توحید کا تلبیہ باقی رہے اور قیامت تک اس سرزمین پر گونجتا رہے۔ یہی اللہ کا رنگ ہے۔

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ﴾ (سورۃ البقرۃ:

138)

”اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو گا؟ اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے تلبیے کی سنت کی بہت تاکید کی۔ یہاں تک کہ آپ نے اسے بلند آواز سے ادا کرنے کا کہا۔ تاکہ توحید کا یہ تلبیہ مشرکین کے تلبیے کو منادے۔ جیسا کہ امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں روایت کیا ہے مشرکین اپنے تلبیے میں یہ بھی کہتے تھے:

لَيْبِيكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، إِلَّا شَرِيكًا تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ

”میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ سوائے ایسے شریک کے جس کا اور

جس کی تمام تر تعلقات کا تو مالک ہو۔“

اللہ ان کی باتوں سے انتہائی بلند و بالا ہے۔ یہ تلبیہ گمراہی اور شرک سے بھرا ہے، اس میں بولنے والوں کی عقلوں کا مذاق اڑایا گیا ہے، باوجود اس کے کہ وہ بڑے سمجھ دار، دانشمند اور اصحاب فکر تھے، مگر ہدایت تو اللہ کی طرف سے عطا ہونے والا نور اور توفیق ہے۔ کتنے تیز ترار اور ذکی لوگ اس سے محروم ہیں اور کتنے کند ذہن لوگوں کے دلوں میں ہدایت راخ ہو

عظمت نصیب الشیخ ذاکر سودا اثریم ﷺ جان اور ستر کیلئے چہ ضروری صحتیں

چکی ہے! کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ عظیم، سب سے زیادہ سمجھ دار اور سب سے زیادہ زیرک اور حکمت والے تھے۔ پھر بھی اگر اللہ تعالیٰ انہیں نہ بناتا، تو انہیں بھی یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (سورة الشورى: 52)

”اور اسی طرح (اے محمد ﷺ) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے، مگر اس روح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔“

تو توحید کا تلبیہ بھی امت اسلام کو اللہ کی رہنمائی سے معلوم ہوا۔ نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا:

أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «الْعَجَّةُ وَالشَّجَّةُ» (جامع ترمذی: 827)

کونسا حج زیادہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس میں عَج اور شَج ہو۔“

اہل علم فرماتے ہیں: ”عَج کا معنی ہے بلند آواز میں تلبیہ پڑھنا، شَج سے مراد قربانی کے جانوروں کا خون بہانا ہے۔“ یہ دونوں کام حج کا حصہ ہیں اور حجاج کے دلوں میں توحید کو راسخ کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَلْبِي إِلَّا لَبَّى إِلَّا لَبَّى مَنْ عَنِ يَمِينِهِ، أَوْ عَنِ شِمَالِهِ مِنْ حَجْرٍ، أَوْ شَجْرٍ، أَوْ مَدْرٍ، حَتَّى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هَاهُنَا وَهَاهُنَا»

(جامع ترمذی۔ 828)

”جو مسلمان تلبیہ پڑھتا ہے، اس کے دائیں بائیں جتنی چیزیں ہوتی ہیں، سب اس کے ساتھ مل کر تلبیہ پڑھتی ہیں، چاہے وہ پتھر ہوں، درخت ہوں یا مٹی ہی ہو۔ تلبیہ میں وہ ساری چیزیں شریک ہوتی ہیں جو تلبیہ پڑھنے والے کی دائیں جانب سے زمین کے آخر تک اور بائیں جانب سے زمین کے آخر تک ہوتی ہیں۔“

اس تلبیہ میں صرف اور صرف اللہ کے سامنے عاجزی اور انکساری ہے اس کا معنی یہ ہے کہ میں تیرے سامنے تلبیہ پڑھتا، عاجزی اور عاجزی اختیار کرتا ہوں۔ انکساری اور انکساری اپناتا ہوں۔ تمام تعریفیں بھی تیرے لیے ہی ہیں، نعمتیں بھی تیری ہی ہیں اور بادشاہت بھی تیری ہی ہے۔ کیونکہ جو مالک ہوتا ہے، وہی نعمتیں دیتا ہے اور جو نعمتیں دیتا ہے، وہی حمد و ثنا کا مستحق ہوتا ہے۔ اب چونکہ یہ سب چیزیں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور وہ اکیلا ان ساری چیزوں کا مالک ہے۔ اس کے ساتھ ان میں کوئی شریک نہیں ہے، چنانچہ ہر طرح کی حمد و ثنا اسی کے لیے ہے۔ یاد رہے کہ حمد و ثنا شکر گزاری سے زیادہ کشادہ معنی رکھتی ہے۔ اسی لیے پہلے حمد و ثنا کا ذکر آتا ہے، کیونکہ حمد و ثنا نعمت پر بھی ہوتا ہے اور بغیر نعمت کے بھی ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف شکر صرف نعمت پر ہی ہوتا ہے۔ مسلمان آزمائش کے وقت بھی اللہ کی حمد و ثنا عبادت سمجھتا ہے اور نعمت کے وقت بھی حمد و ثنا کو عبادت ہی سمجھتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی بادشاہت سے بڑھ کر کوئی بادشاہت نہیں ہے۔ اس کی نعمت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ ساری تعریف بس اسی کے لیے ہے۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ تلبیہ وہ عظیم عبادت ہے جس سے مومنوں کے نفس پاکیزہ ہو جاتے ہیں اور حج کے دوران ان کا اللہ سے تعلق مضبوط ہو جاتا ہے، تلبیہ اور تہلیل کے الفاظ سے اللہ کے لیے وفاداری کی تجدید ہو جاتی ہے۔

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اسی کے لیے ہے، تعریف بھی اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“ تکبیر کے الفاظ یہ ہیں:

«اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ وَ لِلَّهِ الْحَمْدُ»

”اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں! اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے۔“

یہ ذکر احرام کے وقت بھی کیا جاتا ہے، عرفات کے میدان میں بھی اور حجرات کو کنکریاں مارتے وقت بھی۔

﴿ذَلِكَ وَمَنْ يُعِظْمَ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (سورۃ

الحج: 32)

”یہ ہے اصل معاملہ اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

میں اپنی بات کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

## دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر میں اسی کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں۔ اس کی توفیق اور نوازشوں پر میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ میں اللہ کی شان کی بلندی بیان کرتے ہوئے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کی خوشنودی کی طرف بلانے والے تھے۔

بعد ازاں اسب سے سچا کلام اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریقہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں۔ ہر ایجاد کردہ عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مسلمان جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے۔ جو اس سے الگ ہوتا ہے وہ جہنم میں جاگرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُضَلِّهِ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ ﴾ (سورۃ

النساء: 115)

”جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔“

اے بیت اللہ کے حاجیو! بیت اللہ کی مسابغی کے حقوق ادا کرنے کا پورا اہتمام کرو۔ ادب آداب کا لحاظ کرو، نرمی اپناؤ، سکینت کبھی نہ چھوڑو اور خشوع و خضوع کے ساتھ رہو۔ آپ یہ لہے لہے سفر اس لیے نہیں طے کر کے آئے کہ یہاں آکر کوتاہی کرو۔ آپ ساز

وسامان اس لیے نہیں باندھ کر آئے کہ یہاں آکر گناہ کرو۔ آپ ایک مقدس گھر میں ہو، ایک محترم شہر میں ہو، ایک محترم مہینے میں ہو۔ تو اللہ کو حقیقی بندے بن کر دکھاؤ، خالص اطاعت کر کے دکھاؤ۔ اخلاص اور پیروی کی طرف لیجانے والی نشستوں کو کبھی نہ چھوڑو، تاکہ تم قبولیت حاصل کر سکو۔ رسول ﷺ کی پیروی کے بغیر فرمان برداری راکھ کی مانند ہے۔ اسی طرح اخلاص کے بغیر رسول کی پیروی کی کوئی حیثیت نہیں۔ آپ کے ہاتھ میں یہی ہے کہ آپ اللہ کے اس فرمان پر پورے اترو:

﴿لِيَبْلُوكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (سورہ ہود: 7)

”تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔“

یعنی کس کے عمل میں اخلاص سب سے زیادہ ہے اور کس کا عمل سب سے زیادہ درست ہے۔

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین ہستی، انسانوں میں اعظم ترین قائد، حوض کوثر اور سفارش کرنے والے پر، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنی تعریف اور تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (الاحزاب: 56)



(63)

سکینت میں امن و اطمینان ہے

8 ذوالحجہ، 1440ھ بمطابق 9 اگست 2019ء



## پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ ہم اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں، اسی پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اپنے نفس کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت عطا فرمادے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“ (سورۃ آل عمران: 102)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے، اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ﴾

أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿ (سورة الاحزاب. 70-71)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

بعد ازاں!

بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریقہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں۔ ہر ایجاد کردہ عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مسلمان جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے۔ جو اس سے الگ ہوتا ہے وہ جہنم میں جاگرتا ہے۔

اے مسلمانو!

اہل دانش نے کبھی ایسا معلم اور مربی نہیں دیکھا جس کی عقل بھی کامل ہو، کمال درجے کا مشفق بھی ہو اور انتہا کا سمجھ دار بھی ہو۔ یہ ساری کی ساری صفات ہمارے پیارے رسول اور رہنما محمد ﷺ میں پائی جاتی تھیں۔ آپ اپنے لباس میں بھی بہترین مثال تھے، اپنی گفتگو میں بھی اعلیٰ پائے کا نمونہ تھے، اپنے کاموں میں بھی اعلیٰ ترین اسوہ تھے، اپنی خاموشی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

هو البحر من أي النواحي أتيتہ... فَلَجَّتْهُ المعروف والبر ساجلہ  
”وہ ایسا سمندر تھے کہ جس میں جس طرف سے بھی جایا جائے، اس کی تہ احسان اور ساحل نیکی سے بھرا ہے۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدان عرفات سے

رواندہ ہوئے تو آپ نے پیچھے گھوڑوں کو ہانکنے کی تیز آوازیں سنیں، انہیں مارنے کی اور اونٹوں کی بلبلاہٹ سنی تو آپ ﷺ نے اپنی لاشمی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيَّكُمْ بِالسَّكِينَةِ» (صحیح بخاری: 1671)  
 ”لوگو! سکینت اپناؤ۔“

یہ حکم نبوی ایک بہترین اخلاق کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو آپ ﷺ کو اللہ نے سکھایا ہے۔ اسی کا فرمان ہے:

﴿وَأَنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾

”بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔“ (سورۃ القلم: 4)

یہ اخلاق بردباری کا اخلاق ہے۔

حجی ہاں اللہ کے بندو! سکینت ہی وہ اخلاق ہے جو بردباری اور جلد بازی میں فرق کرتا ہے۔ سکینت ہی سے بد نظمی ختم ہوتی ہے۔ سکینت سے غصہ، شدت پسندی، تنگی اور دل کی کدورتیں ویسے ختم ہو جاتی ہیں جیسے بھٹی میں لوہے کی گندگی ختم ہو جاتی ہے۔ سکنت سے تقدیر پر اطمینان، رضامندی، توکل، شرح صدر اور قناعت نصیب ہو جاتی ہے۔ اس سے انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ جلد بازی اور افراتفری کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ندامت اور پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ویسے بھی جلد بازی میں ہمیشہ ندامت ہی ہوتی ہے، جبکہ سلامتی ہمیشہ بردباری میں ہوتی ہے۔ سکینت سے خشوع، خضوع، تواضع اور وقار حاصل ہوتا ہے، جبکہ جلد بازی میں سختی، تکبر اور حد سے تجاوز ہوتا ہے۔

جب تک انسان میں روح ہوتی ہے اور اس کی سانس چل رہی ہوتی ہے تو وہ تقدیر کے زیر سایہ ہوتا ہے۔ اسے عطا میں بھی ملتی ہیں اور آزمائشیں بھی دیکھنا پڑتی ہیں۔ زندگی میں اس کا اطمینان کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں کی ہوا ہمیشہ بیماریوں کی حامل نہیں ہوتی، کبھی سخت

گر می انسان کی زندگی کا حسن خراب کر دیتی ہے، اور کبھی طرح طرح کی پریشانیاں دیکھنے کو ملتی ہیں، کبھی گھر والوں میں، کبھی دوست احباب میں، کبھی معاش میں اور کبھی ارد گرد رہنے والوں میں۔ کبھی تو انسان اپنے نفس سے تنگ پڑ جاتا ہے اور یہ کشادہ زمین اسے تنگ لگنے لگتی ہے۔ کبھی کوئی پریشانی اسے یوں لپیٹ لیتی ہے کہ خوف اس کے دل سے الگ ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ایسے وقت میں اسے سکینت اور اطمینان کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ سکینت میں اس کی خوشی اور سعادت ہے، تو وہ ہر قیمت پر اپنائے، چاہے اسے سکینت کی طرف ریگ ریگ کر جانا پڑے۔

کیونکہ اللہ کے بندو!

سکینت جس کے اخلاق پر غالب آ جاتی ہے، اسے امن، اطمینان، بردباری اور تقدیر پر رضامندی عطا کر دیتی ہے۔ پھر انسان کی عقل زبان سے پہلے کام کرتی ہے اور دوسروں کی خیر خواہی لالچ پر غالب آ جاتی ہے۔ پھر انسان اس ماضی کی وجہ سے پریشان نہیں ہوتا جو اپنی تمام تر اچھائیوں اور برائیوں کے ساتھ جاچکا ہے، وہ اپنے مستقبل کے بارے میں بھی فکر مند نہیں رہتا جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی نظر بس اپنے اس دن پر ہوتی ہے جس میں وہ جی رہا ہوتا ہے، وہ اپنی ہر سانس آخرت کمانے میں لگانے لگتا ہے۔ اپنی دنیا کو بھی نہیں بھولتا، بلکہ ویسے ہی احسان کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کیا ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ جو سکینت سے محروم ہو جاتا ہے وہ سخت کنبوسی اور تنگی کا شکار ہو جاتا ہے، اس میں جلد بازی آ جاتی ہے، غصیلا پن اور شدت پسندی اس کی مستقل صفات بن جاتی ہیں۔ ان کی وجہ سے اس کا نفس پریشانی، بے تابی اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا سکون، چین اور اچھی توقعات ختم ہوتی جاتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ ایسی صفات ہیں کہ جن سے ہر صاحب عقل اور پُر سکون روح والا دور

رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ انسان کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ دنیاوی معاملات میں سادگی اپنائے اور ذلت سے بچے۔ پریشانی پیدا کرنے والی چیزوں سے دور رہے، رنجیدہ اور مغموم کرنے والی چیزوں سے بچے۔ یا تو انہیں بالکل ہی نظر انداز کر دے، یا پھر زیادہ اہم چیزوں کی طرف اپنی توجہ پھیر لے، تاکہ غیر اہم چیزیں اسے پریشان نہ کریں، کیونکہ یہ قوف اپنی قوم میں معزز کبھی نہیں بن سکتا بلکہ سردار وہ ہوتا ہے جو ضرورت کے مطابق چیزوں کو نظر انداز کرتا ہے۔

ہمیں اپنی واضح اور روشن شریعت کی بدولت معلوم ہوا ہے کہ ضرورت سے زیادہ پریشانی اور بے تابی ساری قوم بلکہ پوری امت کی پیش قدمی کے لیے ایک خطرہ ہے، کیونکہ ہر مسلمان کی بہتری اسی میں ہے کہ

ہر صبح پوری خندہ پیشانی، مثبت سوچ اور بہترین امیدوں کے ساتھ اٹھے، تاکہ وہ اپنے اہم ترین اوقات سے فائدہ اٹھا سکے، مایوسی اور کابلی کا مقابلہ کر سکے، اس سے پہلے کہ وہ اس پر غالب آجائیں۔ کسی عقلمند سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ سکینت، اطمینان اور تقدیر پر رضامندی کو ناپسند کرے گا۔

اس لیے جب انسان کو محسوس ہو کہ اسے کچھ ایسا عارضہ لاحق ہے جو اس کی سکینت اور تقدیر پر رضامندی کو سلب کر رہا ہے، تو اسے اس عارضے کا جلد ازالہ کرنا چاہیے اور اس کے علاج کے لیے وہ طریقہ اپنانا چاہیے جو ہمارے دین نے سکھایا ہے۔ پریشانی کے حملوں کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکنے چاہئیں، کیونکہ ان کی وجہ سے سنجیدگی اور محنت کی جگہ سستی اور بے بسی آجاتی ہے۔

اگرچہ پریشانیاں کوئی محسوس چیز نہیں ہیں، مگر اس کا اثر بہت سے محسوس فتنے سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

اللہ کے بندو!

سکینت بھی اللہ کا ایک لشکر ہے، جو خصوصی طور پر رسولوں کے پیروکاروں کو عطا کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کو اس کی پیروی کے مطابق ملتا ہے۔ یہ سکینت، ایمان کی سکینت ہے، جو جب دل میں بیٹھ جاتا ہے تو تمام طرح کے خدشات اور شکوک و شبہات کو صاف کر دیتا ہے۔ سخت حالات، بڑی مصیبتوں اور دل شکن سانحات کے وقت اس کی اہمیت کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔ ایمان کا یہ سکون اللہ نے اپنے بندوں کو ایسے اوقات میں بھی عطا کیا ہے جس وقت انہیں کھانے اور پینے سے بھی زیادہ اس کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾  
 ”وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ ایک ایمان اور بڑھائیں زمین اور آسمانوں کے سب لشکر اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ علیم و حکیم ہے۔“ (سورۃ الفتح: 4)

یقینی طور پر سکینت اللہ کا ایک لشکر ہے، یہی تو تھی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مدد فرمائی تھی جب ان کے لیے خندق کھودی گئی تھی اور انہیں آگ میں ڈال دیا گیا تھا۔ یہی تو تھی جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت عطا فرمائی تھی جب فرعون اور اس کا لشکر پیچھے سے ان پر آن پڑے تھے اور سمندر ان کے آگے تھا۔ جب ان کے ساتھیوں نے کہا تھا:

﴿إِنَّا لَمُدْرِكُونَ﴾ ”ہم تو پکڑے گئے۔“ (سورۃ الشعراء: 61)

تب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بس اتنا ہی کہہ دیا کہ

﴿كَلَّا ۗ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ (سورۃ الشعراء: 62)

”ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔“

یہی سکینت تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اس وقت نازل کی تھی جب مشرکین کے قدم اس غار کے اوپر تھے جس میں آپ نے اور آپ کے مقرب صحابی نے پناہ لی تھی، جب انہوں نے کلائی پر کڑے کی طرح آپ کے گرد گھیرا انگ کر دیا تھا۔

﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ (سورة التوبه: 40)

”جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اُس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تمہیں نظر نہ آتے تھے۔“

یہ ہے سکینت۔ اے سکینت کو گم کرنے کے بعد اسے تلاش کرنے والے! یہ ہے سکینت۔ اے پریشانیوں کی لپیٹ میں آنے والے! رجوں سے بیتاب رہنے والے! یہ ہے سکینت! اے اطمینان اور سکون کے طالب! اب تو نے سکینت کو پہچان لیا ہے تو اب اسے اپنا لوا اس شخص کے کیا ہی کہنے، جو بات کو سن کر سمجھ جائے اور اس پر عمل کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ اَقْتَدِهٖ﴾ (سورة الأنعام: 90)

”وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے، انہی کے راستے پر تم چلو۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اپنی بات کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً وہ

معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

اللہ کے لیے بے انتہا، پاکیزہ اور بابرکت تعریف ہے۔ ویسی تعریف جیسی میرے رب کو پسند ہے۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں ہوں اللہ کے بندے اور چنیدہ رسول ہدایت غنیہم پر۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو! جب انسان اپنے مولیٰ اور پروردگار کے ساتھ تعلق میں سکینت اپنالیتا ہے، تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ دیگر معاملات میں سکینت اپنانا زیادہ اولیٰ اور اہم ہے۔ اگر وہ ہر وقت یہ یاد رکھے کہ سکینت سے ایمان بڑھتا ہے تو وہ لمحہ بھر کے لیے بھی اس سے بے نیاز نہ ہو۔ ہر ایک جانتا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيُذْأَبُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾

”وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ ایک ایمان اور بڑھالیں۔“ (سورۃ الحج: 4)

دل دماغ میں سکینت کو جتنا زیادہ یاد اور تازہ رکھا جائے گا، اتنا ہی یہ تنگیوں اور پریشانیوں کے وقت کام آتی ہے۔ اس کا معاملہ دل کی سچائی کے ساتھ ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بالیقین! سکینت ایسے دل میں کبھی نہیں آتی جو شکوک و شبہات سے بھرا ہو، یا جو تقصیر سے عاری ہو۔ ایسا کیوں نہ ہو۔

جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:



﴿فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا

قَرِيبًا﴾

”ان کے دلوں کا حال اُس کو معلوم تھا، اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، انہیں انعام میں قریبی فتح بخش۔“ (سورۃ الفتح: 18)

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

”إن شيخ الإسلام ابن تيمية -رحمه الله- إذا اشتدت عليه الأمور قرأ آيات السَّكِينَةِ، وسمعه يقول في واقعة عظيمة جرت له في مرضه تعجز العقول عن حملها من محاربة أرواح شيطانية ظهرت له إذ ذاك في حال ضَعْفِ القوة، قال: فلَمَّا اشْتَدَّ عَلَيَّ الْأَمْرُ قَلْتُ لِأَقَارِبِي وَمَنْ حَوْلِي: اقْرَأُوا آيَاتِ السَّكِينَةِ، قال: ثم أقْلَع عَنِي ذَلِكَ الْحَالُ، وَجَلَسْتُ وَمَا بِي قَلْبَةً“ (مدارج السالكين، 22، ص: 471)

”جب امام ابن تیمیہؒ کی پریشانیاں بڑھ جاتی تھیں تو وہ سکینت والی آیات کی تلاوت کرتے تھے۔ ایک سخت کیفیت میں، جو بیماری کی حالت میں انہیں پیش آئی اور جس کے بارے میں سوچنے سے ہمارے دماغ عاجز ہیں، جس میں عین سخت کمزوری کی حالت میں شیطانی روحوں نے اپنی دشمنی دکھاتے ہوئے ان پر حملہ کر دیا۔ فرماتے ہیں: جب معاملہ انتہائی سنگین ہو گیا تو میں اپنے رشتہ داروں اور اپنے قریبی لوگوں سے کہا: سکینت والی آیات پڑھو۔ فرماتے: انہیں سن کر میری حالت بہتر ہو گئی میں اٹھ کر بیٹھ گیا، گویا کہ مجھے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔“

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

”وقد جربتُ أنا أيضا قراءة هذه الآيات عند اضطراب القلب مما يرد عليه فرأيتُ لها تأثيرا عظيما في سكونه، وطمانينته، ولقد صدق الله عباده إذ يقول: ﴿وَنُنزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۗ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾

”دل کی پریشانی کے وقت میں نے بھی ان آیات کی تلاوت کا تجربہ کیا ہے اور دل کے سکون اور اطمینان میں ان کی عظیم تاثیر پائی ہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: ”ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لیے توشفا اور رحمت ہے، مگر ظالموں کے لیے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔“ (سورۃ الاسراء: 82) (مدارج السالکین: 2/471)

اللہ آپ کی گھبہانی فرمائے! اگر سکینت کے حوالے سے خود کو آزمانا چاہو تو اپنی عبادت میں سکینت کو تلاش کرو، اگر وہاں سکینت موجود ہو تو بہتر، ورنہ جان لو کہ آپ کے اور سکینت کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ، فَاْمْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ، وَلَا تُسْرِعُوا، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا قَاتَكُمُ فَاتَّبِعُوا﴾ (صحیح بخاری: 636)

”اگر تم اقامت سن لو، تب بھی نماز کے لیے پوری سکینت اور وقار کے ساتھ جاؤ۔ جلد بازی نہ کرو۔ جتنی نماز مل جائے اتنی پڑھ لو، جتنی رہ جائے، اسے بعد میں پورا کرو۔“

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور انسانوں عظیم ترین ہستی، محمد ﷺ پر، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا

ذکر کیا ہے۔ پھر اپنی تعریف کی تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مؤمنو! کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مؤمنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور مزید سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر جو کہ روشن چہرے والے اور چمکتی پیشانی والی ہیں۔ اے اللہ! چاروں تعلقائے راشدین سے راضی ہو جا! حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا! تابعین عظام سے بھی راضی ہو جا۔ اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔



64

بلیک میٹنگ کا مفہوم اور نقصانات

5 صفر 1441ھ بمطابق 14 اکتوبر 2019ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ وہی گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحبِ فضل ہے۔ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں! اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے اعضاء درست کیے۔ اسی نے تقدیر بنائی اور پھر راہ دکھائی، ساری تعریف اسی کے لیے ہے۔ ساری خیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ سارے معاملات اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ دنیا و آخرت میں ہر طرح کی حمد و ثنا اسی کے لیے ہے۔ حکم اسی کا چلتا ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹتا ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ متیقن کے امام ہیں، اولین اور آخرین کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت اور واضح نشانیاں دے کر بھیجا، آپ ﷺ کو رحمت للعالمین بنایا، اور قیامت تک لوگوں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، اور آپ ﷺ کی بیویوں، امہات المؤمنین پر۔ روشن پیشانیوں والے نیک سیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔ اے اللہ! ان سب پر بہت زیادہ سلامتی بھی نازل فرما!

بعد ازاں! اللہ کے بندو! مجھے اور آپ کو کی جانے والی نصیحت پر ہیز گاری کی نصیحت ہے۔ خلوت اور جلوت میں، تمام اقوال و افعال میں، غصے اور خوشی میں اس سے ڈرنے کی نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي

سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (سورة المائدہ: 35)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اُس کی جناب میں باریابی کا ذریعہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرو، شاید کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے۔“

اللہ کے بندو! مجموعی طور پر لوگ اپنے معامات بڑی آسانی اور آزادی کے ساتھ نمٹاتے رہتے ہیں۔ یہ آسانی اور آزادی انہیں باہمی الفت، مودت اور رحم دلی سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جب گندی، تیز زبانیں اور بے وجہ تنگ کرنے والے ہاتھ میدان میں آجاتے ہیں تو معاملہ مختلف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ زبان اور ہاتھ ضرب لگانے والے کدال ہیں۔ ان میں معاشرتی عمارت کی اینٹیں توڑنے اور اس کی دیواروں میں شکاف ڈالنے کی طاقت ہوتی ہے۔ جس معاشرے میں ان دو ہتھیاروں کا منفی استعمال کم ہوگا، وہاں نفسیاتی اور علمی سکون زیادہ پایا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں پر بالعموم اور افراد پر بالخصوص زبان اور ہاتھ کو انتہائی مؤثر قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ مسلمان ہونے کے ناتے انہیں کیسے استعمال کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدَيْهِ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ» (مسند أحمد: 8931)

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مال کو محفوظ سمجھیں۔“

اللہ کے بندو! جب ہمیں زبان اور ہاتھ کا خطرہ معلوم ہو گیا ہے تو یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان کی وجہ سے معاشرے میں ایک اخلاق سے گری ہوئی حرکت رونما ہوتی ہے، جو انتہائی بری خصلت کی طرف دھکیلتی ہے اور جس کا بیج بس کسی کالے دل میں ہی پایا جاسکتا ہے۔ یہ حرکت دوسروں کو بلیک میل کرنا، ان کی کمزوری اپنے مذموم مقاصد اور اخلاق سے گری ہوئی خواہشات کی تکمیل میں زینے کا طور پر استعمال کرنا ہے۔

اللہ کے بندو! یہ بدترین حرکت بلیک میٹنگ کی حرکت ہے۔ یہ ایک انتہائی خطرناک اسلحہ ہے جس کا سہارا کسی کمزور اور بزدل کے سوا کوئی نہیں لے سکتا۔ وہی اپنے شکار کو مادی یا اخلاقی طور پر بلیک میل کرتے ہیں۔ یہ ہتھیار دفاعی ہتھیار نہیں بلکہ دھوکہ بازی کا ہتھیار ہے۔ اسے کبھی دلیر، طاقتور اور عقلمند لوگوں کے اسلحوں میں نہیں گنا جاسکتا۔

اللہ کے بندو! بلیک میٹنگ ایک پُر تشدد عمل ہے جس کی بنیاد خود پسندی کی انتہا ہے۔ جس کا مقصد کسی شخص کو راز فاش کرنے کی دھمکی دے کر اس کی آزادی سلب کر لینا اور اسے غیر قانونی کام کرنے پر مجبور کر دینا یا کوئی ذاتی مفاد لینے کی کوشش کرنا ہے۔ اس طرح بلیک میٹنگ کا آغاز ہونے والا شخص خود کو رسوائی سے بچانے کے لیے اور راز فاش ہونے کے ڈر سے گھٹنے ٹیک دیتا ہے، کیونکہ اسے بلیک میل کرنے والا گھٹیا انسان خوب جانتا ہے کہ اس شکار پر حملہ کہاں سے ہو سکتا ہے۔

اللہ کی قسم! یہی وہ بدترین اور مذموم غلبہ ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ فرمایا:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْبُخْلِ

وَالْجُبْنِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ» (صحیح بخاری: 2893)

”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، پریشانی اور غم سے، بے بسی اور سستی سے،

بزدلی اور سنجوسی سے، قرض اور لوگوں کے بوجھ تلے دبنے سے۔“

بلیک میٹنگ ایک مذموم اخلاق ہے، بدترین کام ہے، نفس کی خباثت سے پردہ ہٹاتا ہے، گندگی سے بھرے دل کا پتہ دیتا ہے، کمزور اور بے بس لوگوں کو جرم کے نیچے گاڑتا ہے، اس اخلاق میں بڑی سختی پائی جاتی ہے، انتقام خوب نظر آتا ہے اور اس میں دوسروں کا ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس کے ذریعے پائی جانے والی کامیابی جعلی کامیابی

ہے۔ بیک میٹنگ ایسا جرم ہے جس کا کوئی دین نہیں ہے۔ جس کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ اس کا سہارا لینے والے کسی کمزور پر رحم نہیں کرتے، کسی رشتہ داری کا پاس نہیں رکھتے اور کسی تعلق کا لحاظ نہیں کرتے۔

اللہ کے بندو! بیک میٹنگ کا میدان بہت بڑا میدان ہے، جس میں طرح طرح کے لوگ گھسے ہوئے ہیں۔ اس میں اخلاق سے گرے ہوئے لوگ، تند خو اور تشدد پسند لوگ کثرت سے دکھائی دیتے ہیں، جو دوسروں کے کندھوں پر چڑھ کر اوپر جانا چاہتے ہیں۔ صرف دشمن ہی ایک دوسرے کے خلاف اس کا سہارا نہیں لیتے، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو، بھائی اپنے بھائی کو، اور دوست اپنے دوست کو بھی بیک میٹنگ کرنے سے باز نہیں آتے، کیونکہ نفس جب گند اہو جاتا ہے تو اسے روکنے والی کوئی لگام نہیں رہتی۔ اس کے لیے پھر دوست اور دشمن برابر ہو جاتے ہیں۔ ہاں! اگر اللہ کسی پر رحم فرمائے تو وہ اس روش سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس روش سے محفوظ وہی ہو سکتا ہے جو نبی کریم ﷺ کے فرمان کو سن لے اور ٹھیک طرح سمجھ بھی لے، اور آپ ﷺ کے فرمان کو پلے سے باندھ لے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ منبر پر چڑھے تو بلند آواز سے فرمانے لگے:

«يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفِضِ الْإِيمَانَ إِلَى قَلْبِهِ، لَا تُؤَدُّوا  
الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ تَتَّبَعَ عَوْرَةَ  
أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَّبَعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ تَتَّبَعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ  
فِي جَوْفِ رَحْلِهِ» (جامع ترمذی 2032)

”اے زبانی مسلمان ہونے کا اقرار کرنے والو! اے وہ لوگو جن کے دل میں ابھی ایمان نے گھر نہیں کیا! مسلمانوں کو اذیت نہ دو، انہیں گالی نہ دو، ان کے پیٹوں کی



کھوج نہ لگاؤ۔ کیونکہ جو اپنے بھائی کے عیب کے پیچھے پڑ جاتا ہے، اللہ اس کے عیب کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور جس کے عیب کے پیچھے خود اللہ ہو، تو وہ اسے اس کے گھر میں بھی رسوا کر چھوڑتا ہے۔“

اللہ کے بندو! ہمارے دور میں زیادہ تر بلیک میلنگ اخلاق اور عزتوں سے کی جاتی ہے۔ یہ وہ خطرناک دروازہ ہے جس کے ذریعے بلیک میل کرنے والا اپنے شکار کی طرف جاتا ہے۔ خاص طور پر اس دور میں، کہ جب سوشل میڈیا اپنے عروج پر ہے، جہاں گھات لگا کر بیٹھے لوگ، دوسروں کو تنگ کرنے والے اور دھوکہ باز کثرت سے نظر آتے ہیں، جہاں وحشی بھیڑیے اور دوسروں کی دیواروں پر چڑھنے والے لوگ کثرت سے نظر آتے ہیں۔

اللہ کے بندو! یقیناً عزت آبرو کی حفاظت ایسی چیز ہے کہ جس کی اشد ضرورت پر تمام ادیان متفق ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ بلیک میل کرنے والا اس قلعے پر حملہ کرتا ہے، اور معاشرے کا اخلاقی امن و امان تباہ کرتا ہے۔ بلیک میلر ایک چور ہے، بدترین ڈاکو ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے اس کے متعلق بات کی ہے۔ فرماتے ہیں:

”فأهلوى إمامته، والشهوات قائده، والجهل سائقه، والغفلة مركبه، فهو بالفكر في تحصيل أغراضه الدنيوية مغمور، وسكره الهوى وحب العاجلة مغمور، ويتبع كل شيطان مرید“۔

”خواہش اس کا امام ہوتی ہے، شہوت پرستی اس کا قائد ہوتی ہے، جہالت اس کا رہنما ہوتی ہے۔ غفلت اس کی سواری ہوتی ہے۔ وہ دنیاوی مفاد حاصل ہو جانے کے دھوکے خواہش کے نشے اور جلد بازی کے خمار میں مست ہوتا ہے اور ان مقاصد کے حصول کے لیے وہ ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتا ہے۔“

اللہ کے بندو! یہ ہے بلیک میلر کی حقیقت۔ بڑا خود غرض انسان، جسے بس اپنے مفاد کی

نکر ہوتی ہے، چاہے اس کی وجہ سے کسی دوسرے کا شدید نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے، وہ خود جانتا ہے کہ وہ اتنانیک اور قابل نہیں ہے کہ وہ خود اپنے بل بوتے پر اپنی تمنائیں پوری کر سکے۔ یا بلیک میٹنگ کا سہارا لیے بغیر قانونی طریقے سے اپنے اہداف حاصل کر سکے۔ اس لیے وہ بھوکا بھیڑیا بن کر مفاد پرستی اور بلیک میٹنگ کے دانت دکھانے لگتا ہے۔ بلیک میٹر انسانیت کے درجے سے گرا ہوا شخص ہوتا ہے، بلکہ وہ انسان کی شکل میں ایک شیطان مردود ہوتا ہے۔

اللہ کے بندو! بلیک میٹنگ کا نقصان روز بروز پھیلتا جا رہا ہے۔ یہ دوسرے جرائم کی سیڑھی ہے، جو شاید مالی نقصان سے شروع ہو کر جسمانی اذیت پر ختم ہوتے ہیں۔ بلیک میٹنگ کی مثال تمکین پانی کی ہے، اس سے جتنا زیادہ پیا جاتا ہے، پیاس اتنی ہی بڑھتی ہے۔ بلیک میٹر ایک مرتبہ جرم کرنے پر اکتفا نہیں کرتا، حالانکہ اس کا شکار یہ سمجھ کر گھنٹے ٹیک دیتا ہے کہ شاید یہ پہلی اور آخری مرتبہ اس کا شکار ہو رہا ہے۔ مگر بلیک میٹر پھر کسی اور جانب سے حملہ کرتا ہے اور جتنی مرتبہ حملہ کرتا جاتا ہے، اس کی پیاس اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ بلیک میٹر کی خواہشات اور جرائم کی کوئی چھت نہیں ہوتی جہاں پہنچ کر اس کے جرائم ختم ہو جائیں، بلکہ وہ اپنے جرم میں آگے بڑھتا جاتا ہے اور شکار کو برباد کر کے چھوڑتا ہے۔

بلیک میٹنگ کے مقدمات اگرچہ بڑے متنوع اور کثیر ہیں، مگر ان میں زیادہ تعداد لڑکوں کی جانب سے لڑکیوں کو بلیک میل کرنے کی ہے۔ لڑکا اپنی جوانی کو ہتھیار بنا کر لڑکی کے جذبات کو نشانہ بناتا ہے۔ جذبات جوانی کا مقابلہ بھلا کس طرح کر سکتے ہیں؟ بلکہ قیدی، ایک قید کرنے والے کی قید کس طرح کھول سکتا ہے؟ جذبات ابھارنے والے جھوٹے وعدوں کی بھرمار ہوتی ہے اور مذموم طریقے سے دھوکہ دہی کا سلسلہ چلتا ہے۔ اگرچہ غلطی نوجوان لڑکے کی ہوتی ہے، مگر پھر بھی لڑکی کو بری الذمہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ کیونکہ وہ اپنے

ہذبات اور بھروسے کو ایسے شخص کے سپرد کر دیتی ہے جس کے نہ وہ اخلاق جانتی ہے، نہ دین اور نہ امانت۔ اس نے بیماری سے پھولے شخص کو صحت مند سمجھا ہوتا ہے، ماسک کے پیچھے چھپے شخص کو قابل بھروسہ سمجھ لیا ہوتا ہے۔ تو کوئی شک نہیں کہ اسی کے ہاتھوں نے لکڑیاں اکٹھی کی ہوتی ہیں اور اسی کے منہ نے آگ تیز کرنے کے لیے پھونک ماری ہوتی ہے۔ جو اپنے گھر کے دروازے پر نگاہ نہیں رکھتا، وہ اسے چوروں کے لیے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ بلیک میلنگ کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بلیک میل اپنے شکار کو اپنے سے کم تر اور کمزور سمجھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اسے نشانہ ہی نہ بناتا۔ کیا بلیک میل کی یہ برائی کم ہے کہ اس کے دل میں شر کا اتنا زور ہو کہ وہ لوگوں کی عزت آبرو اور ان کی چیزوں کی سودے بازی کرنے لگے؟ برا انسان سب سے پہلے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے، پھر ان کی عزت و آبرو کو بے حیثیت سمجھنے لگتا ہے۔ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَحْسَبُ امْرِيٍّ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْفَرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى

الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَيَعْرِضُهُ» (صحیح مسلم: 2564)

”انسان کے برے ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی ہر چیز محترم ہے، اس کی جان، اس کا مال اور اس کی عزت آبرو۔“

بلیک میلنگ کی تمام شکلیں اور قسمیں، جہاں بھی پائی جائیں، بہر حال اہل دانش اسے اذیت کے دائرے سے خارج نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ

احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا» (سورۃ الأحزاب: 58)

”جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے

ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! مجھے یہی کہنا تھا۔ اگر درست کہا تو اللہ کی توفیق سے، اگر غلط کہا تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے۔ میں اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر میں اسی کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں۔ اس کی توفیق اور نوازشوں پر میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اللہ کی خوشنودی کی طرف بلانے والے رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔

بعد ازاں! بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریقہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں۔ ہر ایجاد کردہ عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مسلمان جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے۔ جو اس سے الگ ہوتا ہے وہ جہنم میں جاگرتا ہے۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! یاد رکھو کہ ماہرین نے بلیک میلنگ کے بارے میں غورو خوض اور کتابت کرتے چلے آئے ہیں۔ کسی نے اس کے بارے میں زیادہ لکھا ہے تو کسی نے کم۔ کچھ نے اسے ایک مسئلہ قرار دیا تو کسی نے اسے ایک رویہ سمجھا ہے۔ بہر حال، بلیک میلنگ کے جرم ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ یہ ایسا عیب ہے جس کے بارے میں مسلمان معاشرے کے اہل علم کو غور و فکر کرنا چاہیے، یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس کا علاج تب ہی کامیاب ہو سکتا ہے جب دوا کا صحیح انتخاب کیا جائے، اس کے اسباب کا ازالہ کیا جائے

اور اسے بڑھاوا دینے والی چیزوں کو دفنایا جائے۔ اسی طرح یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بلیک میٹنگ کا مقابلہ کسی ایک شخص کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ یہ سارے معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ذمہ داری ادا کرے۔ فیملی کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو اس خطرے سے آگاہ کرے۔ مدرسہ بھی ذمہ دار ہے، دانشور طبقہ بھی ذمہ دار ہے، قانون کے محافظ بھی ذمہ دار ہیں۔ بلیک میٹنگ کا علاج قانونی بھی ہو سکتا ہے، اخلاقی بھی اور تربیتی بھی۔ یہ سارے علاج ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ محض قانونی علاج کافی نہیں ہو سکتا، نہ اخلاقی علاج اکیلا کام کر سکتا ہے اور نہ تربیتی علاج ہی بطور خود کارگر ہو سکتا ہے۔ قانونی علاج بلیک میٹنگ واقع ہونے کے بعد کام آتا ہے جبکہ اخلاقی اور تربیتی علاج قبل از وقت اور پیشگی بچاؤ کے لیے کارگر ذرائع ہیں۔ اگر بچاؤ نہ ہو سکے تو بعد از وقوع اس کا ازالہ ضروری ہے۔ مگر اہل عقل کا اتفاق ہے کہ بچاؤ علاج سے بہتر ہے۔

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور پاکیزہ ترین ہستی، محمد ﷺ پر، حوض کوثر اور شفاعت والے پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنی تعریف کی اور تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مؤمنو! کہہ کر مخاطب کیا۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْنِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مؤمنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



(65)

تعصب کے نقصانات اور اس کا علاج

18 ربیع الاول 1441ھ بمطابق 15 نومبر 2019ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے جو نہایت بلند و بالا ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے تناسب اعضا، عطا فرمائے۔ تقدیر لکھی اور پھر راہ دکھائی۔ اسی نے پودے اگائے، پھر انہیں سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ برحق نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے، رسول اور خلیل ہیں اور مخلوق میں سے اللہ کا انتخاب ہیں۔ قیامت کے دن اولادِ آدم کے سردار ہوں گے۔ آپ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا۔ امانت ادا کر دی، ہمیں ایسے واضح راستے پر چھوڑا جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ جو بھی اس راستے سے ہٹے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، آپ ﷺ کی بیویوں، اہمات المؤمنین پر، چمکدار پیشانیوں والے نیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، تابعین پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔ اے اللہ! ان سب پر سلامتی بھی نازل فرما!

بعد ازاں! میں اپنے خطا کار نفس کو اور آپ سب کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہی اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت ہے جو اس نے اولین اور آخرین کو فرمائی ہے۔ پرہیزگاری سے بکھری چیزیں جمع ہو جاتی ہیں، چھوٹی چھوٹی نیکیاں بھی بڑی بن جاتی ہیں، بگڑی چیزیں سنور جاتی ہیں، کم درجہ کو بلند مقام مل جاتا ہے۔ پرہیزگاری سے دل کو سکون نصیب ہو جاتا ہے، مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں، خوف زدہ انسان کو تسلی مل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دوستی نصیب ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ \* الَّذِينَ

﴿آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾

”سُنُو! جو اللہ کے دوست ہیں، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔“

جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا۔“ (سورۃ یونس: 62-63)

اللہ کے بندو! قرآن کریم اور سنت رسول کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایسی تعلیمات دی ہیں، جن سے اہل اسلام کے رابطے مضبوط ہو جاتے ہیں، ان کی دوریاں قربتوں میں بدل جاتی ہیں۔ وہ سب ایک دوسرے کے برابر بن جاتے ہیں۔ سب کے والد آدم، اور ماں حواء ہے۔ کسی کے لیے کسی پر برتری محسوس کرنا درست نہیں۔ کوئی گورا کسی کالے سے افضل نہیں ہے۔ کوئی عربی کسی گنچی سے بہتر نہیں ہے۔ ہاں! بس تقویٰ ہی ایک چیز ہے جس کی بنیاد پر کوئی دوسرے سے بہتر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو برتری اور نکریم کا معیار بنایا ہے۔ لوگوں کے نام و نسب، ان کے رنگ اور ان کی زبانیں فقط تعارف کا ایک ذریعہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا

وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾

”لوگو، ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو اور حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“ (سورۃ الحجرات: 13)

دین تو ایسے تعارف کا داعی ہے جس سے ناآشنائی ختم ہو جاتی ہے، ایسی ہم آہنگی کا قائل ہے جس سے اختلاف دور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مختلف قبیلے اور نسلیں اس لیے نہیں بنائیں کہ وہ ایک دوسرے پر زیادتی کریں، یا ایک دوسرے کو اپنی طاقت کا حرا



چکھائیں، یا ایک دوسرے پر لعن طعن کریں۔ نہ انہیں زبانوں کی بنیاد پر اکٹھا کیا ہے، نہ رنگوں کی بنا پر اور نہ ہی زمینوں کی وجہ سے، بلکہ انہیں ایسا دین دیا جو انہیں یک جان کر دیتا ہے، ان کے اختلافات دور کر دیتا ہے، جو انہیں بگاڑتا نہیں، بلکہ ان کی اصلاح کرتا ہے، جو انہیں تعصب اور نسل پرستی سے یوں دور کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کی کھوٹ کو ختم کر دیتی ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ کچھ لوگ چیزوں کی تفسیر اپنی خواہش کے مطابق کرتے ہیں، اس جہی بر حقیقت تشریح سے غافل رہتے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عدل کے مطابق ہوتی ہے اور وہی اس کی مراد ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کا قاعدہ ان کی خواہش ہوتی ہے، عقل اور حکمت نہیں، بے توجہی ہوتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ارادے کو نظم و ضبط سے بالا رکھتے ہیں، جو اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس رویے کی وجہ سے وہ ایک غیر کامل بلکہ عیب والے راستے کے راہی بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے انتہائی برا تعصب پھیلتا ہے، قبیلہ پروری زور پکارتی ہے، قومیت، اختلاف اور نسل پرستی سامنے آتی ہے۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! تعصب کا چشمہ آنکھوں پر لگ جائے تو انسان ہر ایسے شخص کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے جو اس کے مدار میں نہیں ہوتا، جو اس کے رنگ کا یا اس کی نسل کا نہیں ہوتا۔ اور یہی بہت بڑا گناہ ہے اور بہت بڑی برائی ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَحْسَبُ امْرِيٍّ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ»

”انسان کے برے ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر

سمجھنے لگے۔“ (صحیح مسلم: 2564)

اے مسلمانو!

تعصب انسان کو اتنا نقصان پہنچاتا ہے کہ اس کے سینے کو انتہائی تنگ کر چھوڑتا ہے۔ پھر

انسان کو بس اپنا آپ ہی نظر آتا ہے، یا وہ لوگ نظر آتے ہیں جو اس کے تعصبانہ دائرے میں ہوتے ہیں۔ اس کا معاملہ رواداری کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ روادار انسان انتہائی کشادہ اور گھنی چھاؤں والی ٹھنڈی جگہ بن جاتا ہے، جس کی چھاؤں سے اس کا ہر دینی بھائی فائدہ اٹھاتا ہے، چاہے وہ معاشرتی اعتبار سے اس سے بہت مختلف ہی کیوں نہ ہو یا وہ فکری اعتبار سے اس کے برعکس کیوں نہ ہو، اختلاف چاہے جتنا بھی ہو، رواداری موجود ہو تو ان اصولوں کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاتا جن کے ذریعے دین اسلام لوگوں کو اکٹھا کرتا ہے۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! یاد رکھو کہ جہاں بھی کوئی تعصب کرنے والا پایا جائے گا تو یقینی طور پر وہ اپنی خواہشات کا اسیر ہو گا۔ نفسانی خواہشات انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص متعصب بھی ہو اور عدل کرنے والا اور انصاف پسند بھی ہو۔ یا متعصب بھی ہو اور بردبار اور باوقار بھی ہو۔ یا متعصب بھی ہو اور میانہ روی اپنانے والا بھی ہو۔ متعصب تو ہمیشہ دوسروں کے پیچھے لگنے والا ہوتا ہے۔ جو شخصیت اسے پسند آتی ہے، بس آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ ایسی تقلید بھی یقیناً ایک متعدی بیماری ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعصب کرنے والا درست چیز کو پہچاننے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اسے اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا تو نظر آتا ہے، مگر اپنی آنکھ میں پورا گھونسلہ نظر نہیں آتا۔ وہ دوسروں پر انہی باتوں کی وجہ سے تنقید کرتا ہے جن کا وہ خود بھی شکار ہوتا ہے۔ یاد رکھیے کہ ہر شخص میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور ہوتی ہے، چاہے وہ بڑا عالم، صاحب حیثیت، بلند نسب یا اچھے مذہب والا ہی کیوں نہ ہو۔ بہت سے لوگ اپنی کمی کو بھولنے کے لیے اسے تعصب کے پردے پیچھے چھپا دیتے ہیں، تاکہ وہ اس کے پیچھے وہ ساری چیزیں چھپا دیں جن کی جگہ پر وہ مصنوعی کمال کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

اللہ کے بندو! تعصب میں بے مقصد توانائی اور محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسے

ایسے مقصد میں لگایا گیا ہوتا ہے جس کی کسی صورت میں تعریف نہیں کی جاسکتی۔ یہ ایک ذہنی بیماری ہے۔ جو انسان کے ذہن میں جعلی برتری کا تانا بانا بنتی رہتی ہے، کیونکہ انسان یہ محسوس کر رہا ہوتا ہے کہ اس کی چند ایسی خصوصیات ہیں جن سے کوئی اور متصف نہیں ہے، اس میں ایسی عظمت ہے جس تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ تعصب کرنے والے کی حقیقت اس بلٹی کی ہوتی ہے جو شیر کی طرح پھول کر خود کو شیر محسوس کرنے لگتی ہے۔

اللہ کی قسم!

یہ جعلی تصورات جن کا سہارا تعصب کرنے والا لے رہا ہوتا ہے، وہ ایسے دھاگوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتے جنہیں اکٹھا کر کے کڑی اپنا گھر بنا لیتی ہے۔

﴿وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾

”اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر کڑی کا گھر ہی ہوتا ہے کاش یہ لوگ علم رکھتے۔“ (سورۃ العنکبوت: 41)

اللہ کے بندو!

جب ہمیں ان ساری باتوں کا علم ہو گیا ہے تو ہمیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی لفظ تعصب یا اس کا کوئی مترادف کلمہ آیا ہے تو مذمت کے تناظر میں ہی آیا ہے۔ یہ جاہلیت کے طور طریقوں میں سے ہے، جو کسی صورت میں اسلام اور اسلام کے مفادات سے مطابقت نہیں رکھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْحَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ﴾

”جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت بٹھالی۔“ (سورۃ الفتح: 26)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَقَحْرَهَا

بِالْآبَاءِ، مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، أَنْتُمْ بَنُو آدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ، لَيَدَعَنَّ رَجَالٌ فخرهم بأقوام، إنما هم فحْمٌ مِنْ فَحْمِ جَهَنَّمَ، أَوْ لِيَكُونَنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الْجُعْلَانِ، الَّتِي تَدْفَعُ بِأَنْفِهَا التَّيْنَ

”بلاشبہ اللہ عزوجل نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کو دور کر دیا ہے۔ (آدمی دو قسم کے ہیں) صاحب ایمان و متقی یا فاجر و بد بخت۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ لوگوں کو قومی نخوت ترک کرنا پڑے گی، کیونکہ جن پر وہ فخر کرتے ہیں وہ تو (کفر و شرک کے سبب) جہنم کے کولے بن چکے، ورنہ یہ (قوم پر تکبر کرنے والے) اللہ کے ہاں گندگی کے کالے کیڑے سے بھی ذلیل ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی کو دھکیلا پھرتا ہے۔“ (سنن ابوداؤد: 5116)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ، مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً، وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عَمِيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصْبَةٍ، أَوْ يَدْعُو إِلَى عَصْبَةٍ، أَوْ يَنْصُرُ عَصْبَةً، فُقِتِلَ، فَقَبِلَتْهُ جَاهِلِيَّةٌ، وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي، يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا، وَلَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنِيهَا، وَلَا يَقِي لِبِذِي عَهْدٍ عَهْدَهُ، فَلَيْسَ مِنِّي وَلَا سِتُّ مِنُّهُ» (صحیح مسلم: 1848)

”جو شخص (امام وقت کی) اطاعت سے نکل گیا اور جماعت چھوڑ کر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مر اور جو شخص اندھے تعصب کے جھنڈے کے نیچے لڑا، اپنی عصبيت (قوم، قبیلے) کی خاطر غصے میں آیا یا اس نے کسی عصبيت کی طرف دعوت دی یا کسی عصبيت کی خاطر مارا گیا تو (یہ) جاہلیت کی موت ہوگی اور جس نے میری امت کے نیک اور بد (دونوں قسم کے) لوگوں کو مارتے ہوئے ان کے خلاف خروج

(بغوات کا رستہ اختیار) کیا، کسی مومن کا لحاظ کیا نہ کسی معاہدہ کے عہد کا پاس کیا تو نہ اس کا میرے ساتھ کوئی رشتہ ہے، نہ میرا اس سے کوئی رشتہ ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری صحابی کو آواز لگاتے ہوئے سنا:

يَا لَلْأَنْصَارِ، وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ  
«مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَسَعَ رَجُلٌ مِّنَ  
الْمُهَاجِرِينَ، رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: «دَعَوْهَا، فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ» (صحیح  
مسلم: 2584)

”اے انصاریو! توجواب میں مہاجرین میں سے ایک صحابی نے آواز لگائی: اے  
مہاجر و! نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یہ جاہلیت کی آوازیں کیوں آرہی ہیں؟“ لوگوں  
نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو مارا ہے۔، اس پر آپ  
ﷺ نے فرمایا: ”اس رویے کو چھوڑ دو، یہ ایک کریمہ اور بدبودار طریقہ ہے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم بھی تعصب کی مذمت یوں ہی کرتے تھے جیسے  
رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ ائمہ اربعہ: امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام  
احمد رضی اللہ عنہم سے بہت سی روایات میں آیا ہے، اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں، مگر سب کا رویہ  
یہی تھا کہ اپنی رائے کو تعصبات سے پاک رکھتے تھے۔ وہ ہر ایسی غلطی سے بیزاری کا اعلان  
کرتے تھے جو کتاب و سنت کے خلاف جاتی ہو۔ سب نے ایک قاعدہ بنایا تھا، جسے اس دور کے  
لوگوں نے سمجھ لیا تھا اور بعد میں آنے والوں تک بھی وہ اصول پہنچ چکا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ  
حدیث سے ثابت ہو جائے تو حدیث کے مطابق چلنا ہی ان کا طریقہ ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”فمن تعصَّب لأهل بلدته أو مذهبه أو قرابته أو لأصدقائه دون

غیرہم كانت فيه شعبة من الجاهلية، حتى يكون المؤمنون كما أمرهم الله -تعالى- معتصمين بحبله وكتابه وسنة رسوله ﷺ، فإن كتابهم واحد، ودينهم واحد، ونبیہم واحد، وربہم إله واحد، ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾

”جو اپنے ملک والوں، اپنے مذہب والوں، اپنے طریقے والوں، اپنے رشتہ داروں اور اپنے دوستوں کے حق میں دوسروں سے متعصبانہ رویہ رکھتا ہے، اس میں جاہلیت کی خصلت پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو تو ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، کتاب و سنت پر عمل کرنے والے بن جائیں۔ کیونکہ سب کی کتاب ایک ہی ہے۔ سب کا دین ایک ہی ہے۔ سب کا نبی ایک ہی ہے۔ سب کا پروردگار ایک ہی ہے۔“

”جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اسی کے لیے حمد ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، فرماں روائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔“ (سورۃ القصص: 70)

اسی طرح آپ ﷺ فرماتے ہیں:

وقال أيضا: "كل ما خرج عن دعوى الإسلام والقرآن من نَسَبٍ أو بِلَادٍ أو جنسٍ أو مذهبٍ أو طريقةٍ فهو عزاء الجاهلية".

”جو چیز بھی اسلامی طریقے اور قرآن و سنت کے خلاف ہو، چاہے وہ نسل کی بنیاد پر ہو، ملک کی بنیاد پر ہو، جنس کی وجہ سے ہو، مذہب کی وجہ سے ہو یا کسی اور طریقے سے ہو تو وہ جاہلیت کی ایک شکل ہے۔“

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”الدعاء بدعوى الجاهلية؛ كالدعاء إلى القبائل والعصبية، ومثله التعصب إلى المذاهب، والطوائف والمشايخ، وتفضيل بعضهم على بعض يدعو إلى ذلك، ويوالي عليه، ويعادي، فكل هذا من دعوى الجاهلية“

”جاہلیت کی طرف بلانا، جیسا کہ قبیلے اور تعصب کی طرف بلانا، اپنے مذہب، اپنے گروہ اور اپنے علماء و مشائخ کے لیے متعصب ہونا، انہیں دوسروں سے بہتر سمجھنا، انہی کو دوستی اور دشمنی کی وجہ بنالینا بھی جاہلیت کی طرف بلانا ہی ہے۔“ یہاں ان کی بات ختم ہوئی۔

اللہ! اللہ! تعصب کتنی بری بلا ہے! اس کے شکار کتنے زیادہ ہیں! کتنے لوگ فخر و غرور کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، کتنے خاندان اس کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ کتنے مسلمانوں کی اجتماعیت اس کی نذر ہو گئی اور کتنے جماعت سے الگ ہونے والے اس کی آگ میں جھلس گئے۔ جب لوگ جنگ کرتے ہوں تو ایک قاتل ہوتا ہے اور دوسرا مقتول ہوتا ہے، مگر ایک دوسرے کے خلاف تعصب رکھنے والے دونوں مقتول ہی ہوتے ہیں۔ جی ہاں! دونوں ہی تعصب کے زہر آلود ہتھیاروں سے قتل ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کشادہ عقل کبھی تعصب کی تنگی کو قبول نہیں کرتی۔

اللہ کے بندو! کشادہ عقل، تعصب کی آندھی کی وجہ سے نہ جھکتی ہے اور نہ اس کی موجود میں غرق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿وَأَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ (سورة آل عمران: 103)

”اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اپنی بات کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

اللہ کے لیے اتنی تعریف ہے جو کبھی ختم نہ ہو۔ ویسی تعریف جو بہترین ہو۔ درود و سلام ہوں چنیدہ رسولوں میں افضل ترین ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ بعد ازاں! سب سے بہتر کلام اللہ کا ہے۔ بہترین طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں۔ ہر ایجاد کردہ عبادت بدعت ہے، مسلمانوں کی جماعت و اجتماعیت کے ساتھ جڑے رہو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔

### اللہ کے بندو!

ہماری عظیم شریعت میں تعصب کو برا سمجھا گیا ہے اور تعصب میں اس کا ہر ذریعہ شامل ہے جو اسے بھڑکاتا ہے۔ چاہے وہ ذریعہ افراد کی شکل میں ہو، اداروں کی شکل میں ہو، جماعتوں کی شکل میں ہو یا یونیورسٹی کی شکل میں ہو۔ چاہے وہ شرکی شکل میں ہو، شعر کی شکل میں ہو یا شعار کی شکل میں ہو۔ یاد رکھیے کہ حرام کی طرف بچانے والا ذریعہ بھی ہمیشہ حرام ہی ہوتا ہے۔ اگر برائی کی طرف لے جانے والے ذرائع کو صحیح انداز میں روک دیا جائے تو برے نتائج



سے حفاظت یقینی بن جائے۔ سمجھ دار انسان خوب سمجھتا ہے کہ تعصب کی حقیقت تکبر، غرور اور کامل ہونے کے دعویٰ کے مترادف ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تعصب کرنے والے میں بھی بہت سی خامیاں ہوتی ہیں اور لوگوں کے پاس بھی زبانیں تو ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ، فَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ» (مسند أحمد: 13049)

”آدم کی ساری اولاد خطاکار ہے اور خطاکاروں میں افضل ترین وہ ہیں جو زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔“

متعصبانہ رویے کے علاج میں سب سے کارگر ہتھیار دینی جذبے کی بیداری ہے۔ دینی جذبہ ہی ہے جس سے عدل واضح ہوتا ہے اور عدل سے ہی ظلم و زیادتی اور بہتان الگ ہوتے ہیں۔ اسی طرح نسل نو کو جماعت کے ساتھ وابستگی اور مودت و محبت پر بڑا کرنا چاہیے۔ انہیں سکھانا چاہیے کہ اسلام کے دو ماخذ ہیں، ایک کتاب اور دوسرا سنت، جو دونوں ہی تعصب سے روکتے ہیں، چاہے یہ تعصب رنگ کی بنیاد پر ہو، زبان کی بنیاد پر ہو، جنس کی بنیاد پر ہو، ملک کی بنیاد پر ہو، مذہب کی بنیاد پر ہو یا قبیلے کی بنیاد پر ہو۔ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نسب، دین اور شریعت کے لحاظ سے افضل ترین تھے۔ آپ کا مقام اللہ کے یہاں سب سے بلند ہے۔ کسی مخلوق کا مقام آپ ﷺ کے مقام کے برابر نہیں ہو سکتا۔ کوئی سفارش آپ ﷺ کی سفارش سے بڑھ کر نہیں کر ہو سکتی۔ مگر پھر بھی آپ ﷺ نے غرور نہیں کیا۔ اس برتری کی بنیاد پر کسی کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ، وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْأَرْضُ عَنْهُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ، وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ، وَأَوَّلُ مُسْفَعٍ، وَلَا فَخْرَ، وَلَوْأَنَّ

الْحَمْدُ بِيَدِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا فَخْرَ»

”میں اولاد آدم کا سردار ہوں! مگر میں اس بات پر غرور نہیں کرتا! قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی۔ مگر میں اس بات پر غرور نہیں کرتا! میں سب سے پہلا سفارشی ہوں جس کی سفارش قبول بھی ہوگی۔ مگر میں اس بات پر فخر نہیں کرتا! روز قیامت حمد و ثنا کا علم میرے ہاتھ میں ہوگا! مگر میں اس بات پر فخر نہیں کرتا!“ (سنن ابن ماجہ: 4308)

رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی بڑی تاکید فرمائی، اپنی امت کی خوب رہنمائی فرمائی اور اپنے عمل سے امت کو سکھایا، تاکہ امت ان کی پیروی کرے کہ وہی اسوہ حسنہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا تُظَرُونِي، كَمَا أَظَرَّتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ، وَرَسُولُهُ» (صحیح بخاری: 3445)

”جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا تھا، اس طرح تم میرے معاملے میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لینا، میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو۔“

اللہ کے بندو!

خلاصہ یہ ہے کہ تعصب برائی کا ایک دروازہ ہے، جو جب کھل جاتا ہے تو اسے بند کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ہمیشہ کے لیے قابل مذمت ہے، کبھی بھی اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اگر انسان نے تعصب کرنا ہی ہے تو نیک اخلاق کے معاملے میں تعصب کرے، اچھی خصلتوں کے معاملے میں کرے۔ ان پر قائم رہنے کے معاملے میں کرے۔

اللہ کی قسم! یہی وہ تعصب ہے جو قابل مذمت نہیں۔ یہی وہ استقامت ہے جس پر انسان قابل تعریف ٹھہرتا ہے۔ اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔ وہی راہ راست دکھانے والا ہے۔

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین، انسانوں میں پاکیزہ ترین ہستی، محمد ﷺ، حوض کوثر والے اور شفاعت کرنے والے پر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کو یہی حکم دیا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور مزید سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ پر جو کہ روشن چہرے والے اور چمکتی پیشانی والی ہیں۔ اے اللہ! چاروں خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا! تابعین عظام سے بھی راضی ہو جا۔ اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔

(66)

## حسد کی بیماری اور اس کا علاج

8 جمادی الاولیٰ 1441ھ بمطابق 3 جنوری 2020ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ وہ بہت کریم ذات، بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔ کتاب نازل کرنے والا، بادلوں کو چلانے والا اور دشمنوں کے لشکروں کو شکست دینے والا ہے۔ اسی نے اپنے پرہیزگار بندوں کو کامیاب فرمایا ہے اور ان کے لیے سخت اور مشکل چیزیں آسان کی ہیں۔ اسی نے اپنے منکروں کو گھائے اور برے عذاب کی نوید سنائی ہے۔ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں اور ہی جائے پناہ ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پروردگار کی عبادت کرنے والوں اور رجوع کرنے والوں میں افضل ترین ہیں۔ آپ ﷺ نے امت کو ہدایت، رحمت اور درستی کی راہ دکھائی۔ اللہ نے انہیں چال بازوں کی چالوں سے محفوظ فرمایا اور ان کی چالیں ناکام کر دیں۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے گھر والوں، بیویوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، ان کے راستے پر چلنے والوں پر اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں پر۔ اے اللہ! ان سب پر سلامتی بھی نازل فرما!

بعد ازاں! میں اپنے خطاکار نفس کو اور آپ سب کو نصیحت کرتا ہوں کہ پرہیزگاری اپناؤ، کتاب اللہ پر کاربند رہو، رسول اللہ ﷺ کی ہدایات پر عمل خیرا رہو۔ پرہیزگاری، گمراہی کے سمندر میں غرق ہونے سے اور اس کے گم گشتہ صحراؤں میں بھٹکنے سے بچانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ \* الَّذِينَ

آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾

”سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔“

(یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا۔“ (سورہ

یونس: 62-63)

اللہ کے بندو! اہل دانش اس بات پر متفق ہیں کہ جسموں کی طرح اخلاق کو بھی بیماریاں لگتی ہیں۔ اس بات پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ اخلاق کی بعض بیماریاں جسمانی بیماریوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ مگر کسی نے اخلاق کے اس مرض سے بری بیماری نہیں دیکھی، جو دل کو بری طرح ہلکان کر دیتی ہے، اسے کدورتوں کی طرف شدت سے دھکیلتی ہے، سینے میں آگ لگا چھوڑتی ہے، اس کا مقام و مرتبہ ختم کر دیتی ہے۔ یہ بیماری حسد کی بیماری ہے۔ یہ بڑی رسوا کن بیماری ہے۔ جسے لگتی ہے، اس کا ایمان کمزور کر دیتی ہے، اس کی زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے، کیونکہ وہ دوسروں کو اللہ کی عظیم نعمتوں اور نوازشوں میں دیکھ کر جلتا رہتا ہے۔ جس کی حالت یہاں تک پہنچ جائے، وہ اپنا وقت بہت ضائع کرتا ہے، یہی دیکھتا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دنیا کی کیسی کیسی زیب و زینت سے نوازا ہے، وہ ادھر ادھر دیکھ دیکھ کر اپنی نظروں کو تھکا چھوڑتا ہے، دوسروں کی نعمتوں کے زوال کی تمنا اس کے دل کو مشغول رکھتی ہے۔ جب کسی کی آنکھیں اور دل نافرمانی میں مصروف ہو جائیں، تو وہ بالکل تنہا ہو جاتا ہے، نہ وہ سفر ہی طے کر پاتا ہے اور نہ ہی اس کی تیز رفتار سواری کو آرام ملتا ہے۔ اللہ کی قسم! یہی واضح گھانا ہے۔

اللہ کے بندو! اہل علم کی بتائی ہوئی تعریفات میں حسد کی بہترین تعریف یہی ہے کہ دوسروں کی نعمت کو لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھنا اور ان سے چھن جانے کی تمنا کرنا، دوسرے کی نعمت سے جلنا اور یوں سوچنا کہ یہ نعمت اسے ہی کیوں ملی ہے؟ یا اپنی نعمت میں دوسروں کو شریک ہوتا دیکھ کر جلنا اور اسے ناپسند کرنا۔ عام طور پر حسد قرہبی لوگوں اور ارد گرد رہنے والوں سے ہی ہوتا ہے، کیونکہ حاسد بہر حال یہی تمنا کرتا ہے کہ دوسرے اس سے کم تر ہی

رہیں، اس سے بہتر کبھی نہ ہو سکیں۔ ہر حاسد کا استاد تو شیطان ملعون ہی ہے، جس نے زمین آباد ہونے سے قبل ہی حسد کیا تھا۔ سجدے سے انکار حسد ہی کا نتیجہ تھا۔ آدم اور حواء بھی جنت سے شیطان کے حسد ہی کی وجہ سے نکلے۔ حاسد کا دوسرا استاد زمین کی آبادی کے آغاز میں آدم کا بیٹا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ قَرَّبْنَا قُورَيْبًا فَتَقَبَّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۗ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ (سورۃ المائدہ: 27)

”جب اُن دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی اُس نے کہا: میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس نے جواب دیا: اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔“

اللہ کے بندو! آسمان میں پہلی نافرمانی کی وجہ حسد ہی ہے۔ زمین میں بھی نافرمانی کی پہلی وجہ حسد ہی ہے۔ لوگوں کی طبیعت بھی کچھ اس طرح کی ہے کہ کم ہی لوگ حسد سے بچتے ہیں، قناعت پسند لوگ اسے چھپا کر رکھتے ہیں اور اس سے چھٹکارا پنانے میں اللہ کی مدد کے طالب رہتے ہیں۔ اللہ کی تقسیم سے ناخوش لوگ ہی اسے ظاہر کرتے ہیں اور پھر دوسروں کی نعمتوں کے زوال کی تمنا کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں میں حسد کم ہوتا ہے اور کچھ میں زیادہ۔

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا:

« دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأَمَمِ قَبْلَكُمْ: الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ » (جامع ترمذی)

(2510)

”پچھلی قوموں کی بیماری تمہیں بھی لگ گئی ہے، حسد اور کینہ۔“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حسد سے منع کیا ہے:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾

”اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔“ (النساء: 32)

بعض مفسرین نے اس آیت سے مراد حسد ہی لیا ہے۔ یعنی انسان اسی نعمت کی تمنا کرے جو اللہ نے اس کے بھائی کو دی ہو، اور چاہے کہ وہ مختل ہو کر اسے مل جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے، حکمت اور عدل پر اعتراض ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (سورۃ النساء: 54)

”پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا؟“

اللہ کے بندو! حاسد کا حال یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے کسی بندے کی نعمتیں دیکھ کر اس کا دل جلتا رہتا ہے، حاسد کے نزدیک بھی محسود کا بس یہی تصور ہوتا ہے کہ اللہ نے اسے اپنی آنحضرت نعمتوں میں سے ایک دے رکھی ہے۔ دانشمند کو یہ بات سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی کہ حسد اور آگ میں بڑی مشابہت ہے۔ حسد نیکیوں کو یوں کھاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے۔ حاسد کا اپنا ہی ایک حصہ اس کے بقیہ حصوں کو کھاتا جاتا ہے، کیونکہ حسد کا احساس اسے چین نہیں لینے دیتا۔

اللہ کے بندو! جب آگ کو جلانے کے لیے کچھ نہ ملے تو وہ خود ہی کو کھاتی جاتی ہے۔

اللہ کے بندو!

حسد کا اتنا برا ہونا کوئی قابلِ تعجب بات نہیں ہے، کیونکہ ابلیس نے اللہ کی نافرمانی حسد ہی کی وجہ سے کی تھی، ایک بھائی نے اپنے بھائی کو قتل بھی حسد ہی کی وجہ سے کیا تھا۔ سب بھائیوں نے مل کر اپنے ایک بھائی کو کنوئیں میں بھی حسد ہی کی وجہ سے پھینکا تھا۔ ابو جہل نے



نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا انکار بھی حدیث کی وجہ سے کیا تھا۔ جیسا کہ اس معروف واقعے میں آیا ہے جسے مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اخض بن شریق ابو جہل کے گھر گیا اور کہنے لگا:

يَا أَبَا الْحَكَمِ، مَا رَأَيْكَ فِيمَا سَمِعْتَ مِنْ مُحَمَّدٍ؟ فَقَالَ: مَاذَا سَمِعْتُ، تَنَازَعْنَا لِحُجْرٍ وَبَنُو عَبْدِ مَنَافِ الشَّرَفِ، أَطْعَمُوا فَأَطْعَمْنَا، وَحَمَلُوا فَحَمَلْنَا، وَأَعْطَوْا فَأَعْطَيْنَا، حَتَّى إِذَا تَجَادَيْتَنَا عَلَى الرَّكْبِ، وَكُنَّا كَفَرَسِي رِهَانٍ، قَالُوا: مِثَّا نَبِيِّ يَأْتِيهِ الْوَحْيُ مِنَ السَّمَاءِ، فَمَتَى نُذْرِكُ مِثْلَ هَذِهِ، وَاللَّهِ لَا نُؤْمِنُ بِهِ أَبَدًا وَلَا نُصَدِّقُهُ. قَالَ: فَقَامَ عَنْهُ الْأَخْنَسُ وَتَرَكَهُ.

”اے ابو الحکم! جو میں نے محمد سے سنا ہے، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: میں نے کیا سنا ہے؟ بلندی میں ہمارا ابو عبد مناف کے ساتھ مقابلہ تھا، انہوں نے کھلایا تو ہم نے بھی کھلایا، انہوں نے دوسروں کا بوجھ اٹھایا تو ہم نے بھی اٹھایا، انہوں نے دیا تو ہم نے بھی دیا، یہاں تک کہ ہم دونوں ہر میدان میں مقابلے کے دو گھوڑوں کی طرح برابر ہو گئے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک نبی آیا ہے، جس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اب بھلا ہم اس کا مقابلہ کس طرح کر سکیں گے؟ اللہ کی قسم! ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اسے سچا کبھی نہیں کہیں گے۔ اس پر اخض اٹھ گئے اور اسے تنہا چھوڑ دیا۔“ (تفسیر ابن کثیر)

اللہ کے بندو!

چاہو تو سورہ یوسف پر غور کر لو۔ وہ عظیم سورت جو تدبر کرنے والوں کے دل موہ لیتی ہے۔ ان کے دلوں کو مختلف قسم کے افکار اور جذبات میں لیے پھرتی ہے، ایک بہترین قصہ سناتی ہے، جس میں چالوں اور سازشوں کے مختلف مراحل نظر آتے ہیں۔ باپ اور بیٹے کو

الگ کرنے کی کوشش دکھائی دیتی ہے۔ یہاں تک کہ آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور اس مہلک حسد کا شکار ہونے والے نبی کے ساتھ ہمدردی میں بچییاں لگنے لگتی ہیں۔ جو اس سورت پر یوں غور کرتا ہے جیسے غور کرنے کا حق ہے، وہ جان لیتا ہے کہ حسد اندھا اور بہرا کر دیتا ہے، یہاں تک کہ حاسد صرف ظاہری اور بیداری کی نعمتوں سے چلنے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اچھی خوابوں پر بھی حسد کرتے ہیں جو انہوں نے نیند کی حالت میں دیکھی ہو۔ حاسدوں کے حسد کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ سیدنا یعقوب ؑ نے اپنے بیٹے کو اسی لیے کہا تھا:

﴿ يَا بَنِيَّ لَا تَقْضُ زُرِّيَاكَ عَلَيَّ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ﴾

”بیٹا، اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں

گے۔“ (سورۃ یوسف: 5)

کس قدر عجیب بات ہے کہ حاسد بس دنیاوی معاملات پر ہی حسد کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ کسی عالم سے یا کسی نیک بندے سے بھی حسد کرتا ہے، تو بھی ان کی شہرت پر حسد کرتا ہے، ان کے علم اور نیک عمل کی وجہ سے حسد نہیں کرتا۔ اس لیے اسے حسد اور تکبر سے بھرادل، دوسروں کو حقیر سمجھنے والی آنکھ اور دوسروں کو کانٹنے والی زبان ہی ملتی ہے۔ وہ حسد کی جنگ میں پڑ جاتا ہے، مگر اس پیارے کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس جنگ کا نتیجہ بہر حال شکست ہی ہے۔ کیونکہ اس میں کسی شخص پر کوئی ذاتی اعتراض نہیں ہوتا، بلکہ دینے والے کی عطا اور نوازش پر اعتراض ہوتا ہے۔

اللہ کے بندو!

جو اس سورت پر کما حقہ تامل کرتا ہے، وہ دیکھ لیتا ہے کہ جب کسی کے دل میں حسد آ جاتا ہے تو وہ اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے کسی برے سے برے کو بھی برائیاں سمجھتا،

چاہے وہ جرم قریب ترین ساتھی کے ساتھ ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ وہ تو جرائم کی پہچان بھی کھو بیٹھتا ہے، وہ اپنے جرم کو بھی اچھا سمجھنے لگتا ہے، اس میں اسے کوئی برائی یا غلطی نظر ہی نہیں آتی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب ان سے حسد کیا تو پہلے انہیں قتل کرنا چاہا، پھر جلا وطن کرنا چاہا، تاکہ ان کے والد کو بس وہی نظر آئیں اور ان کا بھائی دکھائی ہی نہ دے، پھر وہ نیک اور پرہیزگار بن جائیں۔ کہنے لگے:

﴿اقتُلُوا يُوسُفَ أَوْ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَبْحُلُ لَكُمْ وَجَهُ أَبِيكُمْ  
وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ﴾ (سورۃ یوسف: 9)

”چلو یوسف (علیہ السلام) کو قتل کر دو یا اسے کہیں پھینک دو تاکہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری ہی طرف ہو جائے یہ کام کر لینے کے بعد پھر نیک بن رہنا۔“

جو اس سورت پر صحیح انداز میں غور کرتا ہے، وہ یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ حاسد کبھی محسود کو اس کا جائز حق اور لقب دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا۔ قصہ یوسف میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کا نام القاب کے بغیر ہی لیتے ہیں، حالانکہ وہ ان کے بھائی تھے۔ وہ کہتے:

﴿اقتُلُوا يُوسُفَ أَوْ اطْرَحُوهُ أَرْضًا﴾ (سورۃ یوسف: 9)

”چلو یوسف کو قتل کر دو یا اسے کہیں پھینک دو۔“

کہیں کہتے:

﴿لْيُؤْسِفْ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْنَا﴾

”یہ یوسف اور اس کا بھائی، دونوں ہمارے والد کو ہم سب سے زیادہ محبوب

ہیں۔“ (سورۃ یوسف: 8)

کہیں کہتے:

﴿يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ﴾

”اباجان، کیا بات ہے کہ آپ یوسف (علیہ السلام) کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے۔“ (سورۃ یوسف: 11)

اب چونکہ وہ سیدنا یوسف (علیہ السلام) کے دوسرے بھائی سے اتنا حسد نہیں کرتے تھے اس لیے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھائی کا لفظ استعمال کر لیا۔ تکبر کیے بغیر کہنے لگے:

﴿يَا أَبَانَا مُنِيعٌ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانًا نَكْتَلُ وَإِنَّا لَهُ لَخَافِظُونَ﴾

”اباجان، آئندہ ہم کو غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے، لہذا آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے تاکہ ہم غلہ لے کر آئیں اور اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔“ (سورۃ یوسف: 63)

یہ حسد ہی ہے، جو بغیر چہرے کے قتل کر دیتا ہے، آگ کے بغیر ہی جلا ڈالتا ہے اور پانی کے بغیر ہی غرق کر دیتا ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو اس کی برائیوں سے محفوظ فرمائے، اور ہمیں ہر بری چیز کی برائی سے بچائے۔

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے:

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ \* مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ \* وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ \* وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ \* وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾

(سورۃ الفلق: 1-5)

”کہو، میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی۔ ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔ اور رات کی تاریکی کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے۔ اور گرہوں میں پھونکنے والوں (یا دالیوں) کے شر سے۔ اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور

ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ بے شمار، پاکیزہ اور باہرکت حمد و ثنا اسی کے لیے ہے۔ وہی حمد و ثنا جیسی میرے پروردگار کو پسند ہے اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے۔ میں درود و سلام بھیجتا ہوں رسول مصطفیٰ ﷺ پر۔

### بعد ازاں، اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو! یاد رکھو کہ ایک ہی دل میں سعادت اور حسد اکٹھے نہیں ہو سکتے، کیونکہ سعادت تو اللہ کی نوازشات اور اس کی تقدیر پر رضامندی میں ہے اور حسد رضامندی کا دشمن ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جس سے حسد کیا جاتا ہے وہ سورج کی طرح منفرد ہوتا ہے، جس کے زوال کی تمنا صرف کوئی بیمار ہی کر سکتا ہے۔ اگر حاسد کے بس میں ہو تو وہ محسود کو ہوا سے بھی محروم کر دے۔ لیکن حسد بھی کمال کا منصف ہے، حاسد کے ساتھ ویسا ہی کرتا ہے جیسا وہ محسود کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کے عذاب کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جب دوسرے خوش ہوتے ہیں تو وہ پریشان ہوتا ہے۔

اللہ کے بندو! حاسدوں کی چوٹ کھانے کے لیے محسود کو تیار رہنا چاہیے، کیونکہ اس کی عقل کی عظمت حاسد پیدا کر ہی لے گی اور اس کے دل کی عظمت دوست بھی پیدا کر لے گی۔

### اللہ کے بندو!

حسد کا نتیجہ یہ ہے کہ محسود کو کوئی نقصان ہونے سے پہلے ہی خود حاسد کو پانچ سزائیں

مل جائیں گی۔ وہ سزا میں ہیں: اللہ کی ناراضی، دل جلادینے والی پریشانی، اجر سے خالی مصیبت، لوگوں میں بری شہرت اور سعادت سے محرومی۔

جس طرح قابلِ مذمت حسد میں موت ہے، اسی طرح قابلِ تعریف حسد یعنی رشک میں زندگی ہے۔ کیونکہ بلند ہمتی حسد سے نہیں بلکہ رشک سے پیدا ہوتی ہے۔ رشک یہ ہے کہ دوسروں کی نعمتیں پسند کرنا، اور ویسی ہی نعمتیں حاصل کرنے کی تمنا بھی کرنا، ان سے زوالِ نعمت کی تمنا نہ کرنا۔ یہاں حاسد یہ تمنا کرتا ہے کہ وہ محسود کے مقام تک پہنچ جائے، یہ تمنا نہیں کرتا کہ محسود سے اس کا مقام چھین جائے۔ یہی اچھے اور برے حسد میں فرق ہے۔ اچھے حسد کی توفیق صرف اچھے دل والے کو ہی مل سکتی ہے، جس میں نہ کدورتیں ہوں اور نہ حسد ہو۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔ وہ فضلِ عظیم والا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ يَتْلُوهُ آثَاءَ اللَّيْلِ، وَآثَاءَ النَّهَارِ، فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ، فَقَالَ: لَيْتَنِي أُوتَيْتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ، فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَيْتَنِي أُوتَيْتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ، فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ» (صحیح بخاری: 5026)

”حسد بس دو ہی چیزوں میں جائز ہے: ایک اس شخص سے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھایا ہو، وہ دن رات اس کی تلاوت کرتا ہو۔ اس کا ہمسایہ نے تو کہے: کاش مجھے بھی ویسا ہی علم ملے اور میں بھی ویسا ہی کروں جیسا یہ کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال کی فراوانی دی ہو اور وہ اسے حق کی راہ میں لٹاتا ہو۔ اسے دیکھنے والا کہے: کاش مجھے بھی اتنا ہی مال ملے اور میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کروں

جیسا یہ کرتا ہے۔“

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور پاکیزہ ترین ہستی، محمد بن عبد اللہ ﷺ، حوض کوثر والے اور شفاعت کرنے والے پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنی تعریف و تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مؤمنو! کہہ کر مخاطب کیا۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مؤمنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور مزید سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ پر جو کہ روشن چہرے والے اور چمکتی پیشانی والی ہیں۔ اے اللہ! چاروں خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا! تابعین عظام سے بھی راضی ہو جا۔ اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔

(67)

## انتیازی مقام، مفہوم اور اثرات

27 جمادی الآخرہ 1441ھ بمطابق 21 فروری 2020ء



## پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے، جو سب سے بڑا اور سب سے بلند ہے۔ عزت، طاقت، اور عظمت و جلالت والا ہے، زبردست تدبیر والا ہے، یکتائے جمال و کمال ہے، اسی کو پکارنا برحق ہے، اپنی مخلوق کے بارے میں وہ جو ارادہ بھی رکھتا ہے، اسے کر گزرتا ہے، زمین و آسمان کی ہر چیز صبح و شام اس کی تسبیح کرتی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ وحدہ لا شریک ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اچھی صفات اور بہترین خصلتوں والے ہیں، جنہیں جو امع الکلم سے نوازا گیا، آپ نے عفو و درگزر کو اپنایا، نیکی کا حکم دیا، اذیت رسانی اور بحث مباحثے سے منع کیا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر، صحابہ کرام پر، اہل بیت پر، ان کے راستے پر چلنے والوں پر، روز قیامت تک ان کی ہدایت پر قائم رہنے والوں پر بہت زیادہ سلامتی بھی نازل ہوتی رہے!

بعد ازاں! اے لوگو! اپنے پروردگار سے یوں ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے، اسلام کی مضبوطی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اللہ کے دین پر ثابت قدمی کی دعا کرتے رہو۔ سنت نبوی ﷺ کی پیروی کی دعا کرو، تاکہ بہترین ٹھکانے والی جنت سے سرفراز ہو جاؤ۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 21)

”لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو

گزرے ہیں اُن سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت ہو سکتی ہے۔“

اللہ کے بندو! یاد رکھو کہ ہر شخص میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور ہوتی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ

کے نظام کا حصہ ہے۔ لوگوں کی کمزوریوں میں ایک نمایاں کمزوری یہ ہے کہ درجہ کمال تک پہنچنے کی قدرت رکھنے والے بھی سستی کا شکار ہو جاتے ہیں اور امتیازی درجے تک پہنچنے کی قابلیت رکھنے والے بھی کوتاہی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

اللہ کے بندو! امتیازی مقام تک رسائی ہر باشعور معاشرے کی تمنا اور ہر باہمت شخص کی کوشش ہوتی ہے۔ یہ دین اسلام کے مقاصد میں سے ایک واضح مقصد ہے۔ اسلام نے اسے بنیادی مقصد بنایا اور اس کی تاکید کی۔ اسلام نے واضح کیا کہ اشیاء کو پرکھنے کا معیار یہ نہیں کہ بے ڈھنگے طریقے سے اعمال کا ڈھیر لگایا جائے بلکہ دیکھا جائے گا کہ اعمال کی بجا آوری میں کس قدر امتیازی حیثیت کو اختیار کیا گیا ہے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (سورۃ ہود 7)

”تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔“

یہ نہیں کہا کہ زیادہ عمل کرنے والا کون ہے۔ کیونکہ اصل چیز عمل کی ظاہری شکل نہیں بلکہ اس کی حقیقت ہے۔ کہات ہے: خالص دودھ جھاگ کے نیچے ہوتا ہے۔

اللہ کے بندو! امتیازی مقام حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان تکلف اور بناوٹ سے کام لے اور نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ پر پرانا قابل برداشت بوجھ ڈالنے لگ جائے۔ بلکہ امتیازی وصف کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سے موجود ہمت کو جلا بخشی جائے اور جس شخص میں امتیازی مقام تک پہنچنے کی ہمت موجود ہو وہ اس ہمت کی بدولت اس راہ میں قیمتی سے قیمتی چیز داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہو۔

ہر شخص میں کوئی نہ کوئی امتیازی وصف ضرور موجود ہے، لیکن کوئی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے تو کوئی اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل افراد کو امتیازی درجے تک پہنچنے کا بہت بڑا انعام دیا جاتا ہے، کیونکہ جس طرح سزا کے ڈر سے انسان برائی سے رک

جاتا ہے، اسی طرح انعام اور حوصلہ افزائی سے امتیازی مقام تک پہنچنے کی ہمت کرتا ہے۔ اللہ نے انسان کو عقل سلیم اور خوبصورت جسمانی ساخت سے اسی لیے نوازا ہے کہ وہ اس کے ذریعے امتیازی صلاحیت کو بڑھائے۔ لوگ نہ تو ذہنی لحاظ سے برابر ہیں، نہ جسمانی اور نہ ہی معاشی طور پر ایک جیسے ہیں۔ مگر اس اختلاف کے باوجود، ان میں سے ہر ایک اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں میں درجہ کمال حاصل کر سکتا ہے۔ کسان طیب جیسا نہیں ہے، مگر دونوں اپنے اپنے پیشے میں امتیازات رکھتے ہیں، فقیر لکھاری کی طرح نہیں ہے، مگر دونوں اپنے اپنے شعبہ جات میں امتیازات رکھتے ہیں۔

درحقیقت امتیاز کوئی اٹل اور جامد چیز نہیں ہے جس میں کمی بیشی کی گنجائش نہ ہو۔ اسی لیے ہر لحاظ سے مکمل امتیاز کوئی تصور نہیں پایا جاتا، بلکہ ہر شخص کا اپنا ایک امتیاز ہے جو اسی کو زیب دیتا ہے۔ مگر کوئی بھی ہر لحاظ سے کامل نہیں ہے۔ اور جو چیز مکمل طور پر حاصل نہ کی جا سکتی ہو، وہ مکمل طور پر چھوڑنا بھی درست نہیں۔ کسی کا مقام امتیاز تک دیر سے پہنچنا، کبھی نہ پہنچنے سے بہتر ہے۔ جو اگلی صفوں میں نہ آسکے، کم از کم آخری صفوں سے تو آگے رہنے کی کوشش کرے۔ ممکن ہے کہ کسی کا امتیاز یہی ہو کہ وہ ناکام لوگوں کے زمانے میں ناکامی سے بچ گیا ہو، کیونکہ امتیاز کا مرتبہ حاصل کر لینے والوں کی کثرت میں اس کا عدم امتیاز بھی ناکامی سمجھی جائے گی۔ لڑکھڑا جانا تو کوئی ناکامی نہیں ہے، کیونکہ ٹھو کریں کھانے سے ہی امتیاز کا راستہ نکلتا ہے، ان کے بغیر امتیاز تک پہنچا ہی نہیں جاسکتا۔ محض لڑکھڑا جانا کوئی عیب نہیں ہے، بلکہ بار بار ایک ہی وجہ سے لڑکھڑاتے جانا معیوب بات ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرِ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ»

”مومن ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔“ (صحیح بخاری: 6133)

تاہم، انسان کو اپنی ہمت بلند رکھنی چاہئے، امتیاز کی کوئی آخری حد نہیں بنانی چاہیے،

کیونکہ بلند ہمت انسان جب کسی عظیم کامیابی کے لیے خطرے مول لیتا ہے، تو وہ ستاروں پہ کند ڈالنے سے کم کسی چیز پر قناعت نہیں کرتا۔

اللہ کے بندو! امتیاز کسی مہوم صفت کا دکھاوا نہیں ہے، بلکہ محنت کا نام ہے۔ ہر شخص ان شعبوں کو جانتا ہے جن میں وہ امتیاز حاصل کر سکتا ہے، وہ ان میدانوں کو بھی جانتا ہے جو اس کے نہیں ہیں، یا جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا اظہار بھی کرتے تھے، کیونکہ وہ ہر ایک کی صلاحیت کو جانتے تھے۔ جب ایک شخص نے آکر آپ ﷺ سے شکایت کرتے ہوئے کہا:

يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ، فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ  
أَتَسَبَّبُ بِهِ، قَالَ: «لَا يَزَالُ لِسَانَكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ»

”اے اللہ کے رسول! عبادت کی مختلف شکلیں میرے لیے کافی زیادہ ہو گئی ہیں، مجھے ایسی کوئی ایک چیز بتا دیجیے جس پر میں مضبوطی سے قائم ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہمیشہ اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھنا۔“ (جامع ترمذی: 3375)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي؟ قَالَ: فَضْرَبَ  
بِيَدِهِ عَلَيَّ مَنْكِبِي، ثُمَّ قَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ  
فِيهَا» (صحيح مسلم: 1825)

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے کوئی ذمہ داری کیوں نہیں دے دیتے؟ آپ ﷺ نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابو ذر! تم کمزور ہو اور یہ (امانت) امانت ہے، جو قیامت کے دن شرمندگی اور پچھتاوا بن جائے گی، الا یہ کہ کوئی صحیح معنوں میں اسے سنبھالے اور

اس کا حق ادا کرے۔“

اللہ کے بندو! اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ کوئی کمزور شخص محض اپنے ارادے کی بنیاد پر امتیازی مقام حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کے لیے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی طاقت ضروری ہے، جس کی بدولت انسان بڑی بڑی رکاوٹوں کا مقابلہ صحیح فیصلوں سے کر سکتا ہے۔ انتظامی معاملات میں امتیاز، صرف خواہش اور خوبصورت افکار سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ امتیاز تو ان افکار کو حاصل ہو سکتا ہے جنہیں پیش کرنے والا، انہیں نافذ کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو، کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کے پاس کچھ ہو ہی نہ، وہ کسی کو بھلا کیا دے سکتا ہے؟ سمجھ دار شخص اپنی طبیعت اور دلچسپی کے خلاف زبردستی کسی بھی ایسے کام میں کود نہیں جاتا جس میں اسے مہارت نہ ہو یا جسے وہ صحیح طرح نہ کر سکتا ہو، ایسا جو بھی کرے گا وہ خراب زیادہ اور ٹھیک کم کرے گا، جبکہ ایسے وقت میں اس سے بہترین کارکردگی ہی مطلوب ہوگی۔ حدیث میں ہے:

«إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحِبُّ إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ عَمَلًا أَنْ يُتْقِنَهُ» (اتخاف

الحيرة المهرة: 2942)

”اللہ کو یہ پسند ہے کہ جب تم کوئی کام کرو تو اسے بہترین طریقے سے بجالو۔“

کسی چیز کو کرنے میں بہترین طریقہ اپنانے میں ہی امتیاز ہے اور امتیاز میں ترقی ہے۔ ایک طے شدہ اصول یہ ہے کہ امتیاز کے مرتبے تک پہنچنے بغیر کوئی تہذیب قائم نہیں ہوتی، کیونکہ امتیازی مرتبہ کا حصول ہی ایجادات کی ماں ہے۔ ہمارے آباء و اجداد جس بلند مقام پر فائز ہوئے تھے، وہ امتیازی درجے تک پہنچ کر ہی ہوئے تھے، اسی کی بدولت انہوں نے اپنے زمانے کے تمام علوم کو تقویت بخشی، یہاں تک کہ دوسرے بھی ان پر انحصار کرنے لگے، حکمرانی اور قانون سازی کے میدان کے وہی پہلے کھلاڑی تھے، بلکہ انتظامی علوم، طب،

طبیعیات، اور دیگر علوم و معارف اور صنعتوں کے ہر اول دستے بھی وہی تھے، جن کے ذریعے سے انہوں نے ساری انسانیت کو فائدہ پہنچایا۔

تب ان کے نزدیک امتیاز کا ایک اصول تخصص کو مد نظر رکھنا تھا، اپنا تخصص چھوڑنے سے پھسلنے اور گمراہ ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مَنْ تَكَلَّمَ فِي غَيْرِ فَنِّهِ أُنِيَ بِالْعَجَائِبِ"

"جو اپنے فن سے ہٹ کر دوسرے فنون میں بولتا ہے، وہ بڑی مضحکہ خیز باتیں ہی

کرتا ہے۔"

یقیناً، کسی چیز میں تخصص کرنے سے مہارت میں اضافہ ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں کام میں بہتری بھی آتی ہے، نئی چیزیں دریافت اور ایجاد بھی ہوتی ہیں، وہ بے ضابطگیاں بھی ختم ہو جاتی ہیں جو کسی تخصص کے متعدد دعوے داروں یا کسی چیز کو ایک دوسرے کے ذمے ڈالنے کی وجہ سے سامنے آتی ہیں۔ بالخصوص جب اختلاف تعدد آراء کی شکل میں نہیں بلکہ متضاد نظریات کی شکل میں ہو۔ بزرگوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ امتیازات بانٹ لیتے تھے، تاکہ ہر ایک اللہ کی عطا کے مطابق اپنے تخصص میں آگے بڑھے۔ جیسے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے زبانیں سیکھنے میں مہارت حاصل کی، یہاں تک کہ انہوں نے پندرہ دنوں میں سریانی زبان سیکھ لی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے احادیث یاد کرنے میں امتیاز حاصل کیا۔ یہاں تک کہ ان سے چار ہزار سے زیادہ احادیث مروی ہیں، اسی طرح سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے افواج کی قیادت میں امتیاز حاصل کیا، کیونکہ وہ کمال درجے کی فوجی ذہانت کے مالک اور جنگی چالوں کے ماہر تھے، یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "اللہ کی سوتلی ہوئی کھوار" کے عظیم خطاب سے نوازا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« وَأَقْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ » (جامع ترمذی: 3790)

”میری امت میں فرائض (میراث) کے سب سے زیادہ جاننے والے زید بن ثابت ہیں۔“

یعنی وراثت کے علم کا سب سے بڑا عالم۔ صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہترین شاعر کے طور پر سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تعریف کی۔ بہترین کاظمی کے طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے وصفِ کمال کو سراہا، حلال اور حرام کے معاملے میں سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ اور امین امت کے طور پر سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی تعریف کی۔

یہ تھا ہمارے اسلاف کے نزدیک امتیاز کا مفہوم۔ یہی لوگ تھے، اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ، انہی کے راستہ پر تم بھی چلو، کامیاب ہو جاؤ گے، بلندی اور کامیابی کے خواب پورے ہو جائیں گے۔ اللہ مجھے اور آپ کو کتابِ ہدایت سے فیض یاب فرمائے۔ سنت نبوی ﷺ سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کیلئے ہے۔ رحمتیں اور سلامتیاں ہوں بلند ترین مرتبوں پہ فائز نبیوں اور رسولوں پر۔

بعد ازاں! بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریقہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ نئی نئی بدعات و اختراعات بدترین کام ہیں، بلاشبہ ہر خود ساختہ عمل بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔ مسلمان جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔ کیونکہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جو اس سے الگ ہوتا ہے وہ جہنم میں جاگرتا ہے۔

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! خوب جان لو کہ انسان جتنا بھی ممتاز اور اپنے کام کو بہترین انداز میں کرنے والا ہو، بہر حال، کمال تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور گناہوں سے عصمت تو صرف نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہے۔ مطلوبہ اور ممکنہ امتیاز یہ ہے کہ دینی احکام پر من • من عمل کیا جائے یا ان کے قریب قریب رہا جائے اور امتیازی کیفیت سے بصریح و قائمہ اٹھیا جائے، قبل اس کے کہ وہ کیفیت جاتی رہے، اقوام عالم کے سامنے پرچم اسلام بلند کرنے کا اعزاز حاصل کیا جائے۔ کیونکہ امت بھی تو افراد اور ان کی امتیازی صلاحیتوں کا مجموعہ ہے۔ ان کی صلاحیتوں کو بے فائدہ ضائع نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بھی جان لینا چاہئے کہ امتیاز حاصل کرنے کا مطلب پُر تکلف ہو کر بناوٹ سے کام لینا نہیں ہے۔ کیونکہ سمجھ دار نہیں جیسا کہ بندہ اپنی قدر جان لے، ویسا ہی رہے جیسا اللہ نے اسے بنایا ہے، لوگوں کو ویسا ہی نظر آئے جیسا وہ اسے سمجھتے ہیں، کسی قسم کی بناوٹ نہ کرے۔ کیونکہ کچھ لوگ امتیازی مقام کو کہیں اور تلاش کرنے لگے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں ناکامی کا سامنا ہوا ہے۔ کتنے لوگ ہیں، جو دوسروں جیسی چال چلنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ وہ چال ان کا خاصا بنتی ہے اور نہ وہ اسی چال پر رہتا پسند کرتے ہیں جس پر اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اسی طرح جسے اللہ تعالیٰ کوئی امتیاز عطا فرمادے، تو اسے خود پسندی اور غرور سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ امتیاز کی طلب ہی ان بیماریوں کی بڑی وجہ بنتی ہے، تکبر اور غرور جیسی مہلک چیز کی کوئی اور وجہ نہیں ہے، مزید یہ کہ امتیاز حقیقت میں انسان کی اپنی محنت کا حاصل ہوتا ہے، اس کے ہاتھ کی کمائی ہوتی ہے۔ دوسروں کے کا نہ حوں پر چڑھ کر، ان کے امتیازات چڑا کر، ان کے بہترین کاموں کو اپنی طرف منسوب کر کے دوسروں سے ممتاز نہیں ہو جا سکتا اور نہ ہی دوسروں کی شراکت کے ساتھ حاصل ہونے والی کامیابی کو اپنی طرف منسوب کرنے سے انسان امتیازی مقام پہ فائز ہو سکتا ہے۔ یہ تو جعل سازی کی بدترین شکل ہے، بلکہ جھوٹ کی چادر میں لپٹنے کے مترادف ہے۔ جھوٹ کی تمام



شکلوں سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ کریں، جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«الْمُتَسَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَّا يَبِيسُ قَوِيٌّ زُوْرٍ» (صحیح بخاری: 5219)

”انسان کو جو نہیں دیا گیا، اس (مال یا کھانے) سے خود کو سیر ظاہر کرنے والا

جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔“

باشعور اور قناعت پسند مسلمان وہ ہے جو اگرچہ خود امتیازی مرتبے کا حامل نہ ہو مگر وہ

ممتاز لوگوں کو مزید امتیازات دلانے کے لیے ان کی مدد میں کنبوسی ہرگز نہ کرے۔ بلکہ ان کی

ترقی کی ایک سیڑھی بن جاتا ہے۔ صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَرُبَّ حَامِلٍ فِقْهٍ إِلَىٰ مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ» (سنن ابن ماجہ: 230)

”ہین ممکن ہے کہ کوئی شخص فقہ کی کوئی بات اپنے سے زیادہ فقیہ شخص کو پہنچا

دے۔“

اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ وہی راہ راست دکھانے والا ہے۔

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور انسانوں میں

پاکیزہ ترین ہستی، حوض کوثر اور شفاعت والے پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنی تسبیح و تقدیس کرنے والے

فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے مومنو! تم بھی ان پر درود

و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)



68

## استقبالِ رمضان

1 رمضان 1441ھ بمطابق 24 اپریل 2020ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے، جو کرم نوازی، کبریائی، عظمت اور جلال میں یکتا ہے۔ صبح و شام حمد و ثنا کے لائق ہے۔ اس کا ہر حکم تقدیر و قضاء کے مطابق ہوتا ہے اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کی خوشنودی باعثِ امن اور ذریعہ رحمت ہے۔ وہ علم کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے۔ بردباری سے معاف فرماتا ہے۔ وہ انسان سے جو کچھ لیتا ہے اور جو کچھ اسے عنایت فرماتا ہے، اس پر بھی اور سکون و چین اور آزمائش پر بھی ہم اس کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔ حمد و ثنا تو بس اسی کے لیے ہے جس نے ہمیں زندگی کی نعمت سے نوازا اور ہمیں لاغر اور دائمی مریض نہیں بنایا، نہ ہماری نسل میں کوئی مستقل برائی رکھی، نہ ہماری جڑ کاٹی، نہ ہمیں دین سے مرتد کیا، نہ اپنے پروردگار کا منکر بنایا، نہ ایمان سے محروم کیا، نہ پچھلی قوموں والے کسی عذاب سے ہمیں دوچار کیا۔ ہم اس کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں کیونکہ اس نے ہمیں اپنا فرماں بردار بنایا ہے۔ اس کی حجت ہم پر غالب ہے اور اس کے سامنے ہماری کوئی حجت کارگر نہیں ہے۔ ہم وہی لے سکتے ہیں جو وہ ہمیں عطا کرے، اسی سے بچ سکتے ہیں جس سے وہ ہمیں بچالے۔ آزمائش پر بھی ہم اللہ کی حمد و ثنا اسی طرح بیان کرتے ہیں، جس طرح نعمتوں پر اس کی تعریف بجالاتے ہیں، اس کے لیے اتنی تعریف ہے کہ

جس سے آسمان بھر جائیں، زمین بھر جائے اور ان کے علاوہ جو وہ چاہے بھر جائے۔ وہی ذات ہے جو تعریف و تمجید کے لائق ہے۔ سب سے حق بات جو بندے کو کہنی چاہیے اور ہم سب اسی کے بندے ہیں، وہ حق بات یہ ہے کہ جو وہ عنایت فرمادے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور اس کے مقابلے میں کسی کی بڑائی اور بزرگی فائدہ نہیں دے سکتی۔ ہم اس سے ان گناہوں کی معافی مانگتے ہیں جنہیں اس کا علم محیط ہے، جنہیں اس نے اپنی کتاب میں لکھ رکھا ہے، اس کے علم کی کوئی حد نہیں ہے، اس کی کتاب کسی بھی چیز کو چھوڑنے والی نہیں ہے۔

میں گو اہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گو اہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ یہی وہ دو گو اہیاں ہیں جو انسان کے قول و عمل کو بلند کرتی ہیں، جس میں یہ رکھ دی جائیں، وہ پلڑا کبھی ہلکا نہیں ہوتا، جس میزان سے یہ نکالی جائیں، وہ میزان کبھی بھاری نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات، اہمبات المؤمنین پر، چمکدار پیشانیوں والے اور نیک سیرت صحابہ کرام پر، اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔

بعد ازاں اے لوگو!

میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو بندوں کے پروردگار، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ یہی دل کا سہارا اور ثابت قدمی کا ستون ہے۔ کوئی مسلمان اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور وہ اس سے بے نیازی کا سوچ بھی کیسے سکتا ہے، کیونکہ یہی اس کے لیے نور، مانوس کرنے والا ساتھی اور روز قیامت کا سامان ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا \* ثُمَّ نُنتَجِي

الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا﴾

”تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو، یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے۔ پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو (دنیا میں) متقی تھے اور ظالموں کو اسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔“ (سورۃ مریم: 71-72)

اے مسلمانو! رمضان کا باہرکت مہینہ تمہارے پاس آ گیا ہے، وہ تو اپنے معمول کے مطابق آیا ہے، اس نے کوئی تاخیر نہیں کی، وہ اپنے وقت پر آیا ہے، اس نے کوئی سستی نہیں دکھائی۔ مہمان تو اپنی معروف شکل میں ہی آیا ہے، مگر استقبال کرنے والوں کا حال پہلے جیسا

نہیں ہے۔ اس بار یہ مہمان ایک ایسے مصیبت کے دور میں آیا ہے، جس نے انسانی زندگیوں کو سخت کر دی ہیں، ان کا خوف بڑھا دیا ہے، بیتابی اور پریشانی کا بادل ان کے سر پر منڈلا رہا ہے، ان کے دلوں کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اب وہ ایسے جامد بنے بیٹھے ہیں جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

یہ مبارک مہینہ اس بار ایسی حالت میں آیا جو نہ بڑوں نے پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ چھوٹوں نے اس بارے میں کچھ سنا تھا۔ اس مصیبت نے انہیں اپنے معمول کی عبادات، بجا لانے، اعمال کرنے اور روزی روٹی کی خاطر کہیں سفر پہ نکلنے سے روک رکھا ہے۔ یہ مہینہ ایسے دور میں آیا ہے کہ لوگ آنسو پونچھنے، بکھرے خیالات کو یکسو کرنے، طاقت جمع کرنے، بند راستے کھولنے، گرمی چیزیں اٹھانے، بکھرے لوگوں کو جمع کرنے اور ٹوٹے تعلقات کو جوڑنے کے سخت محتاج ہیں۔ وہ اپنے مہینے کی آمد کے بے تاب ہیں، تاکہ وہ اسے ذکر و عبادت، صدقہ و تلاوت اور رجوع الی اللہ کا مہینہ بنا سکیں۔ اپنے پروردگار سے گریہ زاری کریں کہ وہ ان سیاہ بادلوں کو جلد ہٹا دے، اور اس مصیبت کی وجہ سے ہونے والے نقصان کا نعم البدل عطا فرمادے۔ اس نقصان کو گناہوں کا کفارہ بنائے، درجات کی بلندی کا ذریعہ اور ایسی نصیحت بنائے، جس سے انہیں معلوم ہو جائے کہ دنیا میں کونسی چیز مقدم ہے اور کونسی مؤخر، کون سی چیز لیننی ہے اور کون سی چھوڑنی ہے۔ وہ بندہ مؤمن کے اس حال سے روشنی لیتے ہیں کہ جسے خوشی ملتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور شکر اس کے لیے اچھا ہوتا ہے، اور جب اسے تنگی کا سامنا ہوتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور صبر بھی اس کے لیے خیر کا باعث ہوتا ہے، تاکہ وہ خوشخبری کے حقدار ہو جائیں اور اللہ کی رحمت و ہدایت کے مستحق بن جائیں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبَقِيَ الصَّابِرِينَ \* الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا  
إِلَيْهِ رَاغِبُونَ \* أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ  
هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾

”اور خوش خبری دے دو صبر کرنے والوں کو۔ جن پر کوئی مصیبت آن پڑے، تو کہیں کہ: ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست زد ہیں۔“ (سورۃ البقرۃ: 155-157)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إن في القلب شعنا لا يَلْمُهُ إلا الإقبال على الله، وعليه وحشة لا يُزيلها إلا الأُنس به في خلوته، وفيه حزنٌ لا يُذهبه إلا السرورُ بمعرفته وصدقُ معاملته، وفيه قلقٌ لا يُسكِّنه إلا الاجتماعُ عليه، والفرارُ منه إليه“

”دل کی پرگندگی، اللہ کا رخ کرنے سے ہی ختم ہو سکتی ہے۔ اس کی وحشت، خلوت میں اللہ کی یاد سے ہی ختم ہو سکتی ہے۔ اس کی پریشانی، اللہ کی پہچان اور اس کے ساتھ سچائی کے معاملے سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ اس کی بے تابی، پروردگار کے پاس جانے، اور اس سے بچ کر اسی کی طرف دوڑنے سے کافور ہو سکتی ہے۔“

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقِفُوا إِلَى اللَّهِ عِنْدَ أَيْمَانِنَا يُنذِرُ مُمِيزِينَ﴾ (سورۃ الذاریات: 50)

”تو دوڑو اللہ کی طرف، میں تمہارے لیے اس کی طرف سے صاف صاف خبردار

کرنے والا ہوں۔“

ہم اللہ کی پاکیزہ، بابرکت اور بہت زیادہ حمد و ثنائیاں کرتے ہیں کہ اس نے یہ مصیبت ہمارے دین کی مصیبت نہیں بنائی، کیونکہ دین کی مصیبت کے علاوہ ہر مصیبت قابل برداشت ہے۔ نبی اکرم ﷺ، یہ دعا کیا کرتے تھے:

«وَلَا تَجْعَلْ مُصِيبَتِي فِي دِينِي» (المعجم الكبير: 57) ”میری مصیبت میرے دین کی مصیبت نہ بننا۔“

جی ہاں اے مسلمانو!

ہم اللہ کی حمد و ثنائیاں کرتے ہیں کہ اس نے یہ مصیبت ہمارے دین کی، ہماری عبادات کی اور ہمارے اخلاق کی مصیبت نہیں بنائی۔ رہی بات مال کی، تو یہ آنے جانے والی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾

”اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ ناپائلا رزق دیتا ہے۔“ (سورۃ الرعد: 26)

اور جہاں تک صحت کی بات ہے، تو اس میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ انسان کی صحت پر بہت سی چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں، جو جیتا ہے، وہ مصیبتیں ضرور دیکھتا ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ عجیب و غریب حالات سے بچ جائے۔

لُكُلٌ مَا يُؤْذِي وَإِنْ قَلَّ أَلَمٌ ۗ ۗ مَا أَطْوَلَ اللَّيْلَ عَلَى مَنْ لَمْ يَنْمُ  
 ”ہر اذیت ناک چیز کی تکلیف ضرور ہوتی ہے، چاہے وہ کم ہو یا زیادہ، رات ہی کو دیکھ لو، جاگنے والے کے لیے یہ کتنی طویل ہوتی ہے؟“  
 اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ، مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ، وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَدَىٰ وَلَا غَمٍّ، حَتَّىٰ الشُّوْكَةِ يُشَاكُهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ»  
 ”مسلمان کو جو بھی تھکاوٹ، تکلیف، پریشانی، غم یا اذیت دیکھنا پڑتی ہے، حتیٰ کہ جو کاٹنا اسے چہتا ہے، اسے بھی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرنے کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔“ (صحیح بخاری: 5641)

اللہ کے بندو!

یہ مصیبت، جس نے آج ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اسے مکمل طور پر برا نہ سمجھو، بلکہ اس کی تہہ میں بہت سے اسباق اور عبرتیں ہیں، جنہیں ہم اس کے بغیر نہیں سیکھ سکتے تھے۔ اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے پروردگار نے ہمیں بہت زیادہ نوازا ہے اور جو لیا ہے وہ بہت کم ہے۔ اس مصیبت نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ قوموں کی سلامتی میں آگہی کا کتنا بڑا کردار ہوتا ہے، اگر ہم اپنے تمام معاملات میں آگہی کی بنیاد پر کام کریں، تو ان شاء اللہ ہم سانحات اور مصیبتوں سے نمٹنے میں کبھی ناکام نہ ہوں گے۔ آگہی کی بدولت ہم جانتے ہیں کہ آنکھ کب اٹھانی ہے اور کب جھکانی ہے، اسی کے سبب ہم جان پائے ہیں کہ

خطرات کے آنے سے پہلے ہی ان کی پیشگی روک تھام نہایت اہم ہے، روک تھام کی پیشگی منصوبہ بندی، خطرات کے واقع ہونے کے بعد ان کا علاج کرنے سے بہتر اور افضل ہے۔ جو آگہی پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، وہ بچاؤ میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ مصیبتوں میں چھپے اسباق پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے، اور مصیبتوں سے کامیابی کے ساتھ نمٹ سکتا ہے اور کم سے کم زخموں اور نقصان کے ساتھ ان سے نکل جاتا ہے۔ آگاہی اور احتیاط، محض دیکھنے اور سننے سے آگے کی چیزیں ہیں، کیونکہ ہر دیکھنے والا نظر آنے والی چیز کے بارے میں آگاہی نہیں رکھتا، نہ سننے والا ہی مکمل طور پر محتاط یا آگاہ ہوتا ہے۔



اس سانچے نے ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ انسان بہت سی ایسی اضافی چیزوں اور تعیشتوں کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے کہ جنہیں وہ کبھی اپنی ناگزیر ضرورتوں میں شمار کیا کرتا تھا۔ اب یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ انسان بچت کے رویے سے کتنا غافل رہا ہے، اپنی کمائی کو احسن انداز میں خرچ کرنے میں کتنی کوتاہی کا شکار رہا ہے۔ کوئی عجیب بات نہیں! اللہ کے بندو! یہ سانچہ انسان کو اپنی غفلت سے بیدار کر دے گا، مستقبل میں وہ بچت سے کام لے گا، اپنی کمائی کا ایک حصہ بچا کر رکھے گا، تاکہ مستقبل میں دستک دینے والے یا قریب آنے والے کسی بھی بوجھ کو ہلکا کیا جاسکے۔

یقیناً! رزق کے استعمال میں ایسا رویہ اور طرز عمل درست ہے، جس میں انسان اپنی کمائی کے استعمال میں وقتاً فوقتاً الجھنے والی ضرورتوں، بنیادی حاجات اور تعیشتوں میں فرق کر سکے، کیونکہ انسان کے معاش کا مسئلہ تب ہی درست ہو سکتا ہے جب وہ خرچ، تقسیم اور بچت میں توازن پیدا کر لے۔

معاملہ یوں ہی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُوا وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا» (صحیح بخاری: 5569)

”کھاؤ، کھاؤ اور بچت بھی کرو۔“

اللہ کے بندو!

ہم سب کو چاہیے کہ ہم اس سانچے کو ایک تاریخی واقعے کی حد تک محدود نہ رکھیں، بلکہ ہمیں اس سے اپنے ہر معاملے میں سبق سیکھنا چاہیے، تاکہ اللہ کے فضل سے جب یہ گزر جائے تو ہم زیادہ طاقتور، زیادہ آگاہ اور سائنحات کے مقابلے کے لیے زیادہ مستعد ہوں۔ اسی طرح اس کے سامنے ہماری طاقت کم نہیں ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ سانچہ ہمارے اوپر مایوسی، پریشانی اور خوف و ہراس کی چادر ڈال جائے! ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ہم اللہ پر، اس کے

ملائکہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت پر اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو یہ خصوصی مقام دے رکھا ہے کہ وہ جب مصیبتوں سے نکلتی ہے تو مزید آگہی حاصل کر چکی ہوتی ہے، نقصان کے راستے بند کر چکی ہوتی ہے اور انہیں دوبارہ نہیں کھولتی۔ یہ سانحہ اللہ کی طرف سے امت کا امتحان ہے، تاکہ یہ اللہ کی عظیم قدرت کے بارے میں غور و فکر کرے، کما حقہ اس کی قدر کرے۔ یہ دور نکل جانے والے کے لیے رب کی طرف لوٹنے کا پیغام ہے، گناہ گار کے لیے توبہ کا مقام ہے، گستاخ سے حسن سلوک کا پیغام ہے، فضول خرچ کے لیے بچت کا درس ہے، تعیشتات میں پڑنے والے کے لیے جناکشی کا سبق ہے۔ ان حکمتوں کے سوا، کچھ اور طرح کی حکمتیں نکالنے کی کوشش وہی کرتا ہے، جس کا دل حرص کی وجہ سے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا ہو، جو لمبی چوڑی امیدوں کی وجہ سے محاسبہ نفس سے غافل ہو چکا ہو، تکبر کی وجہ سے مالک کائنات کے سامنے جھکنے سے بھی انکاری ہو چکا ہو۔ حالانکہ وہ جسے چاہتا ہے پناہ دیتا ہے، مگر اس کے سامنے کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

ہم اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں، کہ اس نے ہمارے اس ملک کو اس سانحے کی روک تھام کے لیے پیش قدمی کی توفیق سے نوازا ہے۔ پھر ہم اس ملک کی قیادت کا شکریہ ادا کرتے ہیں، کہ انہوں نے اس سانحے کی روک تھام کے لیے بہت سے اقدامات کیے ہیں۔ ہم بلا استثناء ہر کردار کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے میدان میں عمدہ کردار ادا کر رہا ہے۔ ان سب کے لیے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی کاوشوں کو ان سیاہ بادلوں کے خاتمے کا ذریعہ بنائے، انہیں، ہمیں اور تمام مسلمانوں کو صحت و عافیت کی پوشاک پہنائے۔ ہمارا مولیٰ بہترین عطا کرنے والا ہے۔ وہی بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے۔

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اسی پر اتکفا کرتا ہوں، اپنے لیے آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! میرا رب بہت معاف کرنے والا اور خوب رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر میں اسی کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں۔ اس کی توفیق اور نوازشوں پر میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔

بعد ازاں اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو! یاد رکھو کہ سچے اور سچے ماننے والے رسول ﷺ کا فرمان ہے:  
 «إِذَا جَاءَ رَمَضَانَ فَتُحْتَّ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَعُلِقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ»

”جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، جہنم کے دروازے

بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو باندھ دیا جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم: 1079)

اس مہینے کا فائدہ اٹھانے میں کسر نہ چھوڑو۔ اپنے دشمن کی کمزوری کا فائدہ اٹھاؤ، جس کے بارے میں تمہارا پروردگار فرماتا ہے:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا» (سورۃ فاطر: 6)

”در حقیقت شیطان تمہارا دشمن ہے اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔“

سنو! بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ شیطان ان کا دشمن ہے، مگر وہ خود اس کے دشمن نہیں بنتے، یہ ظاہر کو تائی ہے، اس مسئلے میں یہ خطرناک سرد مہری ہے۔ انسان اور شیطان کا

جھگڑا اور ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش، اس کے دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر ہی ہو سکتی ہے۔ اس کی انسان دشمنی اس آیت سے واضح ہوتی ہے کہ شیطان نے پروردگار سے کہا تھا:

﴿لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (سورة الاعراف: 16)

”میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں بیٹھا رہوں گا۔“ وہ صراطِ مستقیم کے عین وسط میں گھات لگا کر بیٹھا رہتا ہے، اس کے کناروں پر، اسکے آخر میں یا اس سے دور نہیں بیٹھتا۔ وہ صرف انہیں سامنے سے روکنے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ ہر طرف سے آتا ہے، جیسا کہ اس نے خود کہہ رکھا ہے:

﴿ثُمَّ لَا يَمِينُهُمْ مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ۗ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾ (سورة الاعراف: 17)

”پھر آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے انہیں گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔“

جب تک انسان کا دل دھڑکتا رہتا ہے، وہ شیطان کے ساتھ لڑائی میں رہتا ہے، ایک دوسرے کو نچاؤ کھانے کی کوشش کبھی نہیں تھمتی، بلکہ یہ ہمیشہ جاری رہتی ہے، کبھی وہ غالب آتا ہے تو کبھی یہ فتح پاتا ہے۔

مگر ان معرکوں میں سخت ترین معرکہ ماہِ رمضان میں ہوتا ہے۔ اگرچہ اس وقت مسلمان انتہائی طاقتور اور شیطان کمزور ترین حالت میں ہوتا ہے۔ اسی لیے اس موقع کو گنوا دینے والے کی مذمت کی گئی ہے، اسے گھائے میں پڑنے اور رسوا ہونے والا قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّ جَبْرِيْلَ أَتَانِي، فَقَالَ: مَنْ أَدْرَكَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ

فَدَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ، قُلْ: آمِينَ، فَقُلْتُ: آمِينَ»

”جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہنے لگے: جو رمضان کو پالے اور مغفرت نہ کر اسکے بلکہ وہ جہنم میں چلا جائے تو اللہ اسے دور کر دے۔ کہو آمین، میں نے کہا: آمین۔“ (المعجم الکبیر للطبرانی: 2022)

چنانچہ اس ماہ میں اللہ کو خوب محنت کر کے دکھاؤ۔ اگر مجبوری کے باعث لوگ مسجدوں میں نہیں آسکتے، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عبادت سے چھٹی مل گئی ہے۔ کہا جاتا ہے: بدترین لوگ ہیں جو اللہ کو صرف رمضان میں پہچانتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی کہنا چاہیے: بدترین لوگ وہ ہیں جو اللہ کو صرف مسجدوں میں پہچانتے ہیں۔ نہ وہ اسے گھروں میں پہچانتے ہیں، نہ مجلسوں میں، نہ اٹھتے، بیٹھتے اور نہ لیتے۔ اس سانحے سے واضح ہو جائے گا کہ انسان دل میں عبادت کی تڑپ بھی رکھتا ہے یا نہیں۔

اس سانحے سے لوگوں کو فرصت کے کچھ زیادہ لمحات میسر آئے ہیں، ان کے پاس نسبتاً وقت زیادہ ہے جسے اللہ کی فرماں برداری میں لگایا جاسکتا ہے۔ بلکہ پہلے کبھی اتنی فرصت کے عالم میں رمضان آیا ہی نہیں۔ چنانچہ اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کرو۔ اب تو کسی کے پاس مصروفیت کا بہانہ بھی نہیں ہے، کیونکہ سارے لوگ تو گھروں میں ہیں۔ یہ سنہری موقع سونے کی پلیٹ میں رکھ کر آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، اسے گنوانے والا تو بڑا ہی بد نصیب ہے۔

ہمیں یہ نہیں کہنا چاہیے: حالات نے ہمیں رمضان سے فائدہ اٹھانے سے روک رکھا ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہمیں یہ کہنا چاہیے: حالات ایسے ہیں کہ ماہ رمضان سے استفادہ کے لیے ہمارے پاس فرصت ہی فرصت ہے۔ اس موقع پر لوگ گھروں میں ہیں۔ یہ ان کے لیے ذکر اور عبادت الہی کا بہترین موقع ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کی عبادت صرف مسجد

میری ہو سکتی ہے، اس نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی ہے اور اس کے بارے میں یہ گمان یہ ہے، ہند گھروں میں ادا کیے جانے والے نوافل کا اجر بھی بہت اور ان کے ثمرات بھی چھوٹے نہیں ہیں۔ اگر حدیث کا تقاضا یہی ہے کہ گھروں میں رہا جائے تو نبی کریمؐ بہت سے فرمایا ہے:

أَوْجُوعِي فِي الْأَرْضِ مَسْجِدًا وَصُورًا، قَدِيمًا رَجُوبًا مِنْ نَفْسِي  
أَذْرِكُنَّ نَصْلًا قَنِيصًا

”میرے لیے ساری زمین کو مسجد و گاؤں اور طہارت کا ذریعہ بنا گیا ہے، میری امت کے کسی فرد کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے، وہ وہیں پر نماز پڑھ لے۔“ (صحیح بخاری: 3355)

رسول اللہؐ نے فرمایا:

«اجْعَلُوا مِنْ صَلَاتِكُمْ فِي بُيُوتِكُمْ، وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا»  
”اپنی نماز کا کچھ حصہ گھروں کے لیے بھی بچا رکھا کرو اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔“ (صحیح مسلم: 777)

اللہ آپ پر رحم فرمائے اور وہ سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور انسانوں میں پاکیزہ ترین ہستی، محمد بن عبد اللہؐ، حوض کوثر والے اور شفاعت کرنے والے پر۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنی تعریف و تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر اے مؤمنو! کہہ کر آپ کو مخاطب کیا ہے۔ فرمایا:

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا»

”اے مؤمنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور مزید سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول، محمدؐ پر جو کہ روشن چہرے والے اور چمکتی پیشانی والی ہیں۔ اے اللہ! چاروں خلفائے راشدین سے

راضی ہو جا! حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا! تابعین عظام سے بھی راضی ہو جا۔ اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔





## پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ ہم اسی کی حمد و ثنائیاں کرتے ہیں، اسی پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں اور اسی سے معافی مانگتے ہیں۔ اپنے نفس کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمادے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“ (سورۃ آل عمران: 102)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے، اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

”اے مومنو، اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“ (سورۃ الاحزاب: 70)

(71-

بعد ازاں! بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریقہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں۔ ہر ایجاد کردہ عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مسلمان جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہے۔ جو اس سے الگ ہوتا ہے وہ جہنم میں جاگرتا ہے۔

اللہ کے بندو! انسان اپنی زندگی اور کمائی میں خیر و شر کے درمیان رہتا ہے، کبھی اچھے دن دیکھتا ہے اور کبھی سخت، اس کے لیے کبھی راستے کھل جاتے ہیں اور کبھی بند ہو جاتے ہیں، وہ کبھی مشکلات میں گھر جاتا ہے اور کبھی اسے آسانیاں نصیب ہو جاتی ہیں، زندگی کا مد و جزر چلتا رہتا ہے۔ دنیاوی زندگی ایسی ہی ہے۔ ایک دن آپ کا اور دوسرا دن کسی اور کا۔ یہ مسلسل رنگ بدلتی رہتی ہے۔ کبھی ایک ہی حال پر نہیں رہتی۔ ایک حال میں خوشی ہوتی ہے تو بہت سے احوال میں پریشانی بھی ہوتی ہے۔ مگر یہاں کی ہوائیں ہمیشہ بیماریوں والی نہیں ہوتیں۔ اگر انسان گزشتہ دن کو دیکھے تو وہ اسے ماضی کا حصہ پائے گا، وہ اسے کبھی لوٹانہ سکے گا، اس میں ملنے والی لذت کا احساس بھی ختم ہو چکا ہو گا، بلکہ اس کی پریشانی کا احساس بھی گزر چکا ہو گا۔ اسی طرح اگر آئندہ دن کو دیکھے تو وہ اسے مجہول اور خود کو اس کے بارے میں کوئی

رائے قائم کرنے سے قاصر پائے گا۔ اسے کچھ علم نہ ہو گا کہ اللہ نے اس کے لیے اس میں کیا لکھا ہے۔ حقیقت میں اسے صرف وہی وقت نظر آئے گا جس میں وہ اس وقت جی رہا ہے، سانس لے رہا ہے، دیکھ اور سن رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ گزشتہ دن ماضی ہے، آج کا دن عمل کا موقع ہے، اور آئندہ کل امید کے دائرے میں ہے۔ اس حال میں ہر انسان کو نبی کریم ﷺ کی وہ نصیحت ذہن نشین کر لینی چاہیے جو آپ ﷺ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فرمائی تھی:

«كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ» (صحیح بخاری:

(6416)

”دنیا میں اجنبی کی طرح رہو، یا پھر مسافر کی طرح۔“ اسی طرح سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ نصیحت بھی ذہن میں تازہ کر لینی چاہیے جو آپ نے اس نبوی نصیحت پر عمل پیرا ہونے کے بعد فرمائی، یہ نصیحت کسی سمجھ دار اور تجربہ کار کی نصیحت ہے۔ فرماتے ہیں:

«إِذَا أُمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرْضِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ» (صحیح

بخاری: 6416)

”جب رات ہو جائے، تو صبح تک چینی کی امید نہ رکھنا، اور جب صبح ہو جائے تو رات تک زندہ رہنے کی امید نہ رکھنا۔ بیماری سے پہلے تندرستی سے فائدہ اٹھانا اور موت سے پہلے زندگی کو نعمت جاننا۔“

اللہ کے بندو! دنیا ایسی ہی ہے۔ گزر گاہ ہے، مستقل رہائش گاہ نہیں۔ اس میں لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو خود کو فروخت کر کے ہلاک کر دیتے ہیں، اور دوسرے وہ جو اپنے نفس کو خرید کر بچا لیتے ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمَلَأْ قَبِيهَ﴾

”اے انسان، تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، اور اُس سے ملنے والا ہے۔“ (سورۃ الاحقاف: 6)

یہ ایسا گھر ہے جس کی ابتدا تمھارا دینے والی محنت سے ہوتی اور انتہا فنا پر ہوتی ہے۔ اس کے حلال کا بھی حساب کتاب ہوتا ہے، جبکہ حرام پر عذاب ملتا ہے۔ اس کا مالدار فتنوں کا شکار ہوتا ہے اور اس کا فقیر پریشانی میں رہتا ہے۔ جب دانشمند لوگ دنیا کو پرکھتے ہیں تو وہ انہیں بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتی ہے، مگر پھر اس کی حقیقت ان کے لیے کھل جاتی ہے، وہ جان لیتے ہیں کہ اس کے پیچھے بھاگنے سے تمھارے علاوہ کچھ نہیں ملتا، جو اس کے لالچ اور محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں، یہ انہیں دشمنوں کو دوست بنا کر دکھاتی ہے۔

اللہ کے بندو! یہی دنیا کی حقیقت ہے۔ یہ بدلتے مزاج اور ہمیشہ بدلتی رہنے والی، مصیبتوں سے بھری اور زوال پذیر، نہ اس کی کوئی چیز دائمی ہے اور نہ ہمیشہ باقی رہنے والی۔ اللہ نے اس میں کسی انسان کے لیے ہمیشگی نہیں لکھی۔ جس دنیا کی صفات یہ ہوں، وہ اس قابل نہیں ہے کہ انسان اس میں مصروف ہو کر دائمی زندگی اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے غافل ہو جائے۔ نہ اس قابل ہے کہ اس میں انسان اپنی نظریں دوڑاتا رہے، ان نعمتوں کی طرف دیکھتا رہے جو اللہ نے دوسروں کو دی ہیں، کیونکہ وہ بھی دنیا کی زیب و زینت ہیں اور آزمائش کا سامان ہیں۔ اور دنیا اس قابل بھی نہیں ہوتی ہے کہ اس کے لیے دوستیاں اور دشمنیاں کرے، لڑائیاں اور جھگڑے کرے، یا اتنا افسوس کرے کہ خود کو بھلا دے یا ہلاکت میں ڈال دے۔ واللہ! باللہ! اتا اللہ! اس کی نعمتیں ملنے کے بعد کم ہی ہوتی ہیں۔ کشادہ ہونے کے بعد یہ دنیا تنگ ہی ہوتی ہے۔ خوش کرنے کے بعد یہ پریشان ہی کرتی ہے۔ ہنسانے کے بعد رلاتی ہی ہے۔ یہ جتنی بھی بڑی ہو جائے، بہر حال، یہ چھوٹی ہی رہتی ہے، جتنی بھی طویل ہو جائے، بہر حال یہ مختصر ہی رہتی ہے۔ اس کا ویسا ہی حال ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

﴿اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْغُرُورِ﴾

”خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتاننا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہو گئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو گئے پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے دنیا کی زندگی ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔“ (سورۃ الحدید: 20)

تو اللہ کے بندو! اس چیز کے بارے میں آپ کا کیا گمان ہے جسے آخر کار مرجھا کر راکھ ہی بن جانا ہے، چاہے فی الوقت اس میں زینت، ایک دوسرے پر فخر اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بالکل ویسی ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے:

«لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ»

”اگر اللہ کے نزدیک اس دنیا کی حیثیت چھپر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔“ (جامع ترمذی: 2320)

اللہ کے بندو! یہ زمین زندگی کا مرکز اور محور ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے مسخر کر رکھا ہے، تاکہ وہ اس میں چلیں پھریں، اس کا رزق کھائیں، مگر اسراف نہ کریں، اسے اپنی سب سے پہلی ترجیح نہ بنائیں، اور نہ ہی اسے اپنا مبلغ علم بنائیں، نہ اس میں مقابلہ کریں، نہ اس کے لیے لڑیں، اور نہ اس جرم کا شکار ہوں جس کا خدشہ نبی کریم ﷺ کو تھا، جب سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جزیرے کا مال لے کر مدینہ پہنچے، اہل مدینہ کو ان کی آمد کا علم ہو گیا، انہوں نے صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، نماز کے بعد لوگوں نے ان کا رخ کیا، جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو مسکرانے لگے، فرمایا: «أَظَنُّكُمْ سَمِعْتُمْ يَقْدُومُ أَبِي عَبِيدَةَ، وَأَنَّهُ جَاءَ بِثَنِيَّةٍ» قالوا: «أَجَلْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: «فَأُبَشِّرُوا وَأَمْلُوا مَا يَسُرُّكُمْ، فَوَاللَّهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا، كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا، وَتُلْهِيَكُمُ كَمَا أَلْهَتْهُمُ» (صحیح بخاری، 6425)

”لگتا ہے تم نے ابو عبیدہ کی آمد کی خبر سن لی ہے، اور یہ بھی سنا ہے کہ وہ کچھ لے کر آئے ہیں؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: تو خوش ہو جاؤ اور اچھی امید رکھو۔ مگر مجھے تمہارے فقر و قانہ کا ڈر نہیں ہے، مجھے تو یہ ڈر ہے کہ دنیا کی نعمتیں تمہارے سامنے بکھیر دی جائیں، جیسے پچھلی قوموں کے سامنے بکھیری گئی تھیں، پھر تم اسے پانے کے لیے مقابلہ کرنے لگو گے جیسے انہوں نے کیا تھا، پھر تم اسی میں لگ جاؤ گے، جیسے وہ اسی میں لگ گئے تھے۔“

میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر۔ ضرورت سے زیادہ مقابلہ بازی کسی چیز کو قریب کرتی ہے نہ دور، یہ انسان کو مصروف ہی کرتی ہے، اس کی مدد نہیں کرتی، دلوں کو سخت کرتی ہے، نرم نہیں کرتی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْعُرُورُ﴾ (سورۃ

لقمان: 33)

”پس یہ دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکہ باز تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکا دینے پائے۔“

یہ فرمان اس ہستی کا ہے جو اس دنیا کو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ تو اللہ کے بندو! دنیا میں مصروف ہونے سے بچو، کیونکہ اس کے کام کبھی ختم نہیں ہوتے، جب انسان اس کی مصروفیت کا ایک دروازہ اپنے لیے کھولتا ہے تو وہ آگے مزید دس دروازے کھول دیتا ہے، مگر اس ساری مصروفیت کے باوجود جب وہ اس سے نکلتا ہے تو دو کشتیوں کے سوار کی طرح بالکل خالی ہاتھ نکلتا ہے۔

ہمارے بزرگوں نے جب دنیا کی حقیقت پر غور کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ کھانا، پینا، پہننا، سوار ہونا اور سو نگنا ہے۔ بہترین کھانا ہے شہد ہے، جو کہ ایک چھوٹی سی مکھی کا تھوک ہے۔ پینے کے لیے بہترین چیز پانی ہے، اس میں نیک اور فاسق برابر ہیں۔ بہترین لباس ریشم ہے، جسے ایک حقیر سی سنڈی بتاتی ہے۔ بہترین سواری گھوڑا ہے، اور اسی پر سوار ظالم اور جابر ہلاک ہوتے ہیں۔ بہترین خوشبو مشک کی خوشبو ہے، جو ہرنی میں چھپا خون ہوتا ہے۔ سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”مِنْ هَوَانِ الدُّنْيَا عَلَى اللَّهِ أَنْهَا لَا يُعْصَى إِلَّا فِيهَا، وَلَا يُنَالُ مَا عِنْدَهُ

إِلَّا بِتَرْكِهَا.“

”اللہ کے ہاں دنیا کی کوئی حیثیت نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے اسی میں اس کی نافرمانی ممکن ہے، جبکہ پروردگار کی بہترین جزا اس دنیا کو چھوڑنے سے ہی ملتی

”ہے۔“

اللہ کے بندو ادنیاء و آخرت سوکٹوں کی مانند ہیں، ایک کو بھتارا رضی کرو گے، دوسری اتنا ناراض ہو جائے گی۔ دنیا کا موازنہ جب بھی آخرت کے ساتھ ہو گا تو اس پر تنقید ہی کی جائے گی، کوئی اسے آخرت سے بہتر نہیں کہتا، اور جو کہتا ہے، اس کی عاقبت تباہ ہو جاتی ہے۔ اسی بارے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ثُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهِ يُرِيدُ الْآخِرَةَ﴾

”تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے۔“

(سورۃ الانفال: 67)

اسی طرح فرمایا:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۗ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّالَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

”دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور ایک تماشہ ہے، حقیقت میں آخرت ہی کا مقام ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو زیاں کاری سے بچنا چاہتے ہیں، پھر کیا تم لوگ عقل سے کام نہ لو گے؟“ (سورۃ الانعام: 32)

اسی طرح فرمایا:

﴿أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۖ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ﴾

”کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔“ (سورۃ التوبہ: 38)



اسی طرح فرمایا:

﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

”تم لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دُنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی تر ہے کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟“ (سورۃ القصص: 60)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں نے کچھ باتیں کی ہیں، اگر یہ درست ہیں، تو اللہ کی توفیق سے، اور اگر غلط کی ہیں تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے۔ اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے احسان پر میں اسی کی حمد و ثنایا بیان کرتا ہوں۔ اس کی توفیق اور نوازشوں پر میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ راہ ہدایت کی طرف بلانے والے خلیل اللہ پر درود و سلام بھیجتا ہوں۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! یاد رکھو کہ دین اسلام میانہ روی والا ایسا دین ہے جو انحراف و تفریط سے دور رہتے ہوئے درمیانی راہ اپناتا ہے، حد سے نکل جانے اور بہت پیچھے رہ جانے کی بجائے اعتدال اپناتا ہے۔ دنیا کے بارے میں بھی اسلام کا یہی موقف ہے، نہ اسے مکمل طور پر برا کہتا ہے، نہ اسے مکمل طور پر چھوڑنے کا حکم دیتا ہے، الّا یہ کہ یہ اللہ اور آخرت سے

دور کرنے لگے، کیونکہ ایسا تب ہی ہوتا ہے جب انسان اعتدال کے دائرے سے نکل جائے، اسے مکمل طور پر چھوڑ دینا سخت کنجوسی ہے، جبکہ مکمل طور پر اس کی لذتوں میں گھس جانا دھوکہ اور فریب میں آجانا ہے۔ اس میں مقابلہ بازی کے چند ایسے نقصانات ہیں جو مقابلہ کرنے والوں سے مخفی رہتے ہیں، اس کے معاملے میں مقابلہ کرنے والوں کو اس لیے برا کہا گیا ہے کہ اس رویے سے بھوک زیادہ ہوتی ہے، حق کا انکار ہوتا ہے اور لوگوں کو حشرات کی نگاہ سے دیکھنے کا سبق ملتا ہے۔ اس مقابلے سے منع کیا گیا ہے جو آخرت سے مشغول کرتا ہے، نہ کہ جو آخرت کے معاملے میں مدد دیتا ہے، جو آخرت کو بھلاتا ہے، نہ کہ جو اس کی یاد دلاتا ہے، جو پیچھے دھکیلتا ہے، نہ کہ جو آگے بڑھاتا ہے۔ دنیا میں مقابلہ بازی اکثر واجبات کی ادائیگی سے محروم کر دیتی ہے، آخرت کے لیے محنت کرنے سے غافل کر دیتی ہے۔ بلکہ اکثر اتحاد نکھیر دیتی ہے، لڑائیاں اور جھگڑے پیدا کرتی ہے، محبت اور قربانی جیسے اہم اخلاق کو ختم کر دیتی ہے۔ صحت، بلندی، عدل اور جذبات کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ ہاں! طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔ جو اسے اللہ کو راضی کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے وہ دنیا و آخرت کی بھلائیاں جمع کر لیتا ہے، پھر اس میں مقابلہ بازی سے روکنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے خود کو محروم کر لے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ”میں تمہیں لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں تاکہ اللہ تمہیں غنیمت عطا فرمائے، تمہیں حلال ملنے کی خواہش رکھتا ہوں۔“ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں نے مال لینے کے لیے تو اسلام قبول نہیں کیا تھا، بلکہ میں نے دین اسلام کو پسند کیا تھا، تاکہ میں رسول اللہ کا ساتھی بن جاؤں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يا عمرو، نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحِ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ» (الأدب المفرد: 299)

”اے عمرو! نیک بندے کے لیے حلال مال برائے نیک، بلکہ بہت اچھا ہے۔“

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کتنے ہی لوگ مال دار اور غنی تھے، بلکہ اللہ کی فرمان برداری میں کام آنے والی مال داری اور بے نیازی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عشرہ مبشرہ میں شامل ہونے سے نہیں روکا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ان ہی میں سے ہیں، وہ بھی مال دار تھے۔ انہی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«مَا نَفَعَنِي مَالٌ قَطُّ، مَا نَفَعَنِي مَالٌ أَبِي بَكْرٍ» (مسند أحمد: 7446)

”کسی مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں دیا، جتنا فائدہ مجھے ابو بکر کے مال نے دیا ہے۔“

پھر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ وہ بھی مال دار تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ہیں، وہ بھی مال دار تھے۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ہیں اور وہ بھی مال دار تھے۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ہیں اور وہ بھی مال دار تھے۔ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ہیں اور وہ بھی غنی تھے۔ بلکہ ان کی کل جائیداد اس دور میں بھی تیس کروڑ رہی تھی۔ مگر ان سب نے دنیا کو اپنے ہاتھوں میں رکھا اور آخرت کو اپنے دلوں میں رکھا۔ اللہ کی نوازشات کے ذریعے آخرت کے طلب گار رہے اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کیا جیسے اللہ نے ان پر احسان کیا، ویسے انہوں نے بھی احسان کیا۔

یاد رکھیے سچائی لہانے والوں کے لیے یہ دنیا بھی بہت اچھی ہے، اسے سمجھ لینے والوں کے لیے یہ نجات کا گھر ہے، اس کے سامان کا درست استعمال کرنے والوں کے لیے یہ بے نیازی کا گھر ہے۔ یہ وحی الہی کے نزول کا مقام ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی جگہ ہے، انبیاء علیہم السلام کی مسجد ہے، اولیاء اللہ کا بازار ہے، اس میں وہ رحمت الہی کما لیتے ہیں، اور جنت حاصل کر لیتے ہیں۔ سیدنا لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا:

”یا بنی، بع دنیاك بأخرتك، ترجمهما جمعاً، ولا تبع آخرتك“

بدنیاءک تخسرهما جمیعاً۔"

"بیٹا! آخرت کے بدلے دنیا کو بیچ دینا، اس طرح دونوں کما لو گے، دنیا کے بدلے آخرت کو نہ بیچنا، اس طرح دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لیس خیارکم الذین ترکوا الدنیا للآخرة، ولا الذین ترکوا الآخرة

للدنیا، ولکن خیارکم الذین أخذوا من هذه وهذه۔"

"بہترین لوگ وہ نہیں ہیں جنہوں نے آخرت کے لیے دنیا کو چھوڑ دیا ہے، نہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کے لیے آخرت کو چھوڑ دیا ہے، بلکہ بہترین وہ ہیں جنہوں نے دونوں میں سے اپنا حصہ لے لیا ہے۔"

تو اللہ کے بندو! وہ شخص مبارک باد کے لائق ہے جو اللہ کو پہچان لے اور اس کی فرمان برداری کرے، جو شیطان کو پہچان لے اور اس سے بچ جائے، حق کو پہچان لے اور اس کی پیروی کرے، باطل کو پہچان لے اور اس سے دور ہو جائے، دنیا کو پہچان لے اور وہ اسے غافل نہ کر پائے، آخرت کو پہچان لے اور وہ اس سے غافل نہ رہے۔ فرمان باری ہے:

﴿يَلِكُ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (سورۃ القصص: 83)

"وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے۔"

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور پاکیزہ ترین ہستی، محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر

کیا ہے۔ پھر اپنی تعریف و تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مؤمنو! کہہ کر مخاطب کیا۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”اے مؤمنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ پر رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرما! جو کہ روشن چہرے والے اور چمکتی پیشانی والے ہیں۔ اے اللہ! چاروں خلفائے راشدین حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا! تابعین سے اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے بھی راضی ہو جا۔ اپنی کرم نوازی اور احسان اور خصوصی معافی فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔



70

انفرادیت پسندی کے اسباب اور نقصانات

25 ذوالحجہ 1441ھ بمطابق 14 اگست 2020ء

## پہلا خطبہ

حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد!

اے لوگو! میں تمہیں اور خود اپنے آپ کو خلوت و جلوت اور ظاہری و باطنی ہر حالت میں تقویٰ الہی اپنانے کی تلقین کرتا ہوں، نیز کتاب اللہ اور سنت رسول کو مضبوطی سے تھام لینے کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ یہی دونوں چیزیں تاریکیوں کے وقت اجالے اور مصیبتوں سے نجات کا ذریعہ بنتی ہیں، ان کی پیروی کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا اور ان سے انحراف کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (سورۃ آل عمران: 132)

”اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

اللہ کے بندو! تمام اہل حل و عقد اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اجتماعیت میں رحمت ہے، تفرقہ بازی باعث عذاب ہے، الگ تھلگ رہنے کی نسبت مل جل کر رہنا بہتر ہے، اجتماعیت سے الگ تھلگ ہونے کی کوشش دراصل انفرادیت پسندی اور انحراف ہے۔ تین لوگ ملیں تو قافلہ بنتا ہے، سوار تنہا ہو تو وہ ایک شیطان ہوتا ہے اور گر سوار دو ہوں تو وہ دو شیطان ہیں، نیزے اکٹھے ہوں تو نہیں ٹوٹتے اور انہیں الگ الگ کر دیا جائے تو انہیں ایک ایک کر کے بآسانی توڑا جاسکتا ہے، اکیلا شخص کمزور ہوتا ہے جبکہ اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کے رہے تو طاقتور ہو جائے گا۔ یہ وہ حقائق ہیں جن پر تمام دانشوروں اور اہل حل و عقد کا اتفاق ہے اور انہی کے مطابق زمین کی ایسی آباد کاری ہو سکتی ہے کہ جو اللہ کو بھی پسند ہے اور اس نے اپنے بندوں کے لیے بھی پسند فرمایا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّيه مَا تَوَلَّى وَنُضَلِّيه جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿﴾  
 ”مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور  
 روش پر چلے، حالانکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں  
 گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار  
 ہے۔“ (سورۃ النساء: 115)

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ، إِلَّا قَدْ  
 اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ. فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذَّنْبُ  
 الْقَاصِيَةَ» (سنن ابی داؤد: 547)

”جس کسی گاؤں یا بستی میں تین فرد بھی ہوں اور ان میں نماز باجماعت کا اہتمام نہ  
 ہو، تو شیطان ان پر مسلط ہو جاتا ہے لہذا تم جماعت کو لازم پکڑو۔ بھیر یا ہمیشہ دور  
 رہنے والی اکیلی بکری ہی کو کھاتا ہے۔“

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ  
 وَهُوَ مِنَ الْإِثْنَيْنِ أَبْعَدُ مَنْ أَرَادَ مُجْبُوْحَةً الْجَنَّةِ فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةَ مَنْ  
 سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذَلِكُمْ الْمُؤْمِنُ» (جامع ترمذی: 2165)  
 ”تم لوگ جماعت کو لازم پکڑو اور پارٹی بندی سے بچو، کیوں کہ شیطان اکیلی آدمی  
 کے ساتھ رہتا ہے، دو کے ساتھ اس کا رہنا نسبتاً زیادہ مشکل ہوتا ہے، جو شخص جنت  
 کے درمیانی حصہ میں جانا چاہتا ہو وہ جماعت سے لازمی طور پر جڑا رہے اور جسے اپنی  
 نیکی سے خوشی ملے اور گناہ سے نغم لاحق ہو، حقیقت میں وہی مومن ہے۔“



اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ اقامتِ دین کی ذمہ داری نبھانے کے ساتھ ساتھ الفت و محبت اور اجتماعیت کو فروغ دیں اور اختلاف و انتشار کو ختم کریں۔  
فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (سورۃ آل عمران: 103)

”تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ بازی میں مت پڑو۔“  
امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے امام قتادہ رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تفرقہ بازی کو ناپسند فرمایا ہے، اس بارے میں اس لیے تمہیں پیٹنگی بتا دیا ہے، اس نے تمہیں اس سے ڈرایا بھی ہے اور منع بھی فرمایا ہے اور اس نے تمہارے لیے سمع و طاعت، الفت و محبت اور اجتماعیت کو پسند فرمایا ہے، چنانچہ تم حتی المقدور کوشش کرو کہ تم بھی اس پر راضی رہو، جو تمہارے لیے اللہ نے پسند فرمایا ہے، نیکی کی اطاعت تو فقط اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

اللہ کے بندو! جب یہ بات سمجھ آچکی ہے تو یہ بھی بخوبی جان لو کہ زندہ و بیدار معاشرے وہ ہوتے ہیں جو اپنے نظام کو برقرار رکھنے کے لیے اس بات کو اپنی بنیادی ترین ضرورت بنا لیتے ہیں کہ اجتماعیت قائم کی جائے گی، افراد معاشرہ کو ایک دوسرے سے جوڑا جائے گا، سسٹم کو اجتماعیت کی کمزوری، بالکل ہی شیرازہ بکھر جانے یا پھر اس تناور درخت کے اکھڑ جانے سے بچایا جائے۔ زندہ معاشروں کے لوگ ہر اس طرز عمل کو شذوذ اور انفرادیت شمار کرتے ہیں جو اجتماعیت سے ہٹ کر اختیار کیا جائے۔

اللہ کے بندو!

شذوذ اسی کو کہتے ہیں کہ انسان سواِ اعظم سے الگ تھلگ رہتے ہوئے ایسا عقیدہ،

فکر، قول، فعل یا پھر بیعت و کیفیت اختیار کر لے جو حق کے مخالف ہو، اجتماعیت سے ٹکراتی ہو یا پھر اخلاقیات کے منافی ہو۔

اللہ کے بندو!

انفرادیت پسندی کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم کا تعلق دل سے ہے جبکہ دوسری قسم اعضاء بدن سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو وہ توحید و ایمان کے متعلق ایسے باطل عقائد اور منفرد افکار کا اختیار کرنا ہے جو اہل حق کے مخالف ہوں، جبکہ اعضاء کے ذریعے شذوذ کا اظہار بھی دو طرح سے ہوتا ہے، بسا اوقات ترک فعل کے ذریعے تو کبھی ارشکاب فعل کے ذریعے۔ جہاں تک ترک فعل کے ذریعے شذوذ اختیار کرنے کی بات ہے تو یہ جماعت کو چھوڑ دینے اور امیر کی سب و اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینے کا نام ہے، یہ طریقہ خارجیوں کا ہے اور بڑا ہی خطر چلن ہے کہ جس کے نقصانات بے پناہ ہیں۔ اہل علم کا اتفاق ہے کہ بڑی سختی کے ساتھ اس سے روکا اور ڈرایا جائے گا اور یہ ایسا قبیح فعل ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا کوئی بھی ہو، اس سے کوئی نرمی نہیں برتی جائے گی، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کے متعلق حتمی فیصلہ سنا تے ہوئے ارشاد فرمایا:

«مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةِ لِقِيَّ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»

”جس شخص نے (مسلمانوں کے حکمران کی) اطاعت سے ہاتھ کھینچا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے حق میں کوئی دلیل نہ ہو گی اور جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس کی گردن میں کسی (مسلمان حکمران) کی بیعت نہیں تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔“ (صحیح مسلم: 1851)

اللہ کے بندو!

ارحکابِ فعل کے ذریعے الگ تھلگ رہنے کا تعلق کبھی تو فقہی فتاویٰ سے ہوتا ہے۔ صاف نظر آرہا ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ فقہ اسلامی سے بہت دور ہے اور اس میں اس جائز فقہی اختلاف کا بھی خیال نہیں کیا گیا ہوتا کہ جس کا اعتبار کیا جانا چاہیے تھا، بلکہ یہ اس سے بالکل متصادم اور شذوذ کی حد تک الگ تھلگ نظر آتا ہے، ایسے اقوال کو شاذ فقہی آراء یا شاذ فتاویٰ جات کا نام دیا جاتا ہے، یہ اجماعِ صریح سے بھی متصادم ہوتے ہیں اور مقاصدِ شریعت اور عقلِ صریح سے بھی میل نہیں کھاتے۔

ہر زمان و مکان میں یہ قسم پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگ معاشرے میں رائج نظامِ فتویٰ کو بھی سبوتاژ کرتے ہیں اور سالمین کے لیے شریعت میں التباس پیدا کرنے کا سبب بھی بنتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ غلط بحث اور تشویش کا باعث بنتے ہیں، اس پر مترادف یہ کہ انہیں یہ تک پتہ نہیں ہوتا کہ فتویٰ کس بنیاد پر جاری کرنا ہے۔ ہر قسم کی برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اسی طرح بعض اوقات اختیار لباس اور ہیئت و کیفیت میں بھی شذوذ ہوتا ہے، مثال کے طور پر انسان شہرت کی نیت سے ایسا لباس اختیار کرے جو معاشرے میں رہتے عوام الناس سے الگ تھلگ نظر آتا ہو، چنانچہ وہ اپنے لباس اور وضعِ قطع کے لحاظ سے دیگر لوگوں سے بالکل جدا اور الگ تھلگ نظر آنے لگتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ لَيْسَ قُوتَبَ شَهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا، أَلْبَسَهُ اللَّهُ قُوتَبَ مَدَلَّةٍ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ»

”جو شخص دنیا میں لباسِ شہرت استعمال کرے گا، روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اسے لباسِ

ذلت عطا کرے گا۔“ (مسند احمد: 5664)

لباسِ شہرت سے مراد ایسا کپڑا پہننا ہے جس میں عادت اور معمول سے ہٹ کر ایسا اونچا انداز اختیار کیا جائے جو صاحبِ لباس کو تکبر تک لے جائے، یا پھر ایسا زہد اور پست انداز اختیار کیا جائے جو خلافِ عادت ہو اور حد درجہ تکلف کر کے بناوٹی تواضع کا اظہار کیا جائے، سلف صالحین ان دونوں طرح کی شہرتوں والے لباس کو ناپسند کرتے تھے۔

اللہ کے بندو!

اللہ آپ کا بھلا کرے، یہ بھی اچھی طرح جان لو کہ عملی طور پر شذوذ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان جبلی اور فطری امور میں لوگوں کے خلاف چلنا شروع کر دے۔ مثلاً انسان کی فطرت اور جبلت میں ہی نکاح کی خواہش موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے انسان کے لیے مشروع قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَأَنصِبُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَفْنِي وَثَلَاتٍ وَرُبَاعٍ ط﴾

”جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو، تین، چار چار سے نکاح کر

لو۔“ (سورۃ النساء: 3)

اللہ آپ کا بھلا کرے، اس جبلی اور فطری خواہش کے معاملے میں بھی کچھ لوگ شذوذ اختیار کرتے ہوئے جاہدِ حق سے بھٹک جاتے ہیں، وہ اس شذوذ کو اپنا طرزِ زندگی بنا لیتے ہیں، اس معاملے میں ان کے الگ تھلگ چلنے کی روش کائنات میں مروجہ قانون سے متصادم بھی ہے اور ملتِ اسلامیہ اور فطرتِ سلیم کے لیے زہرِ قاتل بھی۔ اس منفرد روش اور راہِ شذوذ کی شدت میں تب مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب اس نظریے کے حاملین اپنے اس غلط موقف کے دفاع سے آگے بڑھتے ہوئے اپنا یہ نظریہ دوسروں پر مسلط کرتے ہوئے اسے حالات کے عین مطابق قرار دینے لگتے ہیں اور الفاظ کی شدت کو کم کرنے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس قبیح عمل کو ہم جنس پرستی، یعنی ’مثلیت‘ کا نام دیتے ہیں، تاکہ لوگوں کی سماعتوں

سے یہ نیا نام نکلے تو وہ اسے قبول کر لیں اور وہ اسے ہر شخص کا جائز حق تصور کرنے لگیں، اس ضمن میں لوگوں کو ڈرا یاد دہم کیا بھی جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! یہ ایسی خصلت ہے کہ کوئی ملت اسے قبول کرنے کو تیار نہیں، تمام آسمانی کتب میں اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔

سیدنا لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

﴿ اَنَا ثَوْنٌ الذُّكْرَانِ مِنَ الْعَالَمِينَ \* وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴾

”کیا تم لوگ ساری دنیا میں صرف مردوں سے ہی جنسی تعلقات قائم کرتے ہو؟ اور تمہارے رب نے تمہاری بیویوں میں تمہارے لیے جو کچھ پیدا کیا ہے، اسے تم چھوڑ دیتے ہو، بلکہ تم لوگ تو حد سے ہی گزر گئے ہو۔“ (سورۃ الشعراء: 165-166)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے جرم کی نوعیت یہ تھی کہ وہ جبلت اور فطرت کے بالکل الٹ چلتے تھے، اس لیے ان پر نازل ہونے والا عذاب بھی ان کے جرم کے عین مطابق تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بستی کو یوں الٹ دیا کہ اوپر والا حصہ نیچے کر دیا اور اوپر سے کچی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش بر سادی۔

اے اللہ!

ہم تیری رضا کے ذریعے تیری ناراضگی، تیری معافی کے ذریعے تیری سزا سے اور تیری رحمت کے ذریعے تیری پکڑ سے پناہ مانگتے ہیں۔ ہم تیری شہاد کا حق ادا نہیں کر سکتے، تو ویسا ہی جیسے تو نے خود اپنی صفات بیان فرمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن مجید کی برکتوں سے مالا مال فرمائے اور ہمیں قرآنی آیات اور ذکرِ حکیم سے نفع پہنچائے۔ اسی پر میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں، اپنے لیے آپ کے لیے اور تمام مسلمان حضرات و خواتین کے لیے ہر قسم کے گناہ سے اللہ کی معافی کا طلب گار

ہوں، تم بھی اس سے استغفار اور اسی کی جناب میں توبہ کرو، بلاشبہ میرا پروردگار نہایت بخشنے والا، بزار رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

ہر قسم کی بابرکت اور پاک تعریف اللہ کے لیے خاص ہے۔ اللہ کی ویسی تعریف جیسی ہمارے پروردگار کو پسند ہے، میں درود و سلام بھیجتا ہوں اللہ کے بندے اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی پر۔

### لما بعد! اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈر جاؤ اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑو، کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے، جو ان سے جدا ہوا، وہ جہنم میں جاگرا۔

اللہ آپ کا بھلا کرے، یہ بات اچھی طرح جان لو کہ الگ تھلگ رہنے اور انفرادیت پسندی میں شر ہی شر ہے۔ یہ فطرت سے انحراف، علم سے فرار اور جماعت سے خود کو بے نیاز سمجھنے کا نام ہے۔ جاہد حق سے الگ تھلگ رہنے سے ایسی غفلت جنم لیتی ہے جس کا نتیجہ انحراف کی شکل میں سامنے آتا ہے، پھر خود پسندی، تکبر اور غرور جیسی بری صفات بھی بیک وقت سامنے آتی ہیں اور انسان کے لیے بے پناہ نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ جماعت و اجتماعیت کا راستہ ناپسندیدہ و قابل نفرت طریقہ ہے اور نہ ہی اس راستے پر چلنے والے شخص کو ابن الوقت قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ اس جاہد حق پر چلنا اور انحراف سے بچنا فطرت، عقل، علم و حکمت کے عین مطابق ہے ورنہ اسی راستے پر چل کر سلامتی کا حصول ممکن ہے۔ دیگر بیماریوں کی طرح شد و زوال و انحراف کے بھی کچھ اسباب و محرکات ہوتے ہیں، کچھ اسباب ذاتی نوعیت کے ہیں تو کچھ اجتماعی قسم کے۔

ذاتی اسباب میں سے یہ ہے کہ راہ شد و زوال اختیار کرنے والے شخص کی دینی معلومات اور

مذہبی لگاؤ یا تو کمزور ہوتا ہے یا پھر وہ اس سے بالکل تہی دامن ہوتا ہے، اس طرح اس کا اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنا اور حصولِ شہرت کی خاطر مخالف سمت میں چلنے کو پسند کرنا بھی راہِ شذوذ کو اختیار کرنے کا سبب بنتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ

”اختلاف کرو، تمہیں شہرت ملے گی۔“

اجتماعی اسباب میں سے یہ ہے کہ انسان کو برے دوست مل جائیں، دیگر اثر انداز ہونے والے متعدد اقسام کے بہت سے امور بھی اس کا سبب ہوتے ہیں، محققین کے نزدیک قابلِ اعتماد مصادر و مراجع سے غفلت کی وجہ سے بھی، انسان راہِ انحراف کا شکار ہوتا ہے، اپنی تمام تر اقسام کے ساتھ سوشل میڈیا بھی انسان کو شذوذ و انحراف کی طرف دھکیلنے کا بہت بڑا سبب ہے، کیونکہ سوشل میڈیا پر ایسا مواد اپلوڈ ہوتا ہے جو لوگوں کو اجتماعیت، حکمت، عقل سلیم، معقول اور شرعی طرز زندگی اور عمومی مزاج کے خلاف ابھارتا اور انگیت کرتا ہے۔ لوگ امن و امان اور خوف کے حوالے سے ان افواہوں کے پیچھے چل پڑتے ہیں جو سوشل میڈیا پر پھیلائی جاتی ہیں۔

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ایسا سوادِ اعظم جو مجموعی طور پر حق پر قائم ہو، اس سے الگ تھلگ رہنا اور شذوذ کا راستہ اختیار کرنا قابلِ مذمت ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ غالباً ہر زمان و مکان کے لیے یکساں ہے۔ تاہم آخری زمانے میں کچھ مخصوص اور محدود دائرہ کار میں یہ عمومی قاعدہ کام نہیں کرے گا؛ کیونکہ تب انفرادیت کا راستہ قابلِ تعریف شمار ہوگا، جیسا کہ بہت ساری نصوصِ حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ بسا اوقات یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ لوگوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تعداد ہی حق پر چلنے والوں کی ہوگی، چنانچہ ایسے میں انفرادیت اختیار کرنا، زیادہ لوگوں کی مخالف سمت پر چلنا اور ان سے الگ تھلگ رہنا قابلِ تحسین ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ

وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفْرُ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ» (صحیح بخاری: 19)

”وہ زمانہ قریب ہے جب مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جنہیں لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات کی طرف نکل جائے گا اور فتنوں سے راہ فرار اختیار کر کے اپنے دین کو بچالے گا۔“

اسی طرح سیدنا حدیفہ رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے انہیں آخری زمانے کے فتنوں کے متعلق بتایا تو حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اگر میری زندگی میں یہ وقت آجائے تو آپ میرے لیے کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَلَزُمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ

وَلَا إِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَصَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ

حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ» ”تم ایسے حالات میں مسلمانوں کی

جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا۔“ میں نے پوچھا: اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت

ہو اور نہ ہی ان کا کوئی امام ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر تم ان تمام فرقوں سے الگ

رہو اگرچہ تمہیں کسی درخت کی جڑ ہی چبانی پڑے یہاں تک کہ اسی حالت میں تمہیں

موت آجائے۔“ (صحیح بخاری: 3606)

اے اللہ! ہم ظاہری و باطنی فتنوں سے تیری پناہ میں آتے ہیں، ہدایت واضح ہو جانے کے بعد نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرنے اور اہل ایمان کو چھوڑ کر کسی اور کے راستے پر چلنے سے بھی تیری پناہ مانگتے ہیں اور ہم تجھ سے دین اسلام پر ثابت قدمی اور مسلمانوں کی جماعت اور



ان کے پیشوا سے جڑے رہنے (کی توفیق) کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ، ہمیں ارتداد و بدعات اور فتنوں سے بچاتے ہوئے اسی منہج پر موت نصیب فرمانا۔

ازاں بعد، اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور پاکیزہ ترین ہستی، حوض کوثر والے اور شفاعت کرنے والے محمد بن عبد اللہ ﷺ پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے، پھر اپنی تعریف و تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ لوگوں کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا۔

اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور مزید سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ پر جو کہ روشن چہرے والے اور چمکتی پیشانی والی ہیں۔ اے اللہ! چاروں خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا! تابعین عظام سے بھی راضی ہو جا۔ اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔



## پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ جو زمین و آسمان کو بنانے والا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے، کسی فرشتے کے دو پر بنائے، کسی کے تین اور کسی کے چار۔ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کو خوب بنانے والا ہے۔ تقدیر بنانے والا اور راہ دکھانے والا ہے۔ میں اللہ پاک کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں اور اسی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اسی سے معافی مانگتا ہوں۔

حمد و ثنا اسی کی ہے، ایسی حمد جو آسمان اور زمین کو بھرنے والی ہو، پھر مشیتِ الہی کے مطابق ہر شے بھرنے والی۔ وہی قابلِ حمد و ثنا ہے۔ جو وہ دے دے، اسے کوئی روک نہیں سکتا، جو وہ روک دے، وہ کوئی دے نہیں سکتا۔ حسبِ و نسب اس کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ بلند مقام والے اور بہترین اخلاق والے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار کا پیغام پہنچایا، امانت ادا فرمائی اور اللہ کی راہ میں کما حقہ جہاد کیا، اور ہمیں ایسے روشن راستے پر گامزن کیا جو رات میں بھی دن کی طرح واضح ہوتا ہے۔ جو اُس سے ہٹتا ہے، وہی ہلاک ہوتا ہے۔

اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، آپ ﷺ کی بیویوں، امہات المؤمنین پر، چمکدار پیشانیوں والے اور نیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، اور قیامت تک استقامت کے ساتھ ان کے پیروکاروں پر۔ ان سب پر سلامتی بھی نازل ہو!

بعد ازاں!

بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریقہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ ایجاد کردہ عبادتیں بدترین کام ہیں۔ ہر ایجاد کردہ عبادت بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

مسلمان جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ہے۔ جو اس سے الگ ہوتا ہے وہ جہنم میں جاگرتا ہے۔ اے لوگو! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ ہمیں ہر کھلے اور چھپے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے، اپنی بول چال میں اور اپنے ہر کام میں اللہ کے خوف کو ملحوظ رکھنا چاہیے، لیکن دین اور معاملات میں پرہیزگاری کو اپنانا چاہیے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ \* فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ

مُقْتَدِرٍ ﴾

”نافرمانی سے پرہیز کرنے والے یقیناً باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔“ (سورۃ القمر: 54-55)

اللہ کے بندو!

اچھے اور بلند اخلاق نرم و رحیم، پرہیزگار اور پاکیزہ مسلمانوں کا شیوہ ہے۔ دوسروں کے لیے مفید مسلمانوں اور پُر امن مسلمانوں کا طریقہ ہے، جن کے دل میں کدورتوں یا حسد کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی، نہ خود پسندی ہوتی ہے اور نہ تکبر۔ جو اپنے حقوق حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ، ادائیگی حقوق کی بھی فکر کرتے ہیں۔ جو سمجھ داری سے کام لیتے ہیں اور بخوبی جانتے ہیں کہ انہیں اور ان کے معاشرے کو کدورتوں اور نفرتوں کی نہیں، بلکہ محبت اور رحم دلی کی ضرورت ہے۔ جو دانشمندی سے کام لیتے ہوئے دوسروں کی عزت کو مد نظر رکھتے ہیں، دوسروں کو اذیت یا تکلیف پہنچانے سے بچتے ہیں، چاہے وہ زیادہ ہو یا معمولی۔

مسلمان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے امن و سکون کا ذریعہ ہو، امت اسلامیہ کے اس جسم کا ایک فعال حصہ ہو جس کا ایک حصہ اگر تکلیف میں ہو تو سارا جسم بے

خوابی اور بخار میں رہتا ہے۔ ایسا مسلمان ہی سمجھ سکتا ہے کہ مشکلات و مسائل ایسے معاشرے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جو الفت و محبت پر قائم ہو، جس کا ہر فرد دوسروں کو اپنی زبان اور ہاتھ کے شر سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ اذیت رسانی معاشرے کی لہروں سے ٹکراتی کشتی کے لیے ایک مہلک سوراخ کی حیثیت رکھتی ہے، اذیت کی ہر شکل ایک سوراخ کی مانند ہے جو اگر بڑھ جائے تو کشتی کو ڈوبنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

اللہ کے بندو!

لفظ اذیت کا اطلاق ہر ایسے کام اور بات پر ہوتا ہے جو دوسروں کو نقصان پہنچائے، چاہے وہ نقصان جسمانی ہو یا جذباتی۔ اس اعتبار سے لفظ اذیت کی کسی طرح بھی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ اس میں کسی لحاظ سے بھی کوئی بھلائی نہیں ہے۔ قرآن کریم یا سنت رسول میں اس کا ذکر جب بھی آیا ہے، مذمت کے پیرائے میں ہی آیا ہے۔ اسی طرح سلف صالحین اور دانشمند بزرگوں کی باتوں میں بھی اسے مذموم ہی پایا گیا ہے۔ راست باز اور پاکیزہ لوگ تو اس لفظ سے بھی دور بھاگتے ہیں، بھلا اس کے نتائج اور اثرات کو کیوں کراچھا سمجھیں گے؟ صحیح اور تندرست دل والے تو ایذا رسانی کا سہارا لینے سے گریزاں رہتے ہیں، کیونکہ دوسروں کو اذیت دینا تو سانپوں اور بچھوؤں کی صفت ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو محفوظ فرمائے۔

اللہ کے بندو!

ایذا رسانی سے گریز کا مفہوم اتنا ہی نہیں ہے کہ خود کسی کو اذیت نہ دی جائے، بلکہ اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ حتی الامکان لوگوں کو اذیت سے بچایا بھی جائے۔ چاہے راستے میں پڑی موذی چیزوں کو ہٹایا دیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ - أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ - شُعْبَةٌ، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ» (صحیح مسلم: 35)

”ایمان کے ستر یا ساٹھ سے کچھ زیادہ حصے ہیں۔ جن میں اعلیٰ ترین درجہ لا إله إلا الله کہنا ہے اور کم ترین درجہ اذیت ناک چیز کو راستے سے ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔“

اہل علم نے بڑے نکتے کی بات کی ہے کہ اگر راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کا اتنا اجر ہے، تو دلوں کو اذیت سے بچانا تو یقیناً اس سے بھی افضل ہو گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح کچھ کرنے یا کہنے سے دوسروں کو تکلیف ہو سکتی ہے، اسی طرح کچھ نہ کرنے یا خاموش رہنے سے بھی انہیں اذیت پہنچ سکتی ہے، خاص طور پر ایسے مواقع پر جب سکوت یا خاموشی سے کسی کا حق جاتا ہو یا باطل کی ہاں میں ہاں ملتی ہو۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«انصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا، أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ أَنْصُرُهُ؟ قَالَ: تَحْجُزْهُ، أَوْ تَمْنَعْهُ، مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذَلِكَ نَصْرُهُ»

”اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب وہ مظلوم ہو گا تو میں اس کی مدد کروں گا، لیکن جب وہ ظالم ہو گا، تو میں اس کی مدد کیسے کروں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تب اسے ظلم سے روک دینا یا باز کر دینا، یہی اس کی مدد ہو گی۔“ (صحیح بخاری: 6952)

ایذا رسائی کا سہارا چھوٹے دل والے ہی لیتے ہیں، کیونکہ انہیں اذیت کے سوا کچھ آسانی نہیں۔ دلیر تو وہ ہے جو اذیت رسائی سے دور رہے، جبکہ بزدل وہ ہے جو اذیت میں جرأت

دکھاتا ہے۔ سمجھ دار وہ ہے جو لوگوں کی اذیت برداشت تو کرے، مگر جواب میں انہیں اذیت نہ دے۔ اگر ہم میں سے ہر ایک اپنی طرف سے دوسروں کو پہنچنے والی اذیت کو بھی اسی پیمانے سے ناپے جسے وہ دوسروں کی طرف سے خود کو پہنچنے والی اذیت کو پرکھتا ہے تو یقینی طور پر لوگوں میں اذیت کی شرح کم ہو جائے۔

یاد رکھنا! تباہی اس شخص کی منتظر ہے، جس کا نامہ اعمال اذیت رسائی سے بھر اہو۔ تباہی اس کی منتظر ہے۔ تباہی اس کی منتظر ہے۔ حقیقی ہارجیت والے دن اس شخص کا صحیفہ مفلسی پھیلا دیا جائے گا، تاکہ وہ منہ کے بل گر جائے،

﴿حَسِيرَ الذُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذَلِكَ هُوَ الْحَسْرَانُ الْمُمِيبُ﴾

”اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی یہ ہے صریح خسارہ۔“ (سورۃ الحج: 11)

ہمیں مفلسی کی نہیں، منافع کی ضرورت ہے۔ عقلمندی بھی یہی ہے کہ انسان اپنے جبروں کو قابو میں رکھے، اپنی زبان کو دوسروں کی اذیت کے لیے بے لگام نہ چھوڑے، ایسا نہ ہو کہ وہ نفع کی بجائے نقصان کر بیٹھے۔ اسی طرح یہ بھی دانشمندی ہے کہ دوسروں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالنے اور اپنا دست تعاون بڑھانے کے لیے اپنے ہاتھوں کو کھلا رکھے اور ان ہاتھوں کے ذریعے کسی پر ظلم کرے اور نہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِيهِ» (صحیح بخاری: 10)

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“

حدیث میں پہلے زبان کا ذکر کیا، حالانکہ قوت تو بازو میں ہوتی ہے، وہ اس لیے کہ زبان سے ملنے والا زخم معنوی، نفسیاتی اور جذباتی لحاظ سے ہاتھ سے ملنے والے زخم سے کہیں گہرا اور سخت ہوتا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ لَا تَرَاهُ إِلَّا مُنْتَقِدًا، يَنْسِي حَسَنَاتِ الطَّوَائِفِ وَالْأَجْنَاسِ، وَيَذَكِّرُ مِثَالِيهِمْ؛ مِثْلَ الذَّبَابِ، يَتْرِكُ مَوْضِعَ الْبُرِّ وَالسَّلَامَةِ، وَيَقَعُ عَلَى الْجُرْحِ وَالْأَذَى، وَهَذَا مِنْ رِدَاءَةِ النَّفُوسِ وَفَسَادِ الْمَزَاجِ"

"بعض لوگ صرف تنقید کرتے نظر آتے ہیں، یہ دوسرے گروہوں اور نسلوں کی نیکیاں بھلا دیتے ہیں، مگر ان کی غلطیاں خوب یاد رکھتے ہیں۔ ان کا حال بالکل مکھیوں کی طرح ہے۔ وہ بھی صحیح اور تندرست جگہ کو چھوڑ کر زخم اور تکلیف والی جگہ پر بیٹھتی ہے۔ یہ ان لوگوں کے نفس کی برائی اور مزاج کے فساد کی علامت ہے۔"

ایسے شخص کی رسوائی کتنی سخت ہوگی جس سے لوگ اس ڈر سے بھاگنے لگیں، کہ کہیں وہ اس کی زبان کی تیزی یا ہاتھ کی چالاک کی چالاک کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ اور ایسے شخص کی کامیابی کے کیا کہنے جو خود کو بھی اذیت نہ دے، اپنے ہمسائے کو بھی اذیت سے محفوظ رکھے، اپنے قریب کسی شخص کو بھی تکلیف نہ دے، بلکہ کسی مسلمان کو بھی ایذا نہ پہنچائے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو یاد رکھے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيكُهُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي، وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشَرِّكِهِ، وَأَنْ أَقْتَرِفَ عَلَى نَفْسِي سُوءًا أَوْ أُجْرَهُ إِلَى مُسْلِمٍ"

"اے اللہ! اے زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے! کھلی اور چھپی چیزوں کو جاننے والے! تیرے سوا کوئی اللہ نہیں! تو ہی ہر چیز کا پروردگار اور مالک ہے۔ میں تیری پناہ



میں آتا ہوں، اپنے نفس کے شر سے، شیطان اور اس کے شرک کے شر سے، خود کو یا کسی مسلمان کو برائی میں ڈالنے سے۔“ (جامع ترمذی: 3529)

سنو! کامیاب وہ ہے جو اپنی زبان کو غیبت، چغلی، ذومعنی جملوں اور برے اشاروں اور کنایوں سے بچالے، اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ہاتھ کو بھی اذیت رسائی سے محفوظ کر لے، پھر اپنے دل کو ہر قسم کے کینے اور حسد سے بھی پاکیزہ کر لے، بے سکونی اور اضطراب پیدا کرنے سے دور ہو جائے، دوسروں پر الزام تراشی سے رک جائے، ان کی غلطیوں اور لغزشوں کی تاز میں نہ رہے۔ انہیں برا کہے اور نہ ان کی مصیبت پر خوش ہو۔ ان کی باتوں کا پتنگز بنائے اور نہ ان کے خلاف لوگوں کو اکسائے۔

الغَرُّ مَنْ قَدْ آلَانَ كَفَّهُ \*\*\* وَفَكَ عَنْهُ الْأَذَى وَكَفَّهُ

وصار هَسًا لَنَا وَدَسًا \*\*\* فَكَفَّ فِكَّهُ وَفَكَ كَفَّهُ

”معزز اور سمجھ دار وہ ہے جو اپنا رویہ نرم رکھے، خود کسی کو اذیت نہ دے بلکہ انہیں دوسروں کی اذیت سے بھی بچانے کی کوشش کرے۔ ہشاش بشاش چہرہ لے کر سب سے ملے، اپنی زبان کو بھی قابو میں رکھے اور اپنے ہاتھ کو بھی ایذا رسائی سے روکے رکھے۔“

سنو! اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو۔ ہر شخص خود کو برے لوگوں میں شمار ہونے سے بچالے، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءً

شَرًّا»

”قیامت کے دن اللہ کے ہاں بدترین آدمی وہ ہو گا جس کے شر سے بچنے کے لیے لوگ

اس سے میل ملاقات چھوڑ دیں۔“ (صحیح بخاری: 6032)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن و سنت سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات، ذکر اور دانش کی باتوں سے فیض یاب فرمائے! میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور نفلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

بے شمار، پاکیزہ اور بابرکت حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے۔ بالکل ویسے جیسے اس نے حکم دیا ہے۔ میں درود و سلام بھیجتا ہوں رسول مصطفیٰ ﷺ پر۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو! جان لو کہ ایک ایسا عظیم صدقہ بھی ہے جو انسان کو فائدہ بھی پہنچاتا ہے اور اسے بلندی بھی بخشتا ہے، ایسا صدقہ جس کے لیے مال کی ضرورت ہے، جسمانی تگ و دو کی حاجت ہے اور نہ ہی زبان کو حرکت دینے کی ضرورت ہے۔ جس میں طاقتور اور ضعیف برابر اور مال دار اور فقیر یکساں ہوتے ہیں۔ یہ صدقہ دوسروں کو اپنے شر سے بچانے کا صدقہ ہے۔

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «الْإِيْمَانُ بِاللَّهِ، وَالْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ.» قَالَ: قُلْتُ: أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ؟ قَالَ: «أَنْفُسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا، وَأَكْتَرُهَا تَمَنَّا.» قَالَ: قُلْتُ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ: «تُجْعِلُنَّ ضَعِيفًا أَوْ تَصْنَعَنَّ لِأَخْرَقٍ.» قَالَ: قُلْتُ: أَرَأَيْتَ إِنْ ضَعُفْتُ؟

قَالَ: «تَكْفُفٌ شَرَكٌ عَنِ النَّاسِ، فَإِنَّهُ صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلَى نَفْسِكَ»

”میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! کونسا عمل زیادہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:  
 ”اللہ پر ایمان لانا، اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔“ بیان کرتے ہیں: میں نے کہا: کون  
 سے غلام کو آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:  
 ”جو مالکوں کی نظر میں سب سے پسندیدہ ہو، اور جس کی قیمت زیادہ ہو۔“ بیان  
 کرتے ہیں: میں نے کہا: اچھا! اگر میں یہ نہ کر پاؤں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:  
 ”کسی کمزور کی مدد کر دو، یا بے ہنر اناڑی کو کوئی کام سکھا دو۔“ بیان کرتے ہیں: میں  
 نے کہا: اچھا! اگر میں یہ بھی نہ کر سکوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:  
 ”لوگوں کو اپنے شر سے بچالو۔ کیونکہ یہ بھی تمہاری طرف سے اپنے اوپر ایک  
 صدقہ ہو گا۔“ (صحیح ابن حبان: 4310)

اس بات میں تو کوئی تھکنہ شک نہیں کر سکتا کہ برائی سے رک جانا، بھلائی کی تلاش کا  
 راستہ ہے۔ کہا جاتا ہے:

”كما تدين تُدان“ ”جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔“ یہ بھی کہا گیا ہے کہ

”الجزاء من جنس العمل“

”جیسی کرنی ویسی بھرنی۔“

جو اپنے مسلمان بھائی کو ستائے گا، اسے بھی تکلیف ہوگی، چاہے وہ جلد ہو یا بدیر۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أَدْرَكْتُ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا لَيْسَ لَهُمْ عِيُوبٌ، فَعَابُوا النَّاسَ فَصَارَتْ

لَهُمْ عِيُوبٌ، وَأَدْرَكْتُ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا كَانَتْ لَهُمْ عِيُوبٌ، فَسَكَتُوا عَنِ

عِيُوبِ النَّاسِ، فَنَسِيَتْ عِيُوبَهُمْ.“

”میں نے اہل مدینہ میں ایسے لوگوں کو دیکھا جو بے عیب تھے۔ مگر جب وہ لوگوں کی عیبوں پر نظر رکھنے لگے، تو ان میں بھی عیب آگئے۔ میں نے وہاں ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جن میں عیب موجود تھے، مگر وہ لوگوں کی عیبوں سے خاموش رہے، تو لوگ بھی ان کے عیب بھول گئے۔“

تو اللہ کے بندو!

بچ کر رہو اور چوکنے رہو۔ اذیت رسائی کے برے نتائج تمہیں گھیر نہ لیں، ایذا رسائی کا نتیجہ نفس کی تباہی کی صورت میں نکلتا ہے۔ سب نیکیوں پر پانی پھیرنے والا عمل ہے، جس سے بہت گناہ بھی ہوتا ہے اور رسوا کن عذاب بھی ملتا ہے۔

اللہ اپنی کتاب حکم میں فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا \* وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيٍ مَّا كَتَبْنَا قَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (سورة الاحزاب: 57-58)

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔“

سنو! اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے!

درد و سلام بھیجو ساری مخلوق میں افضل ترین ہستی پر، انسانوں میں پاکیزہ ترین بشر پر، محمد بن عبد اللہ ﷺ پر، صاحب حوض کوثر اور ایسے سفارشی کہ جن کی سفارشی قبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کو یہی حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ پر جو روشن چہرے اور چمکتی پیشانی والے ہیں۔ اے اللہ! چاروں خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور تابعین سے راضی ہو جا! اور قیامت تک استقامت کے ساتھ ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے بھی راضی ہو جا۔

(72)

## مالی اور انتظامی کرپشن

19 ربیع الثانی 1442ھ بمطابق 4 دسمبر 2020ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے، جو سب سے بڑا اور بلند ہے۔ جس کی پکڑ انتہائی سخت ہے، جو طاقت اور جلالت والا ہے۔ عزت تو بس اسی کی ہے اور کامل بھی وہی ہے۔ وہ مہربانی فرما کر اپنے بندوں کو نوازتا ہے اور نعتیں دیتا ہے۔ مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے، اور سب کو لوٹنا بھی اسی کی طرف ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی کوئی مثال نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ بہترین اخلاق والے اور اعلیٰ خصلتوں والے ہیں۔ آپ ﷺ نے جو کہا، سچ کہا، جو کیا، وہ بہترین مثال اور شاندار نمونہ بن گیا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی بیویوں پر، صحابہ کرام پر اور اہل بیت پر۔ ان کے راستے اور طریقے پر چلنے والوں پر بھی ہر وقت اور ہر حال میں رحمت کے ساتھ ساتھ سلامتی بھی نازل ہوتی رہے!

بعد ازاں! اے لوگو! اللہ سے یوں ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے، اسلام کی مضبوطی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ نافرمانیوں اور گناہوں سے بچو، کیونکہ ان سے بچاؤ ہی جنتی گھر کا زینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ \* فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ﴾

”اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری

خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔“ (سورۃ النازعات: 40-41)

اللہ کے بندو! دنیا کا کوئی معاشرہ ایسا نہیں ہے، جس کے افراد مالی ترقی کے خواب نہیں دیکھتے، جس کے فوائد سے وہ آپ جاری کی طرح مستفید ہوں، یا جو ایسے انتظامی نظام کی آرزو

نہ رکھتے ہوں، جس کی بدولت وہ ترقی، سنجیدگی اور کامیابیوں کا سفر طے کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ مال زندگی کی شہ رگ ہے، اور انتظامی نظام، نظم و ضبط کا جوہر ہے۔ جہاں مالیاتی پاک دامنی اور بے داغ ادارتی نظام بنلگے ہو جائیں، وہاں مالی کرپشن کا شگاف بھی بند ہو جاتا ہے اور انتظامی کرپشن کی دراز بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں مل کر سخت موجوں کو چیرتے ہوئے، معاشرے کی کشتی کو توازن، خود کفالت، امانت داری اور مفاد عام پر ذاتی مفاد کی قربانی کے ساحل تک پہنچا دیتے ہیں۔ پھر جو شریعت اسلامی کی آسانوں کو بغور دیکھتا ہے، اسے معاملات دین و دنیا میں مفید و معاون احکام ہی نظر آتے ہیں۔ ایسے احکام جو پردہ گار کے ساتھ بندے کے تعلق کو بھی درست کرتے ہیں اور معاشرے کے ساتھ بندے کے ربط کو بھی مناسب رکھتے ہیں، کیونکہ ان رابطوں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے ان میں آنے والی ہر بہتری قابل تعریف اور ہر بگاڑ قابل تنقید ہے۔ اگر بندے اور پردہ گار کا تعلق ردا داری پر قائم ہے، تو بندوں کا ایک دوسرے سے دنیاوی تعلق خود غرضی اور کجوسی پر مبنی ہے۔ اس خود غرضی اور کجوسی کو ختم کرنے کے لیے شریعت اسلامیہ نے ادارہ جاتی اور مالی کرپشن کے ازالے پر خصوصی توجہ دی ہے۔ کیونکہ جب یہ معاشرے کی بنیادوں کو چاٹنے لگتی ہے تو اس کی عمارت گرا کر دم لیتی ہے، اس کا مزاج بگاڑ دیتی ہے، اس میں ایسی الجھن، سستی اور بے بسی پھیلا دیتی ہے جو ہر دیکھنے والے کو واضح طور پر نظر آنے لگتی ہے۔ کسی عقلمند کو اس بات میں کوئی شک نہیں ہو سکتا مالی اور ادارہ جاتی کرپشن، اقتصادی اور انتظامی سسٹم کے لیے ایک طاعون ہے، بلکہ ضمیر، احساس ذمہ داری اور اچھے اخلاق کے لیے ایک کینسر ہے، یہاں تک کہ تمام تر منصوبہ بندیوں، کمائیوں اور حقوق کو مونڈ دینے والی بلا ہے۔

جو ہوش مند معاشرے اپنی تمام تر توانائیوں اور الماک کے ذریعے ترقی کمانا چاہتے ہیں،



ان کی کاوشوں کا نتیجہ اسی بات کے مرہون منت ہے کہ وہ ادارتی امور میں کتنی امانت داری اور مالی معاملات میں کتنی پاکیزگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یقیناً پاکیزگی ایک ایسی اعلیٰ صفت ہے جس کی ضرورت پر کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں یہ چند چیزوں کا مجموعہ ہے، عزت نفس، عدالت، قناعت کو اپنانا اور لالچ سے دوری اختیار کرنا۔ یہ چیزیں مل کر ہی انسان کی منفرد شخصیت میں امانت داری پیدا کرتی ہیں، معاشرے میں فرد کی شخصیت تعمیر کرتی ہیں اور اسے معتبر ٹھہراتی ہیں۔

اللہ کے بند و مالی اور انتظامی کرپشن کی مخفی تشریح کی جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ عوام کی خدمت کے لیے حکمران کی جانب سے ملنے والی عمومی صلاحیتوں کا غلط استعمال ہے۔ ان صلاحیتوں کو مفاد عام کی بجائے ذاتی مفادات کے لیے استعمال کرنا ہے۔ مالی کرپشن میں مال عام کا ضیاع ہوتا ہے، جو ایک ذمہ دار کے ہاتھوں میں امانت رکھا ہوتا ہے۔ اس کے خرچ میں ان چیزوں کو ترجیح نہیں ملتی جن کے لیے وہ مختص ہوتا ہے نہ ان کاموں میں لگتا ہے جن کے لیے وہ کسی ذمہ دار کے ہاتھوں میں دیا گیا ہوتا ہے۔ اس کرپشن میں لوگ دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو حکومتی املاک کو کھاتے ہیں اور اسے چوری اور ڈکیتی ہی سمجھتے ہیں، انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ بلکہ انہیں لگتا ہے کہ یہ ایک بے مثال موقع ہے جو ہاتھ سے جانا نہیں چاہیے۔ جبکہ دوسرا گروہ ان کا ہے جو حکومتی املاک کو کھاتے بھی ہیں اور چوری یا ڈکیتی کی بجائے اسے تاویلاً ”ہدیہ“ یا ”بھاگ دوڑ کا معاوضہ“ یا ”آسانی پیدا کرنے کے اخراجات“ وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ عجب ہے! کرپشن کرنے والا چاہے اپنی کرپشن کو جتنے بھی ذہانت، طمع سازی یا خوبصورتی کے لباس پہنا دے، یا اس کا کوئی بھی نام رکھ دے، بہر حال، اس سے اس کی برائی پر پردہ نہیں پڑے گا، اور نہ ہی اس کرپشن کی حقیقت تبدیل ہوگی۔

اسی طرح انتظامی کرپشن کی بیماری بھی یہی ہے کہ دفتری معاملات میں توجہ لوگوں کے

لیے آسانیاں پیدا کرنے اور بہترین طریقے سے کام نمٹانے پر نہ ہو، بلکہ کرپشن کے ذریعے قابل لوگوں کے ہاتھوں سے موقع گوانے پر زور رکھا جائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موقع پرستی عام ہو جاتی ہے اور اثر و رسوخ کا لفظ استعمال اس شدت سے سامنے آتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بات کرتے وقت پہلے یہ مد نظر رکھا جاتا ہے کہ اس کے ذاتی تعلقات کتنے ہیں یا اس سے کتنے ذاتی مفادات کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ کتنی قابلیت، صلاحیت اور علمی برتری رکھتا ہے۔ یہ سب چیزیں معاشرے کو پیچھے کی طرف دھکیلتی جاتی ہیں، ان کی وجہ سے معاشرے میں دھوکہ عام ہو جاتا ہے اور ذمہ داری کی ادائیگی میں سے اخلاص جاتا رہتا ہے، اسی طرح ان سے ہر نئی ایجاد، ترقی یا تخلیقی کام کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ پھر نتیجہ مفاد عام پر یوں پڑتا ہے کہ عوام میں نقصانات اور ناکامیاں عام ہو جاتی ہیں، یہاں تک کہ افراد معاشرہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ معاشرے میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہے، ان کی امیدیں پوری ہونے کا واحد طریقہ انتظامی کرپشن ہی ہے، پھر وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ انہیں لازماً کچھ لوگوں کو ترجیح دینا ہوگی اور ذاتی مفادات کے تبادلے پر ہی توجہ مرکوز رکھنا ہوگی۔ پھر بہترین قابلیت اور صلاحیت والوں کے سامنے راستے بند ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس راستے پر چلے بغیر متاثرہ افراد اپنا کوئی کام کرا ہی نہیں پاتے، نہ کہیں کا سفر کر پاتے ہیں، نہ کہیں تعلیم حاصل کر پاتے ہیں، نہ تجارت کر پاتے ہیں، نہ علاج معالجہ اور نہ اپنے معاملات ہی نمٹا سکتے ہیں۔

اس کرپشن میں تیز دماغ چلانے والے لوگ اپنی ذہانت کو اگر معاشرے کو فائدہ پہنچانے کے لیے مسخر کرتے، یا اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے لگاتے تو وہ معاشرے کے عبقری اور تاریخ ساز لوگ شمار ہوتے۔ تب انہیں معاشرے میں الجھن پیدا کرنے اور اسے برباد کرنے والا نہ کہا جاتا۔ بڑا ہوا ایسے دل کا جس میں زہر بھرے نقصان دہ افکار ہی پائے

جائیں۔ یہ کرپشن سب سے پہلے اللہ کے ساتھ بدترین خیانت ہے، پھر حکمران کے ساتھ بددیانتی ہے، جس نے اسے ذمہ داری سونپی اور مال اس کے سپرد کیا، کیونکہ مالی کرپشن سے مال عام برباد ہو جاتا ہے اور انتظامی کرپشن سے معاشرتی عدالت کا خون ہو جاتا ہے۔

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَاسَادَ﴾

”اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔“ (سورۃ البقرہ: 205)

اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! خوب جان لو کہ جن چیزوں کا ذکر میں نے کیا ہے، ان سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ کرپشن سے اچھی زبانیں بھی نفرت کرتی ہیں اور پاکیزہ کان بھی دور بھاگتے ہیں۔ یہ لفظ نیکی کی عین ضد ہے۔ بلکہ ایک بھڑکتی آگ ہے جو ہر قسم کی ترقی اور تعمیری کام کو جلا دیتی ہے۔ معاشرے کے اقتصاد کو راکھ بنا کر رکھ دیتی ہے جسے بے دین اور دھوکہ بازوں کی ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں۔ مالی اور انتظامی کرپشن تب پھیلتی ہے جب لوگوں میں مفاد عام کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کا شعور نہیں رہتا۔ نہ تو وہ نگران اور اینٹی کرپشن اداروں کے لیے آئینہ بنتے ہیں، اونہ ہی کرپٹ لوگوں کے بارے میں رضاکارانہ طور پر متعلقہ اداروں کو خبر دینے کی زحمت ہی کرتے ہیں۔ یقیناً! سستی سے کام لینا اور کرپشن کا نقاب قائم رہنے میں اپنی سلامتی کو غنیمت جاننا، اس کی عمر بڑھانے اور اسے ہوا دینے والا ایک اہم سبب ہے۔ اسی وجہ سے یہ بیماری اور پھیلتی ہے، کیونکہ جب انسان مالی اور انتظامی کرپشن کی ہوا میں مسلسل سانس لیتا رہتا ہے تو وہ اس کے نشے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر صاف ہوا میں سانس لینے سے اسے سکون نہیں ملتا۔ پھر وہ اپنے سارے مفادات ایسے ہی ترتیب دینے لگتا ہے کہ ”تو اور دو“ بلکہ عین ممکن ہے کہ لالچ اور طمع میں ایسے مرحلے تک پہنچ جائے کہ اس کے لیے یہی عبارت موزوں ہو کہ ”بس دو اور دو“ تب وہ اپنی جیب بھرنے لگتا ہے، اپنے عیب چھپانے لگتا ہے، لالچ بھری زندگی میں کھاتا جاتا ہے، مگر سیر نہیں ہوتا، یا یوں کہہ

لیجے کہ وہ نمکین پانی پیتا جاتا ہے، جو اس کی بیاس کو مزید بڑھاتا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے دلوں کے قریب سے بھی دینی احساس نہیں گزرا ہوتا۔ نہ قرآن کی وعید انہیں ڈراتی ہے اور نہ سنت رسول کی تنبیہات ہی ان پر کچھ اثر کرتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے مدّٰنہ میں نقل کی ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ”اللہ تعالیٰ کچھ برائیاں قرآن کے ذریعے نہیں بلکہ حکمران کے ذریعے ختم کرتا ہے۔“

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: اس روایت میں وزع کے لفظ آئے ہیں۔ ان کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: یعنی روکنا۔ یہی لفظ قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ بلند و برتر اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَحَشِيرَ لِسْلِيمَانَ جُنُودَهُ مِنَ الْحَيِّ وَالْإِنْسِ وَالظَّيْرِ فَهُمْ

يُوزَعُونَ﴾

”سلیمان کے لیے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے تھے اور وہ

پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔“ (سورۃ النمل: 17)

یہاں بھی وزع کا معنی روکنا اور ضبط میں رکھنا ہے۔ یعنی ان کے ایک گروہ سے

دوسرے گروہ کو روکا جاتا۔ کبار مفسرین بیان کرتے ہیں:

”اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمران اور امام ایک رکاوٹ ہیں، جو لوگوں کو

ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکتا ہے۔“

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لوگوں کے لیے کسی وازع (رکاوٹ) کا ہونا ضروری ہے۔“ یعنی کسی حکمران کا

ہونا ضروری ہے۔“

اسی لیے اللہ کے بندو! اللہ نے حکمرانوں کی ذمہ داری لگائی ہے کہ وہ کرپشن کا خاتمہ کریں، اس کی جڑیں کاٹ ڈالیں، پوری سختی اور ہمت کے ساتھ اسے ختم کریں، کیونکہ یہ ایک دینی فریضہ بھی ہے اور قومی ذمہ داری بھی ہے۔ تاکہ حکومتی املاک کی حفاظت ہو، کمائی کی نگہبانی ہو اور کمائی کے غیر شرعی راستے بند ہوں، جو ہمارے دین اسلام میں منع ہیں، چاہے وہ پیشے کے آداب کے حوالے سے ہوں، یا رزق کی کمائی کے ذرائع کے حوالے سے ہوں۔ یاد رہے کہ ذمہ داری کی ادائیگی میں حلال ذریعہ اپنایا جائے تو اس کا حساب دینا پڑتا ہے اور اگر حرام راستہ اپنایا جائے تو سزا سہنا پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَمُوا ظَيِّبَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ \* وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا وَطَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾

”اے مومنو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کر لو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔ جو کچھ حلال و طیب رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اُسے کھاؤ پیو اور اُس اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔“ (سورۃ المائدہ: 87-88)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اسی پر اتکفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب بھی اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً امیرِ ارب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

## دوسرا خطبہ

بے شمار، پاکیزہ اور بابرکت حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے۔ ویسی حمد و ثنا جیسی میرے پروردگار کو پسند ہے اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے۔ درود و سلام بھیجتا ہوں اللہ کے چنیدہ غلیل پر۔

بعد ازاں! مالی اور انتظامی نظم و ضبط معاشرے کے دو پر ہیں، جن کے بغیر وہ اڑان نہیں بھر سکتا۔ ان دونوں پروں میں یا ان میں سے کسی ایک میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو معاشرے کے ہگاڑ میں کوئی شک نہیں رہتا، کیونکہ پروں کے بغیر سکون کے ساتھ پرواز کا جاری رہنا کب ممکن ہوتا ہے؟

اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ جب کسی معاشرے میں یہ بیماری پھیل جاتی ہے، تو اس کی ترقی کے تمام تر ذرائع برباد کر کے چھوڑتی ہے، قابل لوگوں کو مفاد عام کے لیے کام کرنے سے روک کر رکھتی ہے، جس کی وجہ سے معاشرے میں فاقہ کشی پھیل جاتی ہے، وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں، لوگ مواقع پر نگاہیں جمائے رکھتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانے کی تاڑ میں رہتے ہیں۔ پھر معاشرے میں حسد، بغض، نفرت اور کج سوسائٹی عام ہو جاتی ہے۔ ان سب وجوہات کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ جسے کوئی عہدہ ملے یا جس کے سپرد کوئی حکومتی خزانہ ہو جائے، وہ ذاتی خواہشات اور فرائض کی ادائیگی کے درمیان ایک مناسب توازن قائم رکھے، مالی یا انتظامی ذمہ داری کی وجہ سے شکوک و شبہات کی زد میں نہ آئے، خوب سمجھ لے کہ مالی اور انتظامی معاملات کی سلامتی کا ایک اہم ذریعہ حکومتی قوانین کا کئی نفاذ ہے، جن کی وجہ سے انفرادی غلطیوں کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے اور لوگ برے نتائج سے بچ جاتے ہیں۔ چونکہ مالی کرپشن تین بنیادوں پر قائم ہوتی ہے، رشوت دینے والا، لینے والا اور معاملہ طے کرانے والا، تو ان تینوں پر لعنت کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ جس گناہ کی وجہ سے

انسان لعنت کی زد میں آتا ہو، وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے، یہ اصول بڑے معتمد اہل علم نے طے کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

«لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّاشِيَّ وَالْمُرَدِّيَّ»

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت بھیجی۔“

دوسری روایت میں ہے: ”اور راکش پر بھی لعنت بھیجی“ یعنی رشوت کا معاملہ طے

کرانے والے پر۔

صحیح بخاری میں ہے کہ

اسْتَعْمَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ، يُدْعَى ابْنَ

الْتَيْبِيَّةِ، فَلَمَّا جَاءَ حَاسِبُهُ، قَالَ: هَذَا مَالُكُمْ وَهَذَا هَدِيَّةٌ. فَقَالَ

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ، حَتَّى تَأْتِيَكَ

هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا» ثُمَّ حَظَبْنَا، فَحَمِدَ اللَّهُ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ

قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْكُمْ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَا يَنِي

اللَّهُ، فَيَأْتِي فَيَقُولُ: هَذَا مَالُكُمْ وَهَذَا هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي، أَفَلَا جَلَسَ

فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ، وَاللَّهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْكُمْ

شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا لَقِيَ اللَّهَ يُحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَلَا عَرَفَنَّ أَحَدًا

مِنْكُمْ لَقِيَ اللَّهَ يُحْمِلُ بِعَيْرِ لَهُ رُغَاءً، أَوْ بَقْرَةَ لَهَا خُورًا، أَوْ شَاةً تَبْعُرُ

”ثُمَّ رَفَعَ يَدَهُ حَتَّى رُبِّي بَيَاضٍ إِنْطِطِ، يَقُولُ: «اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتَ»

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو سلیم کی زکوٰۃ اکٹھی کرنے کے لیے ابن تیبیہ نامی

شخص کی ذمہ داری لگائی، جب وہ لوٹا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حساب لیا۔ اس نے

کہا: ”یہ تو آپ کا مال ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا تھا۔“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہتے، تاکہ، اگر تم سچے ہو، تو یہ تحفے تمہیں وہاں مل جاتے۔ پھر آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: بعد ازاں! جو ذمہ داری اللہ نے میرے سر پر رکھی ہے، اس کے کسی کام کے لیے میں کسی کی ذمہ داری لگا تا ہوں تو وہ لوٹ کر کہتا ہے: یہ آپ کا مال ہے، اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا تھا۔ بھلا وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر ہی اپنے تحفے کا انتظار کیوں نہیں کرتا؟ اللہ کی قسم! جو شخص کسی ناجائز طریقے سے کوئی مال بھی کھائے گا، وہ قیامت کے دن اسے اٹھائے ہوئے آئے گا، میں تم میں سے اس کو پہچان لوں گا جو بلبلا تے ہوئے اونٹ کو اٹھائے ہوئے آئے گا، یا آواز نکالتی ہوئی گائے کو اٹھائے ہوئے ہو گا، یا میا تکی ہوئی بکری کو اٹھائے ہوئے ہو گا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، اور کہنے لگے: اے اللہ! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟“ (صحیح بخاری: 6979)

سیدنا عدی بن عمیرہ کنڈی بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ اسْتَعْمَلَنَا مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ، فَكُنْتُمْنا مَحِيْطًا، فَمَا قَوْفُهُ كَانَ غُلُوْلًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جسے ہم کسی کام میں بھیجیں اور وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے کوئی بڑی چیز چھپائے گا تو وہ خیانت کرے گا اور قیامت کے دن وہ اس خیانت کے ساتھ آئے گا۔“ (صحیح مسلم: 1833)

سیدنا ابو حمید ساعدی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هَذَا يَأِي الْعَمَالِ غُلُوْلٌ» (مسند أحمد: 23601)



”غمال (سرکاری ملازمین) کو ملنے والے تحفے خیانت کی ایک شکل ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: اللہ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے؟

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَعْلَمَ مَن يَغْلُوْا يَأْتِي بِمَا عَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ

ثُوْقَى كُلِّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (سورۃ آل عمران: 161)

”کسی نبی کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ خیانت کر جائے اور جو کوئی خیانت کرے تو وہ

اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو جائے گا، پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا

پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہ ہو گا۔“

سنو! اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے! درود و سلام بھیجی ساری مخلوق میں افضل ترین ہستی پر،

انسانوں میں پاکیزہ ترین بشر پر، محمد بن عبد اللہ ﷺ، حوض کوثر والے اور شفاعت کرنے والے

پر۔ صاحب عزت و علم نے آپ کو یہ حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

73

## زندگی گزارنے کے چند اہم اصول

9 جمادی الآخرہ 1442ھ بمطابق 22 جنوری 2021ء

## پہلا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ وہی عزت والا اور علم رکھنے والا ہے۔ گناہ معاف کرنے والا ہے، توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا اور بڑا ہی صاحب فضل ہے۔ اس کے سوا کوئی الہ نہیں! اسی نے مخلوق کو پیدا کیا پھر ان کی بہترین شکلیں بنائیں۔ تقدیر بنائی اور پھر راہ دکھائی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ

إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (سورۃ الشوری: 12)

”آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے پناٹا دیتا ہے، اُسے ہر چیز کا علم ہے۔“

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی الہ نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ نے آپ ﷺ کو انسانوں اور جنوں کی طرف بھیجا، بشارتیں دینے والا، خبردار کرنے والا، اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا۔ امانت ادا کر دی، امت کو نصیحت کا حق ادا کر دیا، اور اللہ کی راہ میں کماحقہ جہاد کیا، اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، آپ ﷺ کی بیویوں، امہات المؤمنین پر، چمکدار پیشانیوں والے اور نیک سیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، انکے راستے پر چلنے والوں پر، اور قیامت تک ان کا طریقہ اپنانے والوں پر۔ ان سب پر بھرپور سلامتیوں کا بھی نزول ہو۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! میرے لیے اور آپ سب کے لیے یہی نصیحت ہے کہ ہم ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں، خلوت ہو یا جلوت، ہم کچھ بول رہے ہوں یا خاموش ہوں، غصے میں ہوں یا خوشی میں، ہمیں کسی ناپسندیدہ امور کا سامنا ہو یا ہمارے سب کام اچھے

سے چل رہے ہوں، ہمیں ہر حال میں اللہ کی خوشنودی کے متلاشی رہنا چاہیے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ الاحزاب: 70-71)

”اے مؤمنو، اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ نے انسان کا مزاج ایسا نہیں بنایا کہ وہ بالکل الگ تھلگ اور دوسروں سے لا تعلق رہنے کو پسند کرے، یا وہ کسی کے ساتھ ملے اور نہ ہی دوسروں سے کوئی معاملہ یا لین دین کرے، خرید و فروخت کرے اور نہ ہی پیار یا نفرت کرے، خوش یا ناراض ہو اور نہ ہی کسی سے احسان یا انعام کا معاملہ کرے۔ ہر گز ہر گز انسان کا یہ مزاج اللہ نے نہیں بنایا ہے۔ بلکہ ہر انسان اسی نسل کا ایک حصہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قوموں اور برادر یوں کی شکل میں بنایا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے متعارف ہوں۔ جو پیار بھی کرتے ہیں، نفرت بھی کرتے ہیں، لین دین بھی کرتے ہیں، خرید و فروخت بھی کرتے ہیں، تحائف دیتے بھی ہیں اور جو اباً انہیں تحفے ملتے بھی ہیں، یہ دوسروں کو جواب بھی دیتے ہیں اور دوسرے انہیں جواب دیتے ہیں۔ یعنی انسانوں کی ساری عادتوں اور فطری طریقوں پر چلتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اس لیے ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت چند اصول و ضوابط کو ملحوظ خاطر رکھے اور انہیں کبھی نہ بھولے، یہ اصول اس کی سوچ اور اس کے تمام تر کاموں میں شامل ہوں، تاکہ وہ ان کے ساتھ برتاؤ میں راہ راست سے نہ ہٹے، کسی پر ظلم کرے اور نہ ہی ان اصولوں پر عمل کے معاملے میں اس سے کوئی کوتاہی سرزد ہو، ورنہ اس کے اور دیگر لوگوں کے درمیان اجنبیت پیدا ہو جائے گی، جس کی وجہ سے

وہ خود پسندی میں مبتلا ہو جائے گا اور ان چیزوں کے لیے اس کا دل تنگ پڑ جائے گا جن کے لیے اسے کشادہ ہونا چاہیے۔ پھر وہ نفرتوں، برے القاب اور کدورتوں سے ہرگز نہ بچ سکے گا۔ کوئی شخص اپنے آپ کو عدل و توازن پر قائم نہیں رکھ سکتا جب تک وہ اپنے نفس کو اس کے لیے تیار نہ کر لے۔ یعنی پہلے محنت کر کے اپنی نیت خالص کرے، اپنے اور اپنے رب کے مابین تعلقات کو درست کرے، پھر اپنے اور لوگوں کے درمیان تعلقات کو بھی درست کرنے کی کوشش کرے، اور اس کے لیے وہ اخلاص اپنائے اور ساتھ ہی ساتھ نبی کریم ﷺ کی سنت پر بھی کاربند رہے، تاکہ محبت الہی حاصل کرنے کے بعد لوگوں کی محبت پانے میں بھی کامیاب ہو جائے۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب مذکورہ دونوں اصولوں پر عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِيَبْلُوكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (سورۃ الملک: 2)

”تاکہ اللہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔“  
فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”أَيُّ أَخْلَصَهُ وَأَصْوَبَهُ“، وقال: ”إن العمل إذا كان خالصاً ولم يكن صواباً لم يقبل، وإذا كان صواباً ولم يكن خالصاً لم يقبل، حتى يكون خالصاً صواباً“، قال: ”والخالص إذا كان لله -عزَّ وجلَّ-، والصواب إذا كان على السنة“

”یعنی، زیادہ خالص اور زیادہ درست عمل کرنے والا کون ہے۔“ اسی طرح فرماتے ہیں: ”اگر عمل میں اخلاص موجود ہو، مگر وہ درست نہ ہو تو قبول نہیں ہوتا، اگر درست ہو مگر اس میں اخلاص موجود نہ ہو تو بھی قبول نہیں ہوتا، قبول وہی ہوتا ہے جس میں اخلاص بھی ہو اور جو درست بھی ہو۔“ فرماتے ہیں: ”اخلاص سے مراد یہ ہے کہ کام کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی ہو، اور درستی سے

مراد یہ ہے کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو۔“

اللہ کے بندو! اس معیار کو ذہن میں رکھا جائے تو عمل خالص ہو جاتا ہے اور ایسی تمام بیماریوں سے انسان بچ جاتا ہے جو اخلاص کو برباد کرنے والی ہیں، مثال کے طور پر کسی کو نقصان پہنچا کر اپنا مفاد تلاش کرنا، یا شہرت پسندی کی مخفی کوششوں کا شکار ہونا، یا خود پسندی میں مبتلا ہونا یا صرف خود ہی کو درست سمجھنا، باقی سب کو غلط تصور کرنا، یا دوسروں سے اپنی تعریف سننے کو اپنا مقصد بنانا، یا عام لوگوں کی خوشنودی تلاش کرنے کی کوشش کرنا، عصر حاضر کے ماہرینِ نفسیات اس کام کو سیلف اسٹیم (Self esteem) یا خود کو ہی سب کچھ سمجھ لینے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک اہم اور مفید کام یہ ہے کہ کسی ذاتی ایجنڈے کی بجائے موضوعاتی اصولوں کی طرف رجوع کیا جائے، منطقی انداز میں اپنے رویے کا تجزیہ کیا جائے، تاکہ اس کا حقیقی اور عملی نتیجہ سامنے آسکے، کہ آیا دوسروں کے ساتھ یہ رویہ مفید ہے یا غیر مفید۔ جو اپنے دل کو سیکھنے پر آمادہ کر لے، وہ اپنی خواہشات کو لگام دے ہی دیتا ہے، جو دوسروں کی آراء کو ٹھیک طرح سمجھ لیتا ہے وہ صرف خود ہی کو درست نہیں سمجھتا۔

اس لیے بندے کو بخوبی جان لینا چاہیے کہ دوسرے لوگ غلطیوں سے مبرا ہیں، اجتہاد میں غلطی سے مستثنیٰ ہیں اور نہ ہی دیگر بہت سی خرابیوں سے پاک ہیں۔ بلکہ دوسرے انسان بھی اسی طرح کے انسان ہیں، ان پر بھی وہی چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں جو اس پر ہوتی ہیں۔ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی طرح غلطی، درستی، اچھائی، برائی، غصہ اور خوشی کے حالات کا سامنا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ غلطی، درستی کے سمندر میں گھل جاتی ہے اور گناہ، نیکیوں کے سمندر میں بہ جاتے ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ كَانُوا﴾

”در حقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کے

لیے جو اللہ کو یاد رکھنے والے ہیں۔“ (سورۃ حمد: 114)

اس لیے غلطی کا صحیح اندازہ لگانا، اس کی سببیں اور نقصان کا ادراک کرنا اور ساتھ ہی ساتھ غلطی کو مٹانے والی عمومی اچھائیوں اور بھلائیوں کو مد نظر رکھنا بھی یقینی طور پر درگزر اور معافی کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ کمال تو بس اللہ ہی کے لیے ہے۔ غلطیوں سے معصوم تو فقط رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ سب ہی لوگ خطا کار ہیں، اور خطا کاروں میں افضل ترین وہ ہیں جو سب سے زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان پر دوسروں کا یہ حق ہے کہ جب وہ انہیں کسی چیز پر ملامت کرے، یا ان کے کسی طرز عمل پر تنقید کرے، یا اس کا ان کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو، تو انہیں شرمندہ نہ کرے، نہ ان کی غلطی کی تشہیر کرے، نہ ان کا مذاق اڑائے، نہ ان کے ساتھ ناروا سلوک کرے اور نہ ہی انہیں معاشرے سے الگ کرنے کی کوشش کرے۔ قطع نظر اس بات کے کہ تنقید یا جھگڑا کس نوعیت کا ہے یا غلط اور درست کون ہے۔ کیونکہ اگر اس طرح کی تنقید و تشہیر کا دروازہ کھول دیا جائے تو ہر تنقید کرنے والا میدان میں کود پڑے گا، ہر ملامت کرنے والا ملامت کے بے فائدہ تیر چلانے لگے گا۔ اس لیے کینہ پروروں کی تنقید اور حاسدوں کی باتوں کے سامنے یہ دروازہ بند ہی رہنا چاہیے، کیونکہ یہ دشمنی کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور بدلہ لینے کی کوشش میں ہوتے ہیں، عدل و انصاف کی آنکھ استعمال نہیں کرتے۔ بھلائیوں کو بھی برائیاں بنا کر پیش کرتے ہیں، قابل تعریف چیزوں کو بھی قابل تنقید بنا ڈالتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ٹھیک کرنے میں کوئی چیز بھی مفید ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ باتوں سے تو وہ اثر لیتے نہیں ہیں۔ بس انہیں تب ہی تسلی ہوتی ہے جب کوئی ان بھلائیوں کو ترک کر دے جنہیں وہ برائیاں شمار کر رہے ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کا علاج خاصا مشکل ہوتا ہے۔ بلکہ لوگ اس قسم کے لوگوں سے بچنے کی کوشش میں رہتے ہیں اور انہیں دیکھ کر راستہ بدل لیتے ہیں، پھر وہ بھٹکی بکری کی طرح پھرتے رہتے ہیں، تنگ نظری والے وہ بھیڑیے انہیں کھا جاتے ہیں جن کی عقلوں پر غلاف چڑھے ہوتے ہیں۔ اللہ ہمیں اور آپ سب کو محفوظ فرمائے۔

یہ بات تو سب ہی اہل عقل مانتے ہیں کہ زندگی کے معاملات میں کچھ لوگوں کی تجاویز سب کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوتیں، نہ ہی سب لوگ ہر کسی کی بات کو درست سمجھ سکتے

ہیں، کیونکہ سب کی سمجھ الگ ہوتی ہے، بیان کرنے کے انداز بھی ایک جیسے نہیں ہوتے، پھر خواہشات اور دلچسپیاں بھی الگ الگ ہوتی ہیں، عملی زندگی میں باتوں کے اطلاق کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں، ہر کسی کے مسائل اور وسائل بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یہ بات تو ناممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں ساری عقلیں کسی ایک ہی عقل کا فیصلہ تسلیم کر لیں، کیونکہ عقلیں تو الگ الگ ہوتی ہیں۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ایک عقل کا فیصلہ سب مان لیں گے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اختلاف کے وقت کس کی عقل کی طرف رجوع کیا جائے گا، خاص طور پر جب معاملہ لوگوں کے شرعی معاملات کے بارے میں ہو، کیا زید کی عقل کا فیصلہ مان لیں، یا عمرو کی عقل کو تسلیم کریں؟ کسی مرد کی عقل کو فیصلہ ساز سمجھیں یا عورت کی عقل کو معیار بنائیں؟ کسی قابل اہتمام شخص کی بات کو تسلیم کریں یا کسی خواہش پرست کی بات کو کسوٹی قرار دیں؟

امام ابن قیمؒ نے خوب فرمایا:

”اگر اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو کس کی عقل کے مطابق پرکھنا ہو تو کسی شخص کی عقل ایسا معیار اور کسوٹی بننے کی اہلیت رکھتی ہے۔ کون سی عقل کو معیار سمجھا جا سکتا ہے؟ کہ جسے وہ قبول کر لے، اسے ظاہری الفاظ کے مطابق ہی قبول کر لیا جائے، اور جسے وہ قبول نہ کرے تو اسے رد کر دیا جائے، یا اس کی تاویل کر دی جائے؟ کون سی عقل ان دس مقدمات میں سے ایک ہے جن کے خلاف اللہ کا اور رسول اللہ ﷺ کا کلام نہ جائے، تو ہی وہ مفید ہو سکتا ہے۔“ آگے فرماتے ہیں: ”اگر صرف عقل ہی کافی ہوتی تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی عقل کافی ہوتی، کیونکہ وہ اہل زمین میں سب سے کامل عقل والے تھے، اگر آپ ﷺ کی عقل کا موازنہ سب دنیا والوں کی عقلوں سے کیا جائے تو بھی عقل رسول ﷺ ہی بہتر نظر آئے گی۔ اللہ نے بتایا ہے کہ نزول وحی سے پہلے خود رسول اللہ ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ ایمان کیا ہے؟ نہ آپ ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ کتاب کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ



وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٢﴾

”اور اسی طرح (اے محمد ﷺ) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے، مگر اس روح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔“ (سورۃ الشوریٰ: 52)

اللہ کے بندو! جن باتوں کا ذکر ہوا ہے، اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ دوسروں کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت دو چیزوں کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ ایک علم کا اور دوسرا انصاف کا۔ یعنی انسان کو عقل سلیم کا حامل ہونے کے ناتے پوری کوشش کرنی چاہیے کہ حقیقت معلوم ہو جائے، پھر اس حقیقت کی بنیاد پر صحیح اصولی اور خالص علمی بنیادوں پر فیصلہ کیا جائے، اور اس میں ذاتی رجحان یا جذبات کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔ یاد رہنا چاہیے کہ اس معاملے میں کسی کی طرف داری یا کسی جانب جھکاؤ درست نہیں ہے، ترجیحات کی فہرست کو بھی اثر انداز نہیں ہونا چاہیے، مصلحت پسندی یا کسی متوقع نقصان کے اسباب کو بھی عمل میں نہیں لانا چاہیے، چاہے جذبات انتہائی نیک اور عمدہ ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ صرف جذبات کی نیکی کافی نہیں ہے، بلکہ مقصد میں سب سے پہلے صرف اللہ کی رضا شامل ہو، اور اس میں کسی اور چیز کا اثر نہیں ہونا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی اسی پر دلالت کرتا ہے:

«مَنْ التَّمَسَّ رِضَى اللَّهِ بِسَخَطِ النَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَأَرْضَى النَّاسَ عَنْهُ، وَمَنْ التَّمَسَّ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللَّهِ سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَأَسَخَطَ عَلَيْهِ النَّاسَ»

”جو اللہ کی خوشی کے لیے لوگوں کو ناراض کر دیتا ہے، اس سے اللہ بھی خوش ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی خوش کر دیتا ہے، جبکہ جو شخص لوگوں کو راضی کرنے کے

لیے اللہ کو ناراض کر لیتا ہے، اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی ناراض کر دیتا ہے۔“ (صحیح ابن حبان: 276)

اہل علم بیان کرتے ہیں کہ علم اور عدل کی تلقین اور تاکید کرنے والی آیات کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے وعظ و نصیحت کی ہے، کہیں حکم دیا ہے، کہیں منع کیا ہے، کہیں قصے بیان کیے ہیں اور کہیں مثالیں بیان کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ انتہائی اہم ہے، اور دوسروں کے ساتھ برتاؤ اور ان کے متعلق احکام صادر کرنے کے حوالے سے ایک بڑا اصول ہے۔ علم کے حوالے سے بات کی جائے تو معاملہ بالکل واضح نظر آتا ہے، وہ یوں کہ کسی بھی چیز کے بارے میں صادر ہونے والا حکم، اس کے اجمالی تصور کا ایک حصہ ہے۔ وہ یوں کہ جب انسان کو کسی چیز کا حکم معلوم ہو جاتا ہے، پھر اسے اس حکم کے واقع ہونے کا بھی یقین ہو جاتا ہے، تو اس کے لیے درستی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اسی طرح عدل کے حوالے سے انسان کو اسی طریقے پر قائم رہنا چاہیے جو قرآن کریم میں آیا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اَعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ  
لِلتَّقْوٰى﴾

”کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسب رکھتا ہے۔“ (سورۃ المائدہ: 8)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أی: لا یحملنکم بغض قوم علی ترک العدلی فیہم، بل استعملوا  
العدل فی کل أحد، صدیقًا کان أو عدوًا“

”یعنی کسی قوم کا بغض تمہیں یہاں تک نہ لے جائے کہ تم ان کے معاملے میں عدل چھوڑ دو، بلکہ ہر ایک کے ساتھ عدل پر قائم رہو، چاہے وہ دوست ہو یا

دشمن۔“

سلف صالحین کا قول ہے:

”ما عاملت مَنْ عصى اللهَ فيكَ بمثلٍ أن تطيع اللهَ فيه“، والعدل به قامت السموات والأرض.“

”جو تمہارے ساتھ معاملہ کرتے وقت اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اس سے بہترین برتاؤ یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اللہ سے ڈرو۔ عدل کی بنیاد پر ہی تو زمین و آسمان قائم ہیں۔“

اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا﴾

”ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔“ (سورۃ المائدہ: 2)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أَيُّ: لا يحملنَّكم بغض قومٍ قد كانوا صدُّوكم عن الوصول إلى المسجد الحرام -وذلك عام الحديبية- على أن تعتدوا في حُكم الله فيهم، فتقتصوا منهم ظلماً وعدواناً، بل احكموا بما أمركم الله به من العدل في حق كل أحد.“

”یعنی جس قوم نے آپ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسجد حرام تک پہنچنے سے روک دیا تھا، ان کا بغض تمہیں یہاں تک نہ لے جائے کہ تم ان کے معاملے میں اللہ کے

حکم کو نظر انداز کر جاؤ، ان پر ظلم و زیادتی کر کے بدلہ لینے کی کوشش کرو۔ بلکہ تم اللہ کے حکم کے مطابق ہی کام کرو اور ہر ایک کے معاملے میں عدل کرو۔“

چنانچہ اللہ کے بندو! اسلامی منہج کے مطابق عدل کا مفہوم بڑا نپا تلا اور دو ٹوک ہے، اسے تناسب کی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا۔ یعنی ایک شخص ایک ہی وقت میں کسی حد تک ظالم بھی ہو اور عادل بھی ہو۔ یا تو وہ محض ظالم ہو گا یا پھر محض عادل۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

”اللہ عدل، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ بدی، بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم سبق لو۔“ (سورۃ النحل: 90)

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اپنی بات کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اللہ عظیم و جلیل، سے اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ سب اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

ہر طرح کی تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ رحمتیں اور سلامتیاں ہوں نبیوں اور رسولوں میں سے بلند ترین مرتبہ رکھنے والے رسول پر۔

بعد ازاں، اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! یاد رکھو کہ جب دوسروں کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو انسان کو اسی طریقے پر قائم رہنا چاہیے جو قرآن کریم میں آیا ہے، یعنی کسی شخص کے کسی رویے پر تنقید یا کسی خاص غلطی کو بیان کرتے ہوئے اس

مخمس کی کلی یا عمومی طور پر برائی کرنے سے بچا جائے۔ کیونکہ بہت سے معاملات میں تعیم انصاف کے مخالف ہوتی ہے۔ ایسے معاملات میں انسان ایسا رویا اپنائے کہ عدل اور میانہ روی اس کی پہچان بن جائے۔ خوشی کے وقت وہ کسی کی تعریف میں حد سے بڑھے اور نہ ہی ناراضگی یا جھگڑے کے وقت تنقید میں غلو سے کام لے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا قَالَ الرَّجُلُ: هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلُكَهُمْ» (صحیح مسلم: 2623)

”جب کوئی شخص یہ کہتا ہے: کہ لوگ ہلاک ہو گئے، تو وہ خود ہلاکت میں سب سے آگے ہوتا ہے۔“

یعنی وہ ہلاکت کا سب سے بڑا شکار ہوتا ہے۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَلَا أَخْبِرُكُمْ بِالْفَقِيهِ كُلِّ الْفَقِيهِ؟ مَنْ لَمْ يَقْنَطِ النَّاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ، وَلَمْ يُؤْمَنْهُمْ مِنْ مَكْرِ اللَّهِ، وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُمْ فِي مَعَاصِي اللَّهِ، وَلَمْ يَدْعِ الْقُرْآنَ رَغْبَةً إِلَى غَيْرِهِ.»

”کیا میں تمہیں کامل فقیہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ جو لوگوں کو کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرتا ہو، نہ اس کی سزا سے بے خوف کرتا ہو، نہ ارتکابِ گناہ کے لیے گنجائش نکالتا ہو اور نہ قرآن سے بے رغبت ہو کر کسی دوسری چیز کا رخ کرتا ہو۔“

اس حوالے سے بنیادی بات یہ ہے کہ خواہشات کو لگام دی جائے تاکہ صرف خواہش اور مزاج کی وجہ سے کسی ایک طرف جھکاؤ پیدا نہ ہو جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىَٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾

”لہذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی

بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔“ (سورۃ النساء: 135)

اسی طرح انسان کو چاہیے کہ دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت صحیح، قابل اعتماد اور شک و شبہ سے پاک ذرائع کو ہی اپنی بات کی بنیاد بنائے، تاکہ وہ گمان کی پیروی سے بچے، اور انہوں کے پیچھے چلنے سے محفوظ رہے، اور سوشل میڈیا کی مختلف شکلوں کے فریب میں نہ آئے، اور نہ ان خبروں یا کنٹنس سے کوئی اثر قبول کرے جو عموماً ہد گمانی اور جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں، جن میں اندازے اور تخمینے لگائے جاتے ہیں، خواہشات کی پیروی ہوتی ہے اور طرف داریاں پائی جاتی ہیں، جوش اور اشتعال انگیزی ہوتی ہے، خبر پیش کرنے میں پہل کی دوز ہوتی ہے، قارئین، سامعین اور ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس لیے سمجھ دار لوگ ایسی چیزوں کے معاملے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہیں، تاکہ ان ذرائع کی برائیوں سے محفوظ ہو جائیں، ان کے نقصانات سے بچ جائیں۔ یہ بات تو طے ہے کہ سلامتی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ سلامتی اور عافیت کے اگر دوسرے حصے کیے جائیں تو ان میں سے نو حصے سلامتی کو شمار کیا جائے گا۔

اگر بندہ اپنے آپ اس طرح تیار کر لے تو دوسروں سے معاملات کرنے میں وہ سمجھ داری دکھانے میں کامیاب ہو جائے گا، ان کے ساتھ وہ مشفق اور مہربان ہو جائے گا، پھر اس کا مقصد انہیں راہ راست پر لانا بن جائے گا، انہیں غضب اور طیش دلانا نہیں، ان کی رہنمائی کرنا ہوگا، انہیں مشتعل کرنا نہیں، انہیں نصیحت کرنا ہوگا، انہیں رسوا کرنا نہیں، ان کے لیے حق بیان کر کے واضح کرنا ہوگا، اپنے جذبات کو بیان کرنا اور غصہ نکالنا نہیں، اس کا مقصد غلطیوں کی درستی ہوگا، نہ کہ بدلہ لینا، اس معاملے وہ اس رویے پر قائم ہو جائے گا جس کی طرف اللہ نے رہنمائی کی ہے، کہ حکمت سے کام لیا جائے، دوسروں کو مطمئن کرنے اور

موازنہ کے لیے مناسب انداز کو اپنایا جائے، جس سے مصلحت اور فساد کے درمیان توازن ممکن بن جائے، سلف صالحین کے منہج کو سمجھ کر اس پر قائم ہو جائے گا کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنادر حقیقت کسی بڑے مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں، بذات خود مقاصد نہیں ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ ذریعے کی مصلحت کسی ایسی برائی کی طرف نہ لے جائے جو اس سے بھی بڑی ہو۔ ایسی صورت میں موجودہ برائی کو دور کرنا مصلحت کو حاصل کرنے پر مقدم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (سورۃ الانعام: 108)

”اور یہ لوگ اللہ کے سوا جنہیں پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔“

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور انسانوں میں پاکیزہ ترین ہستی، محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ﷺ، حوض کوثر والے اور شفاعت کرنے والے پر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حکم دیا ہے، جس میں پہلے اس نے اپنا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنی تعریف و تسبیح کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے، پھر آپ کو اے مؤمنو! کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مؤمنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)





## پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، ہم اس کی حمد و ثنائیاں کرتے ہیں، اسی سے مدد اور معافی مانگتے ہیں، اپنے نفس کے شر سے اور اپنے برے کاموں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمادے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“ (سورۃ آل عمران: 102)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: 1)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے، اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا \* يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ \* وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ

قَوْرًا عَظِيْمًا ﴿ (سورة الاحزاب. 70 - 71)

”اے مومنو، اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

بعد ازاں! بہترین بات اللہ کا کلام ہے، بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ بدترین کام ایجاد کردہ عبادتیں ہیں۔ سمجھ دار وہ ہے جو اپنا محاسبہ کرے اور اگلی زندگی کے لیے محنت کرے، نا سمجھ وہ ہے جو نفس کو اپنی خواہشات کا اسیر بنا دے اور اللہ سے امیدیں بھی لگائے رکھے۔

اللہ کے بندو! اللہ نے اپنی حکمت اور علم کے تقاضوں کے مطابق مرد اور عورت کو پیدا فرمایا، پھر ان میں سے ہر ایک میں کچھ امتیازی خصوصیات رکھیں جبکہ بعض خصوصیات کو مشترک بنایا۔ مشترک خصوصیات میں ان کا ایک دوسرے کی طرف مائل ہونا بھی شامل ہے۔ اللہ نے اس میلان کی حدود متعین فرمائیں جو انسان کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے مضبوط قلعہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شریعت نے عزت و آبرو کو انسان کا ایسا بنیادی حق قرار دیا ہے کہ جس کے راستے میں رکاوٹ ڈالنا یا اسے سلب کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے۔ انسان کی عزت و آبرو کو ان پانچ بنیادی ضرورتوں میں شامل فرمایا کہ جن کی ناگزیری پر سارے ادیان متفق ہیں اور جن میں سرفہرست دین اسلام ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ اقوام کی تہذیب و ثقافت اور ترقی کی بنیاد اخلاقیات پر استوار ہوتی ہے، بلکہ یہ ان کے قدیم ورثے اور جدید ایجادات کو باہم ملانے والا بہترین ذریعہ ہے۔ جب معاشرے کے اندر ایسی چیزیں گھس آتی ہیں جو اخلاق کو تباہ کرنے یا اس پر اثر انداز ہونے والی ہوں تو اس سے وہ قوم ترقی نہیں بلکہ تنزلی پاتی ہے، اُس معاشرے میں اجتماعیت نہیں بلکہ فرقہ واریت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ ایسی مادی ترقی کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ جس میں

روحانیت کے تحفظ یا اخلاقی نگہبانی کا کوئی اصول نہ ہو، بالخصوص جب کہ معاملہ لوگوں کی عزت اور آبرو کا ہو۔ جو شخص معاشرے میں اپنی نظر دوڑاتا ہے، اسے معاشرے میں ایک کمر توڑ دینے والا رجحان نظر آتا ہے جو بری طرح معاشرے میں پھیل چکا ہے اور ہر شخص اس کا شکار ہو چکا ہے۔ کم یا زیادہ، ہر کوئی اس سے متاثر ہوا ہے۔ اس ناپسندیدہ رجحان نے لوگوں کا سکون تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور معاشرے میں فساد پھیلا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم و تربیت کرنے والے ماہرین، امن و امان قائم کرنے والے اداروں اور بہت سے معاشروں میں پرنٹ و الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے ذریعے اس ناپسندیدہ رجحان کی مذمت کی جا رہی ہے، اس کے اسباب ڈھونڈنے اور حل تلاش کرنے کی بھرپور کوشش اور اس راستے میں پوری طاقت صرف کی جا رہی ہے۔ یہ رجحان نہایت سنجیدگی اور گہری توجہ کے قابل ہے، تاکہ اس پر قابو پایا جاسکے، اس کی بھیجی میں جلنے سے بچا جائے اور اس کے برے نتائج سے محفوظ رہا جائے۔ یہ رجحان لوگوں کو ہر اسال کرنے اور ان کی عزتیں اچھالنے کا رجحان ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ ہر اسانی کیسی بری بلا ہے؟

اللہ کے بندو! ہر اسال کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مرد یا عورت کو جنس مخالف کی جانب سے ہاتھ یا آنکھ کے اشاروں سے تنگ کیا جائے، اس کے جسم کو گھور کر دیکھا جائے، اسے چھوا جائے، اس کے ساتھ واضح یا ڈھکے چھپے الفاظ میں ایسی خواہشات کا اظہار کیا جائے جس سے نشانہ بننے والے مرد یا عورت کی عزت اور وقار پر زد پڑے اور اس سے ہر اسال کرنے والے کے جذبات یا خواہشات کی تسکین ہو۔ ان معانی میں ہر اسانی ایک انتہائی گھٹا و نا جرم ہے، مگر بد قسمتی سے ایک تلخ عالمی حقیقت کے طور پر ہمارے سامنے ہے۔ ہر معاشرہ اسے پوری توجہ دے رہا ہے اور اس کے بارے میں تحقیق کر رہا ہے، تاکہ اس کا کوئی بااثر علاج یا اسے روکنے کا کوئی مؤثر نظام دریافت ہو سکے، کیونکہ یہ رجحان معاشرے کے عمومی اور خصوصی مقامات پر بڑی تیزی سے پھیلتا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض معاشروں میں اس کی لپیٹ میں ہر اسال کرنے والے کے اپنے قریبی رشتہ دار بھی آجاتے ہیں۔ اللہ ہمیں

اور آپ کو اس آفت سے بچائے۔

اللہ کے بندو! اگرچہ زیادہ تر ہر اسانی کا شکار عورتیں ہی ہوتی ہیں، مگر ہمیشہ ہی ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ مرد بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں، بلکہ کئی مرتبہ نوجوان لڑکے اور بچے بھی اس کی زد میں آ جاتے ہیں۔ ہر اسانی کا مرض کچھ لوگوں کے جسموں میں بری طرح سرایت کر جاتا ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے دل ہر طرح کی بھلائی سے خالی ہوتے ہیں، نہ انہیں دینداری کا جذبہ روکتا ہے، نہ رسم و رواج، نہ فطری اخلاق اور نہ معاشرتی اصول اور ضابطے ہی ان کے لیے رکاوٹ بنتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ایک ناقص مفہوم اور شتر بے مہار سوچ کے زیر تسلط آ جاتے ہیں۔ ان کی ناقص ذہنیت انہیں کہتی ہے کہ جب بھی، جو جی میں آئے، اسے کر گزرو۔ ان کے ہاں پاکدامنی اور احترام کا بنیادی تصور ہی مسخ ہو چکا ہوتا ہے، یا تو جہالت کی وجہ سے، یا پھر غلط فہمیوں میں منہمک ہونے کی وجہ سے۔ پھر والدین کے زیر اہتمام خاندانی نگرانی کے فقدان اور بلا استثناء تمام متعلقہ لوگوں کی جانب سے اس آفت کی ہولناکی اور خطرے کے حوالے سے آگاہی پھیلانے میں کوتاہی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے محسوس اور غیر محسوس نقصانات صرف فرد تک محدود نہیں رہتے، بلکہ اس کے سارے خاندان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، جو کہ بالآخر معاشرے کا ایک حصہ ہی ہوتا ہے۔ پھر اس کے اثرات اس خاندان سے نکل کر سارے معاشرے کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔

اللہ کے بندو! اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر اسانی زنا کی سیزھی ہے اور انسان کی جبلت میں پائی جانے والی خصلت اور شہوانی جذبات کو بے قابو کرنے والا عمل ہے جس میں مرد و عورت دونوں کی غلطی موجود ہوتی ہے، کیونکہ طرفین میں سے کوئی بھی جب عوامی مقامات پر اس انداز سے گھومتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کا خیال نہیں رکھ رہا ہوتا بلکہ بعض اوقات ایسی غیر اخلاقی حالت میں ہوتا ہے کہ جو دوسرے فریق کی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیتی ہے کہ وہ فتنے کی ڈور سے بندھا ہو اس کی طرف کھینچا جاتا ہے، حالانکہ پہلے وہ اپنے راستے میں جا رہا ہوتا ہے اور اس کی عقل میں کسی برائی کا ارادہ نہیں ہوتا۔ کوئی شک نہیں کہ

ایسی ہیئت و کیفیت بذات خود بھی ہر اسانی کی ایک شکل ہے، چاہے ہر اسان کرنے والے یا کرنے والی کی زبان سے اس کا اظہار نہ بھی ہو۔ پھر اگر ہر اسانی کا شکار ہونے والے کی طرف سے اگر کوئی ایسی حرکت سامنے آئی ہو جو دوسروں کو ہر اسانی کی دعوت دیتی ہو تو ہر اسان ہونے والا بھی بری الذمہ نہیں ہے۔ اسی طرح ہر اسان ہونے والے کی یہ حرکتیں کسی صورت بھی ہر اسان کرنے والے کے لیے وجہ جواز نہیں ہیں۔ دونوں کا جرم ان کے سر پر ہے لیکن زیادہ بڑی ذمہ داری بہر کیف ہر اسانی کا سبب بننے والے کی ہے۔

ہر اسانی کی تمام شکلوں کو روکنا چاہیے، بلکہ ان کے وقوع سے قبل ہی ان کا سدباب کرنے کی ضرورت ہے، اس کے لیے عزت و آبرو کی حفاظت کی اہمیت کو اجاگر کرنا چاہیے اور یہ آگہی پھیلائی چاہیے کہ عفت و پاکدامنی سے انسان کے دین، دنیا اور معاشرے پر کتنا اچھا اثر پڑتا ہے، تاکہ کوئی کسی پر زیادتی کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ اسی طرح ہر اسانی کا جرم صادر ہونے کے بعد بھی اس کا علاج کرنا چاہیے، اس کا ارتکاب کرنے والوں کو عبرت تک سزا دینی چاہیے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اپنی اور دوسروں کی عزت کا خیال رکھنے والا شخص کبھی ہر اسانی پر مشتمل اشاروں کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ ہی انہیں ہلکا سمجھتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزَّيْنَاءِ، أَدْرَكَ ذَلِكَ لَا مَحَالَةَ، فَرَزْنَا الْعَيْنَ النَّظْرُ، وَزَيْنَا اللِّسَانَ الْمَنْطِقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ كُلَّهُ وَيُكَذِّبُهُ»

”اللہ تعالیٰ نے ہر ابن آدم کے لیے زنا میں سے اس کا حصہ لکھ رکھا ہے، جس سے وہ لا محالہ دوچار ہوتا ہے۔ تو آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے اور دل خواہش اور تمنا کرتا ہے پھر شرمگاہ ان سب باتوں یا خواہشات کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔“ (صحیح بخاری: 6243)

اللہ کے بندو! یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ہر اسانی کا سبب شہوت اور جذبات کا بھڑکانا ہی ہو۔ آزمائش یافتگی کے طور پر بھی وہ شخص اس کا شکار ہو سکتا ہے، جس کا دل ویران اور احساس مردہ ہو چکا ہو، صحیح بخاری میں ہے کہ ”اہل کوفہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا۔ جھوٹی شکایتیں کرنے والوں میں ایک شخص تھا جس کی کنیت ابو سعده تھی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

أَمَّا وَاللَّهِ لَأَدْعُونَ بِثَلَاثٍ: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هَذَا كَاذِبًا، قَامَ رِيَاءً وَسَمْعَةً، فَأُطْلِعْ عُمُرَهُ، وَأُطْلِعْ فَقْرَهُ، وَعَرِّضْهُ بِالْفِتَنِ، وَكَانَ بَعْدَ إِذَا سُئِلَ يَقُولُ: شَيْخٌ كَبِيرٌ مَفْتُونٌ، أَصَاتَنِي دَعْوَةُ سَعْدِ

”اللہ کی قسم! میں تمہیں تین بد دعائیں دوں گا۔ اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے، دکھا دو اور ریاکاری کرنے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر دے، اس کا فقر وفاقہ طویل کر دے اور اسے فتنوں کا شکار کر دے، جب وہ شخص بڑھاپے کی عمر کو پہنچا تو بڑھاپے سے اس کی بھنوں آنکھوں پر گرنے لگیں، اس عمر میں بھی وہ راہ چلتی لڑکیوں کو چھیڑتا اور ان پر دست درازی کرتا پھرتا۔ جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا: ”میں ایک آزمائش زدہ بندہ ہوں جسے سعد کی بد دعا لگ گئی ہے۔“ (صحیح بخاری: 755)

ہم اللہ سے اپنے اور آپ کے لیے عافیت مانگتے ہیں۔

یہ بات شرعی طور پر بھی درست ہے، عقل بھی اسے مانتی ہے اور حالات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ زمان و مکان کی تبدیلی کے باوجود ہر اسانی کے حوالے سے شریعت کے احکام میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ اسلام شروع سے ہی اس گنہگار نے جرم کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا ہے، اسے دوسروں کے حقوق پر واضح دست درازی شمار کرتا ہے اور شریعت نے

اس کے لئے سخت سزائیں تجویز کی ہیں۔ یہ سزائیں فقہ کی کتب میں اسلامی سزاؤں کے ضمن میں مذکور ہیں۔ اس حوالے سے حکمران کا فرض بھی بیان کیا ہے اور عزت و آبرو کی حفاظت میں ان کے کردار کی اہمیت بھی اجاگر کی ہے۔ کیونکہ عزت و آبرو کی حفاظت کی ضرورت پر تو سارے اديان متفق ہیں۔ ہمیں یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے حکمران ہر اسانی کا ارتکاب کرنے والوں کے معاملے میں بڑی سنجیدگی دکھاتے ہیں اور ان کی دست درازی کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے لیے وہ ایسے قوانین متعارف کراتے ہیں جو ان شرپسندوں کی نفسانی خواہشات کو لگام دینے اور لوگوں کی عزتوں پر دست درازی کو روکنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ شریعت کا امتیاز یہ ہے کہ یہ حقوق العباد کو خاص اہمیت دیتی ہے، انہیں واجبات کا درجہ دیتی ہے اور ان کی حفاظت کے لیے تمام وسائل و ذرائع بھی صرف کرتی ہے۔ بلکہ حقوق العباد کو محض حقوق اللہ پر مقدم رکھتی ہے، کیونکہ حقوق الہی کا معاملہ تو رواداری اور عفو و درگزر پر مبنی ہے، جبکہ حقوق العباد کا تعلق مطالبات اور باہمی تنازعات سے ہوتا ہے، جن سے انسان بری الذمہ تب ہی ہو سکتا ہے جب صاحب حق معاف کر دے یا ادائیگی مکمل ہو جائے۔ اسی لئے ہماری پاکیزہ شریعت میں عزت اور آبرو کی حفاظت کے لیے لئے ضروری احکام موجود ہیں، جن میں سے کچھ کا تعلق افراد سے ہے، فرمان ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ﴾ (الانعام 151)

”اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔“

جبکہ کچھ کا تعلق پورے معاشرے سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن

صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا

فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا» (صحیح مسلم: 1218)

”تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہاری عزتیں اور تمہارے جسم ایک دوسرے

کے لیے یوں ہی محترم ہیں، جیسے یہ دن، اس مہینے اور اس شہر میں محترم ہے۔“

یہ بھی شریعت کا کمال ہے کہ اس کا کوئی حکم عقل سلیم کے خلاف نہیں ہوتا، بلکہ جہاں ضرورت پیش آئے، وہاں یہ خود بھی عقلی مہارت کا سہارا لیتی ہے، کیونکہ عقلی بحث کے ذریعے دوسرے کو مطمئن کرنا، اس مسئلے کے احکام و دلائل کا احاطہ کیے بغیر ہی فیصلہ سنا دینے سے زیادہ بہتر ہے۔

کسی عورت کو ہر اسماں کرنے والا شخص اگر تھوڑا سا غور و فکر سے کام لے تو اسے یاد آ جائے گا کہ وہ بھی کسی عورت کا بھائی، باپ یا شوہر ہے۔ اسی طرح کسی مرد کو ہر اسماں کرنے والی عورت کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ وہ بھی کسی کی بہن، ماں یا بیوی ہے، چنانچہ ان رشتوں کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں اس برے عمل سے باز آ جانا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ

إِنَّ فَتَى شَابَا أُنَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ائْتِنِي لِي بِالزَّوْءَا، فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَرَجَرُوهُ وَقَالُوا: مَهْ. مَهْ. فَقَالَ: ائْتِنِي، فَدَنَا مِنْهُ قَرِيْبًا. قَالَ: فَجَلَسَ قَالَ: «أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ». قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِابْنَتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِابْنَاتِهِمْ». قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِأَخْتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ». قَالَ: «أَفَتُحِبُّهُ لِعَمَّتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِجَالَاتِكَ؟» قَالَ: لَا. وَاللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ. قَالَ: «وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِجَالَاتِهِمْ». قَالَ: فَوَضَعَ



يَدُهُ عَلَيْهِ وَقَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ قَرْجَهُ» فَلَمْ

يَكُنْ بَعْدَ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ (مسند أحمد: 22211)

”ایک نوجوان رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا: ”اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دے دیں۔ لوگوں نے اسے ڈانٹا اور کہا: تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو خاموش کرادیا اور فرمایا: ”ادھر میرے قریب آؤ۔ وہ قریب آگیا۔“ بیان کرتے ہیں: ”جب وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم اسے اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟“ اس نے کہا: ”نہیں۔“ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو لوگ بھی اسے اپنی ماؤں کے لیے پسند نہیں کرتے۔“ پھر فرمایا: ”کیا تم اسے اپنی بیٹی کے لیے پسند کرتے ہو؟“ اس نے کہا: ”نہیں۔“ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو لوگ بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔“ پھر فرمایا: ”کیا تم اسے اپنی بہن کے لیے پسند کرتے ہو؟“ اس نے کہا: ”نہیں۔“ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو لوگ بھی اسے اپنی بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔“ پھر فرمایا: ”کیا تم اسے اپنی چھو بھی کیلئے پسند کرتے ہو؟“ اس نے کہا: ”نہیں۔“ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو لوگ بھی اسے اپنی چھو پھیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔“ پھر فرمایا: ”کیا تم اسے اپنی خالہ کے لیے پسند کرتے ہو؟“ اس نے کہا: ”نہیں۔“ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو لوگ بھی اسے اپنی خالوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔“ بیان کرتے ہیں: پھر آپ ﷺ نے اس شخص پر اپنا دست مبارک رکھا اور دعا کی کہ ”اے اللہ! اس کا گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرم گاہ کو محفوظ کر دے۔“ راوی بیان کرتے ہیں کہ ”اس کے بعد ہم نے اس نوجوان کو کبھی بھی برائی کی طرف نگاہ اٹھاتے نہیں دیکھا۔“

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن و سنت کی برکتوں سے مالا مال فرمائے! اس میں آنے والی

آیات اور دانش کی باتوں سے ہمیں فائدہ پہنچائے۔ مجھے یہی کہنا تھا۔ اگر درست کہا تو اللہ کی توفیق سے، اور اگر غلط کہا تو اپنے نفس اور شیطان کی وجہ سے۔ میں اپنے لیے، آپ کیلئے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہر گناہ اور کوتاہی کی معافی مانگتا ہوں! آپ بھی اسی سے معافی مانگو! اور اسی کی طرف رجوع کرو! یقیناً! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

حمد وثنا اللہ ہی کے لیے ہے۔ درود و سلام ہو رسول اللہ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر اور آپ کے ہدایت یافتہ پیروکاروں پر۔

بعد ازاں! عفت اور پاکدامنی شرعی طور پر مطلوب وصف ہے، جس کی تلقین رب العباد نے اپنی واضح کتاب میں فرمائی ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَيْسَتَغْفِيْفَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ

فَضْلِهِ﴾

”اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں انہیں چاہیے کہ عفت کا راستہ اختیار کریں، یہاں

تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے۔“ (سورۃ النور: 33)

یعنی وہ حرام سے بچے اور پاکدامنی اور عفت اپنانے کی کوشش کرے، جب تک اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز نہ کر دے۔ پاکدامنی ایک عمدہ اخلاق ہے، جسے ہر ایسے شخص کو اپنانا چاہیے، جو اپنی شہوت اور خواہش کو بے لگام ادھر ادھر گھومنے سے روکنا چاہتا ہو، تاکہ وہ کسی ایسے کام میں ملوث نہ ہو جائے جس کے نتائج سنگین ہوں۔ کیونکہ عفت و پاکدامنی اور حیا داری تو سراسر خیر ہی ہے، حتیٰ کہ ان افراد کے لیے بھی کہ جو احساسات و نفسانی جذبات کی عمر سے گزر چکے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ﴾ (سورة النور: 60)

”اور جو عورتیں جوانی سے گزری بیٹیسی ہوں، نکاح کی امید وار نہ ہوں، وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں، تاہم وہ بھی حیاداری ہی برتیں تو ان کے حق میں اچھا ہے۔“

ہر اسانی کے بھنور میں پھنسے ہوئے شخص کو سوچنا چاہیے کہ اگر اس حال میں ملک الموت آجائے تو کیا پھر بھی وہ ہر اسانی جیسا قبیح عمل مکمل کرنا چاہے گا؟! پھر جب وہ سوال جواب کے لیے اپنی قبر میں بٹھایا جائے گا تو کیا اسے اچھا لگے گا کہ اس نے ہر اسانی کی تھی؟! اور جب لوگوں کو نامہ اعمال دیئے جائیں گے اور اسے معلوم نہیں ہو گا کہ اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں آتا ہے یا بائیں ہاتھ میں، تو کیا اسے یہ سوچ کر خوشی ہوگی کہ اس نے یہ حرکت کی تھی؟! پھر جب وہ پل صراط پہ چلے گا اور اسے معلوم نہیں ہو گا کہ اسے نجات ملتی ہے یا نہیں، تو کیا یہ سوچ کر اسے خوشی ہوگی کہ اس نے یہ گھناؤنا کام کیا تھا؟! پھر جب ترازو کو لا کر اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا اور اسے معلوم نہیں ہو گا کہ اس کا پلڑا بھاری ہوتا ہے یا ہلکا، تو کیا اسے یہ بات بھلی لگے گی کہ اس نے ہر اسانی جیسے جرم کا ارتکاب کیا تھا؟! پھر جب وہ سوال و جواب کے لئے اللہ کے سامنے کھڑا ہو گا تو کیا اسے اس عمل پر خوشی ہوگی؟

سنو! ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور خوب یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کی حدوں کی پامالی ہر گز نہ ہونے پائے۔ سیدنا عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا:

”أَلَا أُرِيكَ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: هَذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ، أَتَيْتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: إِنِّي أَصْرَعُ، وَإِنِّي أَنْتَكَسِفُ، فَادْعُ

اللہ لی، قَالَ: «إِنْ شِئْتَ صَبْرْتَ وَلِكَ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيكَ» فَقَالَتْ. أَصْبِرُ، فَقَالَتْ. إِيَّيْ أَنْتَ كَشَفْتَ، فَادْعُ اللَّهَ لِي أَنْ لَا أَنْتَ كَشَفْتَ، فَدَعَا لَهَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ. «أَنَّهُ رَأَى أُمَّ زُقَيْرَ بَلَكَ امْرَأَةً طَوِيلَةَ سَوْدَاءَ،

عَلَى سِثْرِ الْكَعْبَةِ» (صحيح بخاری: 5652)

”کیا میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں ضرور دکھائیے! انہوں نے کہا: یہ سیاہ فام عورت جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگی تھی کہ مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے، تو آپ اللہ سے میرے لیے دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو صبر کرو، اس پر تمہیں جنت ملے گی اور اگر تم چاہو تو میں اللہ سے تمہاری تندرستی کے لیے دعا مانگ دیتا ہوں۔“ اس نے کہا: نہیں! بلکہ صبر کروں گی۔ پھر کہنے لگی: میرا ستر کھل جاتا ہے، تو آپ اللہ سے اتنی دعا کر دیجیے کہ میرا ستر نہ کھلے۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ اللہ اکبر! کتنی عفت اور پاکدامنی والی عورت تھی، جس نے صرف اپنے ستر اور عزت کی حفاظت کے لیے دعا مانگوئی کہ وہ لوگوں کے سامنے بے پردہ نہ ہو۔ عفت و پاکدامنی کا یہی مفہوم ہے۔ ایسی عورت حقیقتاً جنت کی حقدار ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس میں مقابلہ کرنے والوں کو مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس لیے ہر مسلمان مرد اور عورت کو چاہیے کہ وہ ہر ایک کی عزت کو قدر و احترام کی نظر سے دیکھے۔ معاشرتی اخلاقیات کا خیال رکھیں اور دوسروں کے جذبات کا بھی لحاظ کریں، عام مقامات پر نظم و ضبط کا مظاہرہ کریں، جہاں سبھی کے حقوق یکساں ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ کسی بیمار کو تندرست کے قریب نہیں کرنا چاہیے، بستر کو لائین کے پاس نہیں کرنا چاہیے اور ریٹم کو آگ کے انگاروں کے قریب نہیں لے جانا چاہیے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ \* وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (سورة النور: 30-31)

”اے نبی (ﷺ)، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس سے باخبر رہتا ہے اور اے نبی (ﷺ)، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں، بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے۔“

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور انسانوں میں پاکیزہ ترین ہستی، حوض کوثر اور شفاعتِ کبریٰ والے، محمد بن عبد اللہ ﷺ پر۔ اللہ نے آپ کو یہ حکم دیتے ہوئے، پہلے اپنا ذکر فرمایا، پھر اپنی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر فرمایا، پھر آپ کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورة الاحزاب: 56)

(75)

رمضان کے الوداعی لمحات اور اُمیدِ قبولیت

25 رمضان 1442ھ بمطابق 7 مئی 2021ء

## پہلا خطبہ

الحمد للہ! وہی تخلیق کی ابتدا کر کے پھر اسے دہرانے والا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، کر گزرتا ہے۔ دن کے بعد رات کو لاتا ہے، اور رات کے بعد دن کو لاتا ہے۔ وہی عطا کرنے اور محروم کرنے والا ہے، تندرستی بھی دیتا ہے اور آزماتا بھی ہے۔ رات کے وقت ہاتھ دراز کرتا ہے، تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کر لے اور دن کے وقت ہاتھ کشادہ کرتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کر لے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ نمازیوں اور تہجد گزاروں میں افضل ترین ہیں۔ دعا، رجوع الی اللہ اور گناہوں سے معافی مانگنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ آپ ﷺ نے امت کو روزے رکھنے اور تہجد پڑھنے کی تلقین فرمائی، ان کے معاملے میں کوتاہی کرنے سے خبردار کیا، اور مقصد کے راستے میں سستی نہ کرنے کا حکم دیا۔

اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ کے نیک اور پاکیزہ اہل بیت پر، آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات، اہمہات المؤمنین پر، چمکدار پیشانیوں والے اور نیک سیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، اور جب تک سورج اور چاند ایک دوسرے کے بعد آرہے ہیں، ان سب پر سلامتی بھی نازل ہوتی رہے!

بعد ازاں! اے لوگو!

اللہ سے یوں ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے، اسلام کی پختہ رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ وقت گزرنے سے پہلے نیکیاں کر لو، کیونکہ آج کام کا وقت ہے، حساب کتاب کا وقت نہیں، کل جب حساب کا وقت آجائے گا تو عمل کا موقع نہیں ہوگا۔

﴿وَإِنَّمَا تُؤَفَّقُونَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ

## الْحَيَّةُ فَقَدْ فَازَ

”اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔“ (آل عمران: 185)

اس مہینے میں لوگوں نے انتہائی فضیلت والے دن اور بابرکت راتیں گزاریں، کسی نے کم عبادت کی اور کسی نے زیادہ، کوئی کوتاہی میں بھٹکتا رہا اور فضول کاموں کی وجہ سے رحمت کے جھونکوں سے محروم رہا، کوئی دھیان بھٹکانے والی چیزوں کے سبب اس ماورحت و برکت سے غافل رہا، اور یوں مغفرت اور آگ سے بچاؤ کا مہینہ ایک بادل کی طرح بڑی تیزی سے گزر گیا، اس میں نفع بخش تجارت کر کے قبولیت اور مغفرت پانے والا تو مبارک باد کے لائق ہے، اور اس میں گھانا پانے والے سے زیادہ بد بخت اور کون ہو سکتا ہے؟ کہ جو رسوا ہوا اور اس کے فضائل و برکات سے محروم رہا۔

سنو! ماور رمضان گزرنے والا ہے، اس کے فضیلت والے دن اور راتیں ختم ہونے کو ہیں، یہ تیزی سے ختم ہو جاتا ہے، اور اس کا سورج بہت جلدی ذحل جاتا ہے۔ اس سے جدائی کے لمحات ایسے سخت ہوتے ہیں کہ اللہ کے سامنے سر بسجود ہونے والوں کے کلیجے منہ کو آنے لگتے ہیں، دعائیں کرنے والوں کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، توبہ کرنے والوں کے دل پریشانی میں ڈوب جاتے ہیں۔

حی ہاں! اللہ کے بندو!

رمضان کے جانے کا وقت قریب آگیا ہے، یہ تو ایسا مہمان ہے جس کی روحانیت سے ہم ابھی مانوس بھی نہیں ہو پائے تھے، جس کی بوندوں سے ہم ٹھیک طرح سے لطف اندوز بھی نہیں ہوئے تھے کہ وہ کوچ کی تیاری کرنے لگا، اپنا سامان باندھ کر جیسے آیا تھا، ویسے ہی جانے



کے لیے تیار ہے۔ اس کی جدائی کتنی مشکل ہے، اسے الوداع کہنے کے لمحات کتنے سخت ہیں! کاش کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہم میں کامیاب کون اور ناکام کون ہے؟ مقبول کون ہے اور محروم کون؟

یا اللہ! ہمیں تیرا رحم و کرم چاہیے! اس ماہِ مبارک کے گزرنے، اس کے دن اور راتیں ختم ہونے پر جو زخم ہمیں لگا ہے، اسے بھر دے۔ ابھی کل ہی لوگ رمضان کا چاند دیکھنے کے لیے بیتاب تھے، اور آج وہ عید کا چاند دیکھنے والے ہیں۔ کل ہم رمضان کا استقبال کر رہے تھے، ایک دوسرے کو اس کی آمد کی مبارک بادیں دے رہے تھے، اور آج ہم دل پر پتھر رکھ کر اسے الوداع کہہ رہے ہیں، اس میں برسنے والی رحمت کی برکھا کی جدائی پر پریشان ہیں۔ دنیا ایسی ہی ہے۔ یہ کبھی ایک طرح کی نہیں رہتی، ہوا بھی ہمیشہ ایک طرح کی نہیں چلتی۔ مگر جو دن گزر جاتے ہیں، وہ کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔ ہر دن ہمیں موت سے قریب کر کے چلا جاتا ہے، ہماری عمر کو کھا کر نکل جاتا ہے۔

خوش بخت وہی ہے جو دن بہ دن اپنے خالق سے قریب ہو جائے، اس کی ناراضگی سے دور ہو جائے، جو سمجھ جائے کہ دنیا گزر گاہ ہے قیام گاہ نہیں ہے، اس میں نیکیوں کے موسم کھلے بازاروں کی طرح ہیں، جو خیر و برکات سے بھرے پڑے ہیں، ان میں منافع کمانے والا خوش ہو جاتا ہے، گھانا پانے والا مایوس ہو جاتا ہے۔ صاحبِ توفیق وہ ہے جو رمضان میں نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ شروع کر دے، اور پھر اسے جاری و ساری رکھے، کیونکہ ہر میدان ایک طرف سے شروع ہوتا ہے اور دوسری طرف ختم ہوتا ہے۔ منافع تجارت کے اختتام پر ہی سامنے آتا ہے۔ آخر میں انعام پانے والا ہی کامیاب سمجھا جاسکتا ہے۔ اس منافع کا کوئی فائدہ نہیں جس کے بعد پھر گھانا ہو جائے، اس گھانے کا کوئی نقصان نہیں جس کے بعد منافع ہو جائے۔

حقیقی کامیاب وہ ہے جو برے انجام سے ڈر جائے اور صحیح راستے پر چل پڑے، کیونکہ جو راستے پر چل پڑتا ہے، وہ پہنچ ہی جاتا ہے۔ مگر جو آخری عشرے کے بقیہ حصے میں بھی فضولیات میں مصروف رہا، وہ منزل تک نہ پہنچ پائے گا، اور وہ بھی نہیں پہنچ پائے گا جو لیلیۃ القدر کی کھوج میں خوابوں کی تعبیریں ڈھونڈتا رہے گا۔ کیونکہ جو خوابوں میں مصروف رہے گا، وہ عبادت کے لیے بیدار کیسے رہ پائے گا؟

اللہ نے رمضان کو گنتی کے چند دنوں سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ اس کی مدت انتہائی مختصر اور اس کے گزرنے کی رفتار بہت زیادہ تیز ہے۔ مگر ان گنے چنے دنوں میں اتنا زیادہ اجر ہے کہ جس کا اندازہ ناممکن ہے۔ اگر ایک نیکی کا اجر دس گنا یا سات سو گنا تک ہوتا ہے تو روزہ اس تناسب سے مستثنیٰ ہے۔ ہو بھی کیوں نہ، جبکہ اللہ نے خصوصی طور پر اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ، بِعَشْرٍ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ ضَعِيفٍ، إِلَى مَا شَاءَ اللَّهُ، قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ» (مسند أحمد، 9714)

”ابن آدم کی ہر نیکی کا اجر بڑھایا جاتا ہے، ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ معاملہ روزے کے علاوہ باقی عبادت کا ہے، کیونکہ روزہ تو میرے لیے ہوتا ہے اور اس کا اجر بھی میں ہی دوں گا۔“

اللہ کے بندو!

صاحب توفیق وہ ہے جو موقع ختم ہونے سے پہلے اس کا فائدہ اٹھالے، اپنی عبادت کا اختتام توبہ سے کر لے، کیونکہ نیکیوں کا دار و مدار ان کے اختتام پر ہوتا ہے۔ توبہ گناہوں کو

ختم کر دیتی ہے۔ توبہ کرنے والا کبھی تکلیف نہیں اٹھاتا، اور اللہ کی طرف پلٹنے والا کبھی رسوا نہیں ہوتا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَّ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ﴾

”در حقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کے

لیے جو اللہ کو یاد رکھنے والے ہیں۔“ (سورۃ ہود: 114)

اس مہینے کا باقی حصہ نیک لوگوں کے لیے مزید نیکیاں کمانے کا موقع ہے، کو تباہی کرنے والوں کے لیے ازالے کی فرصت ہے۔ جو گزر گیا، وہ ماضی کا حصہ بن گیا، مستقبل کی امیدیں غیب کا حصہ ہیں، سمجھ دار شخص کو اپنے اس لمحے کی فکر کرنی چاہیے جس میں وہ اس وقت جی رہا ہے۔ صحت مندی میں آنے والی بیماری کی اور زندگی میں موت کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔ کیونکہ دنیا میں ہم کسی اجنبی یا مسافر کی طرح ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا﴾

”جو شخص توبہ کر کے نیک عملی اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا

کہ پلٹنے کا حق ہے۔“ (سورۃ الفرقان: 71)

ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی غفلت سے پوری طرح مبرا نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ انسانی طبیعت کا ایک لازمی حصہ ہے، مگر سمجھ دار اور صاحبِ توفیق وہ ہے جو یاد رکھے کہ غفلت ایسی رکاوٹ ہے جو اسے نیکیوں سے روکتی ہے، اور کوئی راستہ ایسی رکاوٹوں سے خالی نہیں ہوتا، اس لیے رسوائی تو یہ ہے کہ انسان جہاں ٹھوکر کھائے، وہیں گر جائے اور آگے چلنے کی کوشش چھوڑ دے، کیونکہ عمر جتنی بھی طویل ہو جائے، بہر حال وہ مختصر ہی ہے، اور جو موقع

نکل جائے، وہ کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ شام ہوتی ہے تو بندے کو یہ معلوم نہیں ہوتا وہ صبح تک زندہ رہے گا یا نہیں، صبح ہوتی ہے تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ رات تک وہ زندہ رہے گا یا نہیں۔ یہ دنیا جتنی بھی بڑی لگے، بہر حال یہ بہت چھوٹی ہے، اس کی ابتداء و ولادت کے بعد رونے کی آواز سے ہوتی ہے، اور انتہا مرنے کے بعد لوگوں کے رونے پر ہوتی ہے۔ جس زندگی کی ابتداء بھی رونے سے ہو اور انتہا بھی رونے سے ہو، وہ اس لائق نہیں ہے کہ اسے پوری توجہ دے دی جائے، یا اس کے ساتھ دل لگایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ (سورۃ آل عمران: 185)

”رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہری فریب چیز ہے۔“

مسلمان کو حتی المقدور غفلت سے بچنا چاہیے، کیونکہ پروردگار کی فرماں برداری سے دور کرنے والی چیزوں میں سب سے بری چیز غفلت ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے انسان کامیابی سے محروم ہو جاتا ہے، فضیلت والی گھڑیوں کو کارآمد بنانے سے دنیا کی مصروفیات آنے سے پہلے خود ہی دور ہو جاتا ہے، کوئی شک نہیں کہ یہی گھائے کی بڑی وجہ ہے۔

انسان کا نفس بھی سال کے موسموں کی طرح ہے، اس میں گرما بھی ہے، خزاں بھی، سرما بھی اور بہار بھی۔ اگر انسان اپنے نفس کو ان موسموں سے معاملات اور برتاؤ کرنا نہ سکھائے اور ان کی حقیقی قدر و قیمت نہ بتائے، تو وہ خود کو دھوکے میں مبتلا کر لے گا کہ وہ ہمیشہ ایک ہی موسم میں رہ سکتا ہے۔ اللہ کی رحمت کے کچھ جھونکے ایسے ہوتے ہیں جن میں آنا گزیرے اور جن میں ذرہ برابر بھی کوتاہی مناسب نہیں ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتِي عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ﴾

”کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی شخص کہے: افسوس میری اُس تقصیر پر جو میں اللہ

کی جناب میں کرتا رہا۔“ (سورۃ الزمر: 56)

سنو! اس مہینے میں قربِ الہی کے اسباب دوسرے مہینوں کی نسبت بہت زیادہ ہیں، اس کی برکت بھی دوسرے مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ جو اسے بھی ضائع کر دیتا ہے، وہ باقی مہینوں کو تو بدرجہ اولیٰ ضائع کرے گا۔

سنو! بدترین لوگ وہ ہیں جو اللہ کو صرف رمضان میں پہچانتے ہیں۔ بدترین لوگ وہ ہیں جو اللہ کو صرف رمضان میں پہچانتے ہیں۔ بہترین لوگ وہ ہیں جو ہر وقت اور ہر گھڑی میں اللہ کو یاد رکھتے ہیں، اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے اللہ کی عبادت میں رہتے ہیں۔ صبح و شام عبادت میں گزارتے ہیں، نیکیوں کے موسموں کو منافع اور غنیمت کا وقت سمجھتے ہیں، برکت کے اوقات اور رحمت کے خصوصی لحات کو رب کے قریب ہونے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ رمضان سے کمائی جانے والی ہر وہ نیکی جس پر قائم رہنے کا عزم ہو، وہی رمضان کی حقیقی کامیابی ہے۔ ایسا کرنے والا رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کا مصداق ٹھہرتا ہے، جب آپ ﷺ نے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

«يَا عَبْدَ اللَّهِ، لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ، فَتَرَكَ قِيَامَ

اللَّيْلِ» (صحیح بخاری: 1152)

”اللہ کے بندے! فلاں کی طرح نہ بننا، پہلے وہ تہجد پڑھتا تھا، پھر اس نے اسے

چھوڑ دیا۔“

اے اللہ! ہر معاملے میں ہمارا انجام بھلا بنا۔ دنیا کی رسوائی اور عذابِ آخرت سے ہمیں

محفوظ فرما!

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن و سنت سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات،

ذکر اور دانش کی باتوں سے فیض یاب فرمائے! میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی ہر گناہ اور نفلطی سے اسی کی معافی مانگو۔ آپ سب اسی سے معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً! میرا رب معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

### دوسرا خطبہ

اول و آخر اور ظاہر و باطن تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ میں انگوں اور پچھلوں کی سردار ہستی پر درود و سلام بھیجتا ہوں۔

بعد ازاں، اللہ کے بندو!

اللہ سے ڈرو اور اللہ کے احسان کو یاد رکھو کہ اس نے رمضان کے گزرنے کے غم کے ساتھ ہی عید کی خوشیاں رکھی ہیں۔ یہ اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ اس میں ایک حکمت بھی ہے، تاکہ انسانی نفس زندگی کے تمام تر حالات اور زمانے کے نشیب و فراز سے نمٹنے کے لیے پورے ایمان کے ساتھ تیار ہو جائے، تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے، اور غم کے بعد خوشی ضرور آتی ہے، خوشی کے بعد پریشانی بھی آسکتی ہے۔

سچا مومن خوشی کی حالت میں بھی اپنے خالق کی عبادت کرتا ہے اور غم کی حالت میں بھی وہ پروردگار کی بندگی بجالاتا ہے۔ اللہ کی حکمت دیکھیے کہ اس نے دنیا کی کوئی پریشانی ہمیشہ نہیں رکھی، تاکہ کوئی غم سے اپنے آپ کو مار ہی نہ دے، یا وہ ہلاک ہی نہ ہو جائے۔ اسی طرح دنیا کوئی خوشی بھی ہمیشہ نہیں رہتی، تاکہ خوشی میں بدمست ہو کر انسان غافل نہ ہو جائے، یا اس میں تکبر کی صفات پیدا نہ ہو جائیں۔ زمانے کے نشیب و فراز لوگوں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

اس مہینے کے اختتام پر اگر کوئی پریشانی اور غم کی کوئی گنجائش ہے تو وہ اس کے لیے جس

نے عبادتِ الہی کے معاملے میں کوتاہی برتی ہے، جس کے دل نے رمضان کے دسترخوان سے کچھ نہیں کھایا، اس کی پریشانی اس لیے بجا ہے کہ کامیاب ہونے والے اسے پیچھے چھوڑ گئے اور وہ اپنی غفلت اور کوتاہی میں پڑا رہا۔ اسی طرح اگر خوشی کا کوئی موقع ہے تو وہ فرمان برداری کرنے والوں کے لیے ہے، جن کے دل اس مہینے کے صاف اور شفاف چشمے سے سیراب ہوتے رہے، اور وہ جہنم کی آگ سے بچنے والوں میں شامل ہو گئے۔

**اللہ آپ کی نگہبانی فرمائے!**

خیال کیجیے گا! عید کی خوشی میں کہیں آپ ان حالات کو نظر انداز نہ کر دینا جن میں آپ جی رہے ہو، کرونا کی مہلک وبا کو بھول مت جانا، تسائل اور لاپرواہی کا شکار نہ ہو جانا، خوب عمدگی کے ساتھ سوت کا تنے کے بعد اسے کھول دینے والی کی طرح نہ بن جانا، اس سخت گھائی کو پار کرنے کی تمام کوششوں کو بر باد نہ کر دینا۔

حفاظتی تدابیر کے معاملے میں کبھی سستی کا شکار نہ ہونا، سنجیدگی اور پورے عزم کے ساتھ ذمہ داری اٹھانے کے قابل بنیں، کیونکہ ان کی اہمیت گھٹانے والے تندرستی کے دن کو دور کرتے جاتے ہیں۔ تو اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور مہینے کے بقیہ دنوں میں سچے دل کے ساتھ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کالی گھاٹوں کو ہٹا دے، وبا کا خاتمہ فرما دے، کیونکہ اس کے خاتمے میں ہی بندوں کی بھلائی اور ملک میں خوشحالی ممکن ہے۔

**پھر یاد رکھو**

اللہ تعالیٰ نے تم پر فطرانہ بھی فرض کیا ہے، جو تمہارے لیے پاکیزگی کا باعث ہے اور خالق کے شکر کا طریقہ ہے۔ تو اسے ویسے ہی ادا کرو جیسے یہ فرض ہے، مرد، عورت، بچے اور بڑے کی طرف سے، ہر اس شخص کی طرف سے جس کا نان نفقہ آپ کے ذمے ہے۔ فطرانہ غذائی اجناس سے دیا جاتا ہے۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كُنَّا نُخْرِجُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ»  
 وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: «وَكَانَ طَعَامَنَا الشَّعِيرُ وَالزَّرْبُوبُ وَالْأَفِيطُ وَالشَّمْرُ»  
 (صحیح بخاری: 1510)

”رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہم عید الفطر کے دن ایک صاع کے برابر کھانا دیا کرتے تھے، تب جو، کشمش، پنیر اور کھجور ہماری خوراک ہو کرتی تھی۔“

اس مد میں چاول وغیرہ جیسی خوراک بھی دی جاسکتی ہے۔ کھانا جتنا عمدہ اور اچھا ہو گا، اتنا ہی افضل اور بہتر ہو گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (سورۃ آل عمران: 92)

”تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔“

فطرانہ دینے کا وقت عید کے دن، عید کی نماز سے پہلے ہے۔ البتہ اسے عید سے ایک یا دو دن پہلے بھی دیا جاسکتا ہے۔ اللہ ہم سب کے صیام و قیام کو قبول فرمائے۔ ہمارے گناہ اور غلطیاں معاف فرمائے، مہینے کے بقیہ ایام سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، اس ماہ کو معافی اور درگزر پر ختم فرمائے! ہم سب کو آگ سے نجات عطا فرمائے۔ یقیناً وہ سننے اور قبول کرنے والا ہے۔

اللہ آپ پر رحم فرمائے! درود و سلام بھیجو مخلوقات کی افضل ترین اور انسانوں میں پاکیزہ ترین ہستی، حوض کوثر اور شفاعت کبریٰ والے، محمد بن عبد اللہ ﷺ پر۔ اللہ نے آپ کو یہ حکم دیتے ہوئے، پہلے اپنا ذکر فرمایا، پھر اپنی تسبیح بیان کرنے والے فرشتوں کا ذکر فرمایا، پھر



آپ کو اے مومنو! کہہ کر مخاطب کیا۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔“ (سورۃ الاحزاب: 56)

اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور مزید سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ

پر جو کہ روشن چہرے والے اور چمکتی پیشانی والی ہیں۔ اے اللہ! چاروں خلفائے راشدین سے

راضی ہو جا! حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے، نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جا! تابعین عظام سے بھی راضی ہو جا۔ اور قیامت تک ان کے نقش

قدم پر استقامت کے ساتھ چلنے والوں پر۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا فضل

و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔

www.kitabosunnat.com



## فہمنا اللہ جنتنا یا ابراہیمؑ

آپ سعودی عرب کے شہر ”مترہ“ کے امیر محمد بن ابراہیم کے پوتے، مکہ مکرمہ ہائی کورٹ کے جج اور ام القرنی یونیورسٹی کے دو ڈیپارٹمنٹس کے بانی اور فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء کے ڈین ہیں۔ آپ 1386ھ کو ”ریاض“ شہر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ”مترہ“ نامی شہر میں حاصل کی۔ 1404ھ میں ”یرموک“ شہر سے ثانویہ (ایف اے) اور 1409ھ کو محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض سے (بی اے) کیا اور بیسٹس سے 1413ھ میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ 1416ھ میں ”الساکنی المناک“ یعنی مناسک حج میں فقہی اختلافات کے عنوان پر مقالہ لکھ کر ام القرنی یونیورسٹی مکہ مکرمہ سے آپ نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ 1412ھ میں بیت اللہ کی امامت و خطابت کی سعادت ان کے حصے میں آئی۔ الحمد للہ، تب سے اب تک یہ مبارک سلسلہ بغیر کسی قحط کے جاری ہے۔ 1413ھ کو مکہ مکرمہ کی ہائی کورٹ کے جج بنے۔ 1432ھ میں ام القرنی یونیورسٹی کی فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء کی بنیاد رکھی اور اس کے ڈین مقرر ہوئے۔ فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء کے دو ڈیپارٹمنٹس، ”جوڈیشل ڈیپارٹمنٹ“ اور ”اسلامی اقتصادیات و مالیات ڈیپارٹمنٹ“ کو مکمل فیکلٹیوں کا درجہ دلوایا۔ قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت مضمون شباب میں حاصل کی اور مشہور ہے کہ آپ نے سورۃ النساء فریٹک کے اشاروں پر رکنے کے دوران حفظ کی۔ پرسوز، وحشی اور رقت طاری کرنے والی تلاوت فرماتے ہیں، خطابت میں بھی آپ کا اسلوب بے مثال ہے۔ آپ ایسے منفرد موضوعات پر خطبات ارشاد فرماتے ہیں جن کی معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے اور جو عموماً نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ پرمغز اور مدلل گفتگو اور منطقی انداز و اسلوب آپ کے خطبات کے امتیازی اوصاف ہیں۔ حرم کی کے مقبول ترین ائمہ کرام میں آپ بہت نمایاں ہیں۔

